خاندان زبیری کنبوی

(جلد دوم)

(علم الانساب - در اردو)

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ آپس میں پہچانے جاؤ (قرآن پاک)

سلسلۂ زبیریہ

(۲)

خاندان زبیری کنبوی

جلد دوم

یعنی

مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کا تجزیہ

مؤلفہ

جناب مولوی حسین احمد صاحب زبیری کنبوی مارہروی ثم المیرٹھی

سنہ ۱۳۷۰ ہجری — سنہ ۱۹۵۱ عیسوی

مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

طبع اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد پانچ روپیہ علاوہ محصول ڈاک

ہدیہ برائے کتب خانہ منتظمہ ترمیمیہ
از طرف حسین احمد زبیری کنبوی المرقوم ... جنوری سنہ ۱۹۵۲ء

یَعلمُوا مِن اَنسابِکُم مَا تَصِلُونَ اَرحَامَکُم

اپنے نسب سے واقفیت حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرسکو (حدیث شریف)

سلسلۂ زُبَیریہ

(۲)

خاندانِ زُبیری کنبوی

جلد دوم

یعنی

مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کا تجزیہ

مؤلفہ

جناب مولوی حسین احمد صاحب زُبیری کنبوی مارہروی ثم المیرٹھی

سنہ ۱۳۷۰ ہجری — سنہ ۱۹۵۱ عیسوی

مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

طبع اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد پانچ روپیہ علاوہ محصول ڈاک

فہرس الفہرست

انتساب

میں اپنی اس ناچیز علمی خدمت کو نہایت ہی خلوص و محبت اور عقیدت کے جذبات کے ساتھ اس مقدس اور برگزیدہ ہستی کے نام پر معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں جو مولوی **بشیر الدین** صاحب[1] کے نام نامی سے معروفِ زمانہ ہے۔ اور جس کی ستر سالہ قومی و ملکی اور اصلاحی و تعلیمی خدمات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہیں۔ اور اس پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی جبکہ آپ کی عمر کے چورانوے ۹۴ سال گذر چکے ہیں۔ آپ کی قومی خدمات کا سلسلہ اسی جوان ہمتی کے ساتھ جاری ہے۔ اللّٰھم زِد فزِد۔ ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

حسینؔ احمد زبیری

---

[1] خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین صاحب بانی و منیجر اسلامیہ انٹر میجیٹ کالج اٹاوہ و منیجر و ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ۔ آپکو قومی خدمات کیوجہ سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری دی ہے۔



خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین - پی ایچ - ڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

خدائے لایزال کا شکر و احسان ہے کہ ہماری اِس کتاب کی جلد اوّل کے بعد ہی اب یہ جلد دوم بھی چھپکر
ئع ہو گئی ہے ۔ پہلی جلد جس میں مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا تجزیہ کیا گیا ہے اُس کے مقدمہ میں
ے تفصیل کے ساتھ اُن اُمور پر روشنی ڈالی ہے جو اِن کتابوں کی تحریر کا باعث ہوئے ہیں ۔ اِس کتاب میں بھی
ف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کا اِسی طرح تجزیہ کیا ہے کہ اُن کی تحقیقات کے ہر جزو کو من وعن سامنے رکھ کر پوری
نتداری کے ساتھ تواریخی شواہد کو پیش کرتے ہوئے اُن پر روشنی ڈالی ہے ۔ اور اُن کے غلط اِستدلالات ۔ خام نظریات ۔
ئے حالات اور تاریخی واقعات میں کاٹ چھانٹ جیسے اُمور کی قطعی بیخ کنی کر دی ہے ۔ مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب
یک جگہ لکھا ہے کہ "کسی قوم کا اپنی گذشتہ تاریخ کا تجسس اور حسب و نسب کی تلاش میں جد و جہد کرنا اِس امر کی دلیل
وہ اپنے مستقبل کو موجودہ ظلمت سے نکال کر شاندار بنانے کی کوشش کر رہی ہے ۔"

ہم اُن کے اِس جذبہ کی قدر کرتے ہیں ۔ مگر مؤلف موصوف اپنی قوم کو پسماندہ حالت سے نکالنے کیلئے جن طریقوں کو کام میں
ہیں وہ کسی طرح مستحسن قرار نہیں دیئے جاسکتے ۔ ایسے مقاصدِ عالیہ شرافتِ نفس ۔ پرہیزگاری ۔ سچائی اور علم و اخلاق سے حاصل
تے ہیں ۔ من گھڑت کہانیاں سنا کر ۔ واقعات کو چھپا کر ۔ جھوٹ کے انبار لگا کر اور لوگوں کو مغالطوں میں ڈالنے سے کسی کام
یابی نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے ۔ ہماری اِن کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہو گا کہ مؤلفین متذکرہ بالا نے اپنی تحقیقاتوں
نمونے پیش کئے ہیں وہ سراسر دہوکوں اور غلط بیانیوں پر مبنی ہیں ۔ صداقت سے انہیں دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے ۔

مؤلف تاریخ کمبوہان نے کمبوج قوم کا نام کتابوں میں دیکھکر پہلے تو اُسے شاہنشاہ کام بوجیا کی اولاد باور کرانے کیلئے
اقت کا پورا زور صرف کیا ہے ۔ پھر اپنی قوم کمبو کو کمبوج قوم کی باقیات الصالحات اور آرین چھتری منوانے کیلئے نت نئے
ں سے مغالطے دیئے ہیں ۔ مگر جب اِس پر بھی اُن کی تسکین نہیں ہوئی تو انہوں نے زُبیری کنبوی خاندان کی اعلیٰ و ارفع
کو تاریخوں میں پڑھکر اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھکر اِس خاندان کے سکنی لقب کنبوی کو تو چھپا لینے کا ایسا اہتمام کیا ہے کہ
اری کتاب میں اُسے کہیں بھی ظاہر نہیں ہونے دیا ہے بلکہ شہر کنباہ کے بھی کسی زمانہ میں وجود سے قطعاً انکار کر دیا ہے جس کی
سے اِس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کنبوی مثل لکھنوی کے لکھا گیا ہے ۔ اور کنبوی کی "ن ی" کے چھوٹ جانے
لفظ کنبو بنا اُسے بھی جگہ جگہ کمبو لکھکر اپنی قوم کو خاندان مذکور سے چسپاں کر دینے کیلئے اپنی قابلیت کے خوب خوب جوہر دکھائے
ں پر مزید جسارت یہ بھی کی ہے کہ ہمارے والد ماجد مرحوم و مغفور کی کتاب المشاہیر سے "انا نثی" زُبیری کنبوی بزرگوں کے حالا
پنی تاریخ میں لکھکر یہ باور کرایا ہے کہ یہ بزرگ زُبیری نہیں ہیں بلکہ اُن کی قوم کمبو سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اُن کی پہلی بات سے
کوئی غرض نہ تھی وہ جو چاہتے بن جاتے لیکن یہ دیکھکر کہ وہ شاہنشاہ کام بوجیا کی اولاد بنتے بنتے ہمارے خاندان سے بھی
یں ہم پر لازم ہو گیا کہ اُن کی ساری تحقیقات کا تجزیہ کر کے ناظرین کو دکھائیں کہ مؤلف موصوف کی تحقیقات اور تواریخی
ت کیسی ہے اور اُن کی طینت و فطرت کا کیا حال ہے ۔

تاریخ امروہہ اور تاریخ کمبوہان جو موجودہ دَور میں بڑے زور شور سے لکھی گئی ہیں اور جن میں ہمارے خاندان پر طرح طرح
آزمائی کی گئی ہے بلکہ نسب تک کے بدل ڈالنے پر اُن کے مؤلفین نے اپنی لیاقتوں کا پورا زور صرف کر دیا ہے ۔ اگر اِن
میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو ہمیں اُن سے صَرفِ نظر کر لینا پڑتا لیکن جب ہم نے یہ دیکھا کہ اِن کے غلط پروپگنڈوں سے

بُرے اثرات پیدا ہونے کے امکانات ہیں تو ہم اُن سے کسی طرح بھی بے اعتنائی نہیں برت سکتے تھے۔ ہم نے تفاخرِ نسب اور بڑائی کیلئے قلم نہیں اُٹھایا ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف اِسی قدر ہے کہ حقیقت کو حقیقت کی روشنی میں پیش کر دیں تاکہ اِس بات کا سدِ باب ہو جائے کہ پھر کسی کو ایسی لایعنی کتابیں لکھکر اِس خاندان کے مُنہ آنے کی ہمّت نہ پڑ سکے۔

دوسرا مقصد ہمارا یہ بھی ہے کہ نوجوانوں کے سامنے خاندان کے خدوخال پیش کر کے اُن کے بزرگوں سے اِس طرح رُوشناس کرا دیا جائے کہ اُن کی تہذیب۔ اُن کا تمدّن۔ اُن کے رسم و رواج۔ اُن کے گھروں کا ماحول وغیرہ سب باتیں اُن کے سامنے آجائیں اور وہ یہ دیکھیں کہ محسود زمانہ ہونے کے کیا اسباب تھے اور اُن کے بزرگوں میں علمی و عملی کیا خوبیاں تھیں۔ جن سے وہ ہر دَور میں اپنی خاندانی حیثیت کو سنبھالے رہے اور یہ کہ اِس زمانے میں بھی اُن کے قول و عمل کو شاہ راہِ ہدایت بنایا جا سکتا ہے۔

یہ دونوں مؤلف اپنی کتابیں لکھتے وقت شاید بھول گئے تھے کہ ع

دشمن اگر قویست نگہبان قوی تراست

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خدا نے اُن کے زہریلے پروپیگنڈوں سے بچانے کیلئے ہم کو اِس قدر قوّت عطا فرما دی کہ ہم اِس اہم کام کو انجام دینے کے قابل ہو گئے۔ اور یہ عظیم الشان کام اِس آسانی کے ساتھ اتمام کو پہنچ گیا جس کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ صرف اِن کتابوں کے جواب ہی مرتب ہوئے بلکہ حضرت زبیرؓ اور اُن کے اعقاب کا ایسا بے مثل مُرقع متعدّد جلدوں میں تیار ہو گیا جس کے لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہندوستان میں کسی ایک خاندان پر شاید ہی ایسی سیر حاصل کتابیں لکھی گئی ہوں۔ ہم اُوپر بتلا آئے ہیں کہ جلد اوّل کے مقدمہ میں ہم نے اپنے خیالات کا تفصیل کے ساتھ اِظہار کر دیا ہے اِس لئے اِس جلد کے لئے اِسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

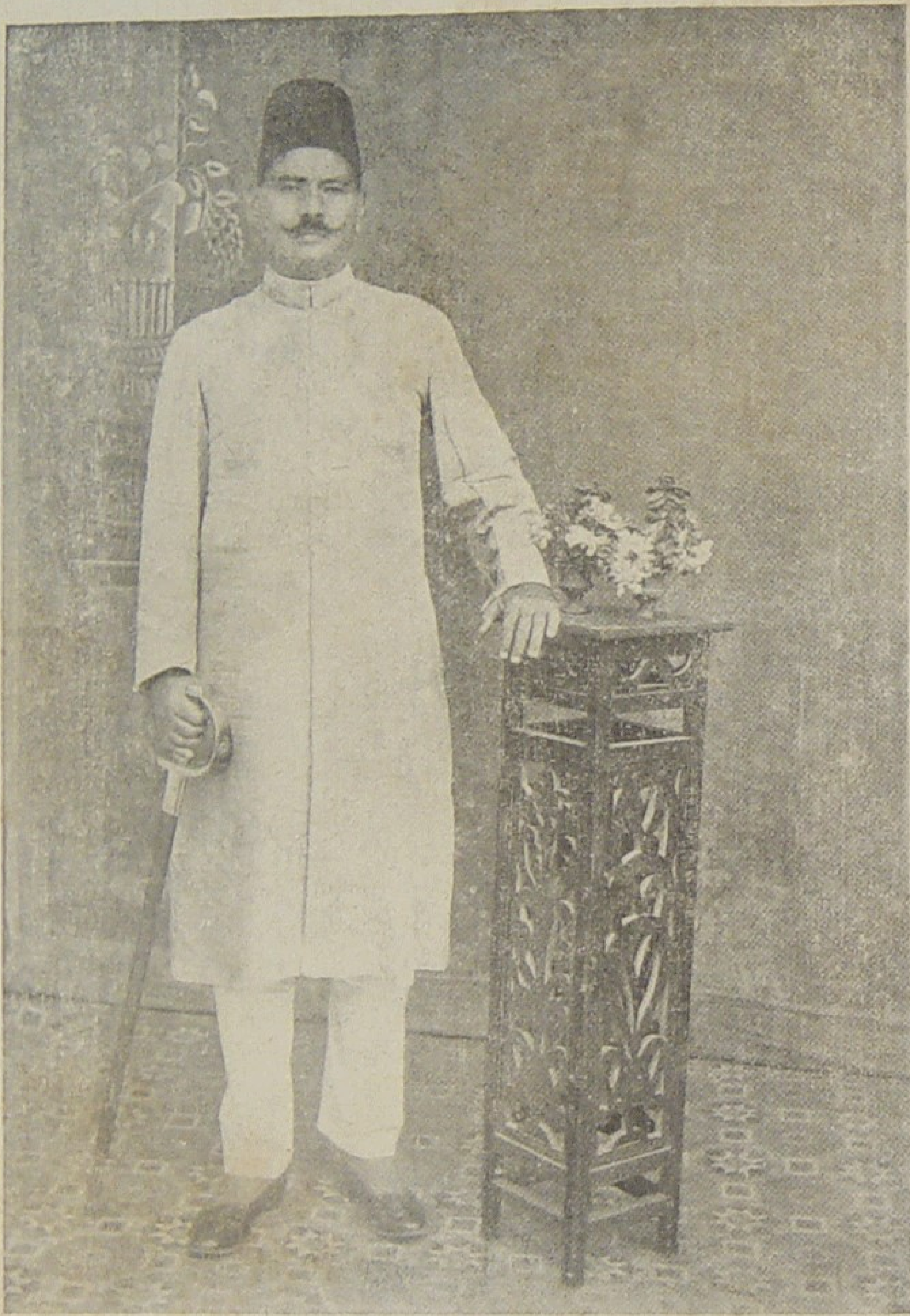
ہمیں اُمید ہے کہ مؤلفین تاریخ امروہہ اور تاریخ کمبوہان جو بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں ہمارے اِس کام کی کھلے دل سے داد دیں گے اور آیندہ کیلئے وہ اپنے اَوقاتِ عزیز کو بہترین مشاغل میں بسر کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ ہماری کتابوں کے پڑھنے سے اُنہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ شیشہ کے گھروں میں رہکر دوسروں پر پتھر برسانے سے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا بلکہ اُلٹا اپنا ہی نقصان ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دیکھیں گے کہ انہوں نے ؎

پامال کر دیا تھا جس کو بہت جتن سے

کیسی بہار تازہ آئی ہے اُس چمن میں

اخیر میں مجھے یہ لکھنا ضروری ہے کہ میرے لئے برادرِ عزیز امداد احمد خاں زبیری سلّمہ اللہ تعالیٰ اسم بامسمّیٰ ثابت ہوئے ہیں۔ اگر وہ مجھے بہم ترغیب نہ دلاتے اور گھر کی تمام ذمہ داریوں سے سُبکدوش نہ کر دیتے نیز متعدّد کتابوں کی فراہمی اور دیگر اُمورات میں تندہی سے میرا ہاتھ نہ بٹاتے تو تالیفات کا یہ عظیم الشان قومی کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اللہ تعالےٰ اِس کی اُنہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ فقط

حسینؔ احمد زبیری



حسین احمد مؤلف

۴۸۶

فہرست مضامین کتاب ہذا

| | باب دوئم صفحہ ۳ | |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب خاندانِ بشری کمبوی

جلد دوئم

یعنی

مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کا تجزیہ

باب اوّل

کمبوہوں کی سابقہ کتب تواریخ ۔ اور مؤلف تاریخ کمبوہان کی اُن سے بے اطمینانی

مؤلف تاریخ کمبوہان چودھری وہاب الدین امرتسری نے صفحہ ۵ و ۶ پر "کمبوہوں کی سابقہ قومی کتب تواریخ پر ایک نظر" کی سُرخی کے تحت "صرف دو رسائل" اور "ایک مضمون" کو پیش کیا ہے "جن میں اُن کی قوم کے تین حضرات نے جُدا جُدا اپنی قومیت کی تحقیق اور اُس پر اپنی رائیں ظاہر کی ہیں لیکن مؤلف تاریخ کمبوہان "اِن تینوں میں سے کسی ایک کے نوشتہ سے بھی مطمئن نہیں ہیں" چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ۔

(الف) صاحب سفینہ مالیری نے "(سفینہ عبد اللہ مالیری ضخامت صفحہ ۳۶ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور در سنہ ۱۳۱۹ ہجری مطابق سنہ ۱۹۰۲ء)" کوئی ناطق فیصلہ نہیں کیا" مختلف اصحاب کی راؤں کو "بجنسہٖ قلمبند فرما دیا ہے" اور بس جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "آپ کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچے"

(ب) یہ ہی حال "مسٹر سراج الدین صاحب طالب کمبوی" کے اِس مضمون کا ہے ۔ جو انہوں نے "انجمن کمبوان پنجاب" کے سالانہ اجلاس امرتسر" منعقدہ ۲۶ ، ۲۵ جون سنہ ۱۹۱۰ء کو پڑھا ۔ وہ بھی کسی ایک نتیجہ پر نہیں پہنچے" انہوں نے بغیر کسی اسناد کے "اپنی ذاتی رائے" یہ ظاہر فرمائی ہے کہ "کمبوہ" "کے" کے خاندان کی یادگار" اور "ایرانی الاصل ہیں" مگر اس پر آپ خود بھی متفق نہیں ہیں"

(ج) شب چند صاحب سنامی پٹیالوی کی تالیف "شب جاگی" کی نسبت البتہ میری رائے ہے کہ وہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی ایک کوشش ہے" مگر افسوس ہے کہ انہوں نے بھی "اپنی راہ تحقیق کو" خس و خاشاک سے پاک نہیں کیا" یعنی

دوسرے مخالف دعاوی کی۔ کافی طور پر تردید نہیں فرمائی۔ علاوہ بریں انہوں نے اپنے چھتری نسل ہونے کا اس قدر ثبوت نہیں دیا۔ جو مخالف کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ حالانکہ ایسا ثبوت کافی طور پر میسر آ سکتا تھا۔ اِن کا طرز بیان۔ طریقۂ بحث۔ اور شستگی زبان بھی۔ ہماری طبیعت کو اپنی طرف راغب نہیں کر سکی۔

مؤلف موصوف کے اِن دو رسائل اور ایک مضمون سے تعارف کرانے سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی ہے کہ اُن کے اور اُن کی کثیر التعداد قوم کے پاس اِن پیش کردہ نوشتوں کے سوا اور کوئی کتاب و تحریر موجود نہیں ہے۔ اِن کتابوں کے نام اور اُن پر اپنی رائے لکھنے کے بعد مؤلف کتاب نے لکھا ہے کہ۔

"اِن نسخوں کے علاوہ" دوسری چند کتابوں میں" جو جزوی حالات درج ہیں۔ اُن کی مثال ایسی ہے" جیسے چند لآلی شاہوار" لاپرواہی سے مختلف مقامات پر بکھیر دیئے گئے ہوں۔" جن کو جمع کر کے ایک سلک میں منسلک کرنا" کسی جوہری کے لئے آسان کام نہیں ہے۔"

مؤلف موصوف کے اس بیان پر ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس کی حقیقت خود ہی ظاہر ہے۔

اپنی قومی کتب میں۔ زبیری کنبوی خاندان" کے حضرات کی تین کتابوں کو بھی شامل کر لینے کی مؤلف تاریخ کمبوہان کی جسارت

البتہ اپنی قومی کتب کے سلسلہ میں مؤلف کتاب نے "سلسلۂ عالیہ" "رسالہ مبارک" اور "المشاہیر" اِن تین کتابوں کے اور نام لکھے ہیں۔ لیکن یہ کتابیں "خاندانِ زبیری کنبوی" سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور "قوم کمبوہ" کے حالات سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

جیسا کہ آگے ظاہر ہو گا۔" انہوں نے" اِس خاندان کے علوئے مرتبت و شان اور علم و فضل کا حال اِن کتابوں میں پڑھ کر اور موجودہ زمانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر۔" نیز اُس کے سکنی لقب کی اپنی قوم "کمبوہ" کے نام سے کچھ مماثلت اسمی پا کر فخر حاصل کرنے کے شوق میں اِس خاندان کو اپنی قوم کا ایک حصہ بتانا ضروری خیال کر کے اُن کی یہ کتابیں اپنی قومی کتب کی ذیل میں لکھ دی ہیں۔ مگر کیونکہ کتب مذکورہ اپنے خاندان کے عربی النسل اور قریشی الاصل ہونے پر متفق ہیں۔" اور مؤلف موصوف کسی طرح بھی اپنی قوم کو عربی النسل ثابت نہیں کر سکتے تھے۔" اِس لئے کوئی چارہ نہ پا کر انہوں نے اپنی قومی کتب متذکرۂ بالا کی طرح اِن کتابوں کے نوشتوں کو بھی غیر تسلی بخش قرار دے دیا ہے۔"

زبیری کنبوی خاندان کے حضرات کی اور بہت کتابوں سے مؤلف تاریخ کمبوہان کی ناواقفیت

فقدانِ واقفیت کی وجہ سے اِن مؤلف صاحب کو یہ معلوم نہیں ہے کہ دودمان عالی شان "زبیری کنبوی" کے دوسرے اور بزرگوں نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں کتابیں لکھی ہیں۔" جن میں سے کچھ کا ذکر ہمارے بیانات میں اِسی نسبی بحث میں کئی موقعوں پر آئے گا۔ اِس خاندان کے اصحاب کی لکھی ہوئی کتابوں کے علاوہ متعدد کتب تواریخ و تذکار قدیم و جدید میں "زبیری کنبوی" خاندان کے نسب پر کافی سے زیادہ روشنی موجود ہے۔" جسے ہم نسبی بحث میں آگے ظاہر کریں گے۔

باب دوئم

قوم کمبوہ کے تاریخی ماخذ کے ناکافی ہونے اور اُس کی تمدنی و معاشرتی پستی کا بیان خود مؤلف تاریخ کمبوہاں کے قلم سے

صفحہ ۱۴ تا ۱۶ پر "ہماری قومی تاریخ کے ماخذ ناکافی ہیں" کی سرخی کے تحت "مؤلف کتاب" نے لکھا ہے کہ۔

(۱) قطع نظر قومی روائتوں "مذہبی" یا "رزمیہ نظم کی کتابوں کے" مجھے کوئی عنوان ایسا نہ مل سکا جو اِس راستہ میں میرے لئے شمع راہ کا کام دے سکتا" اور ہماری قومی روائتوں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے"

(۲) ہمارے قدیم حالات ایسی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ خضر خیال" اِس ظلمات میں جاتے ہوئے ہچکچاتا ہے"

(۳) ہمیں اپنی ہمسایہ اقوام میں "بلحاظ نسل" رنگ" قد و قامت" خدوخال" کوئی ایسا امتیاز حاصل نہیں" جو اِس معاملہ میں ہماری رہنمائی کرسکے" ہندوستان کے تمام باشندے به استثنائے "بھیل" گونڈ" مینا" یوگری" کایا" وغیرہ کے جنہیں ہندوستان کا اصلی باشندہ کہاجاتا ہے" آریہ نسل سے ہیں" اور انہیں میں ہم بھی شامل ہیں" اِس لئے یہ طریق استدلال بھی ہمارے لئے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا"

(۴) بلحاظ زبان کے بھی ہمیں کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے" پنجاب میں بعض غیر مہذب اقوام "بیکن" سانسی" باوریہ" وغیرہ کی اپنی اپنی علیحدہ زبان ہے۔ جس میں وہ اپنی رازدارانہ گفتگو کو عام سامعین کی موجودگی میں ادا کر لیا کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس زبان سے بھی اُن کے زمانہ سلف پر روشنی پڑ سکتی ہے" مگر ہمارے پاس یہ ہتھیار بھی موجود نہیں ہے"

(۵) بقول "مسٹر طالب کمبوہی" رہاشندہ گاؤں کمبوہ۔ از قوم کمبوہ) نہ ہمارے پاس کوئی مستند روایت ہے" نہ کسی خاندان کے پاس "کوئی قابلِ وقعت شجرۂ نسب ہے" نہ کوئی قومی تاریخ" اور "تحریری یادداشت ہے" جس سے انسان صحت اور اطمینان کے ساتھ کوئی دعویٰ پیش کرسکے"

(۶) ہمارے "بھاٹوں" اور "میراسیوں" کا مبلغ علم بھی نہایت قلیل ہے" بلکہ قریب بہ صفر ہے" اور ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُن کی یادداشتوں پر یقین کریں" اور میں بھی مسٹر سراج الدین صاحب کے ساتھ متفق ہوں کہ اُن کی یادداشت ہائے سلسلۂ نسب قابلِ اعتبار نہیں"

(۷) البتہ ہمارے ہندو ہم قوم بھائیوں کے پاس" وہ یادداشتیں موجود ہیں جو اُن کے مقدس مقامات کے "پروہتوں" نے "اموات وغیرہ کی نسبت" تحریر کی ہوئی ہیں" جن سے چند سو سال تک" خاندانی حالات اور شجرہ ہائے نسب کی تفصیل" آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے" مگر ظاہر ہے کہ "قوموں کی تاریخ" میں چند صدیاں۔ دنوں اور ہفتوں کی حیثیت رکھتی ہیں"

(۸) "ہمارا موجودہ طرزِ معاشرت" اور "طریقِ تمدن" اِس درجہ گرا ہوا ہے" اور ہم اِس قدر حضیضِ ادبار میں گرفتار ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ کرنا" کہ ہم کسی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے تئیں ہنسوانا ہے" دولت وثروت" علم ولیاقت" دُنیاوی وجاہت" دینی حالت" ہر ایک معیار میں ہم ناقص ہیں" اپنی ہم عصر اقوام سے۔ اِن باتوں میں ہمیں کوئی مساوات نہیں"

(۹) لیکن بااِیں ہمہ" اگر ہم تجسّس سے کام لیں اور تحقیقات کی روشنی میں آگے بڑھیں ذرا گہری نظر سے کام لیں۔ اور "اِردگرد" ٹٹولیں تو..... قومی روائتوں" پُرانی اور مُستند پُستکوں" اور "گرہنتوں" نظم کی کتابوں" مذہبی صحیفوں" اور بچے کھچے آثار سے" بہت کچھ اصلیت کا پتہ چل سکتا ہے" اِن کتب ہائے تواریخ سے جو غیروں نے اپنے لئے لکھی ہیں" اور جن میں ہمارا بھی ضمناً ذکر کیا ہے" حوالہ جات دستیاب ہوسکتے ہیں" اور ایک دعویدار" مؤرخانہ حیثیت کو قایم رکھ کر" اپنے حسب ونسب کے اعلیٰ ہونے کا" دعویٰ کرسکتا ہے"

یہ بیان اپنی حقیقت خود ظاہر کررہا ہے۔ اس لئے ہمیں اِس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے"

باب سوئم

شہنشاہ کام بوجیا کی اولاد کے متعلق "مؤلف تاریخ کمبوہان کی بے سروپا داستان

"قوم کمبوہ کی کل کائنات" یعنی اس کی تحقیقات قومی پر لکھے گئے دو رسائل اور ایک مضمون سے تعارف کرانے اور ان نوشتوں پر "مؤلف تاریخ کمبوہان" کی رائے" نیز حالت وحیثیت کو دکھانے کے بعد" اب ہم مؤلف موصوف کی اُس تحقیقات کو پیش کرتے ہیں جس کے متعلق اُنھوں نے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے"

"(کمبوہ قوم کا آغاز" شہنشاہ کامبوجیا") کی سُرخی کے تحت مؤلف تاریخ کمبوہان نے صفحہ ۲۱تا۲۴ پر "تاریخ ایران مطبوعہ طہران" طبع چہارم از طرف سررشتہ تعلیم ایران در ۱۳۰۹ھ ہجری" کی یہ تحریر لکھی ہے کہ "ایران کے جنوب میں "فارسیوں" کی "ہخامنش" نام کی ایک سلطنت تیار ہوکر چھوٹی سی ریاست بن گئی تھی" ہخامنش" کی اولاد" "بادشاہ میڈیا" کی باج گذار تھی" جب کورش تک" کہ اس خاندان کا چھٹا بادشاہ ہے۔ نوبت پہنچی۔ تو اُس نے "بادشاہ میڈیا" سے خود مختاری اختیار کرلی۔ اور تمام سلطنت ایران پر قبضہ کرلیا" اور "لیڈیا کی بادشاہت پر بھی" جو ایشیائے کوچک میں تھی" قابو پالیا" پھر مشرقی ممالک کی طرف متوجہ ہوا" (آں گاہ بہ تسخیر ممالک مشرقی شتافت) اُس زمانے میں دوآبہ میں "(یعنی دجلہ وفرات کے دوآبہ میں") بابل" بہت بڑا شہر تھا۔ جس کی دیواریں اُونچی اور مضبوط تھیں" اور دریائے فرات" اس کے بیچوں بیچ سے گذرتا تھا"

کورش اعظم نے اس کا محاصرہ کیا۔ اور جب داخلہ شہر کا راستہ نہ ملا۔ تو لشکر کو حکم

دیا جس نے "دریائے فرات کا" رُخ موڑ دیا" اور اُس کے داخلہ کے راستے شہر میں داخل ہوئے "کورش" نے اہلِ شہر سے مہربانی کا برتاؤ کیا اور یہودیوں کو جنہیں "بادشاہ بابل" گرفتار کر کے لائے تھے" رہائی بخشی اور اُن کے وطن کو واپس لوٹا دیا" کورش" مشرقی قوموں کے ساتھ لڑتا ہوا" ۵۲۹ء قبل مسیح میں" مارا گیا" اُس کا دارالسلطنت" دخترِ مرغاب" میں "شہر بازار گاروے" تھا"

"کورش اعظم" دنیا کے بڑے آدمیوں میں سے ہے۔ اُس نے ایک ایسی سلطنت قایم کی جو اُس زمانے میں دیکھنے میں نہیں آئی تھی "دلیر" آزمودہ کار" جوانمرد" اور "مہربان" تھا" مفتوح اقوام کے ساتھ عدل و انصاف ملحوظ رکھتا تھا"

"کورش" کے دو لڑکے تھے "کامبوزیا" اور "بَرِدیا" جب "کامبوجیا" تخت پر بیٹھا۔ تو اُس نے خفیہ طور پر اپنے بھائی کو مروا ڈالا" اور خود مصر پر حملہ کرنے چلا گیا" اور "آخریق" بادشاہ مصر کو مغلوب کیا" جب ایران کو واپس ہوا۔ تو راستے میں سُنا۔ کہ آتش پرستوں میں سے ایک شخص "گوماتا" نام دعویدار سلطنت ہو کر کہتا ہے کہ۔ میں "بردیا پسر کورش" ہوں" اور اس خیال سے کہ کوئی اُسے پہچان نہ لے" نقاب پوش رہتا ہے" ایرانیوں نے بھی جو "بردیا" کے مارے جانے سے بے خبر تھے" اُس کے دعوے کو مان لیا ہے" کامبوزیا نے اِن خبروں کے سننے کے بعد خودکشی کر لی"

تاریخ ایران کے اِس بیان کے بعد صفحہ ۷۵ پر "آئینۂ تاریخ نما حصہ سوم کے صفحہ ۱۹ سے لے کر یہ لکھا ہے کہ "کامبوجیا" اپنے بھائی "باردیا" کو مار کر تخت پر بیٹھا" اور "مصر پر چڑھائی کی" گوموت نے "بَردیہ" ہونے کا دعویٰ کر کے" ایران کی سلطنت لے لی" اسی کو مار کر یہ داریوش" یعنی پہلا" دارا" تخت پر بیٹھا"

اِن دو بیانات کی حد تک حالات پا کر اور آگے اُن میں "کمبوجیہ" کی اولاد کا کوئی ذکر نہ ہونے سے مجبور ہو کر "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے اپنی اُس عمارت کے لئے جسے انہوں نے بنا کر دکھا دینے کا دعویٰ کیا ہے" تاریخی اسناد سے بے نیازی برتنا مناسب خیال کر کے اپنی اِیجاد کردہ داستان یعنی گھڑت کہانی صفحہ ۲۶ پر ان الفاظ میں تحریر کی ہے کہ۔

"کہا جاتا ہے کہ حالات سے مایوس ہو کر شہنشاہ نے خودکشی کر لی" یا ممکن ہے کہ" ناراض ہمراہی سرداروں نے اُسے ہلاک کر کے اُس کی خودکشی مشہور کر دی ہو" بہر حال شہنشاہ ہلاک ہوا یا ہلاک کر دیا گیا" اور اس کی اولاد و قرابتداروں کو جن پر دنیا تنگ ہو گئی تھی اپنا سر چھپانے کے لئے جائے پناہ تلاش کرنی پڑی" انہوں نے ایران چھوڑ دیا" اور جیسا کہ ہم آیندہ بیان کریں گے"

(آگے مؤلف موصوف نے "اس اپنی طبع زاد کہانی کو دہرا دیا ہے" مگر ساری کتاب میں کہیں بھی وہ کوئی سند اِس بیان کی تصدیق کے لئے پیش نہیں کر سکے")

"دوسرے آریہ قبائل کی طرح مشرق کا رُخ کیا" کمبوج" میں پہنچ کر جو غالباً اُس زمانہ میں "سپت سندھو" کا ایک حصہ اور دشوار گذار پہاڑوں کی وجہ سے نسبتاً مامون و محفوظ مقام تھا۔ قیام کیا" "شہنشاہ کمبوجیہ" کی اولاد "کمبوج" کہلائی"

"اِسی قطعہ اراضی کا نام جہاں انہوں نے پناہ حاصل کی تھی۔ تاریخ عالم میں "کمبوج" کے نام سے مشہور ہوا۔ اب تک اِسی بادشاہ کی اولاد "کمبو" کہلاتی ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کا مؤخر الذکر بیان صداقت اور حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ "تاریخیں شہنشاہ کام بوز کی اولاد کے بارے میں قطعی خاموش ہیں" کہیں کسی جگہ اُن کا ذکر موجود نہیں ہے۔ اِس لئے مؤلف موصوف بھی اُس کے متع اپنے بیان کی سند میں کوئی تاریخی شہادت نہیں پیش کرسکے۔ اُن کے اِس جدیدہ بیان کی جسے انہوں نے اپنے مقصد کے مد نظر پیش کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ من گھڑت کہانی سے زیادہ کوئی وقعت نہیں ہے"

اگر شہنشاہ کام بوزیا کی اولاد "سپت سندھو" یا افغانستان کے کوہستانوں میں پناہ گزیں ہوتی تو وہ "کمبوج" کے نام سے موسوم ہوتی۔ اُس کی حکومت وہاں قایم ہو کر اس ملک کا نام کمبوج پڑتا تو صریحاً نہیں تو کنایتہً اور اشارۃً ہی کہیں کسی تاریخ میں اُن کا ذکر ضرور موجود ہوتا۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کسی کتاب میں اس کا کسی نہج بھی کوئی حال مذکور نہیں ہے۔ "البتہ شہنشاہ کام بوزیا کے زمانے سے پہلے اور بعد اُس ملک میں آکر حکومت کرنے والی اور مقیم ہو جانے والی اقوام کے اذکار تاریخوں میں بالوضاحت ملتے ہیں" یہ تو ہم آگے اپنے موقع پر بتلائیں گے کہ کمبوج کس ملک کا نام تھا جہاں کے رہنے والے کمبوج کہلاتے تھے اور اس قوم کے حالات پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ "جس سے معلوم ہوگا کہ اِس قوم کے مختلف فرقوں نے کن زمانوں میں اپنے وطن سے نکل کر کیا کارنامے انجام دیئے اور وہ کہاں کہاں قیام پذیر ہوئی تھی"

یہاں ہم شہنشاہ کامبوزیا سے صدیوں پہلے کے افغانستان کے صرف اُن عرب بادشاہوں اور خانوادوں کا حال بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کے حالات تاریخوں میں مذکور ہیں اور جن کی اولاد افغانستان میں قیام پذیر ہو کر ہمیشہ نامور رہی جن میں سے ایک سلطان شہاب الدین غوری بھی تھے جن کے کارنامے تاریخوں میں سنہری حرفوں سے لکھے گئے ہیں"

افغانستان کے ہزاروں برس پہلے کے عرب بادشاہ اور خانوادے

شہنشاہ ضحاک سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ جنہوں نے شہنشاہ جمشید کو شکست دے کر ایران و افغانستان وغیرہ ملکوں پر حکومت کی تھی" یہ ضحاک عربی النسل تھے"

داستان عجم ماخوذ از شاہنامہ فردوسی حصہ اوّل مؤلفہ سید حامد علی صاحب حامد مطبوعہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۴ تا ۱۰ پر تحریر ہے کہ چار ہزار برس سے کچھ زیادہ زمانہ گذرا جب عرب میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام "مرداس" تھا۔ یہ بادشاہ بہت نیک دل اور خدا پرست تھا۔ رعایا اس سے بہت خوش تھی" لیکن اُس کا بیٹا "ضحاک" جیسا دلیر اور بہادر تھا ویسا ہی ظالم بھی تھا

...... ایران سے قدیم سلطنت دُنیا میں کوئی نہیں ہے اِس میں سب سے پہلے "کیومرث" بادشاہ ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا پوتا "ہوشنگ بن سیامک" بادشاہ ہوا۔ ہوشنگ کے بعد اُس کا بیٹا طہمورث دیوبند بادشاہ ہوا اور طہمورث کے بعد اُس کا لڑکا "جمشید" بادشاہ ہوا" .... ایک مدت کے بعد جمشید نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اپنی پتھر کی بنوائی ہوئی تصویر کو پجوانے لگا تو اُس کی رعایا نے ناراض ہو کر "ضحاک" سے "جمشید" پر حملہ کرنے کی استدعا کی۔ جمشید اپنی فوج کی نا رضا مندی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا اور اُس کی سلطنت پر ضحاک کا قبضہ ہو گیا" جمشید زابلستان گیا۔ مگر اُسے وہاں سے بھی فرار ہونا پڑا۔ ضحاک کا ایلچی خاقان چین کے پاس جا رہا تھا۔ اُسے ایک دریا کے کنارے پر جمشید سوتا ہوا مل گیا۔ جسے اُس نے گرفتار کر کے ضحاک کے پاس بھیج دیا۔ اور ضحاک نے جمشید کو تختے میں باندھ کر چروا ڈالا" ....

.... جمشید کے وقت "ایران کا دارالسلطنت سجستان تھا" لیکن ضحاک

بیت المقدس قرار دیا۔ مروج الذہب میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ضحاک ہی کے عہد میں مبعوث ہوئے۔ ضحاک کے آباد کردہ شہر کے کھنڈرات اب بھی افغانستان میں قریب بامیان موجود ہیں۔ سلطان شہاب الدین غوری بھی اسی ضحاک کی نسل سے تھے۔ .... ایران کے ماتحت بہت سے چھوٹے چھوٹے بادشاہ بھی تھے از اں جملہ کابل کا بادشاہ "مہراب" بھی تھا۔ "منوچہر" نے جو جاگیر کی سند زال کو دی تھی اُس کا مطلب یہ تھا کہ کابل اور شمالی ہند کے فرمانروا جو خراج منوچہر کو دیتے تھے وہ زال اپنے تصرف میں لایا کرے۔ زابل کا بادشاہ تو خود سام ہی تھا اور سیستان اُس کا پایۂ تخت تھا۔ بقیہ اور مقامات سے وہ خراج تحصیل کرے اور صَرف کرے۔ اِس لحاظ سے مہراب بھی گویا اُس کا باجگذار ہو گیا تھا۔"

"مہراب" ضحاک کی نسل سے تھا اور خاندانی عداوت کی وجہ سے "منوچہر" سے اور اُس سے دلی صفائی نہیں تھی۔ مگر سام کے ہوتے ہوئے اُس کو منوچہر سے سرکشی کی تاب نہ تھی لہٰذا دبا ہوا تھا۔" ....

...... مہراب کی بی بی سیمن دخت کو یہ خواہش ہوئی کہ میری لڑکی رودابہ کی شادی اگر زال کے ساتھ ہو جاتی تو بہت اچھا تھا۔" مگر اُس نے اپنی اِس خواہش کو شوہر پر ظاہر نہ کیا۔ مگر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ زال کو بھی اس کی تمنا ہوئی کہ رودابہ کے ساتھ اُس کی شادی ہو جائے۔" چنانچہ اُس نے اپنے باپ کو لکھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی شادی مہراب کابلی کی دختر کے ساتھ کروں۔" سام کو کچھ تامل ہوا۔ کیونکہ اُس کو بھی خیال تھا کہ یہ قرابت منوچہر کو ناگوار ہوگی۔ مگر یہ بھی خیال تھا اگر زال کو روکوں گا تو اُس کی دل شکنی ہوگی۔" ....

...... رفتہ رفتہ یہ خبر منوچہر کو پہنچی کہ زال کی شادی ضحاک کے خاندان میں ہو رہی ہے تو اُس کو سخت ملال ہوا اُس نے سام کو اپنے بیٹے "نوذر" کے ذریعہ بلوا کر اُس سے کہا کہ "ضحاک کے خاندان کی حکمرانی کسی جگہ میں پسند نہیں کرتا۔ تم فوراً کابل جا کر مہراب کو تخت سے اُتار کر میرے خاندان کے کسی شخص کو وہاں کا بادشاہ بنا دو۔" زال کی شادی ابھی "رودابہ" سے نہیں ہوئی تھی۔" لیکن شادی کے سلسلہ میں وہ کابل میں مقیم تھا۔ جب اُس نے باپ کے اِس ارادے کی خبر سنی کہ وہ مہراب کو تخت سلطنت سے اتارنے کیلئے آ رہا ہے تو زال۔ سام سے راستہ میں جا کر ملا اور دست بستہ عرض کیا کہ میری قسمت میں یہ لکھا ہوا ہے کہ باپ کے ہاتھوں مجھ پر مصیبتیں نازل ہوا کریں۔ پہلے مجھے پہاڑ پر پھینکدیا اور اب یہ ظلم ہو رہا ہے کہ میں دُنیا سے بے نام و نشان ہو کر مروں۔" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ۔ مہراب نے کون سی شرتابی کی جس کی پاداش میں وہ بادشاہی کے قابل نہیں۔" اگر کسی ظالم کی نسل سے ہونا ہی بہت بڑا جرم ہے تو سب سے پہلے اِس جرم کی سزا ہم لوگوں کو ملنی چاہیئے کہ "جمشید کی نسل سے ہیں جس نے خدائی کا دعوےٰ کیا تھا۔" اِس سے بڑھکر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ مہراب بادشاہ کا ہر طرح مطیع اور فرمانبردار ہے اور آپ کا تو دل و جان سے خیرخواہ ہے۔" اُس کی سرکوبی سے گویا دُنیا کو یہ سبق پڑھانا ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کا تابع فرمان نہ ہو اور شیر دل سام کا بھی خیر خواہ نہ ہو۔ ورنہ مہراب کی طرح ذلیل و خوار ہو گا۔"

بیٹے کی تقریر کا سام پر اِتنا اثر ہوا کہ اُس کے خیالات تبدیل ہو گئے۔" اُس نے اپنی خیر خواہیوں اور کارگذاریوں کا ذکر کر کے منوچہر سے یہ تمنا ظاہر کی کہ میں اپنی خدمتوں کا یہ صلہ چاہتا ہوں کہ مہراب سے اگر کوئی قصور ہوا ہے تو وہ معاف فرما دیا جائے۔ اور اُس سے کچھ تعرض نہ کیا جاوے جو شخص کسی قسم کی سرکشی نہ کرے اُس کو سزا دینا ظلم ہے۔" اس نے عریضہ میں اپنی یہ تمنا بھی ظاہر کی کہ میں چاہتا ہوں کہ مہراب کی لڑکی کی شادی زال سے کر دوں۔ کیونکہ زال اُس کا بہت خواستگار ہے۔"

(نوٹ ۱) جمشید کے وقت ایران کا دارالسلطنت بجستان تھا۔ ضحاک نے بیت المقدس قرار دیا۔ مروج الذہب۔ علامہ مسعودی میں ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام ضحاک کے عہد میں مبعوث ہوئے۔" اُس وقت بیت المقدس نہیں بنا تھا۔ نہ اِس نام سے موسوم تھا۔" اُس وقت پہلوی زبان میں اُسے "گنگ دژہوخت" کہتے تھے۔")

سام کا یہ خط منوچہر کو ملا تو وہ سخت اُلجھن میں پڑ گیا۔ اُسے یہ وہم ہو گیا کہ ایران کی سلطنت پھر کہیں ضحاک کے خاندان م
چلی جائے کیونکہ دارومدار اس سلطنت کا سام کے خاندان پر ہے۔ اگر ان لوگوں کی قرابت ضحاک کے خاندان میں ہوئی اور اس شادی
زال کے لڑکا بھی کاہنوں کی پیشین گوئیوں کے مطابق ایسا نامور اور جری پیدا ہوا کہ اس کا ثانی آج تک کوئی نہیں ہوا۔ اور
اپنے نانا کا ساتھ دیا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ایران کی سلطنت پر مہراب کا قبضہ ہوگا۔ پھر یہ بھی خیال کرتا تھا کہ اگر میں اس میں اصرار
ہوں تو کیا عجب ہے کہ سام اسی وقت سے برخلاف ہو جائے کیونکہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی حسرتوں کا خون کبھی گوارا نہ کر
غرض کئی دن سوچ کر اُس نے بھی اختر شناسوں اور کاہنوں سے رائے لی۔ اُن لوگوں نے عرض کی کہ ہم کو اپنے علم سے معلو
ہے کہ "جو لڑکا زال کے خاندان میں پیدا ہوگا وہ سلطنت ایران کا خیر خواہ ہوگا اور اُس سے عظمت و وقعت سلطنت ایران کی بڑ
جائے گی" یہ سُنکر منوچہر کو اطمینان ہوا اور اُس نے سام کے حسب خواہش اُس کے جواب دیا" غرضکہ جب زال جواب خط
پاس لے گیا تو سام نے خود "مہراب" کے یہاں جا کر زال کی شادی رودابہ سے کر دی اور پھر مازندران روانہ ہو گیا۔ ج
سے رُستم پیدا ہوا"

.... سام نے جب سُنا کہ زال کا بیٹا نرالی شان کا پیدا ہوا ہے۔ ہمسر نریمان پیدا ہوا ہے تو وہ سب کا
کو چھوڑ چھاڑ بے اختیار ہو کر پوتے کو دیکھنے کے لئے زابلستان سے روانہ ہوا۔ زال کو جب خبر ملی کہ "سام" "رستم" کے
کو آتا ہے تو ایک ہاتھی پر تخت کھنچوایا اُس پر رستم کو بٹھایا۔ آپ اور مہراب اُس کے جلو میں معہ تھوڑی سی فوج کے سام کے
کو چلا"

ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اوّل مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ مملکت آصفیہ دکن ۱۳۴۴ ہجری کے صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۷ پر تحریر ہے ک
سلاطین غور کے نسب کی بابت تمام مؤرخین کی تقریباً یہی رائے ہے کہ یہ فرقہ ضحاک بادشاہ کی نسل سے ہے۔ غوریوں کا مختصر
ہے کہ جب فریدوں بادشاہ ایران نے قبل ۵۰۰ ق م ضحاک پر فتح حاصل کی تو خاندان ضحاک کے تمام ارکان مقتول اور آوا
وطن ہو گئے" لیکن دو بھائی سوری اور سام" فریدوں کے دربار میں حاضر ہو کر ایرانی حکومت کے ملازم ہوئے" تھوڑ
دنوں تو ان بھائیوں نے فریدوں کے دربار میں زندگی بسر کی۔ لیکن بعد کو فریدوں کو اپنا خاندانی دشمن سمجھکر سوری اور سام
اپنے ہوا خواہوں کے ایک گروہ کے ساتھ نہاوند کی طرف بھاگے۔ اور وہاں پہنچکر انہوں نے اپنے مسکن کو مضبوط اور مستحکم کیا"
قبیلہ کا سردار تھا۔ اور سام نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ دونوں بھائیوں نے یگانگت اور اتحاد کے رشتہ کو مضبوط کیا اور سُ
کی بیٹی کی شادی سام کے فرزند مسمیٰ شجاع کے ساتھ کر دی گئی۔ اِس شادی کے تھوڑے دنوں بعد سام نے دُنیا سے رحلت ک
شجاع اپنے چچا کے زیر سایہ راحت و آرام سے زندگی بسر کرتا رہا" تھوڑے ہی دنوں کے بعد شجاع کے اس زمانۂ عشرت کو حاسدوں
غمازی نے مکدر بنا دیا۔ اور اس کی طرف سے سوری کے ایسے کان بھرے کہ سوری نے مصمم ارادہ کر لیا کہ بیٹی کو شجاع سے الگ کر
بھتیجے کو آوارہ وطن کر دے۔ سوری کے اِس ارادے کی خبر اُس کی بیٹی کے کانوں تک پہنچی اور اُس نے شوہر کو ان تمام باتوں سے
کر دیا" ایک رات شجاع نے شاہی اصطبل میں جا کر دس راس تیز رفتار گھوڑے اور اونٹوں کی چند قطاریں منتخب کیں او
زن و فرزند کو گھوڑوں پر سوار کر دیا۔ اور نقد و دولت جو کچھ جلدی میں لے سکا اونٹوں پر لاد کر غورستان کی طرف بھ
غورستان کے ایک مستحکم اور مضبوط مقام میں پہنچ کر شجاع نے قیام کیا" اس مقام کے استحکام سے شجاع اس قدر مطمئن ہوا کہ خ
میں اُس کے منہ سے یہ نکلا "زومندیش" یعنی اب اِس چیز سے مت ڈرو" اس فقرے کے ادا کرنے سے شجاع کے مسکن کا نا
زومندیش پڑ گیا۔ شجاع نے اس جگہ چند قلعے تعمیر کر لئے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اِتنی قوت بہم پہنچائی کہ ایک عرصہ
ایرانی فوج سے برابر معرکہ آرائی کرتا رہا" لیکن شجاع کو بھی آخر نیچا دیکھنا پڑا۔ اور اُس نے ایرانی سلطنت کی باجگذاری قبول کر

فریدوں کی حلقہ بگوشی سے شجاع کو اندرونی انتظام کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ اس کے حُسنِ سلوک کی خبریں سُن سُن کر ضحاک کی اولاد بھی چہار طرف سے سمٹ کر شجاع کے دامن میں پناہ گزین ہوتی گئی۔ شجاع کے بعد اس کے جانشینوں میں بھی یکے بعد دیگرے سرداری برابر چلی آئی۔ یہاں تک کہ اِس قوم کے اِسلام لانے کے وقت "شنسب" کی نوبت آئی۔ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں غوریوں کا سردار شنسب بن حریق مع اپنے تمام قبیلہ کے مسلمان ہوا۔ حضرت علیؓ نے شنسب اور اُس کی قوم کے حُسنِ عقیدت سے خوش ہو کر غوریوں کی حکومت کا فرمان اپنے ہاتھ سے لکھ کر شنسب کو مرحمت فرمایا۔ مؤرخین نے شنسب کا نسب نامہ اس طرح ضحاک سے ملایا ہے کہ "شنسب بن حریق بن نہیق بن عیسیٰ بن زوزن بن حسین بن بہرام بن حبش بن حسن بن ابراہیم بن سعد بن اسعد بن شد آد بن نظام بن مہشاد بن نریمان بن فریدوں بن سام بن سفید اسپ بن ضحاک بن شہران بن سند بن سام بن مرتاش بن ضحاک الملک"۔ چونکہ غوریوں میں شنسب ہی پہلا شخص ہے جو مُشرّف بہ اسلام ہوا۔ اِس لئے سارا قبیلہ شنسبی کے نام سے مشہور ہوگیا"......

ہارون رشید کا ہم عصر غوری فرمانروا "یحییٰ بن ہناتان" بھی شنسبی تھا جس کا نسب نامہ حسب ذیل ہے "یحییٰ بن ہناتان بن دومش بن درمنش بن پرویز بن شنسب"

یحییٰ کا پوتا سوری بن محمد "صفاریہ عہدِ حکومت میں ایک مشہور شخص تھا۔ اِس سوری کا بیٹا محمد بن سوری سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا" محمود نے محمد شنسبی پر لشکر کشی کی اور اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ محمد کو نظر بند کر کے محمود نے غور کی سلطنت محمد کے بیٹے ابو علی کے سپرد کی۔ آخر ابو علی کے بھتیجے عباس ابن شنسب بن محمد نے زبردستی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ عباس ظالم تھا۔ اپنی بدکرداریوں کا شکار ہو کر غزنوی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ سلطان ابراہیم غزنوی نے غور کی حکومت عباس کے بیٹے محمد بن عباس کے سپرد کی۔ اس محمد کا بیٹا قطب الدین حسن" ہندوستان کے غوری فرمانرواؤں کا جدِ اعلیٰ ہے قطب الدین نے اپنے زمانے میں کسی دشمن پر حملہ کیا اور اس کے قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا لیکن کسی مخالف سپاہی کے تیر کے آنکھ میں لگنے سے وفات پا گیا"

قطب الدین کا بیٹا سام ہندوستان کی طرف بھاگا۔ اس کی داستان طویل ہے" کشتی میں وطن جا رہا تھا کہ طوفان کی وجہ سے کشتی کے ٹوٹ جانے سے سام معہ اپنے ہمراہیوں کے ڈوب گیا" مگر اس کے بیٹے نے کشتی کے ایک تختے کے سہارے تین دن میں خشکی پر پہنچ کر اس ہلاکت سے نجات پائی" رات کو چل کر شہر پہنچا اور ایک دوکان میں سو گیا" چوکیداروں نے اُسے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور سات برس قید کے بعد رہائی ملی۔ اب وہ غزنی کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے زبردستی اُسے اپنے گروہ میں شامل کر لیا" اور دوسرے ہی دن معہ ڈاکوؤں کے سلطان ابراہیم کی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا" سب ڈاکو تو قتل کر دیئے گئے مگر اس کا حال سلطان کو معلوم ہوگیا۔ اور اس نے اعز الدین کو اپنا حاجب مقرر کر لیا" مسعود بن ابراہیم نے تخت نشین ہو کر اُسے غور کا حاکم بنا دیا" اس کے سات بیٹے تھے" اس کے مرنے کے بعد ساتوں فرزندوں نے اپنے دو جتھے قائم کر لئے" پہلا جتھا ملوک بامیان کا ہے" دوسرا جتھا ملوک غور و غزنی کہلاتا ہے" اِس دوسرے جتھے کا پہلا فرمانروا اعز الدین کا پسر دوم قطب الدین محمد داماد بہرام شاہ غزنوی ہے" اسی نے فیروز کوہ بنا کر اور مضبوط کر کے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ مگر بہرام نے قطب الدین محمد کو کسی بہانے سے غزنی بلا کر قید کر دیا اور پھر زہر دے کر ہلاک کر دیا" اس سانحہ سے غزنویوں اور غوریوں میں عداوت ہوگئی" اب غور میں عز الدین کے پسر پنجم سیف الدین نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا اور لشکر کو جمع کر کے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے غزنی پر حملہ کیا۔ بہرام شاہ غزنوی" ہندوستان" بھاگ گیا" سیف الدین نے غزنی کے تخت پر جلوس کیا۔ برف سے غور کا راستہ بند ہو جانے پر غزنویوں نے بہرام کو بلا لیا" جس

جس نے سیف الدین اور اُس کے وزیر کو قتل کر دیا۔ بہاؤ الدین اُس کے چھوٹے بھائی نے یہ سُنکر غزنی پر حملہ کا ارادہ کیا تھا کہ اُس
ایک پھوڑے سے وفات ہوگئی۔ اب ساتویں بھائی علاؤ الدین جہاں سوز نے غور کے تخت پر بیٹھکر غزنی پر حملہ
بہرام بھاگ نکلا اور یہ شہر کو جلا کر اور بربادی پھیلا کر واپس غور آگیا۔ اِسی قطب الدین جہانسوز کے بھتیجے غیاث ا
اور شہاب الدین تھے جو بہاؤ الدین مذکور کے بیٹے تھے۔ علاؤ الدین جہانسوز کی وفات کے بعد جو ۵۵۱ھ ہجری میں
اُس کا بیٹا سیف الدین تخت پر بیٹھا۔ اس کے ایک لڑائی میں قتل کے بعد غیاث الدین محمدؒ نے اپنے ہاتھ میں حکو
کی باگ لی۔ اور اپنے بھائی شہاب الدین کو سپہ سالار بنایا۔ جس نے ہندوستان فتح کیا۔ اور رائے پتھورا کو قتل
کرکے دہلی پر قبضہ کیا۔ اور اس ملک کو اسلامستان بنا دیا۔ سلطان غیاث الدین نے ۵۹۹ھ ہجری میں اِنتقال
جن کے بعد سلطان شہاب الدین غوری تخت نشین ہوئے۔ اور ۶۰۲ھ ہجری میں شہید ہوگئے۔

شہنشاہ ایران ضحاک کی اولاد و قبیلہ کے علاوہ افغانستان میں ایک دوسری قوم کے آنے اور بس جانے
بھی تاریخوں میں مذکور ہے جو شام و فلسطین سے آکر ایران کے شمال مغربی حصہ۔ پشتیہ یا پارتھیا یا طبرستا
آذربیجان میں آباد تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھی۔ اس قوم نے ایران پر قریباً پانچ سو برس جاہ و جلال کے سا
شہنشاہی یا فرمانروائی کی مگر جب ۲۲۶ء میں ساسانیوں نے مذہبی بغاوت کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا تو یہ قوم وہاں
نقل مقام کر کے افغانستان کے پہاڑی مقامات میں آکر آباد ہوگئی۔ چنانچہ اب تک اِس ملک میں موجود ہے۔ ایک حصہ اِ
قوم کا سندھ و گجرات کے راستہ سے ہوتا ہوا جنوبی ہند پہنچا۔ جہاں اُس نے ایک زبردست سلطنت قایم کر لی۔ جو قر
چار سو برس تک قایم رہی۔ اسی جنوبی ہند کی سلطنت نے کمبوڈیا (یا کمبوجا) ہند چینی اور ملحقہ جزایر میں نو آبادیاں قایم کی
اِس قوم کے تفصیلی حالات آگے ہم لکھیں گے۔ یہاں اِسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اِن متذکرہ بالا خانوادوں کے حالات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ اگر شاہنشاہ کامبوزیا کی اولاد کبھی سِ
سندھ یا افغانستان میں آئی ہوتی تو اس کا ذکر بھی کسی کتاب میں ضرور ہوتا۔ اور اُس کی سند پیش کرنے کے بجائے مؤلف
"تاریخ کمبوہان" کو غالباً لکھکر یہ کہانی گھڑ لینے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

بابِ چہارم

تاریخ فرشتہ کے نوشتہ میں مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحریفیں

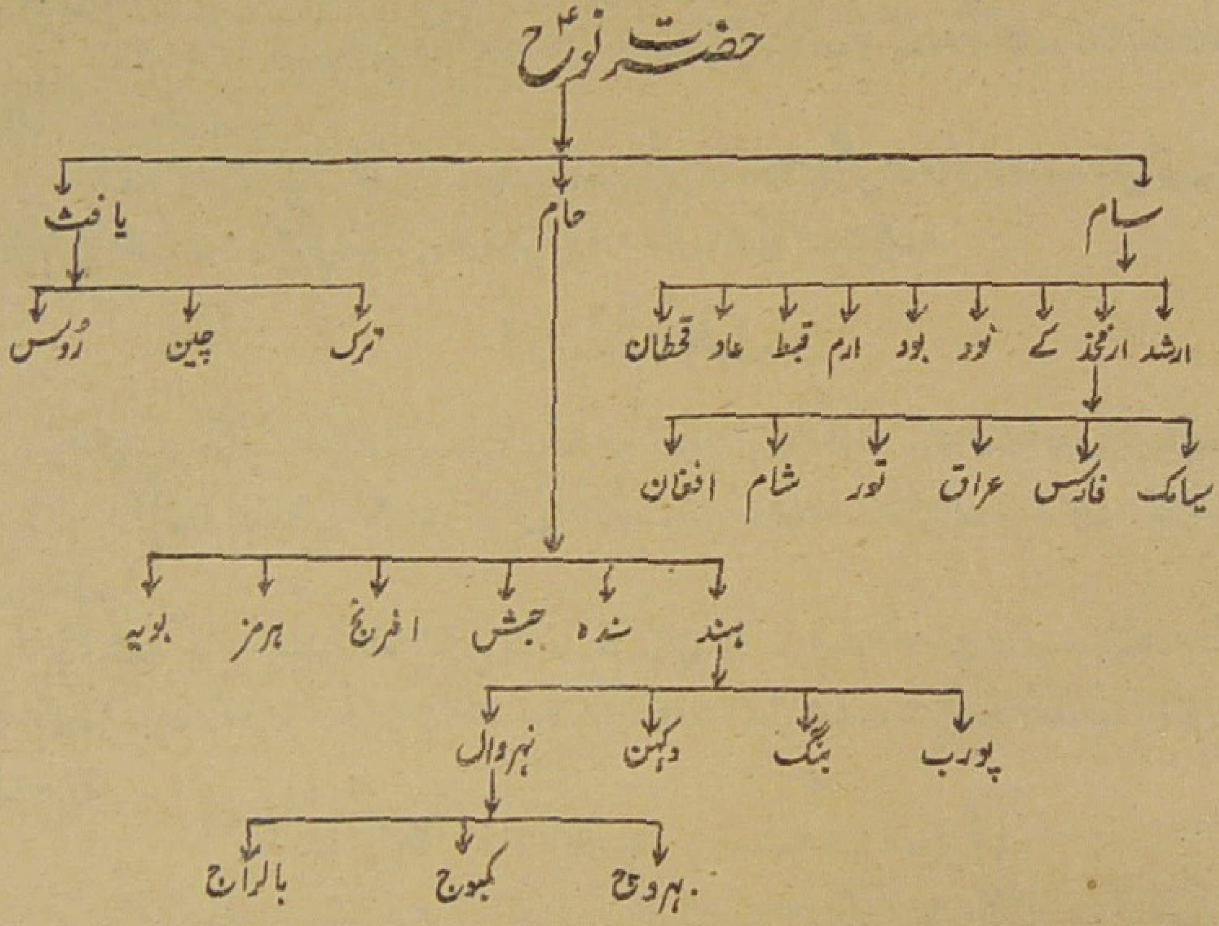
"تاریخ کمبوہان کے صفحہ ۶ تا ۸ پر "شہنشاہ کامبوجیا کا شجرۂ نسب بروئے روایات مؤرخین اسلام"
کی سُرخی کے تحت اِس طرح تحریر کیا گیا ہے کہ "مؤرخین اسلام تحریر کرتے ہیں کہ "طوفان نوحؑ نے
بڑھکر اور پھل پھول کر مختلف اقطاع عالم میں نو آبادیاں قایم کیں"

حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے "سام" "حام" "یافث"

سام کے لڑکے ارشد۔ ارفخذؔ کے "نود" "بود" "ارم" "قبط" "قحطان" "ماد" تھے۔ جن کے
ناموں سے "ایشیا کی بعض قومیں" اور ممالک موسوم ہیں"

یافث کے بیٹے "روس" "چین" اور "ترک" تھے"

"حام کی اولاد" ہند" سندھ" حبش" افرنگ" ہرمز" بویہ" تھے" جن کے نام پر اس وقت تک " ممالک سندھ" حبش" ہند" فرنگستان" موسوم ہیں"
"سندھ کی اولادیں" ٹھٹھہ و ملتان" دو پسران" اور" ہند کے" پورب" بنگ" " دکھن" نہروال" فرزندان ہوئے" نہروال کے تین بیٹے بیان کئے جاتے ہیں"
" بہروج" کمبوج" بالراج" اسی کمبوج کو" کمبوؤں کا جدِ امجد تصور کیا جاتا ہے۔ جس نے" ملک کمبوج کو آباد کیا" نسب نامہ ہذا بطور شجرہ درج ذیل ہے"



مؤلف صاحب کے اس بیان اور شجرہ میں کئی غلطیاں ہیں" یعنی اس بیان اور تاریخ فرشتہ کے بیان میں مندرجہ ذیل فرق ہے" (۱) یہاں جو اولاد" ارفخذ" کی بتائی ہے" تاریخ فرشتہ میں اُسے" ارفخذ کے دوسرے بیٹے" کیومرث" کی اولاد بتایا گیا ہے" (۲) یہاں" افغان" لکھا ہے۔ مگر تاریخ فرشتہ میں" ؤمغان" ہے۔ (۳) اور بجائے" کمبوج" کے تاریخ فرشتہ میں" کنباج" تحریر ہے۔ (۴) اور" روس" کے بجائے" آردیس" لکھا ہے" اور یہ بہت بڑے فرق ہیں۔ جن کی اہمیت کو تاریخوں پر عبور رکھنے والے اور ارباب نظر و محقق حضرات خوب جانتے اور سمجھتے ہیں"

اس موقع پر" تاریخ فرشتہ" کی پوری عبارت کو بجنسہٖ لکھ دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں" جو یہ ہے کہ۔

(نوٹ ۱) آئین اکبری جلد دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے صفحہ ۲۹۹ پر ہے کہ" نوحؑ کا بیٹا (حام)" طوفان فرو ہونے کے بعد" ہندوستان" آیا" دوسرے ممالک کے مؤرخین" ہندوستانیوں کو اُسی کی اولاد کہتے ہیں")

فرزندانِ سام بن نوحؑ

"سام" نوح علیہ السلام کے فرزند اکبر اور اُن کے جانشین تھے۔ اُن کے نوے لڑکے پیدا ہوئے ہیں۔ "ارشد" "ارفخشد" "نود" "بود" "ارم" "قبطہ" "عاد" اور "قحطان" انہیں کے بیٹے ہیں۔ اور عرب وغیرہ کے تمام قبیلے اُنہیں کی نسل سے ہیں۔ چنانچہ حضرت ہودؑ "صالحؑ" اور ابراہیمؑ اپنا سلسلۂ نسب "ارفخشد بن سام" تک پہنچاتے ہیں۔

ارفخشد کے دوسرے بیٹے کا نام "کیومرث" ہے۔ جو "عجم" کے بادشاہوں کا مورثِ اعلیٰ ہے۔ "کیومرث" کے چھ بیٹے پیدا ہوئے "سیامک" "عراق" "فارس" "شام" "تور" اور "تومغان"۔

ان میں سے "سیامک" باپ کا جانشین ہوا۔ اور دوسرے پانچ بیٹے جس جگہ گئے وہ جگہ اُنہیں کے نام سے موسوم ہوئی اور وہاں اُن کی اولاد آباد ہوئی۔

بعضوں کا عقیدہ ہے کہ "نوحؑ" کے ایک بیٹے کا نام "عجم" تھا اور تمام "عجمی" اسی کی اولاد ہیں۔ "سیامک" کے بیٹے کا نام "ہوشنگ" ہے۔ "عجم" کے تمام بادشاہ "یزدجرد" تک اسی کی نسل سے ہیں۔

ذکر فرزندانِ یافث

"یافث" باپ کے حکم کے مطابق "مشرق اور شمال کی طرف گئے اور وہیں جاکر آباد ہوئے۔" اُن کے متعدد بیٹے پیدا ہوئے۔ مشہور بیٹے کا نام "ترک" ہے۔ تمام ترکی قومیں یعنی "مغل" "ازبک" "چغتائی" اور "ایران و رومیہ" کے چغتائی "ترک" کی نسل سے ہیں۔

"یافث" کے دوسرے بیٹے کا نام "چین" تھا۔ ملک چین اسی کے نام سے موسوم ہے۔ تیسرے بیٹے کا نام "آرویس" ہے۔ "آرویس" کی اولاد شمالی ممالک کی سرحد پر ظلمات تک اُتر کر آباد ہوئی۔ اہلِ تاجیک "وغور وسقلاب" "اسی" "آرویس" کی نسل سے ہیں۔

فرزندانِ حام کا ذکر۔ اور مملکت ہند کی آبادی

حام نے اپنے عالی قدر باپ کے حکم کے موافق دُنیا کے جنوبی حصّے کی طرف متوجہ ہوکر اُس ملک کے آباد اور خوش حال کرنے کی کوشش کی۔ "حام" کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں "ہند" "سندھ" "حبش" "افرنج" "ہرمز" "بویہ" ان کے ہر بیٹے کے نام پر ایک شہر آباد ہوا۔

حام کے مشہور ترین بیٹے نے جس کا نام "ھند" تھا۔ مملکت ہندوستان کی طرف توجہ کی اور اُسے خوب آباد و سبز کیا۔ اس کے دوسرے بھائی "سندھ" نے ملک سندھ میں اپنا قیام کر کے "شہر ٹھٹھہ" اور "ملتان" کو اپنے بیٹوں کے نام پر "ہند" کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام "پورب" دوسرے کا "بنگ" تیسرے کا "دکھن" چوتھے کا "نہروال" تھا۔ جو ملک و شہر کہ آج کل ان ناموں سے مشہور ہے۔ انہیں کا آباد کیا ہوا ہے۔

دکھن بن ہند کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام "مرہٹ" دوسرے کا نام "کنہڑ" تیسرے کا نام "تلنگ"۔ دکھن نے اپنے ملک کو اپنے تینوں بیٹوں پر برابر تقسیم کیا۔ اس زمانے میں جو "ملک دکن میں" یہ تین مشہور قومیں ہیں۔ وہ دکن کے تینوں بیٹوں کی نسل سے ہیں۔

"نہروال بن ہند" کے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام "بہروج" "کنباج" اور "مالراج" ہیں۔

ان بیٹوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے۔ جہاں اُن کی نسل کے لوگ اب تک موجود ہیں۔

بنگ بن ہند سے بہت سی اولاد پیدا ہوئی۔ جن سے "ملک بنگالہ" آباد ہوا۔ پُورب بن ہند کے جو اپنے باپ کا ارشد تھا، بیالیس (۴۲) بیٹے پیدا ہوئے۔ اور تھوڑے ہی زمانے میں۔ ان کی اولاد اتنی بڑھی کہ انہوں نے انتظام ملک کے لئے اپنے میں سے ایک شخص کو سردار و فرمانروا بنایا جس کا نام "کشن" تھا۔

"یہ کشن" وہ مشہور "سری کرشن" نہیں ہے۔ جس کی بابت اہلِ ہند نے نادرالوجود قصے" اور خلاف قیاس حکائتیں و روائتیں" اپنی کتابوں میں نقل کر کے اسے معبودیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا ہے"

"آئینہ تاریخ نما" سے "مؤلّف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ اقتباس کی حقیقت"

تاریخ فرشتہ کے بیان اور "مؤلف تاریخ کمبوہان" کے تحریر کردہ بیان و شجرہ کے فرق کو دکھانے کے بعد اب ہم "فرشتہ کے بیان پر" مؤلف موصوف کی جو رائے ہے اسے بھی دکھا دینا مناسب سمجھتے ہیں" وہ "راجہ شیو پرشاد" کی کتاب "آئینہ تاریخ نما" حصہ سوم کے ص ۱۹ سے لیکر "شہنشاہ کمبوجیہ" کے بزرگوں کے بارے میں اپنی کتاب کے ص ۲۷ و ۲۸ پر جو یہ بیان لکھ چکے ہیں کہ "دیکھو نقش رستم کے پرانے کتابے میں" ایران" کا "شہنشاہ دارا" کیا کہتا ہے" یہ وہ دارا نہیں ہے جو سکندر سے لڑا تھا" یہ سنہ عیسوی سے چار سَو پچاسی برس پہلے مر ا تھا" فردوسی" نے "شاہنامہ" میں "ایران" کے تمام بادشاہوں کے نام اور نسب غلط لکھ دیئے ہیں" یہ دارا" جس کا صحیح نام "داریوش" ہے۔ ایران کی پارسی زبان میں جو ایک طرح کی سنسکرت تھی یعنی اسی جڑ سے نکلی تھی جس سے سنسکرت نکلی ہے" لکھتا ہے "میں دارا بادشاہ" بڑا بادشاہ" بادشاہوں کا بادشاہ" سارے آباد ملکوں کا بادشاہ" اس بڑی زمین کا سنبھالنے والا" بشتاسپ ہخامنشی" کا بیٹا" پارسی پارسی" کا بیٹا" آریہ آریہ کا بیٹا ہوں" اور نسب نامہ ایران کے بادشاہوں کا۔ اس کتبہ میں یُوں لکھا ہے کہ "ہخامنش کا بیٹا چیپائیش" اُس کا بیٹا آریام" اُس کا بیٹا ارشام" اس کا بیٹا بشتاسپ گشتاسپ" اس کا بیٹا داریوش یعنی دارا" اس کا بیٹا کشیارش" جس کو انگریز از کسس" کہتے ہیں" اس کا بیٹا ارتکتشر" اس کا بیٹا داریوش دوسرا" اس کا بیٹا ارتکتشر دوسرا" اس کا بیٹا ارتکتشر تیسرا" اور کورش" جسے مسلمان کیخسرو" کہتے ہیں" اسی ہخامنشی خاندان سے تھا اور سنہ عیسوی سے پانچسو تیس ۵۳۰ برس پہلے مرگیا" اس کا بیٹا کمبوجیہ اپنے بھائی بَردیہ کو مار کر تخت پر بیٹھا" اور مصر پر چڑھائی کی" گومت" نے "بَردیہ" ہونے کا دعویٰ کر کے ایران کی سلطنت لے لی" اسی کو مار کر" داریوش" یعنی پہلا دارا" تخت پر بیٹھا"

اس بیان کے مقابلہ میں "صاحب تاریخ کمبوہان" نے اپنی رائے ان الفاظ میں ص ۲۸ پر تحریر کی ہے کہ "اس شجرۂ نسب (یعنی فرشتہ کے شجرے") اور سابقہ شجرے میں (یعنی راجہ شیو پرشاد کے شجرے میں) ظاہری اختلاف ہے" لیکن ہر دو تاریخی کتابوں کا" بالخصوص راجہ شیو پرشاد صاحب کا شجرہ"—— چونکہ نقشِ رستم سے ماخوذ ہے" جو ایک کتبہ ہے" اور خود شہنشاہ دارا کا لکھوایا ہوا ہے۔ اس لئے اس کے صحیح ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا"

لیکن برخلاف اس کے "تاریخ فرشتہ والے" مندرجہ بالا شجرے میں "کمبوج" کو "نہروال بن ہند بن حام بن نوح" کا پسر ظاہر کیا گیا ہے" جسے فارس کی اولاد میں سے ہونا چاہیے" مگر فارس کو "سام کی نسل میں دکھایا گیا ہے" حالانکہ "آریہ قوم" سام کی نسل سے نہیں" بلکہ حام کی اولاد بتائی جاتی ہے"

بہرحال یہ شجرۂ نسب روائتی ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا بیان ہوتا ہے۔ مؤرخین اسلام نے بھی اس کو "زبانی روایات" سے اخذ کیا ہے۔ کسی علمی تحقیقات یا نسلوں کی تفتیش و تلاش پر مبنی نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے ہمراہ معقول دلایل و براہین ہیں۔ اس لئے ہم اس کو اس حد تک قابلِ استنباد تصوّر نہیں کر سکتے۔ جس حد تک ان حالات و کوایف کو تصوّر کرتے ہیں۔ جو علمائے مغرب نے بڑی کدو کاوش اور کنج کاوی و موشگافی سے عمر ہائے دراز صرف کر کے جمع کئے ہیں۔ چونکہ اس شجرہ کا ذکر "اکثر کتب تواریخ میں موجود تھا" اس لئے اس جگہ اس کا ذکر کرنا ضروری تصوّر کیا گیا ہے۔

ان شجرہ ہائے انساب میں یہ نقص بھی بالعموم ہوا کرتا ہے کہ۔ ان میں بیسیوں اور درجنوں غیر مشہور نام نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ اور مشہور مشہور ہستیوں کے نام بھول لائے نہیں جاتے یہی وجہ ہے کہ "طوفانِ نوحؑ سے رسول کریم صلعم کی بعثت کے زمانے تک جو "آٹھ ہزار سال سے پچیس ہزار سال تک اندازاً بیان کیا جاتا ہے۔ شجرہ ہائے نسب میں صرف چند کوڑیاں نام گنائے جاتے ہیں۔ (ایک کوڑی بیس کے عدد کو کہتے ہیں۔)

صاحب آئینۂ تاریخ نما کے اعتراض و غلط بیانی کی تردید اور مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط فہمی کی اصلاح

مؤلف تاریخ کمبوہان کی اس عجیب و غریب رائے پر مرحبا کہنے کے بعد ہم اُن کی غلط فہمی کی اصلاح کے لئے یہ باتیں بتا دینا [illegible] سمجھتے ہیں کہ:۔ (۱) راجہ شیو پرشاد نے اپنی کتاب میں فردوسی کے شاہنامے پر جو اعتراض کیا ہے۔ اُس کی تردید علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف شعرالعجم حصّہ اوّل مطبوعہ سلطان بک ڈپو مچھلی کمان حیدر آباد دکن کی اُس بحث سے جو صفحہ ۸۷ تا ۹۳ پر شاہنامہ کے متعلق [illegible] پر تفصیل سے موجود ہے۔ بخوبی ہوتی ہے "یہاں ہم اس بحث کے صرف ذرا سے ٹکڑے کو ہی پیش کر سکتے ہیں۔ صفحہ ۸۶ پر ہے کہ براؤن صاحب لکھتے ہیں" معلوم ہوتا ہے۔ فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہے۔ اور ہماری نظر میں اُس کی وقعت یہ دیکھ کر اور بڑھ جاتی ہے کہ جن کتابوں سے اس نے شاہنامہ لکھا ہے اُن سے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہے۔"

ترجمان القرآن جلد دوم "مولانا احمد ابو الکلام آزاد" کے صفحہ ۴۱۶ پر "سورۂ الکہف (۱۸) مکی ۱۱۰ آیات کی تفسیر تحریر ہے کہ "دو سینگوں کا تخیّل ابتداءً کیوں پیدا ہوا۔ کیا اس کی بنیاد "دانیال نبی" کا خواب تھا۔ یا بطور خود "سائرس" یا باشندگانِ پارس نے یہ تخیّل پیدا کیا۔ اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کر لی جائیں تو سائرس سے لے کر "آرٹا زرکسیز" (ارتخششت) اوّل تک تمام شاہانِ فارس "انبیاءِ بنی اسرائیل سے عقیدت رکھتے تھے اور [illegible] ہو سکتا ہے کہ "اسی خواب سے ذوالقرنین کا لقب پیدا ہو گیا ہو" بہرحال اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ سائرس [illegible] ذوالقرنین سمجھا جاتا تھا۔ اور یقیناً عرب کے یہودی بھی اُسے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔" اس بیان پر جو نوٹ ترجمان القرآن میں ہے وہ یہ ہے کہ "یاد رکھنا چاہیئے کہ شاہان فارس کے ناموں نے مختلف زمانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں۔ اور [illegible] کی وجہ سے مؤرخوں نے سخت غلطیاں کی ہیں۔"

(۱) سائرس کا اصلی نام "گورو یا گوروش" تھا۔ جیسا کہ دارا کے کتبہ بے ستون سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یونانی اُسے سائرس کہنے لگے اور یہودیوں نے اُس کا تلفظ خورس کی شکل میں کیا۔ چنانچہ یسعیاہ "ارمیاہ" اور "دانیال" کے صحایف میں جا بجا یہ نام آیا ہے۔ اور یہ ہی گورش ہے جس نے عربی میں خسرو کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ عرب اُسے کیخسرو کے نام [illegible]

...ار تے ہیں۔ (۲) سائرس کا لڑکا "کیم بی سیز" یہ بھی یونانی تلفظ ہے" اس کا پارسی نام "کمبوجیہ" تھا جس نے عربوں"
...ر یہودیوں کی زبان پر "کیقباد" کی شکل اختیار کر لی" شاہنامہ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ کیونکہ اس کی بنیاد عربی تراجم پر تھی"
(۳) کیقباد کے بعد دارایوش ہوا۔ جسے عام طور پر دارا کے نام سے پکارا جاتا ہے" اور تورات میں بھی یہی نام آیا ہے۔
(۴) دارا کے بعد آرٹا زرکسیز ہے۔ اسے تورات میں ارتخششت کے نام سے یاد کیا ہے" اور عربوں میں
...ردشیر" مشہور ہو گیا"

اور صفحہ ۴۰۲ میں نوٹ ہے کہ دارا نے بے ستون کے کتبہ میں اپنا سلسلۂ نسب "ہنی منش" نامی بادشاہ سے ملایا ہے
...ہی منش" یونان میں "ایکے مینیس" ہو گیا" ہیروڈوٹس" کی روایت کے مطابق یہ سائرس کا پڑدادا تھا" یعنی
...یکے مینیس سے "ٹیسز پیز" (چائش پش) پیدا ہوا" اس سے "کیم بی سیز" (کمبوجیہ یا کیقباد اول) اور کیم بی سیز
...سائرس" سائرس نے اپنے لڑکے کا نام بھی "کم بی سیز" (کمبوجیہ یا کیقباد) رکھا تھا"

"جارج مارٹن ایبرس" مشہور جرمن ماہر علوم کی مترجمہ کتاب "ایجپشین پرنسس" مطبوعہ آگرہ اخبار پریس آگرہ" کے
صفحہ ۹ پر تحریر ہے کہ "فتح مصر" کے بعد ہی "بڑدیہ" کی موت کے واقعہ کے ذکر کرنے میں میں نے ہیروڈوٹس کا اتباع کیا ہے اس لئے
...ہ بے ستون" کا جو معمولی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں" کتبہ مذکور میں جو عبارت ہے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے"

ہمارے خاندان کا ایک شخص "کمبوجیہ" نام "کورو" کا فرزند پہلے یہاں (ایران میں) بادشاہ تھا۔ اور اس کا
...ک بھائی "برتیا" نام جس کے ماں باپ وہی تھے جو کمبوجیہ کے تھے" بنابریں "کمبوجیہ" نے "برتیا" کو قتل کر دیا"

عـ۱ اصل عبارت مذکور (مع ترجمہ فارسی) حسب ذیل ہے"

کمبوجیا ناما کوراوس	پترا اما کہام تا دمایا ہودم - او اخشایا تیا اہادہیا
...قبل ازانکہ من بادشاہ شوم کمبوجیا نام پور کورش	از تخمۂ ما او اینجا - بادشاہی داشت او
...کمبوجی یہیا براتا بار دیا ناما آہا	یہ ماتا پسر وا کمبوجیا - آدم بار دیم اواجا تیا
...کمبوجیہ برادرے بار دیا نام داشت	از یک مادر و پدر بس کمبوجیا آں برادرش باردیا اکشت چون

کمبوجیا بار دیم اواجا
ترجمہ:- کمبوجیا بار دیا را اکشت

(۲) ہخامنشی فارسی کے الفاظ یہ ہیں "پسر وا کمبوجیا آدم بار دیم اواجا" یعنی پس کمبوجیہ آں برادرش بردیا را کشت"
...یہ "رالسنن" کے ترجمہ کے مطابق ہے۔ جس نے "پسروا" کا ترجمہ "پس یا پس ازاں" لکھا ہے" میں اس کتاب میں جو عوام الناس
...لئے ہے۔ زبان کی بحثوں میں نہیں پڑ سکتا۔ تاہم ناواقف سے ناواقف آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ "لفظ بنابریں" اوپر کے
...مضامین کے تعلق کے لحاظ سے کوئی معنی نہیں رکھتا"

تمام دیگر امور میں "کتبہ بے ستون" "ہیروڈوٹس" کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے" اور میں اچھی طرح اس
...ات کو جو "سیلی کانیسین" اور "داریوش" دونوں کے بیانوں میں معلوم ہوتا ہے" واضح کر کے دور کر سکتا ہوں"
...فی الحال اس کام کو کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی رکھتا ہوں"

ہیروڈوٹس کا جو درجہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ "اسے مورخین کا باوا آدم کہا جاتا ہے" سکندر اعظم کے مصر و ایران
...فتح کرنے سے بہت پہلے اور "کمبوجیہ" ثانی کی تخت نشینی سے کم و بیش پچھتر سال بعد ہی اس کا زمانہ ہے" تاریخ ہند قدیم جلد
...مصنفہ مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی میں "تاریخ ہند قدیم اور یونانی واقعہ نگار" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ

"یونانیوں میں غالباً سب سے قدیم اور مشہور "ہیروڈٹس یا حیرادوطوث یا ہیروڈوٹس ہے" اُس کا زمانہ ۴۵۰ قم کے قریب
اُس کی واقفیت دریائے سندھ کے قریبی ممالک اور مغربی ہند تک تھی" اسی لئے مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنی کتاب میں کمبو
کے باپ "دادا" پردادا" اور نگڑ دادا" کے ناموں کے لئے سوائے ہیروڈوٹس کے کسی دوسرے کے بیان پر اعتماد نہیں
اور جارج مارٹمز ہیبرس مشہور جرمن ماہر علوم نے بھی صاف طور سے لکھا ہے کہ "کتبۂ بے ستون" ہیروڈوٹس" کے بیان
مطابقت رکھتا ہے"

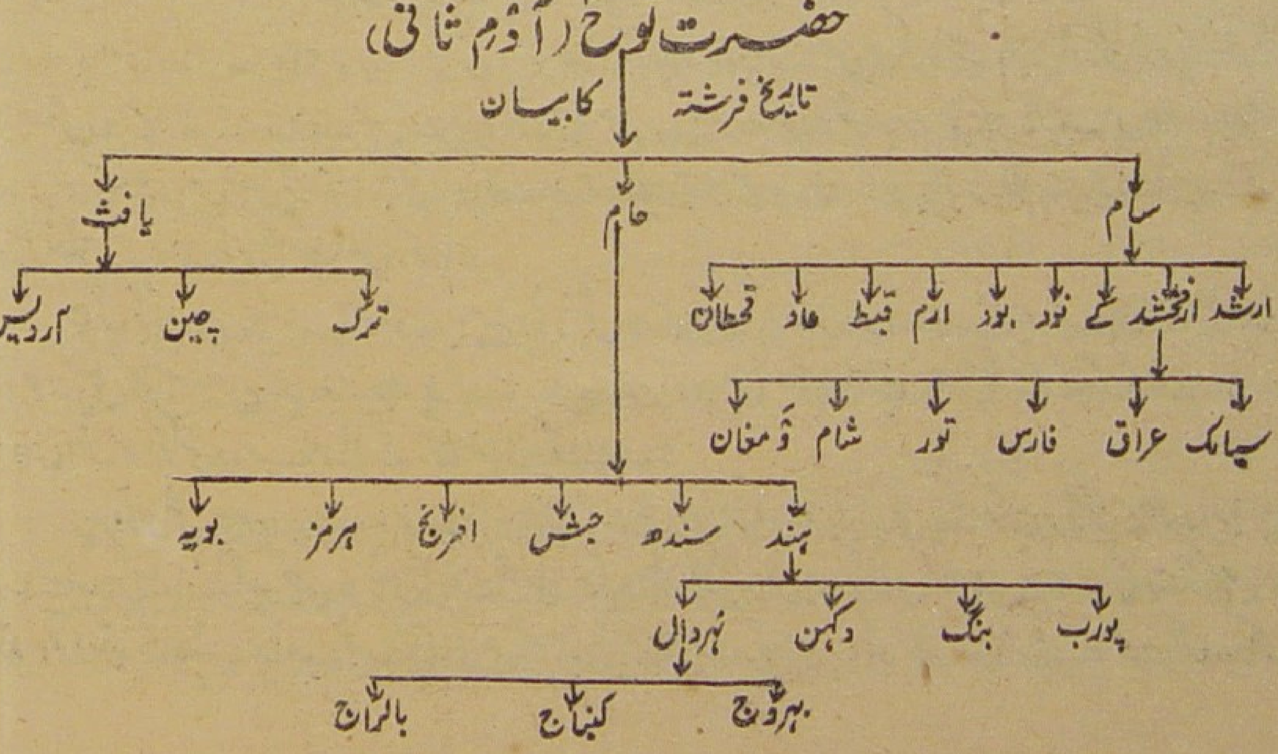
اپنی تحریر میں "راجہ شیو پرشاد" نے "فردوسی" کے شاہنامہ پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اُن کی وقعت
"شعر العجم" اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ہمارے پیش کردہ اقتباسات سے بخوبی زایل ہو گئی ہے"

راجہ موصوف نے "نقشِ رستم" سے "بکھامنشی" کی نسل کے بادشاہوں کی جو فہرست دی ہے" اُس کے
یہ بھی لکھا ہے کہ "کمبوجیہ" کی سلطنت کے غاصب "گوموت" کو مار کر "داریوش یعنی پہلا دارا" تخت نشین
اور اس سے پہلے دارا کا سلسلۂ نسب "بکھامنشی" تک" انہوں نے یہ لکھا ہے کہ "دارٹیوش یعنی دارا" ابن
گشتاسپ" ابن ارشام" ابن آریارام" ابن چیشپایش" ابن بکھامنش"

اور "کمبوجیہ" کا سلسلۂ نسب "بکھامنشی یا ہمنی منش تک" ہیروڈوٹس" کے بیان کے مطابق
طرح ہے کہ:- (۱) کمبی سیز یعنی کمبوجیہ یا کیقباد" (۲) ابن سائرس یعنی گورو یا گوروش یا کیخسرو" (۳) ابن
سیز یعنی کمبوجیہ یا کیقباد اوّل" (۴) ابن ٹیز پیز یعنی چائش پش" (۵) ابن ایکے مینیس یعنی ہمنی منش"

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ "شہنشاہ کمبوجیہ جس نے "گوموت" کے سلطنت پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے خودکشی
تھی" اور جس کے دادا کا نام بھی "کمبوجیہ" تھا۔ اور "داریوش یعنی دارا اوّل" دونوں "بکھامنش یا ہمنی منش
نسل سے تھے" اور "داریوش اوّل کی نسل سے جو جو بادشاہ اُس کے بعد نسلاً بعد نسلاً بادشاہ ہوتے رہے" اُن کے نام
"نقشِ رستم میں" اس سلسلہ میں موجود ہیں"

اب ہم "تاریخ فرشتہ" نقشِ رستم" اور کتبۂ بے ستون" تینوں کے نوشتوں کو بطور سلسلہ بالمقابل لکھتے ہیں"
کی حیثیت اور مقصد کے سمجھنے میں ایسی آسانی ہو جائے کہ مطلق کوئی شک و شبہ باقی نہ رہنے پائے"



نوٹ:۔ ابن خلدون اور دیگر مؤرخین نے حضرت نوحؑ کے چھ بیٹے لکھے ہیں۔ ایک بیٹے کا نام "کنعان" تھا جس کے نام پر کنعان آباد ہوا۔ ایک بیٹا طوفان نوحؑ میں ہلاک ہوا۔ ایک طوفان سے پہلے مرچکا تھا۔ فرشتہ نے "حضرت نوحؑ کے ان بیٹوں کے نام لکھے ہیں۔ جن سے نسل انسانی چلی ہے"۔

(۱) ہخانش یا ہکھانش یا ہنی منش "(بانی سلطنت ہخامنشی)

(۲) چیپایش یا چائش پش

کتبہ بے ستون "ہیروڈوٹس کا بیان

نقش رستم " راجہ شیو پرشاد کا بیان

(۳) کمبوجیہ یا کیقباد اوّل

(۴) گوروبا گوروش یا کیخسرو "(۵۲۹ ق م میں مشرقی قوموں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا)

اسی کو علماء اسلام کی اکثریت نے "ذوالقرنین" بتایا ہے۔

(۵) کمبوجیہ یا کیقباد دوم "

مصر سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں یہ سنکر کہ گوموت نام" ایک شخص نے تخت ایران پر قبضہ کر لیا ہے" اس نے خودکشی کر لی"

(۳) آریارام

(۴) ارشام

(۵) ہشتاسپ گشتاسپ

(۶) داریوش یا دارا اوّل "(گوموت کو مار کر تخت نشین ہوا)

(۷) کشیارش (جسے انگریز ازکسس کہتے ہیں)

(۸) ارتکششر

(۹) داریوش دوسرا

(۱۰) ارتکشتر دوسرا

(۱۱) ارتکششر تیسرا

اور کرسس جسے مسلمان کیخسرو (المتوفی ۵۳۰ق م) کہتے ہیں۔

کمبوجیا "اپنے بھائی باردیا کو مار کر تخت پر بیٹھا اور مصر پر چڑھائی کی" گوموت نے باردیا ہونے کا دعویٰ کرکے ایران کی سلطنت لے لی۔ جسے مار کر "داریوش" یعنی پہلا دارا تخت پر بیٹھا"

ان دونوں شجروں کے سامنے آجانے سے "راجہ شیو پرشاد کی کتاب "آئینۂ تاریخ نما کے نوشتہ کی بیت صاف ظاہر ہے"

"تاریخ فرشتہ" اور "آئینہ تاریخ نما" کے شجروں میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے "مؤلف تاریخ کمبوہان" کی پریشانی اور بے سر و پا رائے زنی

ہمارے پیش کردہ اِن بیانات سے اب یہ بات بخوبی عیاں ہو گئی ہے کہ "مؤلف تاریخ کمبوہان" تاریخی واقعات پر کا
نظر رکھنے" اور ناواقفیت حالات و عدم استعداد کی وجہ سے "فرشتہ" اور "راجہ شیو پرشاد" کے پیش کردہ شجروں میں مطا
نہیں کر سکے" انہوں نے پہلے تو اپنے آپ کو آریہ نسل سے قرار دے لیا ہے" پھر "کمبوجیہ" اور "کمبوج" ناموں کو کتابوں میں
اور اِن ناموں کی اپنے قومی نام "کمبو" سے کچھ مماثلت پا کر۔ نیز اِن دونوں کو ایک شخص سمجھ کر" اپنی قوم کا جدِّ امجد تصور کر لیا ہے" مگر
اُنہیں "کمبوجیہ" اور "کمبوج" کے شجروں میں فرق نظر آیا۔ تو وہ پریشان ہو گئے۔ اور یہ نہیں جان سکے کہ تاریخ فرشتہ کا بی
شجرہ" دنیا کی آبادی کے شیوع سے متعلق ہے۔ اور راجہ شیو پرشاد کا پیش کردہ "نقشِ رستم" کا کتابہ" جو حضرت نوحؑ
ہزاروں برس بعد کے ایک بانئی سلطنت کی نسل کے چند افراد کے ناموں کو ظاہر کرتا ہے۔ اِن دونوں میں مطلق کوئی تعلق نہیں ہ
اِن کو بالمقابل رکھ کر کوئی بحث یا رائے زنی کسی قسم کی کسی طریقہ پر بھی نہیں کی جا سکتی" "تاریخ فرشتہ پر جو اعتراض مؤلف
نے وارد کئے ہیں" وہ اِسی غلط فہمی کی وجہ سے ہیں" جسے ہم نے ابھی بیان کیا ہے" اُن کی عدم واقفیت کا تو یہ حال ہے کہ وہ کمبو
کے دادا۔ اور پر دادا تک کے ناموں سے ناواقف ہیں۔ اُنہیں معلوم نہیں ہے کہ زیر بحث "کمبوجیہ" کے دادا کا نام بھی "کمبوجی
اگر وہ "کمبوجیہ" کے دادا کے نام سے واقف ہوتے تو جیسا آگے چل کر بھی اُن کے دوسرے بیان کے سلسلہ میں ظاہر ہو گا" اپنی کت
صفحہ پر یہ نہ لکھتے کہ "یہ فرض کرنا پڑے گا کہ "کامبوجیا" نام کے بھی ایک سے زیادہ فرمانروا "فارس میں گذرے ہیں"۔

مگر جب ایرانیوں کو آریہ نسل جان کر "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے اپنے آریا بننے کے شوق میں "تاریخ فرشتہ" کے بیان کو رد ک
اور "تاریخ ایران" نیز راجہ شیو پرشاد کی کتاب میں "شہنشاہ کورش" کے بیٹے "شہنشاہ کمبوجیہ" کا نام دیکھ کر اُسے اپ
مان لیا تو وہ جس مشکل میں پھنس گئے اُس کا حال اُن کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے "شاہنشاہ کامبوجیہ کے زمانے کا
کی سُرخی کے تحت اپنی کتاب کے صفحہ ۷۷ تا ۸۲ پر "اِن الفاظ میں پیش کیا ہے کہ۔

"ہم نے دو تاریخوں سے" (تاریخ ایران و تاریخ راجہ شیو پرشاد") سے "شہنشاہ کاموجیا" کے حالات کا اقتباس" اپنی کتاب میں درج کیا ہے" یہ حالات و کوائف" قریباً یکساں ہیں" صرف شجرہ ہائے انساب کے ناموں میں" کچھ فرق معلوم ہوتا ہے" اور جیسا کہ ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ "ہم نقشِ رستم والے شجرے کو صحت کے لحاظ سے ترجیح دیتے ہیں"

"دونوں تاریخوں میں "دولتِ ہخامنشی" کا زمانہ بھی ایک ہی ہے" کورش اعظم کا سنہ وفات دونوں مؤرخوں نے ۵۲۹ء ق م اور ۵۳۰ء قبل مسیح درج کیا ہے" ہم اِس زمانے کو "کمبوؤں" کے تاریخی حالات لکھتے وقت" صحیح باور کرنے میں متامل ہیں"

"حقیقت یہ ہے کہ "علمائے تاریخ" اور "ماہرین علم الآثار و حفریات" نے عہدِ آغاز تاریخ کا تعین کرنے کے لئے جو طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے۔ وہ بجائے خود قابلِ یقین نہیں ہے" کسی ایک واقعہ کی نسبت۔ سب سے پہلے وہ اندازہ لگاتے ہیں" کہ حضرت مسیحؑ سے امکاناً اِس قدر سال پہلے وقوع پذیر ہوا ہو گا" پھر اس واقعہ کو بنیاد ٹھہرا کر اور اُس سے آئندہ حوادث و واقعات کا اندازہ کر کے "زمانہ کا تعین کرتے ہیں" چونکہ یہ

بنیاد خود ہی "فرضی اور قیاسی" ہوتی ہے۔ اس لئے اِس کی بنا پر قایم کئے ہوئے "سنین" زمانہ کی صحت بھی "خود بخود مشتبہ اور غیر قابل استثنا" ہو جاتی ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ "شہنشاہ کامبوجیا" کے زمانے $\frac{۵۲۹}{۵۲۳}$ قبل مسیح کا تعین علمائے مغرب نے "کس واقعہ کو بنیاد قرار دے کر قایم کیا ہے" مگر ہم کو اِس سنہ کے صحیح ہونے میں "بوجوہات ذیل کلام ہے"

اگر اس سنہ کو صحیح تصور کیا جائے تو اس سے پہلے "ہندوستان و ممالک ملحقہ کی تاریخ میں "کمبو یا کمبوج قوم" کا ذکر بھی ملنا نہیں چاہئے تھا" حالانکہ

(۱) لالہ لاجپت رائے:- اپنی تاریخ ہند حصہ اوّل میں تحریر فرماتے ہیں کہ "مہاتما بدھ" کی پیدایش کے وقت "شمالی ہندوستان میں "جزیرہ نما گجرات کاٹھیاواڑ میں "کمبوؤں" (کمبوجوں) کی ایک ریاست موجود تھی" جس کا دارالخلافہ "دُوارکا" تھا" اور "مہاتما بدھ" کی پیدایش قریباً ۵۶۷ھ قبل مسیح میں ہوئی" جس سے قدرتاً یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ "شہنشاہ کمبوجیہ" کی اولاد "یا کمبوج قوم" اِس واقعہ سے اِس قدر پہلے ہندوستان کے مغربی ساحل پر وارد ہو چکی تھی۔ کہ وہ مہاتما بدھ کی پیدایش کے زمانے تک "ایک ریاست قایم کرنے میں کامیاب ہو سکی"

(۲) کرنل گیرینی:- نے بڑی کدوکاوش اور تحقیقات کے بعد "جزیرہ نما ہندچینی" "سیام" "کمبوڈیا" (کمبوج) کی ایک تاریخ مُرتب فرمائی ہے" آپ اِس کتاب میں جو "تاریخ سیام" کے نام سے مشہور ہے" جزیرہ نما کمبوج" کے پولٹیکل حالات تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہندچینی میں "انڈونیشی نسل" اندازاً آٹھ سو سال قبل مسیح وارد ہوئی تھی"۔ اِسی نسل نے بعد میں "سلطنت کمبوڈیا" قایم کی۔ جس کی وجہ سے اِس قطعۂ ارضی کا نام ہی کمبوج مشہور ہو گیا" اگر کرنل گیرینی صاحب کی اِس تحقیق کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو کمبوؤں "(کمبوجوں) کے فارس سے خروج کا زمانہ "پانچ سو سال قبل مسیح سے پہلے تعین کرنا ہو گا"

(۳) منوسمرتی:- ہندوؤں کی ایک فقہ (قانون شرعی) کی کتاب ہے" تاریخ ہند قدیم پروفیسر کاہن چند کے بیان کے مطابق یہ ۲۰۰ھ قبل مسیح کے قریب مرتب ہوئی" اور لالہ لاجپت رائے صاحب اِس کو سنہ عیسوی کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف ظاہر کرتے ہیں" اِس کتاب میں کمبوؤں کا (کمبوجوں) کا بحیثیت چھتری قوم تذکرہ موجود ہے۔ . . . . اگر منوسمرتی کا زمانہ تصنیف ۲۰۰ھ قبل مسیح سے ۲۰۰ھ عیسوی کے درمیان صحیح تعین کیا جائے تو "شہنشاہ کامبوجیا" کا زمانہ موجودہ مقرر کردہ عہد سے کچھ عرصہ پہلے تعین کرنا پڑے گا"

(۴) ہندو:- رامائن کا واقعہ پہلے" اور مہابھارت کا اس سے بعد وقوع ہونا بیان کرتے ہیں" مغربی مصنفین کے نزدیک صورت حالات اس کے برعکس ہے" جن کی رائے ہے کہ مہابھارت کی لڑائی اُس وقت ہوئی" جبکہ ہندو آریہ ابھی "دکن (جنوبی ہند) سے واقف نہیں ہوئے تھے" رامائن کے عہد میں:- آریہ "کوہ بندھیاچل کو عبور کر کے" جنوبی ہند والوں سے آشنا ہو چکے تھے۔

لیکن "رامائن و مہابھارت" کتابیں کب تصنیف ہوئیں اس کے متعلق "مغربی مؤرخین" بھی کوئی قابل وثوق رائے قایم نہیں کر سکے "ہنٹر صاحب" فرماتے ہیں کہ رامائن سنہ ۱۰۰۰ ق م میں اور "مہابھارت" سنہ ۱۲۰۰ ق م میں تصنیف ہوئی "لیکن دونوں کتابوں میں سنہ عیسوی کے آغاز سے سینکڑوں سال بعد تک الحاقات ہوتے رہے" ڈاکٹر لی بان صاحب" کا قول ہے کہ مہابھارت ایک شخص کی تصنیف ہی نہیں "اس لئے زمانہ کا تعین دشوار ہے"

مہابھارت کا واقعہ "بقول مؤرخین" تین ہزار سال قبل مسیحؑ "اور بقول یوروپین مستشرقین" دو ہزار (۲۰۰۰) سال قبل مسیحؑ ظہور پذیر ہوا"

اگر یدہشٹر سمت کا حساب بقول آریہ سماجی مصنفین لگایا جائے" جسے مہاراجہ یدہشٹر نے اپنی یادگار چھوڑا تو قریب اڑہائی ہزار (۲۵۰۰) سال قبل مسیحؑ تک۔ اس مدت کی وسعت تسلیم کرنی پڑے گی"

بہرحال ماننا پڑے گا کہ یہ کتابیں سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں مرتب ہوئیں واقعات جو ان میں درج ہیں "ممکن ہے اس سے پہلے وقوع پذیر ہو چکے ہوں" اور ہو سکتا ہے کہ "ان کے متعلق مختصر رزمیہ گیت بھی۔ اس سے قبل ہی آریاؤں میں رائج ہوں" لیکن ان کتابوں میں جو رنگ آمیزی" آرایش" تزئین انشاء کی گئی ہے" اس کو زیادہ قدیم تصور نہیں کیا جا سکتا"

کتاب مہابھارت میں "کمبو" (کمبوج) قوم کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ "متعدد مقامات پر اور نہایت شاندار الفاظ میں موجود ہے" جس کے سبب ہر صورت میں ایک صائب رائے شخص۔ اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ "جس وقت خواہ وہ وقت حضرت مسیحؑ سے پانچسو سال پہلے ہو" یا پندرہ (۱۵۰۰) سو سال قبل "مہابھارت یا اُس کے ابتدائی گیت تصنیف ہوئے" اُس وقت "کمبوج سلطنت" اِس قدر عروج پر" اِس حد تک زبردست" اور اتنی مشہور ہو چکی تھی کہ اس کتاب میں" اس سلطنت کا ذکر کرنا مصنف کے لئے ناگزیر تھا"

اگر اِن کتابوں کی قدامت تسلیم کی جائے تو "شہنشاہ کا مبوجیا" کا زمانہ موجودہ مقررکردہ عہد سے بہت عرصہ پہلے" اغلباً سنہ ۱۵۰۰ قبل مسیحؑ تعین کرنا پڑے گا"

اور یا جیسے کہ "بکرمادت نام کے" کئی بادشاہ ہندوستان کے حکمران تسلیم کئے گئے ہیں" یہ فرض کرنا پڑے گا کہ "کامبوجیا" نام کے بھی ایک سے زیادہ فرمانروا" فارس میں گذر چکے ہیں"

اور پھر برخلاف اس کے اگر "شہنشاہ کامبوجیا" کا زمانہ سنہ ۵۳۰ قبل مسیحؑ درست خیال کیا جائے تو اِن مندرجہ بالا ہندوستان میں واقع شدہ حادثات کی قدامت سے انکار واجبی ہوگا"

قصہ مختصر "شہنشاہ کامبوجیا" کی اولاد" آج کل سے تقریباً اڑہائی سال قبل فارس سے پریشان و سرگرداں ہو کر "مشرق کو قسمت آزمائی کے لئے روانہ ہو پڑی" اپنے اصلی وطن میں اس کی واپسی دشوار تھی" کیونکہ دشت مرغاب" میں پہنچنے پر وہ سوائے موت و مصیبت کے کچھ حاصل نہیں کر سکتی تھی" ملک و مال پر دوسرا عویدار قابض ہو چکا تھا" اور نہ صرف دوسرا بلکہ بالکل علیحدہ کفو اور نسل کا آدمی "شہنشاہ" بن چکا تھا" اُمرائے سلطنت" وزرائے دولت" و اغنیائے ملک اس کے ہمراہی اور معاون بن چکے تھے" اس لئے سوائے ملک چھوڑ دینے کے "کامبوجیا" کی اولاد کے لئے اور کوئی چارہ

نہ تھا" کچھ حصہ قوم "کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ" وطن سے رخصت ہوا" اور بعض اصحاب نے براستہ خشکی" ملک سے ہجرت کی" مشرق میں بڑھکر جو کارہائے نمایاں اس قوم سے ظہور میں آئے۔ اُن کا ذکر تفصیلاً آئندہ اوراق میں مذکور ہوتا ہے"

ممکن ہے کہ" آج سے کچھ مدت بعد" ماہرین حفریات" و مؤرخین" تحقیق و تفتیش کرکے" اس زمانے کو آج سے ایک ہزار سال پہلے یا پیچھے ہٹادیں" اُس وقت تمام متذکرہ صدر واقعات کو اتنی ہی مدت تک پرانا ماننا پڑے گا"

فی الحال ہم قابل مؤرخین کی اِس رائے کو تسلیم کرلیتے ہیں کہ "شہنشاہ کاموجیا" کا زمانہ آج سے قریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح" یا پانچسو اننتیس قبل مسیح میں واقع ہوگزرا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی رائے زنی کی حقیقت

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "شہنشاہ کاموجیا کے زمانے کا تعین" کی سرخی کے تحت اپنے اِس بیان میں کتابوں [جس] قدر بھی حوالے پیش کئے ہیں" اُن میں صرف "قوم کمبوج" کا ذکر ہے" کمبوؤں" اور "شہنشاہ کاموجیا" [ا]ور اُس کی اولاد کے متعلق کچھ بھی تحریر نہیں ہے" بلکہ اُس کے اور اُس کی اولاد کی طرف کوئی اشارہ تک موجود نہیں ہے" جبکہ [مؤلف] موصوف اِس بات ہی کو ثابت نہیں کرسکے کہ "شہنشاہ کاموجیا" کی اولاد "افغانستان" کی طرف آئی تھی" [کس]ی طرح بھی کمبوج قوم کو "شہنشاہ کاموجیا" کی اولاد نہیں قرار دیا جاسکتا" پھر یہ بھی ہے کہ "اگر کسی شخص یا قبیلہ کے نام [پر کس]ی حصۂ ملک کا نام "کمبوج" پڑگیا تھا" تو یہ نام صرف اُس کی اولاد ہی کے لئے مخصوص نہیں رہا تھا" بلکہ ملک کے تمام [باشن]دے جو مختلف اقوام یا نسلوں کے تھے" سب ہی مثل "افغان و عرب و ترک" یا سندھی" پنجابی" بنگالی" [عر]اقی" وغیرہ کے "کمبوج" کہے جاتے تھے" صہ۶" پر مؤلف تاریخ کمبوہان نے "شہنشاہ کاموجیا" کی اولاد کے" اُن چھوڑ کر "سپت سندھو" کے ایک حصے "یا کمبوج" میں چلے آنے اور اُن سے اس ملک کا نام "کمبوج" پڑجانے [کی] "من گھڑت کہانی" بیان کرتے ہوئے۔ جو لکھا تھا کہ "اِس واقعہ کو ہم آئندہ بیان کریں گے" تو ہمیں توقع ہوگئی تھی کہ وہ اِس بیان کی تصدیق کے لئے آگے چل کر کوئی سند ضرور پیش کریں گے" لیکن کیونکہ وہ اُن کی طبع زاد یا من گھڑت کہانی ہے" [و]ہ کسی طرح کی بھی کوئی سند پیش نہیں کرسکتے تھے" اِس لئے یہاں پر بغیر سند کے اُسی کہانی کو انہوں نے دُہرا دیا ہے" نیز [تاری]خ فرشتہ کے شجرے پر" علمائے مغرب کی کدو کاوش اور "تنج کاوی و موشگافی" کے قابلِ استناد ہونے کی طرف" اُن میں سے [کسی] کے بیان دیئے بغیر جو وہ اشارہ کرآئے تھے" تو ہم نے خیال کیا تھا کہ آگے کہیں اِس مبحث پر" اِن مغربی حضرات کے بیانات کو [پ]یش کریں گے" لیکن اِس بیان میں "انہوں نے" اِن ماہرین تاریخ و علم الآثار و حفریات کو" ناقابلِ یقین" مشتبہ" اور [نا]قابلِ استناد" قرار دے دیا ہے" اِس بیان میں وہ "شاہنشاہ کاموجیا" کے زمانے کا تعین کر رہے ہیں" مگر اُن کی [وا]قفیت کا یہ حال ہے کہ انہیں" اِس شہنشاہ کی اولاد جو باپ کے خودکشی کر لینے اور دشمن خاندان کے تحت پر قبضہ کر لینے کی وجہ [سے] گوشۂ گمنامی میں جا پڑی تھی"، تو درکنار رہی" اُس کے دادا" اور پردادا تک کے ناموں سے واقفیت نہیں ہے۔ حالانکہ [ا]یسے نامور شہنشاہ تھے" جن کے ناموں کو "کتبۂ بے ستون" پر کندہ کرانا لازم سمجھا گیا" اور جن کے حالات تاریخوں میں موجود ہیں"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی بے بسی" یعنی شہنشاہ کامبوجیا کے زمانے کو ۵۲۹ ق م یا ۵۲۵ ق م تسلیم کر لینے پر اُن کی آ...

مؤلف موصوف نے "شہنشاہ کامبوجیا" کے زمانے کا تعین" کی سرخی کے تحت اس شہنشاہ کے متعلق کوئی بات بھی کسی کتاب سے پیش نہ کر کے اور صرف "کمبوج قوم" کی قدامت اُن میں دکھا کر "اپنی طبیعت سے" ان مؤرخین کی جو یہ بات منسوب کر کے لکھدی ہے کہ۔

"فی الحال ہم قابل مؤرخین کی اس رائے کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ "شہنشاہ کامبوجیا" کا زمانہ" آج سے قریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح" یا پانچو انتیس برس قبل مسیح میں واقع ہو گذرا ہے"

اُن کی اس دلیری پر کون شخص ہے جو یہ نہیں کہے گا کہ "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"

ایک ہی سانس میں "بلا کسی تامل کے ۵۲۹ قبل مسیح کو" ڈھائی ہزار سال قبل مسیح تک وسعت دیدینا۔ مؤلف "تاریخ کمبوہان" جیسے بہادر محقق ہی کا کام ہے" کسی دوسرے سے ایسی جرأت ممکن نہیں ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ کرنل گیری کے بیان کی تردید پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر پانیکار کے بیانا...

یہاں یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ "کرنل گیری" کے بیان میں "مؤلف موصوف نے جو یہ دکھایا ہے کہ "ہند چینی اندونیشی نسل" اندازاً آٹھ سو سال قبل مسیح وارد ہوئی تھی" قطعاً غلط ہے" جگ بیتی حصہ اول مصنفہ پنڈت جواہر لال نہرو ... محمود علی خاں جامعی مطبوعہ جدید برقی پریس دہلی سنہ ۱۹۴۲ء کے صفحہ ۲۲۱ پر تحریر ہے کہ "بہر حال یہ جنوب ہی تھا جس نے اس زبردست ا... سبقت کی اور مشرق کے تمام جزیروں میں ہندوستانی نو آبادیاں قائم کر دیں" یہ دھاوے "پہلی صدی عیسوی" ہی میں شروع ہو گئے تھے" پھر سیکڑوں برس تک جاری رہے" ملایا" جاوا" سماٹرا" کمبوڈیا (کمبوجا)" اور "بورنیو" تک یہ لوگ پہنچے اور وہاں آباد ہو گئے" اور اپنے ساتھ ہندوستانی تہذیب اور ہندوستانی آرٹ بھی لے گئے"

"تاریخ ہند قدیم" مصنفہ مسٹر کے۔ ایم پانیکار ایم۔ اے۔ آکسن" ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز" سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و لکھنؤ یونیورسٹی" جسے سنہ ۱۹۲۴ء میں "مکتبہ جامعہ ملیہ علیگڈھ نے شائع کیا" اس کے صفحہ ۶۷ پر تحریر ہے کہ "سنہ [illegible]ء میں ہندوستان کی بحری تجارت بڑھی ہوئی تھی" جاوا" سماٹرا" اور دیگر جزائر بحر الہند" کی نو آبادیات" پہلی صدی عیسوی" سے شروع ہو چکی تھیں" ہارشا کے عہد میں (جس کی وفات سنہ ۶۴۷ء میں ہوئی۔ دیکھو صفحہ ۶۵) سوراشٹر قوم" جاوا" اور "کمبوڈیا" میں جا کر آباد ہوئی"

دارا گشتاسپ کے حملہ کو شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد پر حملہ قرار دینے کی من گھڑت کہانی

مؤلف تاریخ کمبوہان کی اس رزم کہانی کی حقیقت تو ظاہر ہو چکی" جسے اپنے دل سے پیدا کر کے انہوں نے اس ... دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ "شہنشاہ کامبوجیا" کی اولاد "افغانستان" کے علاقہ میں چلی آئی تھی" اب ... نے تاریخ ہند کا مطلب چند ... یہ دیکھ کر کہ "بادشاہ دارا گشتاسپ" نے فوج کشی کر کے سنہ ۵۱۶ قبل مسیح میں افغانستان، بلوچستان" اور "وادیٔ سندھ" پر تسلط جما لیا تھا" شاہنشاہ دارا یوش" کا "کامبوجیا" کی اولاد کا تعاقب کر... کی سرخی دے کر اپنی رائے ان الفاظ میں صفحہ ۸۶ پر پیش کی ہے کہ"

"اس وجہ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ "شہنشاہ دارا" نے "صرف اپنی ہم نسل

وجہ جدّ "قوم کمبوج" کو مغلوب کرنے" اور دعوید اران سلطنت کو نابود کرنے کے لئے یہ حملہ کیا تھا" بہر حال یہ مغلوبیت" عارضی تھی" اور تھوڑے عرصہ کے بعد "کمبوجوں" نے آزاد ہو کر آہستہ آہستہ اپنی ریاست کو وسیع کر لیا"

مؤلف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ اس بیان میں نہ تو "شہنشاہ کامبوجیا" کی اولاد کا ذکر ہے" نہ ہی کمبوج کے علاقہ کا ذکر آیا ہے۔ یہ رائے بھی اُن کی طبع زاد ہے" اور اسی مقصد کے مدنظر دی گئی ہے کہ "اُن کی کتاب کے ناظرین" کو شہنشاہ کامبوجیا" کی اَولاد کے متذکرہ بالا علاقہ میں آنے کا مغالطہ ہو جائے" اور وہ اُن کے بیان کو صحیح باور کر لیں" لیکن جس بات کی کوئی سند نہ ہو" محض قیاس آرائی اور رائے زنی سے اُسے کوئی کیسے یقین کر سکتا ہے" یہاں ہم یہ بات بھی بتلا دینی ضروری سمجھتے ہیں کہ مؤرخین میں "کمبوج" کے جائے وقوع کے متعلق اِسی تاریخ کمبوہان کے مندرجات ص ۸۶ تا ۸۹، ۹۹ کے مطابق اتفاق نہیں ہے کچھ تو "تبت" کو اور کچھ "مشرقی افغانستان" کو "علاقہ کمبوج" قرار دیتے ہیں" بعض کشمیر کے شمالی کوہستان کو" اور بعض بحر عرب کے سواحل کو "کمبوج" بتاتے ہیں"

ایسی صورت میں اور جبکہ "شہنشاہ دارا" کے حملہ میں "علاقہ کمبوج" اور "شہنشاہ کامبوجیا" کی اولاد میں سے کسی کی طرف اِشارہ تک موجود نہیں ہے "مؤلف موصوف کی رائے زنی کی جو قدر و قیمت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے"

"ملک کمبوج کے محل وقوع کے تعین میں مؤلف تاریخ کمبوہان" کی ناکامی اور لالہ لاجپت رائے کے بیان کی تردید میں صرف قیاسی باتوں پر انحصار

"کمبوج کا محل وقوع" کی سُرخی کے تحت خود "مؤلف تاریخ کمبوہان نے" مورخین کے جو بیانات اپنی کتاب کے ص ۸۶ تا ۸۹ پر دیئے ہیں" اُن کو اپنے اِس اقرار کے بعد کہ "سلطنت کمبوج" اور "قوم کمبوج" کا ذکر "ہندوستان" کی کتب قدیم میں اکثر مقامات پر آیا ہے" مگر وہاں اِس امر کی تصریح نہیں کی گئی کہ "کمبوج" اُس زمانے میں "کس حصّہ ملک کا نام تھا" اِس لئے یہ سوال بحث طلب ہے کہ "کمبوج" درحقیقت کس قطعۂ ارضی کا نام تھا" اِس طرح پیش کیا ہے کہ۔

(۱) لالہ لاجپت رائے صاحب آنجہانی:۔ اپنی کتاب تاریخ ہند حصّۂ اوّل میں "راجہ اشوک (۲۵۰ ق م) کی حدود سلطنت کا ایک نقشہ شامل کرتے ہیں" اِس نقشہ میں وہ "تبت" کو کامبوجا" تحریر فرماتے ہیں"

(۲) مہابھارت کی رُو سے:۔ جس وقت مہاراجہ یدھشٹر کا "اشومیدھ یگیہ" منعقد ہوا تو اطراف و اکناف ملک سے مختلف قسم کی اشیاء استعمال کے لئے بطور تحفہ "راجہ کی خدمت میں پہنچیں۔ چنانچہ "کمبوج" سے تیتر کے رنگ اور طوطے کی چونچ کے سے ہونٹوں والے گھوڑے" اُونی کپڑے، اور سنجاف وغیرہ "طرح طرح کی پوستین آئی تھیں"

(۳) راج ترنگنی (تاریخ کشمیر" مصنفہ کلہن پنڈت کے ترنگ چہارم میں (جس کا زمانہ تصنیف بارہویں صدی عیسوی ہے) صاحب مصنف راجہ للتادتیہ عرف مکتاپیڈ۔ (۷۲۴ تا ۷۶۰ء) کی فتوحات کے ذکر میں مبالغہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس راجہ للتادتیہ" کی ہیبت و دہشت سے "کمبوج" کے اصطبل "گھوڑوں سے خالی ہو گئے" اور تاریکی میں وہ ایسے معلوم ہوتے تھے" گویا ان کے اندر سیاہ بھینسے بند ہے ہوئے ہیں"

(۴) مسٹر آر سی دت نے اپنی کتاب "دی سویلیزیشن این شنٹ انڈیا" میں لکھا ہے کہ "ہن قوم سے پہلے "اہلِ کمبوج" اور کابل و قندھار کے اور جرگے جوق در جوق ہندوستان میں آ داخل ہوئے تھے"

(۵) کچھ عرصہ ہوا "مونگیر صوبہ بنگال و بہار سے" تانبے کے تختے پر کھدی ہوئی ایک تحریری سند برآمد ہوئی ہے۔ جس میں "راجہ دیو پال" پال خاندان کے تیسرے راجہ (۸۳۲ء) کے کسی شخص کو کچھ جاگیر عطا کرنے کا ذکر ہے" اس تانبے کے کتبہ میں "راجہ دیُو پال کی حدودِ سلطنت کا ذکر "ہندوستانی مبالغہ سمیت" یُوں لکھا ہے کہ "راجہ دیُو پال" کے قبضہ میں تمام "ہندوستان" "گنگوتری سے لنکا تک" اور "برہم پُتر سے سمندر تک ہے" اور "بنگالہ" "کرناٹک" اور "تبت" کے باشندے اُس کی رعایا ہیں" اور "کمبوجا تک" اُس کی فوجیں گئی ہیں"

(۶) جنرل کننگھم صاحب" اپنے جغرافیہ" ارض قدیم" (این شفٹ جیوگرفی آف دی ورلڈ) میں "کمبوج کا محل وقوع" مشرقی افغانستان" تحریر فرماتے ہیں"

(۷) ٹھاکر اچھر چند صاحب شاہ پوریہ" مترجم راج ترنگنی" اس اشلوک پر جس میں "راجہ للتا دتیہ" کی ہیبت و دہشت سے "کمبوج" کے اصطبل کے گھوڑوں سے خالی ہو جانے کا ذکر ہے حاشیہ چڑھاتے ہوئے" نوٹ ۳۴۴ میں لکھتے ہیں کہ "کمبوج کے ملک سے مراد" افغانستان" کے مشرقی حصہ سے ہے" کیونکہ کابلی گھوڑے اب تک شمالی ہندوستان میں مختلف صوبوں میں مہیا کئے جاتے ہیں"

(۸) راجہ شیو پرشاد صاحب نجم الہند (سی۔ایس۔آئی) مصنف آئینہ تاریخ نما" مہاراجہ یدھشٹر

نوٹ ۱ مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اوّل کے صفحہ ۱۱ پر مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی" نے قدیم ہند اور تاریخ نویسی" کی سُرخی کے تحت تحریر فرمایا ہندوؤں کو تاریخ نویسی اور دوسرے عُلوم میں بالکل دسترس نہ تھی" اُن کے علوم کی وقعت طفلانہ خیالات سے زیادہ نہ تھی" (راز انقلاب الامم) ... حملہ سکندر کے حالات "یونانی مورخوں نے لکھے ہیں" لیکن ہندوستان کے کسی ہندو مصنف نے قطعاً اس کا کوئی تذکرہ "کسی تصنیف" کسی یادداشت" کسی تا کسی فسانے" کسی نظم" کسی مرثیہ" کسی روایت میں قطعاً نہیں کیا" گویا ہندوستان میں" سکندر نے قدم ہی نہیں رکھا تھا" ایسی جیتی مکھی غالباً دنیا کسی ملک میں نہیں نگلی گئی" یہ حال "ایرانیوں کے حملوں اور ہندوستان کے صوبوں پر قابض و متصرف ہونے کے واقعات کا ہوا" برہمنوں نے اگر کبھی روایت کی طرف توجہ بھی کی تو اس طرح کہ اُس کو تاریخی حدود کے اندر داخل ہونے کے قابل ہی نہیں رکھا" مثلاً "سورج یا سدھانتا" ہندو کی ایک مشہور "علم ہیئت کی کتاب ہے" جو آخر پانچویں صدی یا شروع چھٹی صدی میں تصنیف ہوئی" پادری بینٹلی" تو اسے گیارہویں کی تصنیف بتاتے ہیں" لیکن ہندو اس کتاب کو اکیس لاکھ ۵۶ ہزار سال کی تصنیف بتاتے ہیں"

بنگال کے "پال خاندان" کا تیسرا راجہ "دیُو پال" ۸۳۲ء میں گدی نشین ہوا تھا" اس راجہ کے حدود سلطنت بھی سب کو معلوم لیکن اسی راجہ کے زمانے کی تانبے کی تختی پر کھُدی ہوئی ایک سند "مونگیر (بہار) سے برآمد ہوئی ہے۔ جس میں کسی شخص کو جاگیر بخشنے کا ذکر ہے" اس تانبے کے کتبہ میں لکھا ہے کہ "راجہ دیُو پال" کے قبضہ میں تمام ہندوستان۔ گنگوتری سے لنکا" تک اور "برہمپتر سے مغربی سمندر" تک اور "بنگالہ" "کرناٹک" اور تبت" کے باشندے" اُس کی رعایا ہیں" اور "کمبوجا" تک۔ اس کی فوجیں گئی ہیں" حالانکہ سب غلط ہے" (دیکھو تحقیقات ایشیا)

کے "راجسو یگیہ" میں آئے ہوئے گھوڑوں اور پوستینوں وغیرہ کی بنا پر یقین کرتے ہیں۔ کہ زمانہ قدیم میں "کمبوج" "کابل" کا دوسرا نام تھا"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبوج" کا محلِ وقوع بتانے کے لئے جو یہ بیانات پیش کئے ہیں" ان میں سے "مہابھارت" "راج ترنگنی" اور تامبے کے پتر کے" نوشتوں سے جو قدیم ہیں مطلق اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ "کمبوج" کس علاقہ کو کہا جاتا تھا" یا اس سے کونسا حصۂ ملک مراد ہے" مترجم راج ترنگنی" اور "صاحب آئینۂ تاریخ نما" کے بیانات میں بھی کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے" جس کی بنا پر "کمبوج" کے متعلق صحیح طور سے معلوم ہو جاتا کہ" فی الواقعی کمبوج فلاں علاقہ کا نام تھا" صاحبانِ مذکور کی حاشیہ آرائی اور یقین آفرینی" محض اس بات پر مبنی ہے کہ "مہابھارت" اور راج ترنگنی میں "کمبوج" کے گھوڑوں اور پوستینوں وغیرہ کا ذکر آگیا ہے"

جنرل کننگھم صاحب نے جو اپنے جغرافیہ میں "مشرقی افغانستان" کو "کمبوج" کا محل وقوع بتلایا ہے" اور "لالہ لاجپت رائے" نے اپنی تاریخ ہندوستان میں تبت کو "کامبوجا" قرار دیا ہے" یہ دونوں علاقے پہاڑی اور برفانی ہیں" اونی کپڑوں" اور "سنجاب وغیرہ کا استعمال" ان دونوں ملکوں میں ہوتا ہے" گھوڑے تو کون کہہ سکتا ہے مثل آسٹریلیا عرب کے گھوڑوں" اور برما کے ٹانگنوں (اوسط قد کے مضبوط و تیز قدم گھوڑوں کی ایک قسم") کے جو ان ملکوں سے مخصوص ہیں تیتر کے رنگ کے" اور طوطے کی چونچ کے سے تھوتھن والے گھوڑے" ملک تبت" سے جسے لالہ صاحب نے "کامبوجا" بتایا ہے" مخصوص نہیں تھے" یا اب نہیں ہیں" کچھ عرصہ سے "تبت" میں پولیٹیکل وجوہات کی وجہ سے ہندوستانیوں کی آمد و رفت بند ہے اور وہاں کا حال معلوم نہیں ہے" لیکن افغانستان کے ہر حصے سے "ہندوستان" کے لوگ واقف ہیں۔ اس لئے یقینی طور سے معلوم ہے کہ "گھوڑوں کی یہ قسم جس کا ذکر مہابھارت میں ہے" افغانستان" میں نہیں ہے"

لالہ لاجپت رائے کے بیان پر مؤلف تاریخ کمبوہان کی رائے زنی اور اس کی حقیقت

اب رہی یہ بات کہ "جنرل کننگھم صاحب کے نوشتہ کو قبول کر کے مؤلف تاریخ کمبوہان نے "لالہ لاجپت رائے" کی تحریر پر جو یہ رائے ظاہر کی ہے کہ۔

"لیکن تبت میں آج تک کشادہ اور تنگ چشم" ابھرے ہوئے رخساروں والے منگولین.....
آباد ہیں" آرین نسل کا کوئی متنفس وہاں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ کمبوج مسلمہ طور پر آریہ ہیں"
اس لئے لالہ صاحب آنجہانی کی صریحاً یہ استخراج نتیجہ کی ایک غلطی ہے"

مؤلف موصوف کی یہ رائے بھی مبنی بر صحت نہیں ہے" وہ اس بات کو قطعاً ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ "کمبوج" مسلمہ طور سے آریہ ہیں" اگر انھوں نے یہ بات ثابت کردی ہوتی تو پھر انہیں اپنے بیان کو اس قدر طول دینے اور الجھاوے میں ڈالنے کی مطلق ضرورت نہ ہوتی" وہ اپنی بحث کو صرف اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اٹھاتے کہ جو قبیلہ پہلے "کمبوج" کہلاتا تھا" وہ آج "قوم کمبوہ" کہلاتا ہے" اور جب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا تو انہیں کسی بھی خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت نہ رہتی" انہوں نے شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد کو "کمبوج قوم" بتایا ہے" مگر اپنے بیان کے ثبوت میں وہ کوئی ایک بھی سند نہیں پیش کر سکے ہیں"

یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں ہے کہ "کسی ملک کے لوگوں کی دوسرے ملکوں میں جا کر وہاں کی آب و ہوا" تمدن و معاشری حالات" اور دوسری قوموں کے میل جول سے صورتیں بدل جایا کرتی ہیں بلکہ ان کے قد و قامت اور تن و توش میں بھی فرق آجاتا ہے کتنی منگولین نسلیں "ہندوستان" میں موجود ہیں" مگر جب تک ان کی تاریخ سے کوئی واقف نہ ہو کسی طرح بھی ان کی

صورتوں'' اور قدوقامت سے یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اُن کو ''منگولیہ'' سے کبھی کسی قسم کا کوئی تعلق رہا ہے'' اُن کی آنکھوں'' اُر
صورتوں'' اور اُن کے قدوقامت کو ''منگولیہ'' کے رہنے والوں سے ذرا سی بھی مناسبت نہیں رہی ہے خود ہندوستان
مختلف حصوں کے لوگوں کے رنگ روپ'' چہروں مہروں اور جسمانی حالت میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور جتنا اِس فرق میں تو
کے میل جول کو دخل ہے'' اتنا ہی آب وہوا کے اختلاف کا بھی حصہ ہے'' مؤلف تاریخ کمبوہان خود جانتے ہیں کہ بہت منگولوں
علاوہ جو ترکوں اور خلجیوں کے زمانوں میں اور اُن سے پہلے ہندوستان میں آ کر بسے'' بابر اور اُس کی اولاد کی اور اُن کے زمانو
آنے والے منگولوں تک کی نسلیں جو متعارف ہیں کیسی بدل گئی ہیں'' کہ کوئی مبصر اُن کی شکل وصورت کو دیکھ کر انہیں منگول نہیں
سکتا ہے''

''ہندوستانیوں اور آریاؤں کے چین'' اور تبت (یعنی کمبوجا) جانے اور بسنے کے شواہد''

مؤلف تاریخ کمبوہان کی اِس رائے زنی کی بھی کوئی قیمت نہیں ہے کہ ''تبت'' میں آریہ نسل کا کوئی متنفس نظر نہیں
جن لوگوں کو تاریخ سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ ''تبت'' اور دیگر ممالک میں ''بودھ مذہب کو رائج کرنے کے
ہندوستان ہی کے لوگ گئے تھے'' اور جوں جوں اِن ممالک میں یہ مذہب رواج پاتا گیا'' ہندوستانیوں'' کی (جن
آرین نسل والے بھی شامل ہیں) وہاں مانگ بڑھتی گئی'' اور وہ زیادہ تعداد میں ان مقامات پر جاتے اور بستے رہے ہیں
آئینہ حقیقت نما جلد اوّل کے صفحہ ۶۱ پر تحریر ہے کہ ''تاریخ تبت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ'' ۷۴۷ء میں'' پدما سمبھا
نامی ایک شخص کو ''نالندہ'' (بہار) کی خانقاہ سے ''تبت'' کے ایک راجہ نے بلایا۔ اور اپنے ملک کا اُسے مذہبی افسر مقر
۸۲۵ء میں ''تبت'' کے راجہ نے ''پنڈت کملا شلا'' کو ''ہندوستان'' سے بلایا۔ اور اُس کو
پر مامور کیا۔ کہ عام لوگوں کو ''بودھ مذہب کے احکام سے واقف کرانے کے لئے ایک مذہبی محکمہ اپنی نگرانی میں قایم کرے'' پھر ایک
پنڈت کو بُلا کر بدھ مذہب کی کتابوں کا ترجمہ کرنے پر مامور و مقرر کیا''

ظاہر ہے کہ یہ پنڈت تنہا نہیں گئے تھے'' اُن کے ساتھ اور لوگ بھی تھے'' اور قدر دانی نیز آؤ بھگت کی وجہ سے بہت
تبت میں مسلسل جاتے رہے اور وہیں بس گئے۔ اگر آج ان کی اولاد اور ''تبت'' کے باشندگانِ قدیم کی ''صورت شکل'' اور
ہیئت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے تو اُس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہاں آرین نسل کے لوگ موجود نہیں ہیں'' جس طرح منگولوں
صورت شکل اور قدوقامت میں ہندوستان آ کر میل جول اور آب وہوا کی وجہ سے ایسی تبدیلی ہو گئی کہ اُن کا منگولیہ کے لوگوں
تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے'' یہ ہی صورت تبت میں ہندوستان کے آریہ لوگوں کی ہے'' جنہیں وہاں گئے ہوئے صدیاں گذر گئی
ملک چین میں جس کے ماتحت ''تبت'' ہے۔ اُس میں بدھ مذہب کے داخل ہونے کے زمانہ کے متعلق اور چین
ہندوستان کے تعلقات کے بارے میں'' مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اوّل مصنفہ مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبا
میں تحریر ہے کہ ''چین کا بادشاہ سوسو'' جس نے شہر ''ہونان'' کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا'' ۲۵ء میں تخت نشین
اُس کے عہد میں ''بدھ مذہب'' ملک چین'' میں داخل ہوا'' ۶۳ء میں ''چین کے بادشاہ مینگ ٹی'' نے بد
کی کتابوں کے لئے اپنے آدمی ہندوستان روانہ کئے'' یہ چینی وفد'' خشکی کے راستہ سے ۶۵ء میں ہندوستان یعنی علاقہ
پہنچا'' اور مذہبی کتابیں'' بدھ کی مورتیاں'' اور مذہبی رسوم ادا کرنے والا ایک پوجاری'' ہمراہ لے کر ''چین'' کو واپس
اس کے بعد چین میں ''بدھ مذہب'' بہت جلد مقبول و مروّج ہوتا گیا''

۳۹۹ء میں ''چینی سیاح فاہیان'' چین سے بعزم ہندوستان روانہ ہوا۔ اور ''ہندوکش'' کو طے کر

وادیٔ سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا" اور دس گیارہ سال ملک میں سیاحت کرتا رہا" شمالی ہند کے تمام مشہور شہروں میں گیا" بدھ کی کتابیں اور روایتیں فراہم کرتا رہا" اس نے سفرنامہ لکھا ہے" وہ مذہبی آدمی تھا" زیادہ تر مذہبی باتیں لکھی ہیں"

چین سے ختن پہنچا" وہاں اس کو سب بدھ مذہب کے نظر آئے" وہاں سے "پامیر" ہوتا ہوا "سورستا" آیا۔ سورت سے پشاور" یہاں سے "پنجاب" کے شہروں میں۔ پھر پنجاب سے ممالک متحدہ کے اضلاع کو طے کرتا ہوا "پٹنہ" (بہار) پہنچا" یہاں تین سال رہکر سنسکرت سیکھی" پٹنہ سے بنگال کے مقام "تام لوک" میں آیا جو ضلع مدنا پور میں ہے اور اُس زمانے میں "بندرگاہ" تھا یہاں سے براہ سمندر لنکا گیا۔ لنکا میں عرب لوگوں کی "بحری تجارت" کا بھی ذکر کرتا ہے" لنکا" سے جاوا ہوتا ہوا۔ ۴۱۴ء میں پورے پندرہ سال بعد اپنے وطن میں داخل ہوا"

پٹنہ اُس زمانے میں "دارالسلطنت" اور بدھ مذہب کے علماء کا مرجع تھا"..... شہر متھرا میں بودھوں کی بیس خانقاہیں ہیں" جن میں تین ہزار بھکشو رہتے تھے" بہت سے لوگ بدھ مذہب چھوڑکر ہندو مذہب کے پَیرو بن گئے تھے" یہ ہندوستان کی شاہ پرستی کا نتیجہ تھا".....

۵۲۰ء میں "پنجاب" کے راجہ مہر گل (المتوفی ۵۴۲ء) کے پاس جو شیٹو کا پُوجاری تھا" چینی سفیر "سیانگ یُن" پہنچا" لیکن اس کی کسی رپورٹ یا سفرنامے کا حال نہیں معلوم ہوا"

۶۳۰ء میں "ہیونگ شانگ" یا "ہون شان" یا "ہیون تسانگ" وارد ہند ہوا" یہ سیاح چین کے معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا" اس کے بزرگ صوبوں کی فرمانروائی پر مامور رہ چکے تھے" اُس کے خاندان میں "علم و فضل" کا بھی خوب چرچا تھا" اور وہ خود عالم و فاضل تھا" اُس نے کتابوں کی تلاش" اور بعض مسایل کو حل کرنے کے لئے سفر کیا" وہ خوارزم سے بلخ کی جانب روانہ ہوا"

یہ تمام سفر جس کے اُس نے تفصیلی حالات لکھے ہیں" جس طرح اُس زمانے کے لوگوں کے لئے ایک دلچسپ مطالعہ کی چیز ہوگا" اُس سے زیادہ آج ضروری اور اہم تاریخی واقفیت بہم پہنچاتا ہے" ہر مقام کے فرمانرواؤں کے نام" اُن کے اخلاق" اور اُس زمانے کی معاشرت کو واضح کرتا ہے" جس کے معلوم کرنے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے" اُس نے بعض مقامات مثلاً۔ کاشغر و ختن" وغیرہ میں مذہبی مباحثے کئے" اور قریباً ہر جگہ کے حاکموں نے اُس کا استقبال" شاندار طریقہ پر کیا" اِس لئے کہ اُس کے علم و فضل کی بڑی شہرت تھی" "بلخ" سے "بامیان" ہوتا ہوا۔ وہ ملک "کاپیسیہ" کی سرحد پر پہنچا" وہاں سے ننگہار" اور ننگہار سے ایک شہر میں پہنچا" یہاں سے چل کر راجہ گوپال کے غار پر گیا" وہاں سے "شاپولو" (پشاور) اور وہاں سے "گندھار" ہوتا ہوا" ٹکسلا" پھر "کشمیر" پہنچا" کشمیر میں کچھ عرصہ قیام کے بعد "پونچھ" اور وہاں سے "راجپوری" سے روانہ ہوکر دریائے چناب کو عبور کرکے "سیالکوٹ" آیا۔ بالآخر "تھانیسر" پہنچا۔ پھر گنگا کو عبور کرکے "ملک متی پور" میں داخل ہوا" یہاں کا فرمانروا شودر قوم کا تھا" یہاں سے "قنوج" کی ریاست میں پہنچا۔ اس کے بعد وہ "ملک اجودھیا" (اودھ) میں داخل ہوا" یہاں سے کشتی میں سوار ہوکر اُس نے مشرق کا رُخ کیا" اور "بنارس" "بہار" "بنگال" "آسام" "اڑیسہ" "دکن" "صوبہ بمبئی" "گجرات" "سندھ" "ملتان" وغیرہ ہندوستان" کے قریباً تمام اضلاع میں پھرا" اور ہر جگہ کے باشندوں" حاکموں" عالموں" کے حالات نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے" معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے "فاہیان" کی طرح محض پُوجاری بنکر ہندوستان کا سفر نہیں کیا" بلکہ ایک تیز نظر" اور دقیقہ رس" شاہی سفیر" یا ایک مُفتش نامہ نگار کی حیثیت سے اِس ملک کا سفر کیا ہے" وہ ہرش وردھن" کے مہاموکش پرشاد میں بھی جو الہ آباد میں منعقد ہوا تھا جہاں ہندوستان کے بہت سے راجے جمع ہوئے تھے شریک تھا" اِس جلسہ کے حالات بھی اُس نے

بہت خوبی سے لکھے ہیں۔ غرضکہ وہ بہت سے تحایف و تبرکات اور ہزار ہا کتابیں اپنے ہمراہ لے کر "ملک چین" میں پندرہ یا بیس سال کے بعد واپس پہنچا۔ جہاں بڑی دہوم دھام سے اُس کا استقبال ہوا اور جلوس نکالا گیا۔ اور اُس کے ملک والوں نے اُس کی بڑی قدر کی۔ اُس نے خود اپنا سفرنامہ ترتیب دیا۔ اور آخر عمر تک تصنیف و تالیف کے کام میں معروف رہ کر ۶۶۴ء میں فوت ہو گیا۔ اُس کا سفرنامہ جس کا "انگریزی۔ اردو" اور دوسری بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ ہند قدیم کی تاریخ کے لئے ضروری چیز ہے۔

ہمارے پیش کردہ مندرجہ بالا حقایق سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ "پہلی صدی عیسوی کے اوائل میں چین و تبت میں "بودھ مذہب کے داخلہ کے وقت سے "ہندوستان" کے اس مذہب کے گہوارہ ہونے کی وجہ سے" اِن دونوں ملکوں میں ایسی اپنایت ہو گئی تھی کہ غیریت بالکل باقی نہیں رہی تھی۔ "ہندوستان" کے لوگ کثرت سے جا کر "چینی علاقوں اور جزایر میں جانے اور بسنے لگے تھے" اُدھر سے "چینی یا منگولین" وادی برہمپتر وغیرہ راستوں سے آکر "بنگال و بہار میں بس گئے تھے" تاریخ کے طالب علم اِس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ بنگال و بہار کی آبادی کا بڑا حصہ منگولین نسل سے مخلوط ہے۔ جو ان قبایل کے کثرت سے آنے اور وہاں بس جانے کی وجہ سے مخلوط النسل ہو گیا ہے۔ اِن شواہد کی موجودگی میں "مؤلف تاریخ کمبوہان" کا یہ کہنا کہ تبت میں آرین کا کوئی متنفس نظر نہیں آتا" حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

باب پنجم ۵

مؤلف تاریخ کمبوہان کا ایک اور دہوکا یعنی اُن کی تاریخ فرشتہ کے نوشتہ کے متعلق غلط بیانی اور لایعنی رائے زنی

مؤرخ تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۵ پر "اسلامی نکتہ خیال سے کمبوج سلطنت کا قیام" کی سُرخی دے "ایک بے سروپا" اور بالکل غلط بات یہ لکھی ہے کہ۔

"مسلم مؤرخین کے نکتہ خیال سے "کمبوج" بن نہروال بن ہند بن حام بن نوحؑ کی اولاد" مشرق قریب (مغربی ایشیا) سے نقل مکان کر کے منتشر ہوئی"

اِس بیان کے لئے انہوں نے "تاریخ فرشتہ" کے صفحہ ۲ کا حوالہ پیش کیا ہے" اور پھر اُس پر اس ط[رح] اضافہ کیا ہے کہ۔

"اِسی کا کچھ حصہ" مغرب میں یورپین ممالک کی سمت بڑھا" جس نے ممالک آسٹریا" جرمن" اٹلی" فرانس" وغیرہ آباد کئے" مشرق کی طرف رُخ کرنے والے گروہ نے آہستہ آہستہ" اور گروہ در گروہ "نقل مکان کیا" بعد میں آنے والوں نے اپنے سے پہلے آنے والے گروہوں کو اور آگے ڈھکیلا" اور خود اُن کی جگہوں پر قایم ہو گئے" یہ تمام قومیں "نوحؑ" ہی کی اولاد ہیں جو موحد اور خدا پرست تھیں" ایک ہی قسم کی تہذیب" ایک ہی تمدن" اور یکساں کلچر و ثقافت رکھتی تھیں" ان کی زبان بھی قریباً ایک جیسی تھی" سب سے پیشرو جماعتوں نے "سپت سندھو" (موجودہ پنجاب) پھر آریہ ورت (شمالی ہند) پر آہستہ آہستہ صدیوں اور قرنوں میں پیش قدمی جاری رکھی" جوں جوں آبادی اور اولاد بڑھتی گئی" وہ مزید

اور قرنوں میں پیش قدمی جاری رکھی۔ جوں جوں آبادی اور اولاد بڑھتی گئی "وہ مزید اقطاعِ ملک پر پیش قدمی کرتے گئے" ملک کے اصلی سیاہ فام باشندوں کو بے دخل کر دیا" انہیں کو مغربی مصنفین "آریہ کے" معزز نام سے مخاطب کرتے ہیں" اور باشندگانِ یورپ بھی انہیں کی اولاد تصور کئے جاتے ہیں"

اس اضافہ میں "کچھ حصہ مؤلف موصوف کا اپنا ہے" اور کچھ حصہ انہوں نے حوالہ دینے کے لئے "لالہ لاجپت رائے" کی "تاریخ ہند" سے لے کر تحریر کیا ہے"

اسلامی نکتہ خیال سے کمبوج سلطنت کا قیام کی" سُرخی کے تحت "تاریخ فرشتہ سے ایک غلط بات منسوب کر کے لالہ لاجپت رائے کے بیان سے جو جوڑ انہوں نے ملایا ہے" یہ سراسر دھوکے میں ڈالنے والا ہے" "تاریخ فرشتہ سے جو بیان ہم اوپر لکھ آئے ہیں" اُس سے معلوم ہو چکا ہے کہ "فرشتہ نے "نہروال کے کسی بیٹے کا نام "کمبوج" نہیں لکھا ہے" بلکہ اس نے اپنی کتاب میں "نہروال" کے تین بیٹے "بہروچ" "کنباج" اور "مالراج" بتائے ہیں"

اور "کنباج" کی اولاد کے ہندوستان سے باہر جانے اور پھر واپس آنے کے متعلق "تاریخ فرشتہ میں کچھ بھی تحریر نہیں ہے" صرف اتنا لکھ کر اُس نے اپنے بیان کو ختم کر دیا ہے کہ "نہروال" کے ان بیٹوں کے نام پر بھی "تین شہر آباد ہوئے" جہاں اُن کی نسل کے لوگ اب تک موجود ہیں" فرشتہ کے اس بیان" اور مؤلف تاریخ کمبوہان" کے پیش کردہ اس بیان میں جسے انہوں نے فرشتہ سے منسوب کیا ہے" جو فرق ہے وہ ظاہر ہے"

فرشتہ کی تحریر میں تحریف کر کے۔ اور "لالہ لاجپت رائے" کے آریوں کے متعلق بیان کے ایک ٹکڑے سے آسے غلط ملط کر کے "مؤلف موصوف نے" جو اس موقع پر آریوں کے حضرت نوحؑ ہی کی اولاد ہونے کو ظاہر کر دینا ضروری سمجھا ہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ" اس تحریر کے لکھتے وقت اُن کے دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ "کنباج" اور "کا موجیا" کی اولاد ہونے کے اُن کے استدلالوں کو بے حقیقت جان کر اور قابلِ وقعت نہ پا کر نیز اس تحریر کی بنا پر کوئی شخص اپنی خوش فہمی سے اُن کی قوم کمبو کو "ہندوستان" کا قدیم باشندہ نہ سمجھ لے" جسے انہوں نے "طوفان نوحؑ" پر بحث کر کے" اور اسلامی مورخوں کے بیانات کو رد کر کے اور یورپین مؤرخین کی تحریروں سے اتفاق کر کے اپنی کتاب کے صفحہ ۵ پر ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ

"طوفان نے معلومہ دنیا پر خاصہ مہلک اثر کیا" چین" ہندوستان" اور ہند چینی" اور باقی ممالک کے بلند ترین مقامات کے سوائے باقی آبادی ہلاک ہو گئی"

"چین میں منگولین نسل" اور وہ ہندوستانی آبادی" جس کی نسل اب تک ہندوستان میں "قدیم باشندوں" اور "اچھوت" اقوام کے ذلت خیز نام سے موسوم ہے" طوفان کے خطرناک اور مہلک نتائج سے بچ نکلی تھی"

جب یہاں "مؤلف تاریخ کمبوہان کی "فرشتہ کی تحریر میں تحریف کر دینے اور اس کے "لالہ صاحب کے بیان سے غلط ملط کر دینے کو دکھانا تھا"

ہندوستان کی قدیم اقوام کی بحث کیونکہ ہمارے مقصد سے خارج ہے" اس لئے ہم اُن کے متعلق یہاں صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ "ان اقوام کے متعلق جو اچھوت کہلاتی ہیں" تمام مؤرخین نے بالاتفاق یہ لکھا ہے کہ "ان کی یہ گت" آریا قوم نے بنائی ہے" اور آریہ قوم" کم و بیش تین ہزار سال قبل ہندوستان میں داخل ہوئی تھی" اور ان اقوام کی اِس ذلیل و کمزور حالت کو "طوفانِ نوحؑ" سے کوئی تعلق نہیں ہے" ان کو قدیم" صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "ڈریوڈین"

وغیرہ اور ان کے بعد آریاؤں کے آنے سے پہلے یہ اقوام "ہندوستان میں رہتی تھیں"

"کمبو قوم کو "غیر مسلموں کے آریہ نسل سے نہ ماننے پر" مؤلف تاریخ کمبوہان کی پریشانی اور اضطراب"

اپنی کتاب کے صفحہ ۹۸ پر "کمبو آریہ نسل سے ہیں" کی سُرخی دے کر مؤلف موصوف نے یہ لکھا ہے کہ:-

"باوجود اس کے ممکن ہے کہ "اکثر غیر مسلم اصحاب کو" کمبوؤں کے "اولاد نوح" تسلیم کرنے میں تامّل ہو" پھر بھی ہمیں اُمید ہے کہ وہ "کمبوؤں کو "آریہ حملہ آوروں کی اولاد تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے" جیسا کہ ہم بہ دلایل اس کو آیندہ اوراق میں ثابت کریں گے"

"مؤلف تاریخ کمبوہان" کی اس تحریر سے اُن کا اضطراب ظاہر ہے" وہ اپنی پچھلی خامہ فرسائی سے جسے ہم اوپر ذکر چکے ہیں۔ ذرا بھی مطمئن نہیں ہیں" اور یہاں انہوں نے یہ لکھکر کہ "آیندہ اوراق میں ہم بہ دلایل ثابت کریں گے" خود ہی اپنے پہلے بیانات کو رَد کر دیا ہے" اب ہم اُن دلائل کو بھی ایک نظر ڈالتے ہیں" جن کو آیندہ اوراق میں پیش کرنے کا "مؤلف موصوف نے ذکر کیا ہے"

بابِ ششم

مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحریف "لفظ کمبوج" میں اور "جنگ بشوامتر و بششٹ جی" میں کمبوج قوم کی شرکت دکھا کر بھی اُسے آریہ نسل سے ثابت کرنے میں اُن کی ناکامی

جنگ بشوامتر و دششٹ جی میں "کمبوؤں کی شمولیت" کی سُرخی دے کر "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۹ تا ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ:-

"چونکہ "کمبو" اور ہندوستانی آریہ" قومیں "باہم یک جدی و ہم نسل تھیں" ان کی زبان" رسوم و روایات" وطریقہ ہائے عبادت" یکساں تھے" اِس لئے وہ ہر دُکھ سُکھ" اور "رنج و راحت میں "ہندوستانی آریوں کے شریکِ حال رہے" .... کرنل ٹاڈ صاحب" سابق پولٹیکل ایجنٹ ریاست ہائے راجپوتانہ" اپنی مشہور و معروف کتاب "ٹاڈ راجستھان" مترجمہ منشی دوارکا پرشاد صاحب اُفق لکھنوی کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "شبہ بالا میں ہر چیز کے پیدا کرنے کی قوت تھی" اس وقت بھی اس نے "بششٹ جی کے مددگار" اور اپنے محافظ پیدا کر لئے" اِن معاونین میں تھے" پہلوی خطاب کے تاجداران ایران" خونخوار ساکا قوم کے بہادر" مُرصّع قبضوں" اور زرکار ڈھالوں سے آراستہ دلیر یَون لوگ یعنی اہلِ یونان" "کمبوج" فرقہ کے مردانِ کارزار" وغیرہ وغیرہ" جب میدانِ کارزار گرم ہوا تو "وشوامتر نے "پہلوی اہلِ سیف تاجداران کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھدیا" لیکن آخر کار وِششٹ جی" کی شجاعت نے اس کو شکستِ فاش دے کر پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا" "ٹاڈ صاحب کے خیال میں یہ فوجی امداد "قدیم اہلِ فارس" ساکا قوم" اہلِ یونان"

"و باشندگانِ آسام۔ جنوبی ہند" اور ہندو مذہب کے مختلف گروہوں سے حاصل ہوئی تھی"
اِس واقعہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ "رامائن پال کانڈ سورگ۔ نمبر ۵۳ و ۵۴ میں بھی موجود ہے" اِس جنگ کا زمانہ عہد قبل از تاریخ ہے" مگر معلوم ہوتا ہے کہ "جب اِس لڑائی کا ذکر "مصنف نے اپنی کتاب "جونر متعلقہ پُران" میں تحریر کیا۔ اُس وقت "اہلِ یُونان" ہندوستان پر حملہ آور ہو چکے تھے" اور ہندوستانی یُونانیوں سے واقف و آشنا تھے" یعنی کتاب کا زمانۂ تصنیف ۳۲۵ سنہ قبل مسیح سے بعد کا ہے" سکندر کے حملۂ ہندوستان (۳۲۶ سنہ قبل مسیحؑ" کے بعد کسی زمانے میں یہ کتاب تحریر ہوئی" ممکن ہے کہ دوسری صدی عیسوی اس کا زمانہ تصنیف ہو"

پس اِس اقتباس سے اِس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ "حضرت مسیحؑ کے سنہ میلادی کی ابتدائی صدیوں میں "سلطنت کمبوج" کا شہرہ پُورے طور پر موجود تھا۔ اور ہر ایک مُصنّف لازم تصور کرتا تھا کہ کسی جنگ کی تفصیل بیان کرنے کے لئے اور اُس کی عظمت ثابت کرنے کے لئے "کمبوج قوم" کا تذکرہ۔ اور اُس کی شمولیت کا ذکر ضروری و لازمی ہے" اِس تحریر سے یہ بھی ضرور ثابت ہوتا ہے کہ "اہلِ کمبوج" کا راہ و رسم" اپنے ہندوستانی بھائیوں سے ضرور جاری رہا" اور زمانۂ قبل از تاریخ میں بھی انھوں نے بُعد مسافت کو باعثِ فراق و انشقاق رہنے نہیں دیا"

مُؤلف موصوف نے "اپنی رائے کے ساتھ" جس کتاب "ٹاڈ راجستان" سے یہاں اقتباس پیش کیا ہے" اُسے مُورخین نے بالاتفاق ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے" اور خود مؤلف تاریخ کمبوہان نے بھی "کرنل ٹاڈ" کے متعلق اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲ و ۵۳ پر لکھا ہے کہ "کرنل ٹاڈ" صاحب کی "ٹاڈ راجستھان" کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس سے ہندوستان کے تاریخی حالات کے متعلق کوئی سند لی جائے"

"تاریخ راجپوتان" مطبوعہ کارخانہ روزانہ اخبار پنجابی گزٹ پریس بریلی" کے صفحہ ۲ پر اُس کے غیر معتبر ہونے کو بتایا ہے۔ اور تمام کتاب میں جگہ جگہ "کرنل ٹاڈ" کی غلط بیانیاں" کھول کر دکھائی ہیں"

تاریخ ہند قدیم جلد اوّل میں مصنفہ مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی میں "تاریخ ہند اور یورپین مصنفین" کی سرخی کے تحت "کرنل ٹاڈ" کی کتاب کی حیثیت اِس طرح دکھائی ہے کہ "ٹاڈ صاحب" سُلطان خورم" (شاہجہاں) کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ اصل میں "کورم" تھا۔ جس کے معنی "کچھوائے" کے ہیں" جو اس کی راجپوتنی ماں کا نام تھا۔ "پٹھانوں" کو جادو نسل کا راجپوت قرار دے کر "دلیل یہ بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل" کو یہودی کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ (حالانکہ پٹھان "بنی اسرائیل کو اچھا، اور یہودی کو بُرا سمجھتے ہیں") لہذا "جادو" اور "یہودی" یا "جھودی" ایک لفظ ہو سکتا ہے" مارو ں گھٹنا پھوٹے آنکھ" کا رنامہ راجپوتان کے صفحہ ۵ پر ہے کہ "افغان" "بنو اسرائیل" کے ان قبائل کی نسل سے ہیں" جن کو "بنوچر نزار" "بخت نصر" قید کر کے "فلسطین" سے "میڈیا" (بابل) لے گیا تھا" جادو" اور "یہودی" کو ایک لفظ بتانا" نہایت لغو خیال ہے"

اور صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے کہ "اگر یُوسف زئی" یا دوسرے افغان "راجپوتوں" میں سے نکلے ہوتے تو اُن کے نام "یوسف زئی" "داؤد زئی" اور "سلیمان زئی" عبرانیوں کے طرز پر نہ ہوتے" اور "کوہ سلیمان" اور "درۂ خیبر" نام

مقاموں کے "اسمٰعیلی" یادگار کے لئے نہ رکھے جاتے" اگر دراصل وہ ہندو ہوتے تو اُن کے قدیمی برتاؤ کی ایک جھلک ضرور دکھا دیتی" حالانکہ جو قومیں پہلے ہندو تھیں اُن میں ضرور کچھ نہ کچھ ایسا پایا جاتا ہے" جب "نادرشاہ" بر ارادۂ تسخیر ہندوستان پشاور میں داخل ہوا" تو اُس وقت "یوسف زئی" سرداروں نے اُس کے حضور میں "کتاب مقدس بائبل کا ایک نسخہ جو عبرانی زبان میں تھا پیش کیا" جس کو انہوں نے بحفاظت رکھا تھا"

دوسری جس کتاب میں مؤلف موصوف نے "وششٹ جی" اور "بشوامتر" کی اس لڑائی کا تفصیلی حال لکھا ہونا ظاہر کیا ہے" اُس میں سے ایک حرف بھی نہ لکھکر" انہوں نے اپنے قیاس سے صرف اُس کے زمانۂ تصنیف پر رائے زنی کرکے اِس بحث کو ختم کر دیا ہے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ" اُن کی نظر سے یہ کتاب نہیں گذری" اور صرف کسی جگہ دیکھکر اس کتاب کا نام لکھ دیا ہے" ورنہ کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ" قدیم کتاب کے نوشتہ کو تو چھوڑ دیا جائے اور سو برس کی ایسی کتاب سے حوالہ پیش کیا جائے ۔ جسے وہ خود ہی معتبر نہیں سمجھتے"

بششٹ منی کا تخم سوختہ چھتری قوم کی جگہ دوسری نئی قوم کا پیدا کرنا

یہ "وششٹ جی یا بششٹ منی" جن کے معاونین میں "یون" "کمبوج" اور ساکا" فرقوں کو بتایا ہے" وہ بزرگ ہیں" جن کے زمانے سے بہت عرصہ پہلے "پرسرام جی اوتار" چھتریوں کو تخم سوخت" یعنی اُن کی نسل کو نیست ونابود کر چکے تھے "وششٹ جی" کو اپنے زمانہ میں یہ دیکھکر کہ" ہندوستان" میں بودھ مذہب پھیلنے کی وجہ سے لوگ منکر خدا ہوگئے ہیں بہت خوف پیدا ہوا" اِس لئے انہوں نے بودھوں کو زیر کرنا چاہا" لیکن کیونکہ چھتری کی نسل جس کا کام جدال وقتال کرنا تھا" تخم سوختہ ہو چکی تھی" اِس لئے اُنہوں نے "آبو پہاڑ" پر "دو ہوم یگ" "اگنی کنڈ" سے "راجپوتوں کو پیدا کیا" اور اُنہیں چھتریوں کا قایم مقام بنایا" پھر اُن کے ذریعہ سے "لڑائیوں" سے بودھوں کو مغلوب کرکے "وید دھرم" کو دوبارہ رائج کرنے کی کوشش شروع کردی" چھتریوں کے قائم مقام راجپوتوں میں جو اِس طرح پیدا کئے گئے" یا بنائے گئے" باہر سے آئی ہوئی "تاتاری یا مغلئی اقوام" اور ہند کی قدیم نسل کے باشندوں کی کچھ ذاتیں شامل ہیں"

بششٹ منی سے بہت زمانہ پہلے "پرس رام جی اوتار" کے چھتریوں کو تخم سوخت کردینے" اور منی دیوتاؤں کے دوسری قومیں پیدا کرنے کی شہادتیں

"پرسرام کے" چھتریوں کی نسل کو نیست ونابود کردینے کا حال" بہت کتابوں میں مذکور ہے" (۱) تاریخ امروہہ اول "مطبوعہ تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی کے صفحہ ۱۵۹ پر تحریر ہے کہ "جب پرس رام" نے چھتریوں کی نسل کا قلع قمع کردیا".....

(۲) اور امپیریل گزیٹیر آف انڈیا مترجمہ مولوی سید غلام ربانی صاحب ۔ ناظم آثار قدیمہ مملکت آصفیہ دکن مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۰۱ پر ہے کہ

"بعد کے ایام میں" راجپوتوں کے بھاٹوں نے" ان کے لئے بہت سی روایتیں گھڑ دیں" اور اُن کا شجرۂ نسب "رام" اور "کرشن" سے ملاکر انہیں شرف واعزاز بخشا" ان میں سب سے زیادہ شاعرانہ افسانہ وہ ہے جس میں چار "اگنی کل" خاندانوں کی ابتدا کا بیان ہے" اِس افسانے کی قدیم ترین صورت "گیارہویں صدی سے تعلق رکھتی

ب برہمن پرس رام " دکلہاڑی والارام " قدیم کشتریوں کی نسل کو تباہ کرچکا - تو لوگ بے سردار رہ گئے " اور ملک میں بے دینی پھیل گئی "
وتاؤں کو اب اپنے کئے پر ندامت ہوئی " اور اس خرابی کو دُور کرنے کے لئے جو خود ہی اُن کی پیدا کی ہوئی تھی " وہ سب مقدس رشیوں کے
سکن " کوہ آبو " کو گئے " تاکہ زمین پر حکومت کرنے کے لئے " جنگ جوؤں کی ایک نئی نسل پیدا کریں " انہوں نے " کوہ آبو پر ایک آتشی
ھاوُتیار کیا " اور اُس میں سے " راجپوتوں کے مشہور قبیلے " پریہار " پونوار " سولنکی " اور " چوہان " خاندانوں کے چار سورما پیدا کئے "
اس روایت سے خواہ ملکی حکمرانوں کی جگہ " ایک غیر ملکی نسل کے حکمرانوں کے قایم مقام کرنے کو چھپانا مقصود ہو یا نہ ہو " لیکن
روایت " ایک اصل واقعہ پر مبنی ہے " راجپوتانہ میں " مقدس پہاڑ عام ہیں " اور ان میں " کوہ آبو " سب سے زیادہ مقدس ہے "
ں مقام پر " اگنی کل خاندان کے قبایل " ایک دوسرے سے ملے تھے " جن میں سے تین اس کے قریبی علاقہ پر قابض ہو گئے "

پرس رام جی کے حالات

" مراۃ السلاطین ترجمہ سیرالمتاخرین " مترجمہ گوکل پرشاد " مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ " میں تحریر ہے کہ " خدا کو " فرقہ
ودمیں " اَوتار " کہتے ہیں " فی الحقیقت " ہندوؤں کا اعتقاد یہی ہے " خداوند بیچوں نے اس اَمر کے واسطے جس کا فائدہ - آفرینش
لے پیکر عنصری کو اپنے نور سے مشرف بخش " وہ اس کے حال پر توجہات بینغی روا رکھتا - اور اُس کے وسیلہ سے ایسے اُمور کو ظہور دیتا
جو انسان کی آنکھوں میں عجائبات سے معلوم ہوتے ہیں " وہ اپنے فروغ قدرت سے موجودات میں کسی قدر جھلک چھوڑتا ہے "
لئے کسی موجود کو " نور فروغ الٰہی سے " محروم نہیں سمجھتے " ہر دَور میں جسے یہ لوگ " ست جگ " ترتیا " دواپر " اور
ب " کہتے ہیں " دس گیارہ وجود " مختلف صورتوں پر خاص اپنی اپنی قدرت دکھلانے کو ظاہر ہوئے - اور کارہائے دشوار کو
م دیا " ہر ایک اُن میں سے اپنے عہد میں ایک نام سے موسوم ہو کر " فرمانروا " ہوا - اور دیگر خلایق فرمان پذیر رہے ہیں "

ن اَوتار ہر چار جگ میں " ذی مرتبہ ہوا ہے " اور آج تک اِن چار دَور میں نو اَوتار ہوئے ہیں "

اول " مچھ اَوتار جو پیکر ماہی میں " عجائبات " آثار " اور " انوار کردگار کا " مظہر ہوا " کیفیت اِس اَوتار کی یہ ہے کہ -
.... سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار برس پانی کا طوفان رہا " بعدہٗ پوشیدہ ہو گیا " ......

کورم اَوتار یہ اَوتار " دَور ست جگ میں " واقع ماہ کاتک " سکل پچھہ دوادشی کو " کچھوے " کے قالب میں ظاہر ہوا "
سبب اِس اَوتار کا یہ ہے کہ " ... صے

باراہ اَوتار ست جگ میں " کارتک کے مہینہ کی پورن ماشی کو " ہادات شہر میں " اَودھ " اور " مصر کھ " کے نزدیک
ظاہر ہوا " کیفیت یہ ہے کہ " .... صے

نرسنگھ اَوتار یہ ایک ایسا پیکر تھا - جس کا آدھا دھڑ کمر سے اُوپر شیر کا سا - اور نیچے کی طرف انسان کا سا تھا " ست جگ میں
ماہ بیساکھ شکل پچھہ چتردسی کو " ہرن پور میں " جس کا نام ہندودن " مشہور ہے " قریب آگرہ " کے ظاہر
وجہ اس کی یہ ہوئی کہ " ....

باون اَوتار ترتیا کے زمانے میں " ماہ بھادوں شکل پچھہ دوادشی کو " ٹھہر مون بھدر راین " ساحل نربدا پر کشیب
بن برنج بن برہما " کے مکان میں " ادت " کے پیٹ سے پیدا ہوا " اِس اَوتار نے ایک ہزار برس
روائی کی " کیفیت اس کی یہ ہوئی کہ " .... صے

(۶) پرس رام اَوتار

اَوتار کا " جدکن " برہمن کے گھر میں " اورینکا " عورت کے شکم سے " ترتیا جگ " ماہ بیساکھ " پچھہ تردوی کو

”موضع رنگتا[1]“ متصل ”آگرہ“ کے پیکرِ انسانی میں ظہور ہوا۔ کہتے ہیں کہ ”جمدگن“ ”سری مہادیو“ کا مظہر“ اور ”رینکا آدت“ سے جو تمام دیوتاؤں کی ماں ہے“ پانچ لڑکے پیدا ہوئے“ اُن میں سے پانچواں ”پرس رام“ کیلاس پہاڑ“ پر ”مہادیو جی“ کی خدمت میں ”ادب آموزی کرتا تھا“ اور اُس کا باپ ”جمدگن“ جنگل میں عبادت سے دل شاد تھا“ کارت ویرج“ ایک شخص کے ہاتھ نہ تھے“ وہ کوہ کیلاش“ پر پہنچا اور عبادت کرنے لگا“ مہادیو نے اُسے سرفراز فرمایا اور ہزار ہاتھ عطا کئے“ اُس وقت ”تین لوک کی راجگی پر“ اُس کی دسترس ہوگئی“ اب وہ جور و بدعت کی طرف مایل ہوا“ اور دیوتاؤں تک پر دراز دستی کرنے لگا“ آخر کار اُس کے ہاتھ سے تنگ ہو کر ہر ایک دست بدعا ہوا کہ“ اے خدا اِس موذی کے پنجہ سے اپنی حفظ و امان میں رکھ“ خدا کی درگاہ میں اُس کی دعا قبول ہوئی“ قضارا ایک دن ”راجہ کارت ویرج“ جبکہ بہت بھوکا اور پیاسا تھا“ پرسرام“ کے باپ ”جمدگن“ کے عبادت خانے کی طرف جا نکلا“ جمدگن“ نے ”بادشاہوں کے لایق کھانے اور پینے کی چیزیں“ راجہ کے سامنے رکھیں“ نیز طرح طرح کے جواہرات بھی اُس کے حضور میں حاضر کئے“ راجہ نہایت متعجب ہوا اور اُس نے کہا کہ جب تک حقیقت حال سے واقف نہ ہوں گا۔ میں اِس سامان میں ہاتھ نہیں ڈالوں گا“ جمدگن“ نے جواب دیا کہ ”اِندر“ راجہ نے جو ”عالم علوی کا“ فرمانروا ہے“ مجھے کائے کامدھین عطا فرمائی ہے“ راجہ کے دل میں حرص پیدا ہوئی۔ اُس سے نہ رہا گیا“ اور اُس کا سوال کر بیٹھا“ جمدگن“ نے جواب دیا کہ بے اجازت ”اِندر“ کے یہ خواہش عدیم الحصول ہے“ دنیا کے شکوہ اور دبدبہ سے ایسی چیز حاصل نہیں ہو سکتی“ راجہ نے اِس جواب سے برافروختہ ہو کر ”جمدگن“ پر حملہ کیا“ اُن کے درمیان لڑائی ہوئی لیکن اُس وقت راجہ کی کچھ پیش نہ گئی“ آخر رات کو چھپ کر آیا“ اور ”جمدگن“ کا کام تمام کر دیا“ لیکن گائے کا اُسے کہیں نشان نہ ملا“ رینکا“ نے اپنے لڑکے پرس رام کو بلا کر ”رسم کریا کرم“ ادا کرائی“ پھر خود تو وہ حسب آئین مروجہ ”ستی“ ہوگئی“ مگر پرس رام کو گوشمالی پر آمادہ کر گئی“ جس نے اپنی قدرت ابداعی سے ”راجہ پر چڑھائی کر کے اُس کا خاتمہ کر دیا“ بدی کی جگہ ”دیوتاؤں کو“ فرمانروائی حاصل ہوئی“ دنیا کے خزانے جو اِکٹھے ہوئے تھے وہ نیک کاموں میں صرف کئے“ بعدہٗ ہر طرف سے اپنا ہاتھ ہٹا کر تنہائی اختیار کی“

معتقدانِ ہند کے نزدیک ”ابھی تک“ پرس رام جی“ مہندرا پہاڑ“ پر ”زمین کوہکن میں“ زندہ ہیں“ ص۹

ایک اور روایت اِسی کتاب کے صفحہ ۲۱ تا ۲۴ پر تحریر ہے کہ ”پانڈوں کے خاندان کی تباہی کا سبب جس نے اِس خاندان کی

(نوٹ ۱) مرقع اکبرآباد یعنی تاریخ آگرہ مطبوعہ ابو العلائی پریس آگرہ ۱۳۴۹ھ ہجری مطابق ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۲۲۹ پر ”رنکتہ“ کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ ”موضع رنکتہ“ پرگنہ کراولی میں ”متھرا“ اور ”آگرہ“ کی پختہ سڑک پر ”آگرہ“ سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے“ اور ہندوؤں کا مقدس مقام سمجھا جاتا ہے جہاں ”ترتیا جگ“ میں ہندوؤں کے چھٹے اوتار ”پرس رام“ نے ”جمدگن“ برہمن کی زوجہ ”رینکا“ کے شکم میں جنم لیا تھا“ چنانچہ اس میں ”پرس رام“ کا مندر بنا ہوا ہے۔ جہاں دسہرہ پر میلہ ہوتا ہے“ اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں ”یہ موضع“ خواجہ ہلال نامی“ ایک خوجہ سرا کی جاگیر میں تھا“ جو بادشاہ کا میر تزک تھا“ اُس نے ایک قلعہ اور سرائے پختہ اور بازار ”یہاں تعمیر کرا کر ”ہلال آباد“ اُس کا نام رکھا تھا“ اس کی عمارت کے باقی ماندہ نشانات“ کچھ عرصہ پیشتر تک موجود تھے“ یہاں اب دریائے جمن“ ایک بزرگ کی خانقاہ“ نہایت عمدہ موقع پر واقع ہے“ جو درگاہ ”سخی سرور سلطان“ کے نام سے موسوم ہے“

اکبر بادشاہ کی والدہ حمیدہ بانو بیگم نے بھی“ اس جگہ ایک پختہ سرائے تعمیر کرائی تھی“ شاہی زمانہ میں ”آگرہ“ سے ”رنکتہ“ تک برابر آبادی اور عمارت کا سلسلہ تھا“ رنکتہ“ میں اکبر بادشاہ کی شکارگاہ بھی تھی“ اور اکثر امراء“ اور بیگمات نے عمارتیں تعمیر کرائی تھیں“

سنہ ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری انتیس سو بانوے تھی“ جن میں چار سو اٹھاسی مسلمان تھے“ یہاں ایک شاہی مسجد شکستہ حالت میں موجود ہے اور جامع مسجد کے نام سے موسوم ہے“

حکومت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینک دیا تھا " صرف ناانصافی اور مذہبی گستاخی تھی " ایک دن کسی " برہمن " کی گائے کو " اُس کے گھر سے پکڑ لائے اور اُس کے مار ڈالنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ کہ برہمن نے آکر اُنہیں سمجھایا اور کہا کہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ " پانڈوں کا اقبال اُس وقت جائے گا جب وہ ایک " گائے " کی وجہ سے ایک برہمن کی جان لیں گے " مگر انہوں نے اُس کے کہنے کی پروا نہ کر کے اور دین کا پاس و لحاظ نہ کر کے " برہمن " اور " گائے " دونوں کو مار ڈالا " اس مظلوم برہمن کا ایک بیٹا تھا جو بڑا ہی طاقتور اور قوی ہیکل تھا " اور ایک پہاڑی پر رہا کرتا تھا " اُس نے جب اپنے باپ کے مارے جانے کا سانحۂ عظیم سُنا تو اُسی وقت اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ اور خود اپنی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں جا کر " پانڈوں کا راج چھین لوں گا " اس لئے کہ انہوں نے " ایک گائے " اور " برہمن کی " ہتیا کی ہے " رشیوں کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی " پانڈوں کی تباہی کے لئے اس برہمن زادے نے کمر باندھی۔ تو کچھ لوگ اس نوعمر برہمن کے دعوے پر ہنسے " مگر ایک بڑی جماعت اُس کی طرفداری میں بھی اُٹھ کھڑی ہوئی " جس کی مدد سے اُس نے بڑھ کر ایک شہر پر قبضہ کر لیا " یہاں ٹھہر کر اُس نے اپنی قوت بڑھانی شروع کی " جب ایک بڑا بھاری لشکر جمع ہو گیا۔ تو یہاں سے اُس نے قدم بڑھایا تھا " شہر کے بعد شہر اُس کے قبضہ میں آنے لگے " یہاں تک کہ فتح کرتا ہوا " پانڈوں کے دارالسلطنت " شہر ہستناپور " پر جا پہنچا " پانڈو نسل کا آخری فرمانروا " **کویا ہورت** " مقابلہ کو نکلا " مگر بیچ میدان مارا گیا " جس کے مرتے ہی " برہمن " سارے راج کا مالک ہو گیا "

اُس نے تمام قلمرو پر قابض ہونے کے بعد کوشش کی کہ " پانڈوں کے خاندان (چھتریوں) کا دنیا سے تخم سوخت کر دے " اس لئے جہاں وہ ملے " تہ تیغ کر دیئے گئے " ...... اس قدر خونریزی کرنے کے بعد۔ برہمن نے کسی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر " یادِ خدا کرنے کا ارادہ کیا " اور " کسیا نامی " ایک برہمن " سے کہا کہ تم راج لے لو۔ میں اپنے بھگوان سے لَو لگاتا ہوں " اُس نے انکار کیا مگر یہ کہے جانے پر کہ اگر تم کو راج کی خواہش نہیں ہے تو اپنی طرف سے کسی اور کو دے دینا۔ اُس نے درخواست منظور کر لی اور اُس کے سامنے ہی " سناگہہ نام " اپنے ایک خدمتگار کو راج گدی پر بٹھا دیا " اور برہمن نے " راج پر لات مار کر اپنی آشرم کی راہ لی " اور دُنیا سے الگ ہو گیا " سناگہہ " نے تخت پر بیٹھ کر عدل گستری سے کام لیا " اچھی حکمرانی کی وجہ سے اُس کے گھرانے میں بہت دنوں تک راج رہا " پندرہ اچھے راجہ اُس کی نسل سے اس کی گدی پر بیٹھے " اور نیک نامی حاصل کر کے دُنیا سے رخصت ہوئے " مگر اُن کے بعد کے وارثوں نے ظلم و جور شروع کیا " جس کے نتیجہ میں راج اُن کے قبضہ سے نکل گیا " یہ واقعہ شہنشاہ ایران گشتاسپ کے زمانے کا ہے " کہتے ہیں کہ " **گشتاسپ** " کی زندگی ہی میں " بہمن " ایرانی فوجیں لے کر " **ہندوستان** " پر حملہ آور ہوا " اور ایک حصۂ ملک پر متصرف ہو گیا " بہمن ہندوستان کے مغربی اضلاع میں " ایک مدت تک ٹھیرا رہا " یہاں تک کہ اُس نے " **گشتاسپ** " کے مرنے کی خبر سنی " اور " ایران " میں واپس جا کر " تخت شاہی پر بیٹھا " بال کانڈ ادھیائے ۴، ۷، ۵ پر ہے کہ " برہمن پرشرام نے کشتریوں کا اکیس بار قتل عام کیا "

پرسرام یعنی جبرئیل[۲] روزنامہ رہبر دکن ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۲ کالم ۲ پر " مذاہب غیر کی کتب مقدسہ اور حضور صلعم کا ذکر مبارک " کی سُرخی کے تحت " مولانا حاجی حافظ **عبدالمنان** صاحب نقشبندی بی ڈی اے اپنے مطول مضمون میں تحریر فرماتے ہیں ...... اس کے بعد " **کلکی پُران** " اور **بھاگوت پُران** " میں حضور صلعم کے خاندان اور تاریخ پیدائش وغیرہ کے متعلق لکھا ہے کہ " **جگت گرو** " (یعنی حضور صلعم) کے باپ کا نام " **وشنو بھگت** " (یعنی عبداللہ) ہوگا۔ اور ماں کا نام " **سومتی** " (یعنی آمنہ) ہوگا " پیدائش کی تاریخ ۱۲ بیساکھ اور دن پیر کا ہوگا " جگت گرو دو گھڑی دن چڑھے پیدا ہوں گے " باپ کا انتقال پہلے ہوگا " ماں کا بعد میں " **شالمل دیپ** " کی رانی سے شادی کریں گے " اس شادی میں " چچا " (ابوطالب اور حضرت حمزہ رض) اور تین بھائی

(نوٹ ۱) ہندوؤں کی معتبر اور مستند کتب میں دُنیا کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے " اور ہر حصۂ دنیا کو ہندی میں " دیپ " کہتے ہیں " چنانچہ ہندوؤں کی کتب جغرافیہ (بھگول میں) یہ تقسیم اس طرح درج ہے " (جنبو دیپ ") اس علاقہ میں جامن میوہ کثرت سے ہوتا ہے اسلئے یہ نام رکھا گیا۔ (۲) شاک دیپ " خاک میوہ اور ترکاری کو کہتے ہیں ان ملکوں میں یہ چیزیں بہت ہوتی ہیں " (۳) گومیوک دیپ " کومیوک دیپ " پہاڑ اور غیر مزروعہ علاقہ کو کہتے ہیں " (۴) کرونچ دیپ " اٹلی اور یونان " جواہر اور بگلے یہاں زیادہ ہوتے ہیں (۵) شالمل دیپ " عربستان و کنعان " یہاں روئی ریشم کی مانند نرم ہوتی ہے " (۶) کشا دیپ " افریقہ کا علاقہ یہاں گھاس بہت پیدا ہوتی ہے (۷) پشکر دیپ " انگلینڈ و فرانس "

(یعنی جعفر“ عقیل ”علی“ شریک ہوں گے“ ایک غار ”(حرا) میں “پرسرام” (یعنی جبرئیل) سے تعلیم پائیں گے“ اور جب بستی میں آکر تبلیغ کریں گے“ تو لوگ تکلیف دیں گے“ جس کی وجہ سے وہ شمالی پہاڑوں (مدینہ منورہ) کی جانب ہجرت کریں گے“ وہاں سے تلوار لیکر“ پھر اسی بستی میں آئیں گے۔ اور ملک فتح ہو جائے گا“ جگت گرو“ کا ایک گھوڑا ہوگا جو بجلی سے زیادہ چلنے گا (یعنی براق) آپ اس پر سوار ہو کر“ کل زمین کی اور ساتوں آسمانوں کی سیر کریں گے“

”کوہ آبو“ جہاں بششٹ منی نے راجپوتوں کو پیدا کیا“

”کوہ آبو“ یہ پہاڑ“ سروہی سے دس کوس پچھم کی طرف سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلند راجپوتانے کے تمام پہاڑوں سے اونچا ہے“ اس کی چڑھائی قریب تین کوس کے شمار کی جاتی ہے اس کے اوپر عجیب قدرتی نظارہ ہے“ جس سے دل کو ایک بے نظیر خوشی اور تازگی حاصل ہوتی ہے“ جابجا سرسبز و شاداب درخت“ قسم قسم کے خودرَو خوشبودار پھول“ اور صاف شفاف پانی کے چشمے نظر آتے ہیں“ ہوا ہمیشہ تازہ اور ٹھنڈی چلتی رہتی ہے“ یہاں تک کہ گرمیوں میں بھی گرم ہوا یا لو نہیں چلتی“ اس پہاڑ میں ”کیوڑہ“ کیتکی“ اور گلاب کے جنگل ہیں“ چنپا“ چمیلی“ اور ”سیوتی“ بکثرت پھولتی ہے“

دیلواڑہ میں“ جین دھرم کے کئی مندر“ بہت خوبصورت“ اور قیمتی بنے ہوئے ہیں“ جن کی نقاشی اور سنگ تراشی اپنی نظیر نہیں رکھتی“ اِن مندروں کے بیل بوٹوں“ اور تصویروں کی تراش خراش میں“ سنگ تراشوں نے اپنی صناعی کے خوب خوب جوہر نمایاں کئے ہیں..... ازاں جملہ“ نیم ناتھ کے مندر میں“ ایک ایک طاق اور چھت کے گوشوں میں وہ وہ نازک اور باریک سنگ تراشی اور نقش کاری کی گئی ہے کہ اس کی تعریف کرنے کے لئے بڑے بڑے شیوا زبان شاعروں کو الفاظ اور استعارے نہیں ملتے“ یہ مندر گجرات کے دولتمند ساہوکاروں کے بنائے ہوئے ہیں“

ان میں جو مندر“ آدے ناتھ“ کا ہے اُس کو سمت ۱۰۸۸ میں “بملا شاہ نے بنوایا تھا“ اور سمت ۱۳۷۹ میں اُس کی مرمت ہوئی تھی“ اِس مندر کی سبھا منڈپ میں خوب خوب کاریگری پتھروں کے کھودنے اور مورتوں کے بنانے میں کی گئی ہے“ مگر نیم ناتھ کا مندر جس کو“ تیج پال اور بسنت پال نے“ جو انہل پوریا پٹن کے راجہ“ بیر دہول باگھیلا کے منتری بھی تھے“ سمت ۱۲۸۷ تک بنایا ہے قیمت اور صناعی میں سب سے بڑھکر ہے“ اس کی تیاری میں اٹھارہ کروڑ روپیہ علاوہ چھپن لاکھ خرچ صفائی زمین کے صَرف ہوئے تھے“ اور عجیب بات یہ ہے کہ“ سفید سنگ مرمر جو کثرت سے یہاں کام آیا ہے“ اُس کی کان مطلق اِس پہاڑ میں نہیں ہے“ اور وہ غالباً دور دراز مقامات سے بصرفِ کثیر یہاں آیا ہوگا“

اِن مندروں کے سوائے “کھب دیو سوامی“ اور پارس ناتھ“ کے مندر بھی اچھی کاری گری کے ہیں۔ مگر کام اُن کا سادہ ہے“

اِس پہاڑ پر بہت سے آثار قدیم“ اور تاریخی نشانات بھی موجود ہیں“ اِن یادگاروں میں سب سے قدیم یادگاریں“ ”پرمار“ راجوں کی ہیں جو اِس پہاڑ کو اپنا مولد و مسکن سمجھکر یہاں مَرنا یا اُس کے واسطے مَرنا پسند کرتے تھے“ اس کے بعد ”سولنکیوں“ کو اپنی یادگار چھوڑنے کا موقع ملا“ اور پھر“ چوہان“ آئے اور میواڑ کے سیسودیوں نے بھی“ اپنی یادگاریں قایم کیں“ بوجہ بُود و باش“ اچلیش“ کے ”کوہ آبو“ پہاڑوں کا گرو“ سمجھا جاتا ہے“ اس پر ایک روز برت کرنے سے“ (روزہ رکھنے سے) انسان کے کُل گناہ معاف ہو جاتے ہیں“ اور ایک سال وہاں رہنے سے“ نوع بشر کا“ گرو“ (مرشد یا پیر) ہو جاتا ہے“ (ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق“) (کارنامۂ راجپوتان صفحہ ۱۷ تا ۱۸)

اور کارنامۂ راجپوتان کے صفحہ ۹۳، ۹۴ و ۹۵ پر ہے کہ ”کوہ آبو“ بوجہ بُود و باش“ اچلیش کے مثل سُمیرو کیلاش کے پہاڑوں کا گرو

سمجھا جاتا ہے"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کی اُونچی سے اُونچی چوٹی "گورو شکھر" کہلاتی ہے" جو سمندر سے ۵۷۰۰ یا ۵۸۰۰ فٹ اُونچی ہے "یہ قدیم سے بہت متبرک اور عبادت گاہ عظیم ہندوؤں" اور جین دھرم والوں کا خیال کیا جاتا ہے "اس پر بشسٹ منی کا آشرم" اور اچلیشر مہادیو کا مندر بہت مشہور ہے" اور وہاں سے دو تین کوس پر مقام "دیلواڑہ" میں جین دھرم کے کئی نہایت عمدہ اور قیمتی مندر ہیں جن کی تعمیر و صناعی سنگتراشی میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا ہے"۔ ۔ ۔ ۔ کوہ آبو کا اصلی نام "اربدہ" ہے "اس پر پرستگانِ شمس" اور "دہریوں" کی لڑائی ہوئی تھی "پیروان مذہب بودھ تو اُس کو اپنے اوّل بودھ "مسمّی آدھ ناتھ" سے منسوب کرتے ہیں" اور برہمن "ایشوریا اچلیش" مخصوص الموقع دیوتا سے جس اگنی کُنڈ سے برہمنوں نے چار نسلوں کو "اچلیش اور معتقدان کثیر المعبود کی طرف سے بمقابلے دیت" یعنی دہریوں کے" کہ عبارت بودھ دہرم والوں سے ہے" لڑائی کرنے کے واسطے پیدا کیا تھا" اُس کو آبو شکھر پر" اب بھی دکھلایا کرتے ہیں" ان پہاڑوں میں اکثر "مینہ" "بھیل" "کولی" اور گراسیہ بہت عرصہ سے اور کثرت سے آباد ہیں" ص ۴۹۵ پر ہے کہ قوم مینہ چھ سو برس کے قریب ہوئے "گوڈواڑ" سے آئے تھے"

راجپوت اقوام کی پیدائش ۔ اور اُن کے آریہ نسل سے نہ ہونے کی شہادتیں

کارنامۂ راجپوتان مصنفہ مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری مطبوعہ کارخانہ روزنامہ اخبار پنجابی گزٹ پریس بریلی کے ص ۳۱ پر تحریر ہے کہ "جنگ عظیم مہابھارت" کے بعد جس میں قدیم راجگان سورج بنسی و چندر بنسی وغیرہ قریباً تمام کے تمام نیست و نابود ہو گئے تھے" اس زمانے سے تقریباً ڈھائی ہزار برس پیشتر "بودھ مذہب کے ہندوستان میں پھیل جانے سے یعنی دس کروڑ لوگوں کے ناستک (منکرِ خدا) ہو جانے سے خوف کھا کر "بشسٹ منی" نے "آبو پہاڑ کے اُوپر وہ ہوم کر کے "اگنی کُنڈ" سے "پنوار" "پرہار" "سولنکی" اور "چوہان" نام چار نئے راجپوتوں کو پیدا کیا۔ انہوں نے "بودھ مذہب" اور اُس کے ماننے والوں کو" جو اکثر رذیل خاندانوں" یا اقوام غیر" مثل "ترشک" "تکشک" "ناگ" اور "یون" وغیرہ تھے" لڑائیوں میں مغلوب کر کے "ویددھرم" کو پھر اُس کے اصلی مرکز" اور برہمنوں کو" دوبارہ اُن کے قدیمی منصبوں کے اُوپر قائم کیا" یہ ایک قصّہ کی بات ہے۔ لیکن تاریخ والوں نے اُن کو ایک نئی شمالی قوم" یا قدیم باشندوں میں سے خیال کیا ہے" جو بودھ مذہب سے مقابلہ کے لئے ضرورت کے سبب آگ کی پُوجا کے ذریعہ سے "راجپوتوں میں شامل کئے گئے"

کارنامۂ راجپوتان کے ص ۲۴ پر ہے کہ "چھتری لوگ ابتدا میں کرنل ٹاڈ کی تحقیق کے مطابق مختصر لفظ اور کسی شاندار چیز پر نام رکھا کرتے تھے" جیسا کہ "ایلا" یعنی زمین" یہ آشواک کی بیٹی کا نام ہے" اسی طرح ایک ستارے کے نام پر "مغل" یعنی منگل (مریخ) ایک قدیم تاتاری سردار کا نام تھا" جس کے بیٹے "اوگر" کی اولاد چھ شخص ہوئے" اُن میں سے ایک "کین" یعنی سورج" دوسرا "آیو" یعنی چاند" اور باقی "زمین" "پانی" "ہوا" اور "آگ" کہے جاتے تھے۔ انہیں کی نسل میں "سورج بنسی" اور "اگنی کُل کے چار چھتری" یعنی پرمار" "چوہان" "سولنکی" اور "پرہار" چھ شاخیں ہوں گی"

اسی کتاب کے ص ۲۵ پر مؤلف کارنامۂ راجپوتان" نے تحریر فرمایا ہے کہ "اگنی کُل کے چند رئیس مسلمانوں کی فتح کے وقت تک "بودھ دہرم" رکھتے تھے" ابتدا میں صرف دو کُل" "ایک سورج کُل" اور دوسرا چندر کُل" تھے۔ اُن میں چار "اگنی کُل" شامل ہو کر سب چھ کُل ہوئے" کُل سے مراد نسل ہے" راجپوت عمدہ انسانی پیدائش سے عار کر کے اس قدر اُڑنے لگے کہ "خود کو آسمانی اولاد قرار دیئے بغیر انہوں نے صبر نہ کیا" اور جن کا سلسلہ کہیں ناتمام رہا" انہوں نے "آگ" "پانی" "شیطان" اور "سانپ" وغیرہ کی نسل ہونے کو اپنا فخر سمجھا" اس کا سبب یہ ہے کہ "اُن کو جابجا پریشان پھرنے" اور سابقہ حالات معلوم نہ رہنے سے جہالت نے گھیرا" تو نئی جگہ صاحب اختیار ہونے پر "اُن کے خوشامدی ثنا خواں لوگوں نے" جس طرح کا جوڑ توڑ بتایا" اُسی کو انہوں نے "قدیم ہونے کے خیال میں خوشی کے ساتھ مان لیا"

”جگ بیتی حصہ اول مصنفہ پنڈت جواہرلال نہرو“ کے صفحہ ۱۶ پر ہے کہ ”جاپانی کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا بادشاہ ”جمو تینو“ تھا۔ اور وہ حضرت مسیحؑ سے چھ سات سو سال پہلے گزرا ہے“ وہ اُسے ”سورج دیوی“ کی اولاد میں مانتے ہیں ”جاپان“ میں سورج کو دیوی کہا جاتا ہے“ ہمارے ملک میں بھی اِسی طرح ”راجپوت“ اپنے آپ کو ”سورج“ اور ”چاند“ کی نسل بتاتے ہیں“

”مسٹر کے۔ ایم پانیکار“ ایم۔ اے آکسن ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز“ سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ و لکھنؤ یونیورسٹی نے اپنی کتاب ”تاریخ ہند قدیم“ مترجمہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ کے صفحہ ۷۹، ۸۰ پر تحریر کیا ہے کہ ”آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں“ ”قوم راجپوت کا ستارہ چمکا“ راجپوتوں کا نسب“ اور ان کی تاریخ ہند کا ”لاینحل معمہ ہے“ اور اُن کی اصل ”ابھی تک سربستہ راز بنی ہوئی ہے“ غالباً زیادہ تر راجپوت قوم ”مغول قوم یا تاتاری“ فاتحین کی نسل سے ہیں“ قوم کُش“ (ساکا) جس نے ”کشمیر“ میں عظیم الشان شہنشاہی قایم کی تھی“ (شہنشاہ کنشک“ اِسی قوم سے تھا“) مرور ایام سے ہندو مذہب“ اور ہندو تہذیب اختیار کر کے ”آریہ ورت کے فرزندوں میں داخل ہو چکی تھی“ بعد میں آنے والے تاتاری قبایل بھی“ جنہوں نے ”نورا مانا“ کی سرکردگی میں ”دولت گپتا کا“ شیرازہ منتشر کر دیا تھا“ اور علاقہ پنجاب میں“ زبردست حکومت قایم کر لی تھی“ آریہ مذہب اختیار کر چکے تھے“ قیاس غالب یہ ہے کہ ”یہی دونوں تاتاری قبایل“ آریہ مذہب میں داخل ہو کر ”راجپوتوں کے نام سے مشہور ہو گئے“ راجپوت روایات کے مطابق ”یہ قوم“ اگنی کولا“ ہے۔ یعنی آگ کی نسل سے پیدا ہوئی ہے“ پنوار“ پاری ہار“ چوہان“ سولانکی“ چاروں مشہور راجپوتوں کا ”سلسلۂ نسب“ آگ پر جا کر ختم ہوتا ہے“ شاید آگ سے ”پوتر“ (پاک) ہونا مراد ہے“ پوتر کرنے کی رسم ”راجپوتوں کو“ ہندو مذہب میں داخل کرتے وقت ادا کی گئی ہوگی“ تاریخ ہند میں ”غیر آریاؤں کو آریہ بنانے کی بکثرت مثالیں موجود ہیں“

چنانچہ کچھ دن ہوئے کہ ”مہاراجہ ٹراونکور“ کو جو نسلاً چھتری نہ تھے“ ایک دلچسپ تقریب کے دوران میں ”استعاری طور پر ”گلے“ کے پیٹ سے جنم لے کر ”چھتری“ بنا دیئے گئے“

اِن ذاتوں کے علاوہ ”کچھ ایسی ذاتیں بھی“ راجپوت قوم میں شامل ہو گئی ہیں“ جو ”نسلاً“ ہندوستان کے قدیم باشندوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

اِس دَور کی عام نوعیت“ اور بے ربطی سے فائدہ اٹھا کر ”یہ ذاتیں“ ذی اثر“ اور ”ذی اقتدار ہو گئیں“ اور سیاسی اقتدار نے اِنہیں راجپوت بنا دیا“ چندیل“ گڈہ ویر“ اور ”راٹھور“ راجپوت“ (راجگان جودھپور اور اُن کا خاندان) اِسی شاخ سے ہیں“ یہ تینوں ذاتیں (جنوبی راجپوت) کہلاتی ہیں“ شمالی راجپوت ”پنوار“ پاری ہار“ اور ”چوہان“ جنوبی راجپوتوں سے ”ہمیشہ سرگرم پیکار رہتے تھے“

نویں صدی میں شمالی ہند کا بیشتر حصہ ”راجپوتوں کے قبضہ میں آچکا تھا“ قنوج“ کا دوسرا صاحب الالتزام خاندان ”راجہ بھوج“ جس کا فرمانروا گذرا ہے“ پریہار“ راجپوت تھا“ اِسی طرح ”آریہ ورت کے بڑے حصہ پر“ راجپوت خاندان قابض تھے“ مسلمانوں کی آمد سے کچھ دن پیشتر کی تاریخ“ انہیں راجپوت خاندان کی داستانوں سے لبریز ہے۔ باہمی لڑائیوں کی ”سلطان محمود“ جب مسند آرائے اقلیم کابل ہوئے۔ جیپال شمال مغربی ہند کا راجہ تھا“ ..... راجپوت راجگان نے متفقہ و متحدہ کوششیں مدافعت کی اختیار کیں لیکن سب رائیگاں گئیں“ قنوج کے راجہ ”راجیپال“ نے سلطان محمود کی اطاعت قبول کر لی تھی“ اس غداری کا بدلہ لینے کے لئے ”چندیل راجہ“ گنڈا“ نے اپنے ولی عہد کی سرکردگی میں ”قنوج پر فوج بھیجی“ گنڈا“ اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ تھا“ اس کے ولی عہد نے ”راجہ بھوج“ کے ناخلف جانشین کو قتل کیا“ دوسرے سال ”سلطان محمود“ نے راجہ گنڈا“ پر حملہ کیا اور اُسے شکست دیکر ”راجہ قنوج“

کا انتقام لیا"

شمالی راجپوتوں کا نسب

تاریخ آئینہ حقیقت نما جلد اوّل مطبوعہ یونائیٹیڈ انڈیا پریس لکھنؤ میں محمد بن قاسم سے محمود" غزنوی تک ہندوستان کی حالت" کی سرخی کے تحت" مصنف کتاب نے" سلطان محمود غزنوی کے زمانہ تک کی حالت صفحہ ۱۲۷ و ۱۲۸ پر دکھا کر اور اسی سلسلہ میں صفحہ ۱۲۹ پر" مسٹر کے ایم پانیکار ایم۔ اے" کی کتاب تاریخ ہند قدیم کا یہ بیان لکھکر جسے ابھی ہم نے پیش کیا ہے۔ صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۲ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ" مندرجہ بالا اقتباس کا ماحصل مطلب یہ ہے کہ۔ محمد بن قاسم" کی حملہ آوری کے وقت سے" راجپوتوں کا عروج شروع ہوا۔ راجپوت" ہندی قوم" نہیں ہیں" بلکہ مغول و تاتار ہیں" جو مسلمانوں کی آمد کے وقت یا اس سے کچھ ہی پہلے" ہندی قوم میں شامل ہوئے تھے"

جنوبی راجپوتوں کا نسب

" جنوبی راجپوت" ہندوستان کی غیر آریہ قوموں سے تعلق رکھتے ہیں" ہندوستان میں" بودھوں کی حکومت وسلطنت کمزور ہو کر" بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی" تو برہمنی مذہب کے ماننے والوں" یا یوں کہئے کہ" برہمنوں نے" بودھوں کی حکومت کے اس ضعف واختلال سے فائدہ اٹھانے اور" منو" (ولادت ۹ سنہ ۱۲م) کے عہد کے" برہمنی اقتدار کو پھر واپس لانے کی کوشش کی" اس کوشش کی کامیابی کا انحصار چونکہ بہت کچھ جنگی طاقت پر منحصر تھا" منو" کے زمانے کی تقسیم کے موافق" چھتری لوگ" طاقت کے وارث" اور جنگی کاموں کیلئے مخصوص تھے" اور" برہمن" چھتری" ویش" شودر" کی تقسیم" بالکل معہ آبادی مذہب کی تقسیم کے موافق تھی"

" چھتریوں کی نسل کو چونکہ" پرسرام" تخم سوختہ کر چکا تھا" لہذا برہمنوں نے اب بودھوں کے مذہب اور حکومت کو مٹانے کے لئے ایک نئی جنگی قوم تیار کر کے" اس سے وہ کام لیا جو" چھتریوں سے" لیا جاتا" یہ نئی قوم" مغلوں" اور تاتاریوں کے جنگجو قبائل" اور" غیر آریوں" یعنی شودروں" کے ذی حوصلہ" اور بہادر لوگوں کو" اپنا ہمدرد" اور ہوا خواہ بنا کر تیار کی گئی" اور ان کو" راجپوت" کا خطاب دیا گیا"

" یہ مغول وتاتار" اور" غیر آریہ" یقیناً وہ لوگ تھے" جو ڈاکہ زنی" اور لوٹ مار کا پیشہ رکھتے تھے" ان کو برہمنوں نے اپنی سازش میں شریک کر کے باقاعدہ طور پر اپنی قوم و مذہب کا ایک رکن بنا لیا"

ہندؤ ذاتوں کے متعلق لالہ لاجپت رائے کا بیان" راجپوتوں کی طرح بہت سے برہمن خاندان بھی آریہ نسل نہیں ہیں"

اس جگہ" لالہ لاجپت رائے صاحب مشہور ہندو لیڈر" کی مصنفہ تاریخ ہند" حصہ اوّل سے بھی راجپوتوں کی اصلیت کے متعلق" عبارت کا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے" وہ فرماتے ہیں کہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ" موجودہ ہندو سوسائٹی کی ورن ووستھا میں" بہت سے آدمی ایسے شامل ہیں" جو خالص آریہ نسل سے نہیں" جو مشرق یا مغرب سے ہندوستان میں آئے" اور جن کو" ہندوؤں نے اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی سوسائٹی کا معزز ممبر بنا لیا"

اسی طریقہ سے انہوں نے بہت سی ایسی قوموں کو بھی ہندو سوسائٹی میں داخل کر لیا جو اس ملک کے ابتدائی باشندوں" گونڈ" بھیل" وغیرہ سے ہیں" یہ طریقہ نہایت قدیم زمانے سے جاری رہا" اور اب تک جاری ہے" ہندو سماج میں" نئی جاتیاں روز بنتی ہیں" اور ہمیشہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے" کہ بعضوں کو اونچا ورن" اور بعضوں کو نیچے ورن کا درجہ دیا جاتا ہے" چنانچہ یورپین محقق" اقوام جاٹ" اہیر" اور" گوجروں" کو بھی انہیں قبیلہ جات میں سے گنتے ہیں"

لیکن یہ بحث بہت حد تک فضول ہے" راجپوتوں کو" جاٹوں کو" گوجروں کو" اہیروں کو" ہندو سماج اپنا رکن

بھتی ہے "اور یہ امر کہ وہ کب اور کس طرح ہندو سوسائٹی میں داخل ہوئے بالکل غیر متعلق ہے "اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہ

"جس طرح بیسیوں خاندان برہمنوں کے "اصلی آریہ نسل سے نہیں ہیں" بلکہ مخلوط ہیں "اسی

طرح سے موجودہ راجپوت بھی ہوسکتے ہیں"

لالہ لاجپت رائے بھی "راجپوتوں کی قوم کو "برہمنوں کی ترتیب دادہ" قوم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے "اور ان کا "نو

دتا تار" یا غیر آریہ نسل سے ہونا مانتے ہیں"

جس طرح نئی قوم تیار کی گئی اسی طرح پرانے برہمنی مذہب کی جگہ نئے مذہب کا بھی ترتیب دیا جانا

بہر حال جس طرح یہ نئی قوم تیار ہوئی "اسی طرح مذہب بھی بالکل نیا ترتیب دیا گیا "پرانے برہمنی مذہب" یا ویدک

دہرم میں "عناصر پرستی کا زور شور تھا "جس کو سمرتیوں کے عہد" اور "منو کے زمانے میں تغیر اور تبدیل کیا گیا" اس کے بعد "بودھ مذہب

نے اس کو بالکل مٹا ڈالا" اور ذات پات کی قیود کو جو "منو" کے زمانے میں بہت ہی سخت ہوگئی تھیں" بالکل اُٹھا دیا" بودھ مذہب

میں بت پرستی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی" اب برہمنوں نے چونکہ "مغلوں اور تاتاریوں" کو جو بودھ مذہب کے پَیرو تھے۔ اپنی

سازش میں شریک کیا" لہٰذا بہت سی باتیں بودھ مذہب کی بھی اپنے اس جدید مذہب میں شامل کر کے ان کے بہت سے بتوں کی پرستش

کو جائز رکھا" اور "بودھ کو بھی "وشنو کا اَوتار" تسلیم کر لیا"

اسی طرح "غیر آریوں کی (قدیم اقوام ہند یا شودروں کی) بھی بہت سی باتوں کو "اپنے جدید مذہب میں شامل کر لیا" یہ

غالباً مسلمانوں کی آمد سے تھوڑے ہی دنوں پہلے جاری ہوا" مسلمانوں کا مذہب "چونکہ سب سے پہلے "جنوبی ہند" لنکا" اور "ملابار

میں آیا تھا" لہٰذا "کماریلا برہمن" اور "شنکر اچارج" نے اسلامی دلایل سے بھی "بہت کچھ فائدہ اٹھا کر "شمالی ہند" کی

خروج کیا" اور بودھوں سے "مباحثوں" اور مناظروں" کا سلسلہ جاری کیا"

جس زمانے میں "سندھ پر اسلامی حکومت قایم ہو چکی تھی" اس زمانے میں شنکر اچارج "یقیناً پیدا نہیں ہوا تھا"

"شنکر اچارج" غالباً خلافت عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں پیدا ہوا ہے"

شنکر اچارج سے پہلے "راجپوتوں کی" اس نوزائیدہ قوم میں جان پڑنے لگی تھی" اور وہ بعض چھوٹے چھوٹے قطعات

پر قابض ہونے لگے تھے" شنکر اچارج نے جب بودھوں کے خلاف جہاد شروع کیا" اور "نوزائیدہ برہمنی مذہب کی تائید شروع

کی تو راجپوتوں کی اس جدید قوم اور جدید طاقت نے "شنکر اچارج" کی خوب اعانت کی" اور شنکر اچارج نے راجپوتوں کی طاقت

سے فائدہ اٹھانے میں خوب مستعدی دکھائی "قنوج" "بنارس" "وسط ہند" اور دامن کوہ ہمالہ" تک برہمنوں اور راجپوتوں کا

غلبہ حاصل ہو گیا"

اس جدید مذہب اور جدید قومیت کی تعمیر میں کیونکہ شنکر اچارج سب سے پہلا مصنف اور مقنن تھا" لہٰذا اس کی تعلیمات

خصوصی وقعت و عزت کی نظر سے دیکھی گئیں" چونکہ برہمنوں کی یہ مجوزہ تحریک ایک سیاسی تحریک تھی" لہٰذا جا بجا نئے نئے مذہبی اصول

قایم ہوئے" کہیں وشنو کو سب سے بڑا اَوتار مانا گیا" کہیں برہما" کو اور کہیں "مہیش" کو اس طرح ہندو مذہب کے نام سے

ہزارہا فرقے پیدا ہو گئے" غرض مسلمانوں کی آمد" اور حملہ آوری کے وقت "بودھوں کی قومیت "مذہب" اور حکومت پر "برہمنوں

اور "راجپوتوں" نے حملہ آوری شروع کر رکھی تھی" اور ملک میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی" اس کشمکش اور زد و خورد کا سلسلہ

محمد بن قاسم کے حملے سے "سلطان شہاب الدین غوری" کے حملوں یعنی قریباً پانچسو سال تک ملک کے کسی نہ کسی حصہ میں جاری

رہا" اس طویل مدت میں کوئی علامت ایسی ظاہر نہیں ہوئی" جس سے قطعی طور پر حکم لگایا جا سکے کہ اگر "مسلمان اس ملک میں نہ آتے تو

جدید ہندو مذہب "بودھ مذہب پر غلبہ پاکر اپنی حکومت قایم کرلیتا"

کیونکہ سندھ میں مسلمانوں کو "بودھوں کی حکومت کا مقابلہ کرنا پڑا" سندھ کے فرمانروا کی قوم تو برہمن تھی "لیکن مذہب اُس کا "بودھ" ہی تھا"

پنجاب کو فتح کرتے ہوئے "محمود غزنوی" کو بھی بودھوں کی حکومت کا مقابلہ کرنا پڑا" کیونکہ راجہ جیپال" اور اُس کے بیٹے انند پال کی قوم "مغول و تاتار تھی" اور مذہب بودھ تھا" بنگال و آسام کو بھی مسلمانوں نے بودھ حکومتوں سے چھینا"

علاؤالدین نے دکن کا ملک بھی "بودھ حکومت کو شکست دے کر فتح کیا" اگر مسلمان اس ملک میں نہ آتے تو بہت زیادہ ممکن بلکہ یقینی تھا کہ "بودھ مذہب اپنی قوت کو مجتمع کر کے اِس جدید مذہب اور اس جدید طاقت کو جو "بودھوں کے مقابلے میں پیدا ہو رہی تھی" بالکل کچل ڈالتا۔ اور ان مظالم کا انتقام لیتا جو "قنوج" بنارس" اور "الہ آباد" وغیرہ میں برہمنوں اور "راجپوتوں" نے بودھوں پر "شنکر اچارج" وغیرہ کی رہنمائی میں کئے تھے" اور بودھوں کو "کابل و خراسان" کے بودھ مذہب رکھنے والے جنگجو لوگ بھی ضرور مدد دیتے" مگر وہ مسلمانوں سے مفتوح ہو جانے کی وجہ سے "اپنے ہندوستانی بودھ ہم مذہبوں کی مدد سے قاصر رہے" مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کر کے اِس جدید مذہب کو باقی رہنے دیا" اور مسلمانوں کے زیر سایہ ہندو مذہب اور موجودہ ہندو قومیت بالکل محفوظ و مامون ہو گئی" اور نہایت اطمینان سے ہندوؤں نے اپنے قومی و مذہبی اُصول مرتب کئے" بڑے عظیم الشّان مذہبی ہندو فرقے جو آج دیکھے جاتے ہیں سب کے سب مسلمانوں کی حکومت کے زمانے ہی میں مرتب و مدون ہوئے ہیں"

جدید ہندو مذہب کے متعلق مسٹر پائنکار کا بیان

آخر میں مسٹر کے۔ ایم۔ پائنکار" کی رائے بھی سُن لینی چاہئے جو انہوں نے جدید ہندو مذہب کی نسبت ظاہر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "شنکر آچاریہ" نے جس ہندو مذہب کی تعلیم و تلقین کی وہ اس بھینٹ، و قربانی والے مذہب سے بالکل جدا تھا" جس کے خلاف "گوتم بدھ" صاف احتجاج بلند کر چکا تھا" سر آر۔ ڈی بھنڈارکر" نے ایک فاضلانہ تصنیف میں بتلایا ہے کہ۔ کرشنا" اور "شیوا" فرقوں نے کس طرح بتدریج ہندو مذہب کی شکل اختیار کی اور یہ فرقے ابتدا میں کس قدر مرکب اور مخلوط نظر آتے تھے" اِدھر مدرسوں میں ماہرین مذہب مخالف فرقوں پر نکتہ چینیاں کر رہے تھے" اُدھر عوام میں "عام پسند مذہب کے عقاید" پختہ پڑ رہے تھے" مذہب کے فنا ہو جانے سے "شنکر اچاریہ" کو وید کے فلسفہ پر "عام مذہب کے ڈھالنے میں آسانی ہوئی" نئے مذہب کا بانی "شنکر اچاریہ" پدینی برہمن "مالابار" کا رہنے والا تھا" شنکر اچاریہ" نے ایک طرف مقامی دیوتاؤں کی پُوجا" جائز قرار دے کر "چھوٹے چھوٹے مقامی مخلوق خداوندوں کو "پُوران کے" ایک نہ ایک دیوتا سے ملا دیا" دوسری طرف ایسے فلسفہ کی بنیاد رکھی" جسے وحدانیت سے تعبیر کر سکتے ہیں"

"راجپوتوں کے عہد میں تہذیب و تمدن کی حالت سنہ ۶۴۷ء سے سنہ ۱۲۰۰ء تک"

مختصر تاریخ تاراچند کے صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴ پر تحریر ہے کہ "اِس عہد کے ابتدا ہی میں ذات پات کی تفریق بہت سختی سے ہونے لگی تھی۔ اگرچہ اُونچی ذات کے مردوں اور نیچی ذات کی عورتوں میں شادی بیاہ کی رسم جاری تھی" لیکن اس کا رواج رفتہ رفتہ کم ہو رہا تھا" قدیم زمانے میں ہر ذات کا پیشہ الگ الگ ہوتا تھا مگر یہ امتیاز بھی آہستہ آہستہ اُٹھ گیا" اِس عہد میں اور اس سے پہلے بھی کئی برہمنوں نے راج کیا۔ اور تجارت و زراعت کے پیشے اختیار کئے" مگر پھر بھی وہ برہمن ہی رہے" بعض ویش اور شودر خاندانوں نے

حکومتیں کیں" اور بہت سے چھتری (راجپوت) کاشتکاری کرتے رہے۔ اور پھر بھی ان کی ذات میں فرق نہ آیا" غرض ذات پات کی
پیشے پر نہیں بلکہ نسب پر قایم ہوگئی۔ لیکن ذات پات کی ترتیب میں ایک اہم تبدیلی واقع ہوئی" اور وہ یہ کہ ہر ایک ذات بہت سی
چھوٹی ذاتوں میں تقسیم ہوگئی" برہمنوں میں تفریق صرف گوتوں ہی کی بنا پر نہیں ہوئی۔ بلکہ وطنیت کے لحاظ سے بھی ہوئی" چنانچہ "پنج
ترنج دراوڑ" اور دیگر بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں مثلاً "ناگر" سارسوت" کشمیری" وغیرہ الگ ہوگئیں۔ یہی حالت
کی (راجپوتوں کی) بھی ہوئی۔ . . . . یہی حال شودروں کا ہوا۔ اُن سے بھی نیچے اچھوت تھے جن کے پیشے نہایت ذلیل سمجھے جاتے
اِن لوگوں کے بھی بہت گروہ ہوگئے تھے جو سب ادنیٰ قسم کے پیشے کرتے تھے۔ اِن چھوٹی چھوٹی ذاتوں کے پیدا ہوتے ہی دو مختلف
میں شادی بیاہ ہونا اور ساتھ کھانا پینا بالکل بند ہوگیا" غرض ایک ذات کو دوسری سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اس کے علاوہ بچپن کی
کا رواج شروع ہوگیا۔ بیواؤں کی شادی ممنوع قرار پائی" ستی کی رسم چل نکلی۔ اور لوگ (خاصکر بوڑھے) اپنے آپ کو دیوتا پر
بھینٹ چڑھانے لگے"

راجپوت کے معنی اور اُن کی چند مختلف نسلیں نیز لفظ چھتری کا کسی خاص قوم کیلئے مخصوص نہ ہونا

"راجپوت" کے لفظی معنی ہیں "راجہ کا بیٹا" یا "امیرزادہ" لیکن جس طرح "امیرزادہ" کا مخفف "میرزا" آج
"ہندوستان" میں قومیت کی علامت بن گیا ہے۔ اِسی طرح "راجپوت" بھی ایک خاص قوم" کے معنی میں مستعمل ہوا"
پھر یہ لوگ دعویٰ کرنے لگے کہ "ہم سب کشتری" یا "چھتریوں" کی ایک ہی نسل سے ہیں" حالانکہ اِس بات کی بہت
شہادتیں موجود ہیں کہ "جو لوگ اِس زمانے میں اپنے آپ کو "راجپوت" کہتے ہیں وہ بالکل مختلف قوموں کی اولاد ہیں"

(۱) جن میں سے بعض "قدیم سے" ہندوستان" میں آباد تھیں"

(۲) بعض نسلاً "آریا" ہیں"

(۳) اور بعض "بہت بعد میں" ہندوستان میں آئیں"

(کثرت تعداد کے اعتبار سے آج کل "راجپوتوں" کے آٹھ بڑے بڑے قبیلے یا "گوت" ہیں"

(۱) راٹھوڑ" ان کی تعداد سوا لاکھ کے قریب ہے "مارواڑ" (جودھپور) بیکانیر" اور کشن گڈھ" کے راجہ
قبیلے سے ہیں"

(۲) کچھواہہ "جے پور" و "الور" میں برسر اقتدار ہیں ۱۹۰۱ء میں ان کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی"

(۳) چوہان:۔ اِس قبیلہ کے افراد "ریاست ہائے" بوندی" کوٹہ" اور "سروہی" کے رئیس ہیں" کل تعداد نوّے ہزار ہے

(۴) سیسوڈیا:۔ اِس قبیلہ کی تعداد پچاس پچپن ہزار سے زیادہ نہیں۔ مگر "اودے پور" (میواڑ) کے راجہ اِسی قبیلہ سے ہیں

(۵) "جادو" (۶) "پنوار" (۷) "سولنکی" اور (۸) "پریہار" بھی مشہور قبایل ہیں" مگر ان کی تعداد کم ہے
بڑی ریاست اُن کے زیر حکومت نہیں"

اِن کے علاوہ "راجپوتوں کے اور بہت سے قدیم قبایل" راجپوتانے" میں اور اُس کے باہر آباد ہیں۔ اور
معقول تعداد نے اِسلام اختیار کر لیا ہے")

"واضح رہے کہ خود "کشتری" (چھتری) کا لفظ کسی خاص قوم کے لئے مخصوص نہیں تھا"
گو اس قدر قدیم ہے کہ اب اُس کی اصلیت نگاہ سے مخفی ہوگئی ہے:۔
"ولیم ونسینٹ اسمتھ" کے نزدیک سوائے "برہمنوں" کے ہر ذات کا آدمی جو تخت

حاصل کرلیتا تھا۔ اِس نام سے مَوسُوم ہو جاتا تھا" (دارلی ہس ص۴۲)

پھر جب بہت سے خاندان جنھیں قسمت نے دَولت وحکومت سے محروم کردیا۔ بزرگوں کی یادگار میں اِسی نام سے "کشتری یا چھتری" کہلاتے رہے" تو قیاس چاہتا ہے کہ "نئے حکمرانوں نے اپنے لئے ایک اور لقب (راجپوت) اختیار کرلیا۔ تاکہ عام "چھتریوں" اوران میں امتیاز رہے"

لیکن دولت وحکومت آنی جانی چیز ہے" دَورِ وسطیٰ کے انقلابات نے "ہندوستان" کے بیسیوں خاندانوں کو تختِ شاہی سے محروم کردیا اور "جب مُسلمان یہاں آئے تو وہ "ہندو حکمران" جو اب "راجپوت" کہلاتے تھے۔ یاتو اُن کے باجگذار بن گئے" اور یا شکستیں کھاکر انہوں نے "مغربی ریگستان" کی راہ لی۔ جہاں اُن کے دُشمنوں کی رسائی دشوار تھی" انہیں پناہ گزینوں کی بدولت یہ صحرائی ملک "راجستان یا راجپوتانہ" کے نام سے موسوم ہوا"

"بہرکیف اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ "راجپوتوں" کے تمام قبائل" کسی ایک نسل سے نہیں ہیں" بلکہ اُن میں مختلف قوموں کے خون کی آمیزش ہے"

اِس قدر تو "کپتان ٹاڈ" نے بھی تحریر کیا ہے کہ "راجپوت قبائل" کی بعض "عادات و اوہام" اُن کے "سیتھی یا سیدی" ہونے کا پتا دیتے ہیں" (دیکھو اُس کی کتاب جلد اوّل ص۳۱)

"ٹاڈ" وہ شخص ہے جس نے تقریباً سو برس پہلے ۱۸۲۹ء میں اپنی مشہور کتاب "اینلز اینڈ این ٹی کوی ٹیز آف راجستان" مُرتب کی تھی۔ اور "بھاٹوں" کے گیت وافسانے تک اپنے "وقائع" میں داخل کرلئے تھے"

"تحقیقات جدیدہ" سے اِس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے۔ گوکوئی تحریری سند میسّر نہ آئے تاہم "سیتھیوں" کے بعد جو قومیں "ہندوستان" میں آئیں اُن کے حالات کا مطالعہ کرنے سے اِس قول کے باور کرنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ "پہلے آنے والوں نے بھی اِسی طرح "ہندوستان" کی قدیم آبادی میں جگہ نکال لی ہوگی۔ جس طرح پانچویں صدی عیسوی کے بیرونی حملہ آوروں نے رفتہ رفتہ حاصل کرلی ہے۔ کہ اب اُن میں اور دوسرے "راجپوت قبائل" میں کوئی امتیاز نہیں رہا" بلکہ اِن نَوواردگروہوں کو بھی اِسی قدیم نسل سے مان لیا گیا" جس کی تین شاخیں "چندر بنسی" "سُورج بنسی" اور "اگنی کُل" کے نام سے مَوسُوم ہیں"

ہون یا ہُن اِن پانچویں صدی کے آنے والوں سے ہماری مُراد "ہون" قوم کے لوگ ہیں "مغربی ہند" پر جنھوں نے یورش کی تھی"

یہ بھی ثابت ہے کہ "گوجر" یا "گوجر قوم کے لوگ" ان کے ہم نسل تھے" یا کم سے کم اُن کے ہمراہ باہر سے "ہندوستان" میں آئے" اور چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں "راجپوتانے" اور "پنجاب" میں اُن کی متعدد ریاستیں قایم ہوئیں" ان میں سب سے مشہور ریاست "بھیل مال" یا "بھین مال تھی۔ اور یہیں کا راجہ "ناگ بھٹ" آخر میں "قنوج" پر قابض ہوگیا تھا (ص۲۰۶)

اِس امر کا قطعی ثبوت مل گیا ہے کہ "راجہ بھوج" اور اُس کے اسلاف داخلاف "گوجروں" کی ایک شاخ میں تھے۔ جو "پرتی ہار" یا "پریہار" کہلاتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ "راجپوتوں" کا مشہور قبیلہ "پریہار" "گوجروں" کی ہی نسل سے ہے"

اِس جگہ یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ "پنجاب" کے بہت سے "جاٹ" اپنے آپ کو "راجپوت" یا "چھتری" بتاتے ہیں" (رپورٹ مردم شماری ۱۹۰۱ء) اور جدید اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ "جاٹ" اور "گوجر" ایک ہی نسل سے ہیں" مگر برہمن لوگ "جاٹوں" کے اِس دعوے کو نہیں مانتے۔ اِس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین چار صدی پہلے اِس قوم کے لوگوں میں

حکومت نہ تھی " راج حاصل ہونے کے بعد اس کے بعض خاندانوں نے " راجپوت " ہونے کا دعویٰ کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ حال کا واقعہ ہے۔ غالباً
" برہمنوں " نے انہیں " چھتریوں " کی ذیل میں داخل نہیں کیا "

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ " پریہار " حقیقت میں " گوجر " ہیں اور اپنی اصلی قوم ترک
" چندیل " اور " راٹھوڑ " کرکے انہیں " راجپوتوں " میں شامل کر لیا گیا ہے " تو پھر قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا
" راجپوتوں " کے وہ قبیلے جو " پریہاروں " کے ہم نسل سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح " غیر آریا " ہوں گے۔
چونکہ اُن کے " گوجر " ہونے کی کوئی بلاواسطہ شہادت موجود نہیں۔ لہٰذا اس بحث کو یہاں چھیڑنا بے محل ہوگا۔

البتہ اِس امر کی عمدہ شہادتیں موجود ہیں کہ " چندیل " (راجپوتوں) کا " ہندوستان " کے قدیم " گونڈوں
" سے قریبی تعلق تھا " اور اسی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا بالکل حق بجانب ہوگا کہ " چندیل راجپوت " در حقیقت " بھار " یا
کے لوگ ہیں۔ جو " ہندو مذہب " اور " تمدن " کے رنگ میں رنگ گئے " اور حکومت و بادشاہی حاصل کرنے کے بعد
یا " راجپوت " سمجھے جانے لگے " (ارلی ہس ص ۴۱۳)

اسی طرح " راٹھوڑ " قوم کے " راجپوت " جو کہ " گھرواڑوں " کی شاخ ہیں " چندیلوں " کے ہم نسل
جو " دوآب (مابین گنگا و جمنا) سے نقل مقام کرکے " راجپوتانے " میں آبسے اور اب خالص " آریہ نثراد " اور " راجپوت
مانے جاتے ہیں۔ (تاریخ ہند جلد اول طبع دوم ص ۱۷۷ تا ۱۸۱) مطبوعہ مطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن ۱۳۵۸ ہجری)

" ہندو مذہب اور راجپوتوں کے نسب کے متعلق " ہمارے پیش کردہ شواہد کا خلاصہ

ہمارے پیش کردہ اِن اقتباسات سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ " (۱) وشِشٹ جی نے " جب بودھوں کو زیر
اور " ویدک دہرم " کو دوبارہ جاری کرنے کا ارادہ کیا تو اُس سے قبل " پرسرام جی " چھتریوں کی نسل کو تخم سوخت یا نیست و نابود
(۲) وشِشٹ جی نے یہ دیکھ کر " چھتری " اب دُنیا میں موجود نہیں ہیں " اور چھتریوں " جیسے لوگوں کے بغیر " جو
جنگ کرنے کا کام متعلق تھا " بودھوں کو زیر نہیں کیا جاسکتا " آبُو پہاڑ " پر دھوم کرکے " اگنی کنڈ " سے " راجپوت بنائے
اُن کو چھتریوں کی جگہ قایم کرکے بودھوں سے لڑائی شروع کردی "

(۳) اِن راجپوتوں میں " مغل و تاتار " کی قومیں " اور ہندوستان کی قدیم اقوام " گونڈ " " بھیل " وغیرہ یا خود
شامل ہیں " یہ راجپوت وہ لوگ تھے۔ جو لُوٹ مار " اور غارت گری کا پیشہ کرتے تھے " اُن کو بودھوں کے خلاف " سازش میں شریک
اور کچھ رسوم ادا کرکے " باقاعدہ طور پر اپنی قوم و مذہب کا ایک رکن بنا لیا گیا "

(۴) تاریخ ہند میں " غیر آریوں کو " آریہ بنانے کی بکثرت مثالیں موجود ہیں " چنانچہ تھوڑے دن پہلے " مہاراجہ ٹراونکور کو
استعاری طور سے " گائے کے پیٹ سے جنم دے کر " چھتری " بنا دیا گیا "

(۵) موجودہ ہندو سوسائٹی میں بکثرت ایسے خاندان ہیں " جو آریہ نسل سے نہیں ہیں " بلکہ اس میں " مشرق و مغرب کے آریا
اور " ہندوستان کی قدیم یا شودر اقوام کے لوگ " گونڈ " " بھیل " وغیرہ شامل ہیں "

(۶) جس طرح بہت سے " برہمن خاندان " اصلی آریہ نسل کے نہیں ہیں " اسی طرح اور بہت جاتیاں نیز " راجپوت
نسل سے نہیں ہیں "

(۷) وشِشٹ جی " نے بودھوں کے خلاف جو تحریک شروع کی تھی " اُسے بعد میں " شنکراچارج " کی کوششوں
مدد ملی "

(۸) جس طرح "چھتریوں" کی قایم مقام "ایک نئی قوم راجپوت بنائی گئی" اُسی طرح "ویدک دہرم" "بودھ مذہب" اور "قدیم باشندگانِ ہند کے" "دیوتاؤں" اور "رسوم" سے مرکب "ایک نئے مذہب کی بھی بنیاد ڈالی گئی" جو فروغ پاکر موجودہ شکل میں موجود ہے"

ولف تاریخ کمبوہان کی ظاہر کردہ بشسٹ منی کی تمام مدگار قوموں میں سے کسی ایک کے بھی آریہ نسل سے نہ ہونے کی شہادتیں

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "جنگ بشوامتر اور بشسٹ جی" میں "ٹاڈ راجستھان" سے لے کر "بشسٹ جی" کی جن مددگار اقوام کے نام پیش کئے ہیں" اب ہم اُن کی قومیت پر نظر ڈالتے ہیں۔

یُون یعنی یُونانی | یہ قوم آریہ نسل سے نہیں تھی" ہر پڑھا لکھا شخص اور طالب علم اس سے واقف ہے"

پہلوی خطاب کے تاجدارانِ | یہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے" شام و فلسطین سے آکر ان کی قوم۔ پارتھیہ۔ یا پشتیہ" یا طبرستان" میں آباد تھی" انہوں نے قریباً پانچ سو سال "ایران" پر شہنشاہی کی ہے" یہ قوم پارتھوا" پرہو" پلو" پہلو" پہلوی" کے ناموں سے موسوم رہی ہے" ۲۲۶ء میں "ساسانیوں" نے ان سے سلطنت چھین لی" اِس خاندان اور قوم کا حال آگے کسی موقع پر ہم تفصیل سے لکھیں گے۔

ساکا | یہ قوم ترکی النسل" تھی" آریہ" نہیں تھی" اِس کا حال بھی آگے ہندوستان کی حملہ آور قوموں کی ذیل میں ہم لکھیں گے"

کمبوج فرقہ | اِسے مؤلف موصوف ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے پر بھی "آریہ نسل" سے ثابت نہیں کر سکے"

اب رہا اُن کا یہ بیان کہ "باشندگانِ آسام" اور "جنوبی ہندو" اور "ہندو مذہب کے مختلف گروہوں سے بھی بشسٹ جی کو مدد حاصل ہوئی تھی" اس کے متعلق اِتنا بتا دینا کافی ہے کہ۔

باشندگانِ آسام | آریہ نسل سے نہیں تھے" بلکہ ہندوستان کی قدیم اقوام اور "کول و منگول" نسلوں پر مشتمل تھے۔ اور ہیں"

جنوبی ہندوؤں کے متعلق یہ ہے کہ | یہ ملک جو جنوبی ہند کہلاتا ہے" تمام کا تمام" قدیم باشندوں اور "دراوڑ" قوموں سے بھرا ہوا ہے۔ جن کا آریہ نسل سے کوئی تعلق نہیں ہے"

اب رہے ہندو مذہب کے مختلف گروہ | تو اُن کی نسلوں کا حال ہمارے پیش کردہ اقتباسات سے بخوبی اور وضاحت سے ظاہر ہو چکا ہے"

غرضکہ "مؤلف تاریخ کمبوہان نے" جس کتاب یا نوشتہ سے "کمبوجوں" کی امداد بشسٹ جی کو دینا دکھائی ہے" اس کی حقیقت ہم اُوپر دکھا چکے ہیں۔ اگر کمبوج فرقہ بھی "بشسٹ جی" کی مدد پر تھا تو اس فرقہ کی سلطنت اور اُس کے آریہ نسل سے ہونے کا کوئی ذکر اُس میں موجود نہیں ہے" اور جب "کمبوج فرقہ" کے بعد میں "کمبو قوم" کہے جانے کا بھی کوئی ثبوت کہیں پیش نہیں کیا گیا" تو اس سُرخی میں بجائے "کمبوجوں" کے "کمبوؤں" لکھ دینے کی حقیقت بھی "مؤلف موصوف کی طبع زاد کہانی سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتی" اور اِس تحریف نے اُن کے اُس مقصد کو یہاں بالکل اَظہر من الشمس کر دیا ہے" جسے پہلے سے اپنے دل میں جاگزیں کر کے انہوں نے اپنی تالیف پر قلم اُٹھایا ہے"

باب ہفتم

جنگ مہابھارت میں بھی کمبوج قوم کی شمولیت کو دکھانے کے باوجود اُسے آریہ نسل سے ثابت کرنے میں مؤلف تاریخ کمبوہان کی ناکامی

مولف تاریخ کمبوہان نے "جنگ مہابھارت میں "کمبوج قوم کی شمولیت" کی سُرخی دے کر صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۵ پر اپنے بیان میں "پانڈوؤں" کے مقابلہ میں "کوروں" کی طرف سے "راجہ کمبوج" کے جنگ کرنے کا حال دکھایا ہے"

اُن کے اِس بیان سے بھی کوئی روشنی "کمبوج قوم" کے آریہ نسل سے ہونے پر مطلق نہیں پڑی ہے" جنگ مہابھارت میں "کوروؤں" اور "پانڈوؤں" کے تمام حلیف بادشاہ یا راجہ شریک ہوئے تھے۔ خود مؤلف موصوف کے پیش کردہ" اقتباس میں ہی موجود ہے کہ" کوروؤں کی طرف" راجہ کامروپ" (آسام) بھگت وبھورشور" اور" راجہ دیار مغرب" اور" شل" راجہ مدر" کہ عبارت از تفان است" شریک تھے" سب جانتے ہیں کہ" مہابھارت کی لڑائی کے زمانے میں آرین قوم" شمالی ہند سے آگے نہیں بڑھی تھی کامروپ یا آسام والوں کی اِس جنگ میں شرکت سے صاف ظاہر ہے کہ" جس طرح آسام وغیرہ کے راجہ اِس لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ اِسی طرح" ہندوستان کے سرحدی ملک تبت یا کمبوجا" کے راجہ نے بھی اِس لڑائی میں شرکت کی تھی" اُن کے محض شریک جنگ ہوجانے سے یہ بات کسی طرح سے ثابت نہیں ہے کہ" کمبوج قوم کا آریہ نسل" سے ذرا سا بھی کوئی تعلق تھا"

آج ہی کے زمانے کو دیکھ لیجئے" جرمن اور انگریز" لڑ رہے ہیں" اور دُنیا کے ہر حصّہ کی کثیر قومیں" حلیف یا ماتحت ہونے کی وجہ سے" اِن دونوں اقوام کی طرف سے شریک جنگ ہیں" مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ سب قومیں جرمن اور انگریز نسل سے ہیں" یہی صورت" کمبوج قوم" کی" جنگ مہابھارت میں شرکت کی تھی" مؤلف موصوف نے کمبوجوں کی اِس جنگ میں شمولیت کی کوئی وجہ ظاہر نہیں کی ہے" اخیر میں انہوں نے لکھا ہے کہ۔

> "رامائن و مہابھارت تاریخی کتابیں نہیں ہیں" اور جو تمہ مقات اور دوسرے پُران بھی قریباً اِسی پوزیشن میں ہیں" اور ٹاڈ صاحب کی راجستھان کا درجہ ہم قبل ازیں صفحہ ۵۳ پر بتا چکے ہیں اِن کتابوں کی تصنیف کے وقت یا بعض مضامین کے کتاب میں الحاق کرتے وقت (خواہ اس وقت کو اب سے بہت قدیم ظاہر کیا جائے" یا سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیاں تسلیم کیا جائے) کمبوج سلطنت کی وقعت" قوت" اور شہرت کے متعلق اِس قدر اعلیٰ جذبات موجود تھے کہ ان کی نظروں میں" اِن حوادثات عظیم میں ان کا ذکر اشد ضروری تھا" اور وہ بھی اس قدر تفصیل و توضیح کے ساتھ" جس کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے"

مؤرخ تاریخ کمبوہان کی اِس رائے کے متعلق" یہ بات توجہ طلب ہے کہ کمبوج سلطنت کی قوت و شہرت اور کتابوں میں اُس کے ذکر کو دکھانے کا موقع اُن کے لئے اُس وقت مناسب تھا جب وہ کمبوج قوم کو" اپنا مورث اور" آریہ نسل سے ہونا ثابت کر چکتے" کیونکہ یہ دونوں باتیں وہ ابھی تک ثابت نہیں کر سکے ہیں" اِس لئے اُن کے اِس بیان ورلے کی آریہ قوم کمبو" کی بحث میں" مد فضول سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے"

" خود مؤلف تاریخ کمبوہان نے اِسی بیان میں صفحہ ۱۰۵ پر لکھا ہے کہ۔

> "مہابھارت استری پرب صفحہ ۳۲۴ کے بموجب" اِس ناقابل محو محاربہ کے بعد جو" کوروکشیتر" یا تھانیسر ضلع کرنال" صوبہ پنجاب کے میدان میں ہوا تھا" صرف بارہ اشخاص"

"پانچوں پانڈو" "کرشن جی" "بیاتک" "ہندیو بن جراسندہ" "جگنس" "فریق اوّل" اور کرپاچارج "استھان" "کرت برما" "فریق ثانی" "زندہ رہ گئے تھے"

اِس تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ "وہ کمبوج" جو اس لڑائی میں شریک ہوئے تھے" معہ اپنے راجہ کے سب کے سب ختم ہو گئے تھے"

بابِ ہشتم

افغانستان میں ہندو تہذیب اور کمبوج سلطنت نیز بلخ و غزنی کی حکومت و آبادی کے متعلق مؤلّف تاریخ کمبوہان کے دلائل

مؤلّف تاریخ کمبوہان نے "افغانستان میں ہندو تہذیب کی موجودگی" "کمبوج سلطنت کے اثبات کی دلیل ہے" کی سُرخی دے کر "صفحہ ۱۰۸۱ پر" "آئین اکبری" "سے لے کر یہ لکھا ہے کہ "ضلع کابامیان" کی تحصیل میں" پہاڑوں میں بارہ ہزار غار اور گنبد کھدے ہوئے ہیں۔ اور اُن میں چونے سے گلکاری اور نقاشی کی ہوئی ہے" زمانہ قدیم میں لوگ وہاں موسم سرما بسر کیا کرتے تھے" وہاں مختلف قد و قامت کے تین بُت ہیں" جو اسّی گز پچاس گز اور پندرہ گز کے ہیں اور ایک مرد ایک عورت اور ایک بچّے کے ہیں" ایک غار میں ایک قبر ہے اُس میں ایک لاش ہے" جو حنوط کی ہوئی ہے" (یعنی مصر کی ممی کی طرح کی ہے) پھر ٹاڈ راجستھان کا یہ بیان دے کر کہ اگر سیاحانِ تحقیق پسند" بلخ و بامیان" میں تجسّس کریں تو اُن کو قدیم ہندوستانی اقوام کے عظمت و جلال اور شان و شوکت کے بہت سے نشانات دریافت ہو سکتے ہیں" اور اپنی طرف سے یہ لکھ کر پشاور اور اُس کے گرد و نواحی علاقہ میں" اب بھی ہندو تہذیب کے آثار موجود ہیں" تھوڑا عرصہ ہوا" محکمہ آثار قدیمہ نے اِس علاقہ کی کھدائی کر کے" مہاتما بدھ" کے استخوان یادانت" ایک مندر سے برآمد کئے تھے" جسے سرکار برطانیہ نے" بدھ مذہب والوں کے سپرد کر دیا تھا" اور جو مختلف اقطاع ملک مثل برما وغیرہ میں تقسیم کر دیئے گئے تھے" آگے یہ دو بیانات اور ٹاڈ راجستھان ہی سے لے کر لکھے ہیں کہ" (۱) بامیان واقع افغانستان" میں آج کل بھی مذہب بدھ" کے نشانات" اور غاروں میں پتھر کی مورتیاں موجود ہیں"

(۲) جنگ مہابھارت کے بعد" بلرام جی" ہندوستان" سے" افغانستان" کو چلے گئے" وہاں جا کر انہوں نے" بالک" یا" بالہیک" (بلخ) آباد کیا" ریاست جیسلمیر" کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ" بالکا نسل" کی شاخیں یادو بنسی" و اِندر بنسی" جنگ مہابھارت کے بعد خُراسان پر حکمران تھیں" اور" یادو بنسی خاندان کے قبضۂ حکومت میں غزنی کا داخل ہونا بھی ظاہر فرماتے ہیں"

ٹاڈ صاحب پر مؤلّف تاریخ کمبوہان کا غیظ و غضب اور اپنی مَن گھڑت کہانی پر اصرار

اور ٹاڈ صاحب کے بیان پر مؤلّف موصوف نے اپنی زرّین رائے اِن الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ۔

"ٹاڈ صاحب اور اُن کے ہم خیال ہندو مصنفین کے ساتھ ہم اِس نظریئے میں متفق نہیں ہیں بلکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ" دراصل ان مقامات کے باشندے خود ہی" آریہ نسل کے" آرین تہذیب کے پیرو" اور اِن تمام آثار و حفریات کے بانی تھے" نسلاً" مذہباً" رواجاً" ہر طریقہ سے خود بھی ہندو" یا صحیح طور پر "آریہ" تھے" ہندوستان میں رہنے والی" آریہ نسلوں کا" افغانستان

میں حملہ آور ہوکر" اہلِ افغانستان کو مغلوب و مفتوح کر لینا قرینِ قیاس نہیں" نہ ہی ہندوستان کے ایسے گرم ملک کے باشندے اِس قابل ہیں کہ افغانستان کے مشقت پسند" جفاکش" اور نسبتاً سَرد ملک کے رہنے والوں کو مغلوب کر سکیں......

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ" مؤلف تاریخ کمبوہان نے" اپنی اِس رائے میں صرف قیاس سے ہی کام نہیں لیا ہے" بلکہ اِس پر انہیں اعتقاد بھی ہے" سب جانتے ہیں کہ" قیاس" اور اعتقاد کو" تاریخی حقیقت سے ذرا سا بھی واسطہ نہیں" مؤلف موصوف نے" ٹاڈ صاحب" کے اِسی بیان پر ایک نوٹ بھی اپنی طرف سے اِن الفاظ میں دیا ہے کہ۔

"اِس مقام پر" لفظ تاریخ" (ریاست جیسلمیر کی تاریخ) پڑھ کر ہر وہ شخص جس کو علمِ تاریخ سے تھوڑا بہت لگاؤ ہے چونک پڑے گا" خدا جانے" تاریخ سے" ٹاڈ صاحب کیا مراد لیتے ہیں" ہندوستان میں رونا تو یہی ہے کہ" ہندو عہد قدیم کی تاریخ ندارد ہے" اور" جنگ مہابھارت" کے زمانے کی تاریخ تو ایک ایسا لفظ ہے۔ جو شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتا" خدا ہی کو معلوم ہے کہ اِس قسم کی نادر اور عنقا صفت تاریخ" ٹاڈ صاحب" کو کہاں سے ہاتھ آ گئی" جس کا انہوں نے ہم غریب ہندوستانیوں کو درشن بھی نہیں کرایا" اور اپنی جیب میں رکھ کر اس کو" فرنگستان" میں لے گئے" پھر اپنے گورے بھائیوں کو بھی اُس کے دیدار سے محروم رکھا" افسوس ہے کہ" اچھی اور نادر باتوں کے ہمراہ یہ کرنل صاحب نے" اِس قسم کی غیر تاریخی" رطب و یابس (بقول منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی) اوٹ پٹانگ" بے تکی" جھوٹی" برانڈی کے نشہ میں" باتیں بھی کتاب میں بھر دی ہیں" جنہوں نے اِن کتابوں کی تاریخی وقعت کو کم کر دیا ہے" اور ہم جیسے سطحی واقفیت رکھنے والے تاریخ کے شوقین ان کی تحریروں سے گمراہ ہو جاتے ہیں" کتاب ہذا کے صفحہ ۵۳ پر بھی ہمیں ٹاڈ راجستھان کی حیثیت کی تشریح مجبوراً کرنی پڑی ہے جس کا ہمیں افسوس ہے"

اِس موقع پر ہم" مؤلف تاریخ کمبوہان سے یہ بات دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ متذکرہ بالا کتابوں کو جب وہ جھوٹی بے تکی" اور" اوٹ پٹانگ" باتوں سے لبریز سمجھتے ہیں تو پھر انہیں کتابوں کو اپنا خضرِ راہ انہوں نے کیوں قرار دیا ہے" اور جگہ جگہ اپنی کتاب میں اُن کے اقتباسات دے کر جو اپنی رائے" قیاس" اور اعتقاد کو اُن پر ترجیح دی ہے" تو اُس سے اُن کی غرض کیا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی لالہ لاجپت رائے کے بیان میں تحریف کر کے دھوکا دہی کی کوشش

اپنے اِس اعتقاد" اور قیاس کی تائید میں کہ" ہندوستان سے جا کر کسی نے بھی" افغانستان" پر حکومت نہیں کی" صفحہ ۱۰۹ پر مؤلف موصوف نے لالہ لاجپت رائے کی تاریخ ہند سے لے کر یہ لکھا ہے کہ۔

"ہندو آریہ لوگوں نے اپنی بہترین پولیٹیکل طاقت کے زمانے میں" ہندوستان کے باہر کسی قوم پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کی...... یہ ضرور ہے کہ" ہندو طاقت کے بہترین زمانوں میں" ہندو طاقت" کوہستان ہندوکش تک رہی" مگر اس سے آگے کبھی کسی نے بڑھنے کی کوشش نہیں کی" اِس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اِس زمانے میں اِس علاقہ کے لوگ

''نسل سے'' ''مذہب سے'' ''تہذیب سے'' اور زبان سے'' ہندو آریوں کے رشتہ دار تھے'' تاہم ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ''چندر گپت'' ''اشوک'' ''سمندر گپت'' اور ''بکرماجیت'' ''وہرش'' نے اپنی حفاظت کے خیال سے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا ہو تاکہ مبادا اُن کے پیچھے ان کی سلطنت درہم برہم نہ ہو جائے''

اور اِس بیان پر صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰ پر اپنی رائے اِن الفاظ میں پیش کی ہے کہ۔

''پس یہ بات قرینِ قیاس نہیں ہے کہ ''ہندوستانیوں نے کبھی'' افغانستان پر حملہ کر کے وہاں کے لوگوں کو مغلوب و مفتوح کیا ہو'' بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ''بقول لالہ لاجپت رائے صاحب'' اس زمانے کے اہل افغانستان'' (یا اہل کمبوج) نسل'' مذہب'' تہذیب'' اور زبان کے لحاظ سے ہندو آریوں کے رشتہ دار'' اور ہندو آریوں جیسے تھے'' اور یہ آثار و عمارات'' بُت'' غاریں'' بطور یادگار انہیں کی تعمیر کردہ ہیں'' اور ان کی موجودگی اس امر کے اثبات کی دلیل ہے کہ'' اس قطعہ ارضی میں زمانہ قدیم میں'' کمبوج'' آریوں کی سیکڑوں سال تک حکومت رہ چکی ہے''

لالہ لاجپت رائے کے اِس بیان پر ''مؤلف تاریخ کمبوہان'' نے اپنی پیش کردہ رائے میں ''بہت دلیری سے کام لیا ہے'' لالہ صاحب کے بیان میں کہیں بھی ''کمبوج'' یا ''اہلِ کمبوج'' کا ذکر نہیں ہے'' اہلِ افغانستان'' کو اپنی طرف سے بریکٹ میں ''اہلِ کمبوج'' لکھکر اور پھر اُن کو ''نسل'' مذہب'' تہذیب'' اور زبان کی رُو سے ہندو آریوں کا رشتہ دار بنا کر اور ''افغانستان'' کے آثار'' عبارات'' بُت'' اور غاروں وغیرہ کو ''بطور یادگار'' کمبوجوں'' کی تعمیر بنا کر'' افغانستان میں'' کمبوج قوم کی سیکڑوں برس تک حکومت ثابت کر دینا'' اِن ہی جیسے تاریخ کے شوقین کا کام ہے''

''افغانستان کے آثار'' بتوں اور منقش غاروں کے قوم کمبوج سے تعلق نہ رکھنے کے شواہد

سب جانتے ہیں کہ ہزاروں برس دُنیا میں بُت پرستی پھیلی رہی جس طرح ''مصر'' یُونان'' اور عرب وغیرہ میں'' اصنام پرستی پھیلی ہوئی تھی'' اور ان ممالک میں بُتوں کے استھان قایم تھے'' اِس طرح افغانستان میں بھی ''بُت پرستی رہی ہے'' اب رہی یہ بات کہ ''افغانستان'' میں بُت اور غار وغیرہ آثار ''کمبوج'' قوم کی ہیں اِس کے ثبوت کیلئے تاریخی شواہد یا دگار ہیں'' سند کی ضرورت ہے'' اور کسی بھی شخص کا یہ سمجھکر کہ حالات تاریکی میں ہیں'' اپنے مقصد کے حصول کے لئے اپنی مَن مانی رائے سے ان کو کمبوجوں سے منطبق کر دینا ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے''

اگر تاریخوں میں بہت حالات منضبط طریقہ پر نہیں ملتے'' اور جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں تو بھی تحقیق و تلاش سے کام لے کر اُن کا معلوم کر لینا ناممکن نہیں ہے'' افغانستان'' کے حکمرانوں اور وہاں کے آثار و عمارت'' بتوں'' منقش غاروں'' نیز دیگر یادگاروں کے متعلق ہمیں زیادہ تلاش کی ضرورت نہیں پڑی'' واقعات ذیل سے اُن کے بانیوں کا مع اُن کی قوم کے پتہ معلوم ہوتا ہے''

گوتم بدھ کی قوم کے ہندوستان آنے اور خود بدھ کے ظہور کا زمانہ

مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اوّل مصنفہ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی میں ''ایرانی نوشتے اور تاریخ ہند قدیم کی سُرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ ''یورپین مؤرخین نے وسط ایشیا کی ایک قوم ''سک'' یا ''سکس'' یا ''سس'' یا ساکھ'' کا ذکر کیا ہے بعض نے ''ساکیہ منی گوتم بدھ کو'' (نوٹ: گوتم بدھ کے باپ کی حکومت کپل وستو میں تھی (جو ضلع بستیا کے مضافات میں تھا) از تاریخ مگدھ شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۴ء)

اسی قوم کا ایک فرد بتلایا ہے"...... یورپین محققین نے ثابت کیا ہے کہ "سک قوم" کا اصلی وطن "دریائے سیحون" کے کنارے مغرب کی طرف تھا "یوچی قوم" نے وہاں سے اُن کو بیدخل کر کے "کوہ ہندوکش" تک قبضہ کر لیا" اور "سک قوم" کو دوسری صدی قبل مسیح میں "سیستان" آکر آباد ہونا پڑا" جو دلیل اس بات کی ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح سے پہلے "سیستان" کا نام "سیستان" نہیں ہوسکتا تھا" مگر تمام ایرانی تاریخیں اور ہر قسم کی ایرانی روایات" دوسری صدی قبل مسیح سے پہلے بھی "سیستان" کا نام "سیستان" ہی ظاہر کرتی ہیں" چنانچہ "سیستان" کی دوسری وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ "بہمن" کے زمانہ میں" ایک شہر آباد ہوا" جس کا نام "سُکان" رکھا گیا۔ عوام اُس کو "شکستگان" کہنے لگے" یہی لفظ عربی میں "سجستان" اور فارسی میں "سیستان" ہوگیا اور بجائے ایک شہر کا نام ہونے کے "پورے صوبہ پر بولا جانے لگا"

اس بیان سے ثابت ہوا کہ "سک قوم" بہمن کے زمانے میں "یوچی قوم" سے شکست کھا کر" اس ملک میں آئی تھی" اور "سک قوم" کے نام پر "شہر کا نام سُکان" رکھا گیا" کیونکہ شکست پا کر یہ قوم آئی تھی" لہٰذا بجائے سُکان کے شکستگان مشہور ہوئی" اگر سک قوم کا "بہمن بن اسفندیار" کے زمانے میں "سیستان" آنا تسلیم کر لیا جائے تو یہ سنہ ۵۰۰ ق م کے قریب کا زمانہ تھا" اور اسی زمانے میں "گوتم بدھ" کا ہندوستان میں ظہور ہوا تھا" اگر "سک" اور "ساکیہ" ایک ہی قبیلہ کو مان لیا جائے" تو اس حالت میں بھی "سک قبیلہ" کی جلاوطنی" دوسری صدی قبل مسیح سے بہت قبل ماننی پڑے گی" اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ" اس قبیلہ کے ایک حصہ نے جس طرح فرار ہو کر "سیستان" میں قرار پکڑا" اُسی طرح ایک دوسرے چھوٹے سے حصہ نے کوہ ہمالیہ کو عبور کر کے "نیپال کے متصل" دامن کوہ میں قیام کیا" لیکن یہ زمانہ بھی "ساک یا ساکیہ" قوم کے "سیستان" اور "ہندوستان" آنے کا صحیح نہیں کہا جاسکتا" یہ قوم اس سے بہت پہلے آچکی تھی" اور "گوتم بدھ" کے خاندان میں پہلے نیپال کے متصل" دامن کوہ میں" حکومت قائم تھی" اِدھر "رستم" کے زمانے میں جو "بہمن" کی سلطنت کے شروع میں ہلاک ہو چکا تھا "سیستان" میں "سک قوم" آباد تھی" "ہنٹر" بھی "بدھ" کو ترکی نسل سے بتاتا ہے" "کارنامۂ راجپوتان" کے صفحہ ۴۷ پر ہے کہ بدھ ۵۰۰ ق م میں پیدا ہوا تھا"

شنگل ہندی کا تذکرہ "شاہنامہ فردوسی" میں موجود ہے۔ (بعض مؤرخوں نے "شنگل" کو "بنگال" کے قریب "لکھنوتی" کا بانی بتایا ہے) "شنگل ہندی" "نیپال" کے راستے "خاقانِ چین" کے ہمراہ "افراسیاب" بادشاہ توران کی مدد کو پہنچا" اور "رستم" سے اس کا مقابلہ ہوا" "چین" "تبت" "ترکستان" کی فوجوں نے رل کر "ہندوکش" کو عبور کر کے "خراسان" یعنی موجودہ افغانستان پر جو ایران کا صوبہ تھا حملہ کیا" خود "افراسیاب" اس حملہ میں موجود نہ تھا" لیکن اُس کا وزیر اعظم "پیران ویشہ" موجود تھا۔ اور "شنگل" "تبت" ہوتا ہوا "پیران ویشہ" کی خدمت میں پہنچا تھا" ایرانیوں کی طرف سے جب "رستم" بھی پہنچ گیا" اور "کاموس" و "اشکبوس" دونوں "رستم" کے ہاتھ سے مارے گئے" تو پیران نے "رستم" سے صلح کر کے لڑائی ختم کر دینے کا ارادہ کیا" اس وقت "شنگل" نے "پیران ویشہ" سے جو کچھ کہا اُس کو فردوسی اس طرح لکھتا ہے ؎

چنیں گفت شنگل۔ کہ اے سرفراز ۔۔۔ چہ باید کشیدن سخن ہا دراز
بیاری افراسیاب آمدیم ۔۔۔ ز رفتن وز دریائے آب آمدیم
بسے پارہ و بچہ ہا یافتیم ۔۔۔ ز ہر کشورے تیز بشتافتیم
چو شیر آمدیم و چو روبہ شویم ۔۔۔ ز پیکار اگر دست کوتہ شویم
بیک مرد "سگزی" کہ آمد بجنگ ۔۔۔ چرا شد چنیں بر شما کار تنگ

غرض صلح کی تحریک و تجویز ملتوی ہوئی۔ اور "شنکل" نے "رستم" سے لڑنے کا ارادہ کیا" چنانچہ میدان میں نکل کر اس طرح للکارا" "فردوسی" کہتا ہے ؎

برانداسپ تا جائیگاہِ نبرد — در آمد بہ میدان و آواز کرد
کہ آں جنگ جو "مرد سکزی" کجاست — ہما ناگر آید بجنگم رواست
چو آواز شنکل۔ بہ رستم رسید — ز لشکر نگہ کرد۔ او را بدید

آخر "رستم" "شنکل" سے لڑنے کے لئے نکلا ؎

بَرِ شنکل آمد بہ آواز گفت — کہ اے بد نژاد و فرومایہ جفت
مرا نام رستم۔ کند زال زر — تو سکزی چرا خوانی اے بدگہر
نگہ کن کہ سکزی۔ کنوں مرگ تست — کفن بیگمان جوشن و ترگ تست

اس جگہ قابلِ غور یہ بات ہے کہ "شنکل" بار بار "رستم" کو "مرد سکزی" کہتا ہے۔ اور اس لئے کہتا ہے کہ "رستم" "سکزستان" یا "سکستان" کا رہنے والا تھا۔ لیکن "رستم" اپنے آپ کو "سکزی" نہیں کہلانا چاہتا" بلکہ اس نام کو اپنی توہین سمجھتا ہے" اس لئے کہ رستم "جمشید" کی نسل سے تھا۔ اور وہ "سیستان" کے عام باشندوں سے جو اُس کی رعایا۔ اور اُس کے محکوم تھے" اپنے آپ کو قوم و نسل کے اعتبار سے "بالاتر" یقین کرتا تھا"

بُدھ مَت اور اُس کے اثرات کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان

جگ بیتی حصۂ اوّل مصنفہ پنڈت جواہر لال نہرو مترجمہ محمود علی خاں جامعی کے صـ پر ہے کہ "بودھ مت" بہت عرصہ تک ہندوستان میں مقبول نہیں ہوا" لیکن آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ کس طرح یہ ہندوستان میں پھیلا" اور پھر کس طرح یہاں سے فنا ہوگیا" اگرچہ لنکا سے چین تک "دور دور کے ملکوں میں یہ پھلا پھولا" لیکن ہندوستان میں جہاں اس نے جنم لیا۔ یہ پھر ہندو دھرم میں ضم ہوگیا" اس کے باوجود ہندو دھرم پر اس کا بہت بڑا اثر پڑا" اور اس نے کچھ نہ کچھ توہمات اور رسموں سے اُسے نجات دلادی"

پٹنہ بہار کے موریا راجہ چندر گپت کا زمانہ جس کی سلطنت میں افغانستان کا الحاق ہوا

جگ بیتی کے صـ ۱۰۴ و ۱۰۵ پر ہے کہ "سنہ ۳۲۱ قبل مسیح یعنی سکندر کی موت سے صرف پانچ سال بعد "موریہ خاندان" کی حکومت شروع ہوئی اس کا پہلا راجہ "چندر گپت" تھا۔۔۔۔ سکندر کے سردار "سلیوکس" کو جو "ایشیائے کوچک" سے ہندوستان تک کے ممالک کا حکمراں تھا" اور جس نے ہندوستان پر حملہ کر دیا تھا" "چندر گپت" کے مقابلہ میں شکست ہوئی" اور اُسے "چندر گپت کو "کابل اور ہرات تک" "گندھار یا افغانستان کا علاقہ" حوالہ کرنا پڑا" "کابل سے بنگال تک" بحرہ عرب سے خلیج بنگال تک "چندر گپت" کی حکومت تھی۔ پاٹلی پتر (پٹنہ) اُس کی راجدھانی تھی"

تاریخ ہند جلد اوّل مؤلفہ سید ہاشمی رکن دار الترجمہ مملکت آصفیہ" مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کے صـ ۹۴ و ۹۶ پر ہے کہ "سنہ ۳۰۳ ق م میں چندر گپت نے سلیوکس (سلوکس) کو شکست فاش دے کر "کوہستان سلیمان" کے پار کا "سارا ملک" لے لیا۔ جو اب دولت افغانستان کہلاتا ہے" اور صـ ۱۰۰ پر ہے کہ "اس کا دورِ حکومت سنہ ۲۹۸ ق م میں ختم ہوگیا"

بندسار بن چندر گپت کی سلطنت

جگ بیتی حصہ اول کے صفحہ ۱۳۳ پر ہے کہ "چندر گپت" کے بعد اس کا بیٹا "بندسار" گدی پر بیٹھا اس نے پچیس برس حکومت کی "اس کے دربار میں "مصر کے بطلیموس" اور مغربی ایشیا کے "سلیوکس" کے بیٹے "انٹی اوکس" کے سفیر آتے رہے" اس زمانے میں بھی "دوسرے ملکوں سے تجارت جاری تھی" چنانچہ مصری "اپنے کپڑے" ہندوستانی نیل سے رنگتے تھے۔ اور اپنی ممیوں کو "ہندوستانی" ململ میں لپیٹ کر رکھتے تھے"

"اشوک بن بندسار کے حدودِ سلطنت" اس کی لاٹھیں اور غار نیز دیگر آثار" اور "بدھ مذہب کی تبلیغ" لنکا" تبت" دکن" اور "افغانستان" وغیرہ میں

اور صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۸ پر ہے کہ "بندسار" کے بعد "اشوک" اس عظیم الشان سلطنت کا مالک ہوا۔ جس میں تمام شمالی اور وسطی ہند شامل تھا" اور "وسطی ایشیا تک" اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی" اس نے اپنے راج کے نویں سال میں "کالنگہ" پر حملہ کیا۔ تاکہ جنوبی اور جنوب مشرقی حصے بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلے "کالنگہ" ہندوستان کے مشرقی ساحل پر "مہاندی" گوداوری اور کرشنا ندیوں کے بیچ میں واقع تھا" (صفحہ ۱۳۳)

جنوب کے ایک چھوٹے سے علاقہ کے سوا سارا ہندوستان اس کے زیر نگین تھا" (صفحہ ۱۳۴) "اشوک" بودھ دھرم کا بہت جوشیلا پیرو ہوگیا تھا" اس نے اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن جبر سے کام نہیں لیا۔۔۔ "ہندوستان میں بودھ مذہب بڑی تیزی سے پھیلا" (صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶)

اس نے سارے ملک میں "باغ" اسپتال" کنوئیں" اور سڑکیں" تعمیر کرائیں" چار شہروں "پشاور" کے نزدیک ٹیکسلا" میں "متھرا" میں" اجین میں" پٹنہ کے قریب نالندہ میں" بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کیں" جس میں چین اور مغربی ایشیا تک سے طالب علم پڑھنے آتے تھے" تمام ملک میں بڑی بڑی خانقاہیں بھی کھل گئیں" ان خانقاہوں میں سے بھی رفتہ رفتہ تعلیم کی اصلی روح فنا ہوگئی۔ اور وہ محض پوجا پاٹ کی جگہ بن کر رہ گئیں" (صفحہ ۱۳۷)

اشوک "اڑتیس برس حکومت کی۔ اس نے ۲۲۵ قبل مسیح میں انتقال کیا" انتقال سے کچھ دن پہلے اس نے سنیاس لے لیا تھا" اور بودھ بھکشو بن گیا تھا" موریہ دور کے صرف چند آثار باقی رہ گئے ہیں "موہن جو دارو" کے آثار سے قطع نظر یہ سب سے پرانے آثار ہیں" (صفحہ ۱۳۸) "مہنجو دارو" اور ہڑپا میں جس تہذیب کے آثار برآمد ہوئے ہیں وہ بہت پرانی تھی ۔۔۔ جس زمانہ میں "مہنجو دارو" کا عروج تھا" اس وقت تک آریہ ہندوستان نہیں پہنچے تھے" (صفحہ ۱۹ ۔۔۔) رہا ان کا مذہب تو اس میں بے شک بہت سی ایسی چیزیں ملتی ہیں۔ جو دوسرے ملکوں میں بھی موجود تھیں" یہ بات زمانہ قبل تاریخ کے ہر مذہب پر اور بعد تاریخ کے بیشتر مذاہب پر صادق آتی ہیں" (جگ بیتی صفحہ ۲۱) "مہنجو دارو" اور ہڑپا کی "کھدائیوں میں" مردوں کے ڈھانچے بھی نکلے ہیں" ان کی کھوپڑیوں اور ہڈیوں کی چھان بین کی گئی۔ ان میں کئی قسم کی کھوپڑیاں" مختلف قوموں کی نشان دہی کرتی ہیں" کم از کم چار نسلیں تو معلوم ہوتی ہیں" ایک نسل مقامی ہوگی اور باقی باہر کی درآمد ہوگی۔ ان شہروں میں باہر کے تاجر مسافر بھی آیا کرتے تھے" اس وقت سندھ و پنجاب کی آبادی میں مختلف عناصر موجود ہیں" (تاریخ ہند جلد اول مؤلفہ سید ہاشمی صفحہ ۱۵ تا ۲۰) و (مارشل جلد اول صفحہ ۱۱۰)

"اشوک" نے دُور دراز ملکوں میں اپنے "سفیر" اور "تبلیغی مشن" بھیجے تھے۔ (صفحہ ۱۲۱ جگ بیتی) "اشوک" کے زمانہ میں دُنیا کی حالت یہ تھی کہ...... "اسکندریہ" "بطلیموس" بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔ اِس شہر نے بہت ترقی کی اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا اس کے کتب خانوں اور عجایب خانوں میں دُور دُور کے طالب علم آتے اور "فلسفہ" "ریاضی" "مذہب" وغیرہ پر جن کا اس زمانے میں چرچا تھا تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔ "اقلیدس" "اسکندریہ" ہی کا رہنے والا اور "اشوک" کا ہمعصر تھا۔

"بطلیموس" خاندان کے بادشاہ دراصل "یونانی تھے" لیکن انہوں نے مصری رسم و رواج اختیار کر لئے تھے۔ حتّٰی کہ وہ بعض مصری دیوتاؤں کو بھی ماننے لگے تھے۔ (صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴ جگ بیتی)

تاریخ ہند جلد اوّل مؤلفہ سید ہاشمی میں ہے کہ "اشوک" کے کتبات کی تعداد جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں۔ چونتیس ۳۴ ہے۔ اور عجب نہیں کہ آیندہ بھی ان میں اضافہ ہوتا رہے۔...... اس کے بعض کتبے "پہاڑوں کی چٹانوں پر" اور بعض "پتھر کے میناروں پر" کندہ ملے ہیں۔ "سنین کتابت" کے اعتبار سے اُن کی چار قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

(۱) چٹان کے کتبات۔ جن میں "کلنگ" کے فرامین بھی شامل ہیں۔ ۲۵۶ء و ۲۵۷ء ق م میں کندہ ہوئے۔ اِن میں چٹانوں کے چودہ فرامین سب سے زیادہ کار آمد ہیں جن میں "اشوک" نے اپنے "مذہبی عقاید" اور اُصول حکومت کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنے عمّال کو بھی اُنہیں کے مطابق چلنے کی تاکید کی ہے۔

(۲) تین غاروں کے کتبے۔ جو ضلع گیا سے برآمد ہوئے ہیں۔ اور جن کی تاریخ کتابت ۲۵۷ء اور ۲۵۰ء ق م ہے۔ "اشوک" نے بہت سا روپیہ صرف کر کے اُن غاروں میں قابل سکونت مکانات بنوا دیئے تھے۔ اور اُنہیں "سنیاسیوں" کے "ایک فرقہ" کو دیدیا تھا۔ جو بہ اعتبار عقاید "بودھ مت" سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

(۳) ترائی کے دو میناری کتبے جو ۲۴۹ء ق م میں نصب کئے گئے تھے یہ تحریریں اِس بات کا ثبوت ہیں کہ راجہ "اشوک" نے واقعی نیپال کے اِن علاقوں میں سفر کیا تھا جو "بودھ مذہب" والوں کے نزدیک گوتم کا مولد ہیں۔

(۴) یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ کتبے کسی ایک زبان میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ جس ملک کی جو بولی "یا پراکرت" رائج تھی وہاں کے کتبہ میں اُسی سے کام لیا گیا ہے۔ "پیرایہ بیان" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب "اشوک" نے یہ مذہبی احکام و ہدایتیں کندہ کرائی ہیں۔ اُس وقت ملک میں "بودھ مت" عام طور پر شائع ہوچکا تھا۔ کتبات کے کندہ اور نصب کرانے کے واسطے وہ مقامات منتخب کئے گئے جو "تیرتھ جاترا" یا کسی عام شاہراہ پر واقع تھے۔ صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۳ مذکورہ بالا کتبات و فرامین میں سے اِس دہم (دہرم) یعنی قانون فرائض کو سمجھنا آسان ہے جس پر "اشوک" اپنی رعایا کو چلانا چاہتا تھا۔ درحقیقت یہ "بودھ مت" کے بڑے بڑے اُصولوں کی عملی تعلیم تھی اور اُس کے تین بنیادی عقاید تھے۔

(الف) جیو رکھشا یا آہنسا یعنی جانداروں کو تکلیف نہ دینا۔

(ب) معلّم "والدین" اور بزرگوں کا ادب۔

(ج) "اور" "راست گفتاری"۔

لیکن یہ واضح رہے کہ "اشوک" نے اِن قوانین کو فقط کندہ کرانے پر ہی اِکتفا نہیں کیا تھا۔ بلکہ تمام بڑے بڑے سرکاری عہدہ داروں کے فرائض میں یہ بات داخل تھی کہ "وہ مقررہ ایام میں اپنے مستقر پر" اور جب دَورے پر جائیں تو دیہات میں "عام جلسے کر کے" اپنے مالگذاروں اور زمینداروں کو "دہم" کی "تعلیم" اور قوانین شاہی کے مطابق عمل کرنے پر زور دیں۔ اِس کے علاوہ ایک خاص "محکمہ احتساب" قایم کیا گیا تھا۔ اور اُس کے عہدہ داروں کا کام تھا کہ لوگوں کے افعال کی نگرانی کریں۔ اور بلا لحاظ مذہب و حیثیت جو شخص "مذکورہ بالا اُصولوں کے خلاف چلے" اُسے سزا دیں۔ (صفحہ ۱۰۶)

اس مذہبی جوش کا اقتضا یہ تھا کہ اُس کے واعظ "تبت - افغانستان" اور شمالی دکن" کی بعض خراج گذار ریاستوں میں گئے" بلکہ انتہائے دکن" اور "لنکا" تک پہنچے" اور کتبوں کا اعتبار کیا جائے تو "مصر و یونان" کے بعید ممالک بھی اُس تبلیغ کے دائرے سے باہر نہیں رہے"

اشوک نے اپنے بھائی "مہندرا کو" مبلغین کا قائد بنا کر "لنکا" بھیجا تھا - جہاں اُس کے ساتھیوں کی تقریر اور ایسے طاقتور بادشاہ کے اثر سے "راجہ لنکا" "ٹیسا" اور اُس کے امیروں نے "بودھ مت" قبول کر لیا" اور چند ہی سال میں یہ مذہب - اُس ملک میں پھیل گیا" یہ بات قریب قریب ہر محقق کو تسلیم ہے کہ "بودھ مت" کو محض ایک مقامی فرقہ کے بجائے مذاہب عالم کی صف اول میں پہنچا دینے والا" اشوک" ہی ہے" (ص ۱۰۷ و ۱۰۸) اشوک کا خاندان موریا نیچ ذات یا شودر تھا"

اشوک کی وفات کے بعد ہی "برہمنوں کی عداوت سے" موریا سلطنت کا زوال

اشوک کے مرتے ہی سلطنت مگدھ" کمزور اور کئی حصوں میں منقسم ہو گئی" موریا خاندان کے چھ اور بادشاہوں کا اشوک کے بعد" پتہ چلتا ہے" جو ۱۸۵ء ق م تک مگدھ پر فرمانروائی کرتے رہے" اگرچہ اُن کی سلطنت صرف قریب کے علاقوں تک محدود رہ گئی تھی"

موریا خاندان کے زوال میں "برہمنوں کی عداوت کو بہت کچھ دخل تھا" دوسری صدی ق م کے اواخر میں "کلنگ" اور آندھرا خاندان "راجہ مگدھ" کی اطاعت سے آزاد ہو گئے" موریا خاندان کے آخری فرمانروا کو" اُس کے سپہ سالار "پشیہ متر" نے دغا سے مار ڈالا" اور ۱۸۵ء ق م میں خود بادشاہ بن کر نئے شاہی خاندان کا بانی ہوا"

اشوک و چندر گپت کی اولاد میں بعض خاندان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے رئیس رہ گئے تھے" جن کے نام ساتویں آٹھویں صدی تک کے کتبوں میں موجود ہیں - لیکن انہیں کبھی اتنا عروج نہیں ہوا کہ اپنے نامور خاندان کی عظمت کو دوبارہ تازہ کر دیتے"

(ص ۱۰۹ تاریخ ہند جلد اول)

"موریا خاندان کی گدی پر" پشیہ متر برہمن سپہ سالار کا قبضہ" اور بودھ بھکشوؤں پر سختی"

جگ بیتی حصہ اول کے ص ۱۶۹ و ۱۷۰ پر ہے کہ "اشوک کی موت کے بعد موریا سلطنت زیادہ عرصہ تک نہیں چلی" اُس کی اولاد کوئی پچاس سال تک اِس زوال پذیر سلطنت پر حکمرانی کرتی رہی" حتیٰ کہ خود انہیں کے سپہ سالار "پشیہ متر" نامی ایک برہمن نے انہیں گدی سے اُتار دیا" اور خود بادشاہ بن بیٹھا" کہتے ہیں کہ اُس کے زمانے میں "برہمن مت میں" پھر سے نئی جان پڑ گئی" "بودھ بھکشوؤں کو کسی حد تک ستایا بھی گیا" مانا کہ تھوڑا بہت تشدد ہوا - لیکن اُس کی نوعیت مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھی" اُس وقت "بودھ سنگھ" بڑی طاقتور جماعتیں تھیں" اِس لئے اکثر درجہ اُن کے سیاسی اثر سے ڈرتے تھے" اِس وجہ سے انہیں کمزور کرنے کی کوشش کی گئی"

آریوں کے دراوڑی تہذیب کی بہت چیزیں لے لینے اور بودھ مذہب کی بہت سی باتیں اپنے مذہب میں شامل کر لینے کے متعلق - پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان

. . . . جب آریہ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے دراوڑی تہذیب کی بہت سی چیزوں کو لے لیا" یہی رویہ انہوں نے بودھ مذہب کے ساتھ اختیار کیا" اور "مہاتما بدھ" کو بھی "ہندو دیوتاؤں" کے زمرے میں شامل کر لیا" بودھ کا نام ہندوستان میں

موجود رہا اور اُن کی پوجا بھی ہوتی رہی۔ لیکن اُن کی خاص تعلیم چپ چاپ ”طاق پر“ اٹھا کر رکھ دی گئی“ اور برہمن مت یا ہندو دھرم تھوڑی بہت ترمیم کے بعد اپنی معمولی روِش پر چلتا رہا“ لیکن ”بودھ مت“ کو برہمن مت کے سانچے میں ڈھالنے کا کام کافی مدت میں انجام پایا“ اشوک کی موت کے بعد کئی سو برس تک ہندوستان میں بودھ مذہب کا چرچا رہا“ اشوک کی موت کے دو سو برس بعد سلطنت کی حیثیت سے ”مگدھ“ کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر پھر بھی ایک مدت تک ”بودھ مذہب کا وہ بڑا مرکز رہا“

ہندوستان پر وسط ایشیاء کے بدھ مذہب رکھنے والے مختلف قبائل کے حملے اور اُنکی قومیت

آگے اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۱ و ۱۷۲ پر تحریر ہے کہ ”اسی عرصہ میں“ شمالی اور جنوبی ہند میں بہت سے اہم واقعات رُونما ہوئے رہے“ شمال میں وسطی ایشیا کی مختلف قوموں مثلاً ”باختری“ ”ساکا“ ”سیتھی“ ”ترکی“ اور ”کوشن“ وغیرہ کے پے در پے حملے ہوئے“

وسطی ایشیا میں ”ٹڈی دَل کی طرح یہ لوگ پیدا ہوتے تھے“ پھر یہ نکل کھڑے ہوتے تھے“ اور تمام ایشیا“ اور یورپ میں“ پھیل جاتے تھے“ ”حضرت عیسیٰؑ“ کی پیدائش کے دو سو برس کے اندر ہندوستان پر ان کے بہت حملے ہوئے“ یہ قبیلے خانہ بدوش تھے۔ جب ان کی تعداد زیادہ بڑھ جاتی تھی اور جہاں یہ رہتے تھے وہاں رہنے کی گنجائش نہیں رہتی تھی تو یہ لوگ نئے مقامات کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تھے“ اس کے علاوہ ان کی ہجرت کی اِس سے زیادہ اہم وجہ یہ تھی کہ پیچھے سے اُن پر دباؤ پڑتا تھا“ یعنی کوئی بڑا قبیلہ پیچھے سے آکر انہیں بھگا دیتا تھا۔ اس لئے یہ دوسرے ملکوں کا رُخ کرنے پر مجبور ہوتے تھے“ گویا ہندوستان میں جو لوگ حملہ آوروں کی حیثیت سے آتے تھے۔ وہ اکثر اپنے ملک کے بھاگے ہوئے پناہ گزیں ہوتے تھے“ اس کے علاوہ کبھی چینی حکومت طاقتور ہوتی تھی جیسے ”ہان“ کے زمانہ میں تھی“ تو وہ بھی اِن خانہ بدوشوں کو بھگا دیتی تھی“ اور یہ بے چارے نئے مسکنوں کی تلاش پر مجبور ہوتے تھے“ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ”وسط ایشیا کے یہ خانہ بدوش قبیلے“ ہندوستان کو دشمنی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے“

اُن میں زیادہ ”بودھ مذہب“ کے پیرو تھے“ اس لئے ہندوستان کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ یہی وہ ملک تھا جس نے ان کے دھرم کو جنم دیا تھا“

پُشیہ متر کے زمانے میں باختر کے یونانی بادشاہ کا حملہ اور افغانستان سندھ پر اُس کا قبضہ

پُشیہ متر کے زمانے میں ”شمال و مغرب سے ایک حملہ“ باختر“ کے یونانی بادشاہ ”مناندر“ نے کیا تھا۔ اگرچہ مناندر کو ”پسپا ہونا پڑا“ پھر بھی ”کابل“ اور ”سندھ“ اُس کے ہاتھ لگ گیا“ مناندر“ خود بڑا متقی“ اور پرہیزگار بودھ تھا۔

شاہ مناندر کے بعد ”ترکی ساکا قوم“ کا حملہ

اس کے بعد ساکا قوم کا حملہ ہوا“ وہ بہت بڑی تعداد میں یہاں آئے۔ اور سارے شمال و مغربی ہند میں پھیل گئے“ ترکی خانہ بدوشوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ ”ساکا“ کہلاتا تھا“

ساکا قوم کے بعد منگولی قوم کوشن کا حملہ اور اس کے حدود سلطنت و راجدھانیاں

اُنہیں ایک دوسرے بڑے قبیلے ”کوشن“ نے ان کی چراگاہوں سے نکال دیا۔ اور وہ ”باختر“ اور ”پارتھیا“ ہوتے ہوئے ”ہندوستان“ پہنچے“ اور انہوں نے شمالی ہند“ خصوصاً ”پنجاب“ ”راجپوتانہ“ اور ”کاٹھیاواڑ“ میں سکونت اختیار کرلی“

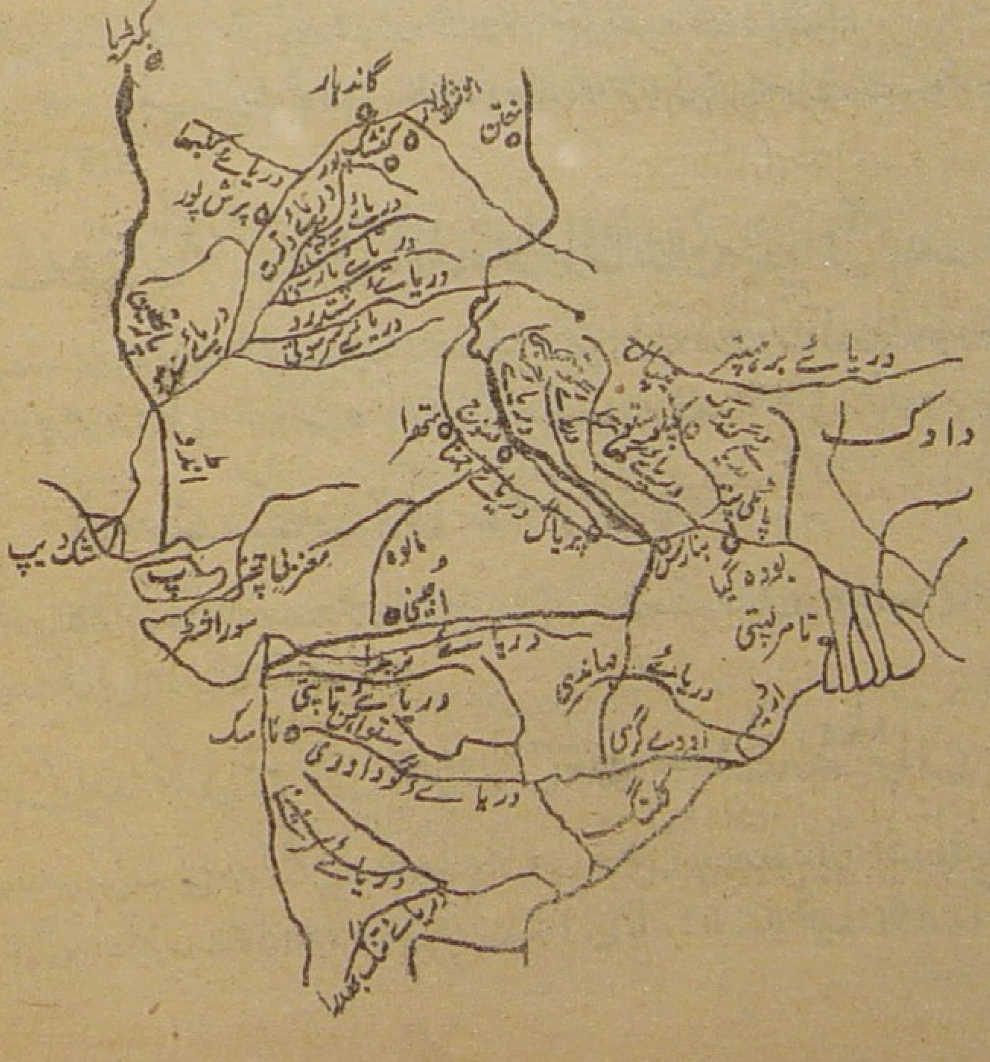
اور حالات (۱۷۶ و ۱۷۷) پر ہے کہ "سا کا" قوم کے کچھ عرصہ بعد خود "کوشن" لوگ بھی ہندوستان وارد ہوئے۔ پہلی صدی ق م میں انہوں نے ہندوستان کی سرحد پر ایک سلطنت قایم کرلی "کوشنوں کی یہ سلطنت" جنوب میں بنارس اور کوہ وندھیاچل تک "شمال میں کاشغر یارقند اور ختن تک۔ مغرب میں ایران اور کار تھیا کے کنارے تک تھی" گویا تمام شمالی ہند یعنی صوبجات متحدہ "پنجاب" "کشمیر" اور وسطی ایشیا کا کافی علاقہ "ان کوشن" راجاؤں کے زیر نگین تھا"

یہ سلطنت کوئی تین سو برس تک قایم رہی" شروع میں تو شاید "کابل" "کوشنوں" کا دار السلطنت تھا۔ اس کے بعد منتقل ہو کر "پشاور" آگیا۔ جسے اُس زمانے میں "پرش پورہ" کہتے تھے) اور آخر تک یہیں رہا۔ یہ کوشن سلطنت "بودھوں" کی سلطنت تھی" اور اُس کا ایک مشہور راجہ "کنشک" بڑا پکا بودھ تھا" وہ منگولی تھے" جہاں منگولی قومیں آباد تھیں کوشنوں کی راجدھانی سے ان ملکوں تک مسلسل آمد و رفت رہتی ہوگی"

سکندر کے زمانے سے "مغربی ایشیا میں" یونانیوں کی حکومت تھی" اور بہت سے یونانی آبسے تھے" اَب گویا کوشنوں کے ذریعے سے "یونانی و ایشیائی تہذیب" "ہندی" "بودھی" تہذیب مل جل گئی تھی"

یوں تو ہندوستان کا اثر چین اور مغربی ایشیا تک پہنچا" لیکن اسی کے ساتھ" ان کا اثر ہندوستان پر بھی ہوا۔ کوشن" سلطنت کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی دیو "ایشیا کی پیٹھ پر سوار ہو۔ اور اُس کی ایک ٹانگ مغرب میں "یونان و روم" کی طرف ہو" اور دوسری ٹانگ مشرق میں چین اور ہندوستان کی طرف" یہ گویا ایک طرف ہندوستان اور روم کی" اور دوسری طرف ہندوستان اور چین کی درمیان کھڑی تھی"

نقشہ سلطنت کوشن



دورِ زمانہ کوشن "یونانی اور رومیوں کے میل جول سے بدھ مذہب میں پہلے پہل دیوتاؤں کی مورتیں بنانے اور پوجا کرنے کا رواج

اور صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۱ پر ہے کہ "گوتم بدھ" مورتی پوجا کے خلاف تھے" انہیں دیوتا ہونے کا دعویٰ نہ تھا" اِن عقاید کی بنا پر بودھ کی مورتیں نہیں بنائی جاتی تھیں" لیکن "برہمن فرقہ" "بودھ مت" اور "ہندو مت" کو قریب لانا چاہتا تھا" اور ہمیشہ اِس کوشش میں رہتا تھا کہ ہندو عقاید و اعمال کو "بودھ مت" میں داخل کر دے"

اِن کے علاوہ وہ کاریگر جو "یونان اور روم" سے آئے تھے" دیوتاؤں کی مورتیں بنانے کے عادی تھے" اِس طرح رفتہ رفتہ "بودھ مندروں میں" مورتیں داخل ہو گئیں" شروع شروع میں یہ "گوتم بدھ" کی نہیں بلکہ بودھی ستوؤں کی تھیں" اِس سے بودھ کے پچھلے سات جنم مراد ہیں" غرض یہ سلسلہ برابر جاری رہا" حتیٰ کہ خود "بودھ کی مورتیں" بننے لگیں اور اُن کی پوجا ہونے لگی"

بودھ مَت کی تقسیم دو فرقوں مہایان اور ہنایان میں اور کوشن راجہ کی مہایان فرقہ میں شمولیت نیز گندھار دیس کی تکلّف و آرائش سے بھری ہوئی سنگ تراشی

بودھ مَت کا مہایان فرقہ" اِن تبدیلیوں کے حق میں تھا" اِس لئے کہ وہ برہمنوں کے خیالات سے قریب تر تھا" کوشن راجہ" مہایان" فرقہ میں شامل ہو گئے۔ اور اُن کی وجہ سے اُسے بہت فروغ ہوا"

مہایان فرقہ کا شمالی ہند میں زور رہا" اور ہنایان فرقہ کا" جنوبی ہند میں" حتیٰ کہ ہندوستان میں دونوں کو ہندو مت نے جذب کر لیا۔ آج مہایان فرقہ "چین" جاپان اور تبت" میں پایا جاتا ہے" اور ہنایان فرقہ برہما و لنکا میں" بودھ مت کے خیالات میں وہ سادگی باقی نہیں رہی جو ابتدائی دَور میں تھی۔ خاصکر گندھار دیس کی "ہنایان دَور کی سنگتراشی" تو تکلّف" اور آرائش سے بھری پڑی ہے"

بدھ مَت کے دوسرے فرقہ ہنایان کے آثار" اجنٹا (دکن)" کے خوبصورت نقش" اور بانقصویر غار"

ہنایان دَور کا فنِ تعمیر بھی اِس نئے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا" اور اس نے بھی آرائشی تکلّفات اور اشاریت کو اختیار کر لیا" اِس زمانے کی بہت کم یادگاریں باقی رہ گئی ہیں" اِن میں سب سے دلچسپ "اجنٹا" کے وہ خوبصورت نقش و نگار اور تصویریں ہیں جو دیواروں پر "استرکاری" پر بنائے گئے ہیں"

دوسرے تُرکی قبیلوں کی طرح "کوشن" لوگ بھی نہ تو غیروں کی طرح "ہندوستان میں آئے تھے" نہ انہوں نے اِس طرح اِس پر حکومت کی جیسے کوئی مفتوحہ علاقہ پر کرتا ہے" وہ ہندوستان اور اُس کے باشندوں کے ساتھ "مذہبی رشتہ" سے بندھے ہوئے تھے" اِس لئے شمالی ہند پر تین سو برس تک حکومت کرنے میں کامیاب ہوئے"

اور صفحہ ۲۲۶ پر ہے کہ "ہندوستان آکر اِن لوگوں نے عموماً "ہندی آریہ رسم و رواج" اور روایات" اختیار کر لیں" اور اسی رنگ میں رنگے گئے" وہ مہذب تھے اور تہذیب و تمدن کے معاملہ میں "ہندوستان کو اپنا وطن سمجھتے تھے" "کوشن" بھی بڑی حد تک "تہذیبی آریہ روایات" کے پَیرو تھے" وہ یہاں بالکل آریہ بن کر رہے"

ترکی قوم کوشن کے راجہ کنشک کی حدود سلطنت" اور افغانستان میں اُس کے آثار یعنی عالی شان مذہبی عمارتیں

تاریخ ہند جلد اول مؤلفہ سید ہاشمی کے صـ۱۲۲ پر " راجہ کنشک " کا حال تحریر ہے " اس میں ہے کہ " سنہ ۱۲۰ء کے زمانہ میں
وہ تمام " سلطنت کشان " (کوشن) کا بادشاہ ہوگیا تھا " اُس نے شمالی ہند " اور " کشمیر " کو فتح کیا " اور مشرق میں " پاٹلی پتر
تک بڑھا " مغربی رست راپ " اُس کے مطیع ہوگئے تھے " وہ قریب نصف ہندوستان کا فرمانروا تھا "
شمال میں دولت افغانستان کا پورا علاقہ " یوچیول " (کوشنوں) کے قبضہ میں تھا۔ اور " کاشغر " " ختن "
یارقند " کو " کنشک " نے فتح کرکے اپنی سلطنت میں ملا لیا تھا "
علاقہ گندھارا میں " پرش پور " یعنی موجودہ پشاور " کنشک " کا پایہ تخت تھا " وہاں اُس نے " بودھ مذہب
والوں کے لئے۔ عالی شان مذہبی عمارتیں " بنائی تھیں۔ اور وہ اِس مذہب کا " اشوک " کے بعد سب سے بڑا حامی تھا "
سنہ ۱۹۲۲ء میں فرانس کے آثار قدیمہ کے ایک افسر نے افغانستان میں کھدائیاں شروع کرائیں سنہ ۱۹۳۰ء میں بامیان
کے مشرقی حصہ میں " مہاتما بدھ کا پینتیس (۳۵) میٹر لمبا بُت ملا جس سے اُمید بندھی کہ شاید بدھ مت کی وہ بڑی خانقاہ جس کا ذکر چینی سیاح
ہونگ سانگ نے کیا ہے وہیں کہیں واقع ہو " چنانچہ سخت اور طویل کھدائی کے بعد " بامیان " کے درہ میں " تراشی ہوئی
ایک خانقاہ کے آثار پائے گئے جو تیسری صدی عیسوی کی بنی ہوئی تھی " اِس خانقاہ کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا چوکور ٹوپ (اسٹوپ)
تھا اور فرش پر درختوں کی چھال کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا " ..... فرانس میں اُن دنوں
ایک ہی شخص تھا جو اِس قسم کی تحریریں پڑھ سکتا تھا " اس کا نام سلون لیوی تھا " اور وہ روما کی کانگریس مستشرقین کا صدر تھا
موسیو ہاکسن نے " افغانستان " کی وزارت تعلیم کی اجازت سے اِن تحریروں میں سے چند ایک امانت کے طور پر پیرس بھیجے
وہ تحریریں اب کابل کے عجائب خانہ میں موجود ہیں " موسیو سلون لیوی " نے بامیان کی اِن تحریروں کے ساتھ اُن تحریروں
کا بھی مطالعہ کیا جو " گلگت " سے حاصل کی گئی تھیں " موسیو سلون لیوی " بامیان کی اِن تحریروں کی بلحاظ رسم خط
تین بڑی قسمیں قرار دیتا ہے "

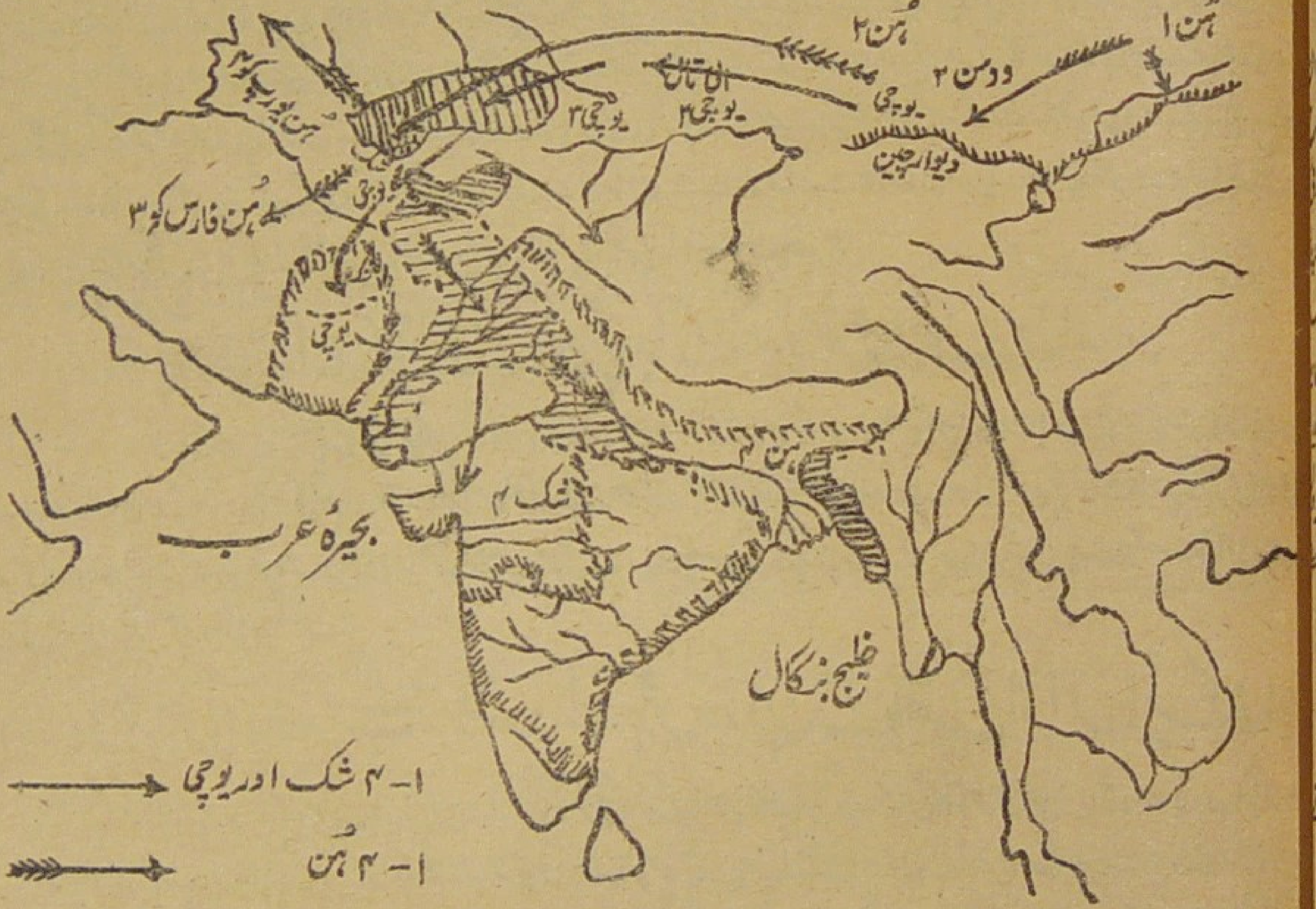
(۱) کوشانی رسم خط جو تیسری اور چوتھی صدی میں رائج تھا "
(۲) گپتی رسم خط جو ساتویں اور آٹھویں صدی میں رائج تھا "
(۳) اور ختنی اور مرکزی ایشیا کے دوسرے رسم خط گویا وہ سب رسم خط جو کوشانیوں کی وسیع سلطنت میں استعمال ہوتے
تھے۔ بامیان کی اس خانقاہ میں پائے گئے "

موسیو سلون کی رائے میں یہ تحریریں اِس لئے بھی اہم ہیں کہ ان میں سے کچھ بدھ مت کے ہین یان (ہنایان) فرقے کی مقدس
کتاب " ونایا " کے ٹکڑے ہیں " جس سے پتہ چلتا ہے کہ اِس فرقہ کے پیرو " بامیان " میں رہتے تھے " اِس بات کی تائید " چینی سیاح
ہوان سانگ بھی کرتا ہے " وہ لکھتا ہے کہ " بامیان " میں دس خانقاہیں ہیں جن میں قریب قریب ایک ہزار بھکشو رہتے ہیں
جو ہین یان فرقہ کے " لوکا نورتن " مکتب کے پیرو ہیں " بامیان " کے شہر میں " مہا سانگیکا " مکتب کے بھی کئی بھکشو
ہیں جو دینیات میں خاص دسترس رکھتے ہیں " ایسی صورت میں " مہا سانگیکا مکتب کی مقدس کتاب " ونایا " کا " بامیان
سے ملنا کوئی اچنبھا نہیں ہے " اِس مکتب کے پیرو سنہ ۶۳۰ ہجری میں جب " ہوان سانگ " بامیان " سے گذرا " بامیان
سوات " اور " کشمیر " میں آباد تھے "
(احمد علی کہزاد در رسالہ آج کل دہلی۔ یکم جون سنہ ۱۹۴۵ء صـ۱۱)

پنجاب و افغانستان میں "قوم کوشن یا کشان" کی سلطنت کے قیام کا زمانہ" من بعد اُن کا گورے ہونوں کے سیلاب سے خاتمہ

"کنشک" غالباً چالیس برس حکومت کر کے ۱۶۲ء میں فوت ہوا" قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ "کنشک" کے بعد اُس کا بیٹا "ہوشک" بادشاہ ہوا۔ اور وہ شاید ۲۲۰ء تک فرمانروا رہا۔ اس کے بعد سلطنت مختلف ریاستوں میں منقسم ہو گئی" اس میں شک نہیں کہ "پنجاب و کابل" میں کشان خاندان کے بادشاہ چوتھی صدی کے اخیر تک حکومت کرتے رہے" اور اُن کا خاتمہ گورے ہونوں" کے سیلاب نے کیا"

حملہ آوروں کے راستے



کوشنوں کو سندھ ندی کے پار ہٹا دینے والا "گپتا خاندان"

"کوشنوں کو سندھ ندی کے پار تک ہٹا دینے والا "گپتا خاندان" تھا۔ جگ بیتی کے صفحہ ۲۲۸ پر ہے کہ۔ "اس خاندان کے پہلے راجہ "چندر گپت" نے بارہ برس کی جنگ کے بعد شمالی ہند کے کچھ حصہ پر جس میں "صوبجات متحدہ" بھی شامل تھا قبضہ کر لیا" اور اس کے بیٹے "سمدر گپت" نے جنوبی ہند میں بھی فتوحات کر کے قریباً سارے ہندوستان کو زیر اثر کر لیا۔ اس نے کوشنوں کو سندھ ندی کے پار تک ہٹا دیا تھا۔ اور صفحہ ۲۳۰ پر ہے کہ اس نے اپنی راجدھانی "پاٹلی پترا"

سے "اجودھیا" کو بدل دی تھی" اور صـ۲۳۲ پر ہے کہ "چندر گپت ثانی" یعنی "بکرماجیت" نے تیئس ۲۳ برس حکمرانی کر
اُس کا بیٹا چالیس برس تک راج کرتا رہا" پھر ۴۵۵ء میں سکندر گپت گدی پر بیٹھا" اسے ایک نئی آفت سے سامنا ہوا جس
اِس عظیم الشان سلطنت کی کمر توڑ دی"

گپتا دَور کے صناعی کے نمونے ـ دکن میں اجنٹا کی تصویریں ہال اور کمرے

اجنٹا کی دیواروں کی تصویریں اور اس کے بڑے بڑے ہال اور چھوٹے چھوٹے کمرے "گپتا" دَور کی صناعی کے نمونے

گپتا خاندان کی ہنوں کے ہاتھوں تباہی

سمدر گپت کو ہندوستانی نپولین کہتے ہیں لیکن فتوحات کے معاملہ میں اس
نے ہندوستان کی سرحد سے باہر قدم نہیں رکھا" صـ۲۳۳ تا ۲۳۶ پر ہے کہ
"گپت خاندان کے پانچویں بادشاہ "سکندر گپت" کو "ہن قوم" کے حملہ سے دوچار ہونا پڑا اُس نے اُنہیں شکست دے کر
پسپا کر دیا" لیکن بارہ برس کے بعد وہ پھر نمودار ہو گئے اور رفتہ رفتہ (کوششوں سے) گندھار کے علاقہ" اور شمالی ہند کے بیشتر حصوں
میں پھیل گئے" بودھوں پر انہوں نے بہت دست درازیاں کیں "گپتا راجہ" اُن کا قلع قمع نہ کر سکے۔ "ہنون" کے نئے نئے
قبیلے آئے اور وہ وسطی ہند تک پھیل گئے" اُن کے سردار "تورمان" نے بادشاہت کا اعلان کر دیا ـ وہ خود بھی بہت برا تھا لیکن
اُس کا بیٹا "مہر گل" (المتوفی ۵۴۲ء) سخت وحشی" ظالم" بلکہ پورا شیطان تھا"

گپتا خاندان کے خاتمے اور کرشن پوجا کے از سرِ نو شروع ہونے کا زمانہ

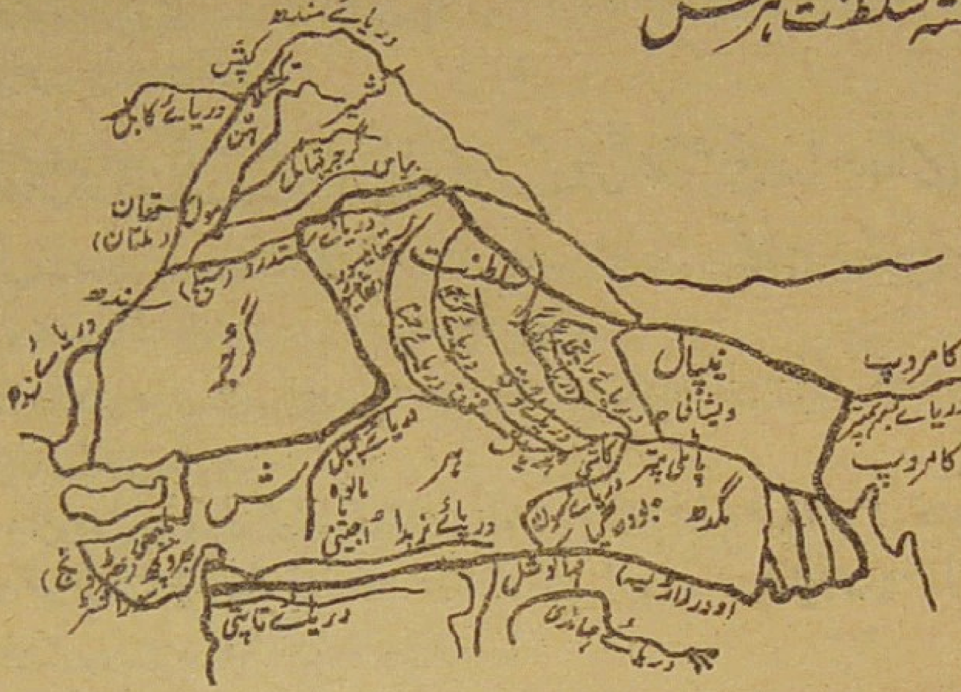
"بالادت" "گپتا خاندان" کا آخری راجہ تھا" ۵۳۰ء میں اُس کا انتقال ہوا" اِس خالص ہندو خاندان
کے راجہ کا رجحان "بدھ مت" کی طرف تھا ـ اور اُس کا گرو ایک "بدھ بھکشو تھا" "گپتا دَور" میں "کرشن پوجا" از سرِ نو شروع ہوئی
پھر بھی "بودھ مت" کے ساتھ اس کی کوئی خاص ٹکر نہیں ہوئی" دو سو برس کے گپتا دَور کے بعد پھر شمالی ہندوستان میں
چھوٹی چھوٹی ریاستیں قایم ہو گئیں"

ہنون کی تباہی بودھ مذہب کے زبردست راجہ ہرش وردھن کے ہاتھوں اور اس راجہ کا زمانہ

صـ۲۶۹ پر ہے کہ "ہرش وردھن نے "ہنون کو زیر کیا" یہ غالباً ہندوستان کا آخری جلیل القدر "بودھ راجہ گزرا
ہے" صـ۲۷۰ و ۲۷۱ پر ہے کہ "ہرش ہی کے زمانے میں "چینی سیاح ہیونگ سیانگ" جس نے سفرنامہ لکھا ہے "ہندوستان
آیا" "ہیونگ سیانگ" ۶۲۹ء میں ہندوستان آیا ـ اور صـ۲۷۲ پر ہے کہ "ہیونگ سیانگ" نے ان ترکوں کا حال لکھا ہے
جن سے وہ وسط ایشیا میں ملا تھا" وہ لکھتا ہے کہ "تمام وسطی ایشیا میں بودھ خانقاہیں موجود ہیں"
صـ۲۷۹ پر ہے کہ "راجہ ہرش" نے ۶۴۸ء میں انتقال کیا" لیکن اس کے انتقال سے پہلے ہی "ہندوستان کی شمال
مغربی سرحد پر بلوچستان کے مطلع پر بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا ـ یہ ٹکڑا ایک زبردست طوفان کا پیش خیمہ تھا" .....
..... "مسلم عرب" "ہرش" ہی کے زمانے میں "بلوچستان" پہنچ گئے تھے" اور بعد میں انہوں نے "سندھ" پر
قبضہ کر لیا تھا"

(نقشہ سلطنت ہرش وردھن صـ۶۱ پر دیکھیے)

نقشہ سلطنت ہرش



شودروں کا حال اور ہندوؤں میں نئی قوموں کے داخل ہوتے رہنے اور رفتہ رفتہ سماجی میدان میں ترقی کرنے کا طریقہ

صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴ پر ہے کہ "کبھی کبھی نیچ ذات کے لوگوں کو بھی موقع ملا ہے اور شودر بھی کبھی تخت پر پہنچ گئے ہیں" لیکن ایسا شاذ و نادر ہوا ہے" اور کسی پوری جماعت کے لئے سماجی میدان میں ترقی کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک قدم بڑھ جاتی تھی" اور اکثر نئی قومیں ہندو دھرم میں شامل ہو جاتی تھیں جنہیں ان کے نیچے جگہ ملتی تھی" رفتہ رفتہ اسی طرح وہ بھی آگے بڑھتی تھیں"

بدھ کے زمانے سے پہلے ہندوستان کی قدیم باشندہ اور باہر سے آکر بس جانے والی اقوام

ہم نے "ساکیہ منی گوتم بدھ" کے زمانے سے "افغانستان و سندھ" میں مسلمانوں کی آمد تک کے زمانے کا حال دکھایا ہے اب مختصر طور سے "بدھ" کے زمانے سے پہلے کا بھی کچھ حال دکھاتے ہیں"

تاریخ ہند حصہ اول مؤلفہ ہاشمی میں "ہندوستان کے اصلی باشندے" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "دراوڑیوں" کے آنے سے مغلوب ہو کر "ہندوستان" کے قدیم باشندے گوشوں میں پناہ گزیں ہو گئے" "مینا" "بھیل" "گونڈ" "ناگا" "ٹوڈا" "سنتال" وغیرہ وغیرہ قبیلے انہیں میں سے ہیں" اور "نیپال و سکم" کی سرحد پر "دارجیلنگ" "چٹاگانگ" کے پہاڑوں میں "صوبہ آسام" میں تبت کی سرحد پر "صوبہ بہار" "چھوٹا ناگپور" اور اڑیسہ میں" "نیز" "اڑیسہ کے نیچے گنجام" "وزیگاپٹم" "اضلاع گوداوری" "مملکت حیدرآباد کے ضلع عادل آباد" "نیل گری کی پہاڑیوں" "ضلع سیلم" "مدورا" "ضلع کوئمبتور" "اضلاع مالابار" "کوچین اور ٹراونکور" میں ان کی آبادیاں کثرت سے ہیں" "سیلون" "سماترا" اور "آسٹریلیا" کے اصلی باشندوں کے ساتھ ان کا نسلی رشتہ تھا" "مینا" "بھیل" اور دیگر ازاں قبیل کے باشندے۔ پنجاب و راجپوتانہ" وغیرہ علاقوں میں اور دوسرے صوبجات میں بھی ہیں"

آگے لکھا ہے کہ "دراوڑی" "قریباً چار ہزار برس پہلے" سارے ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے" یہ قوم مغرب سے ہندوستان میں آئی تھی" بلوچستان کے بروہی قبیلے کی نسلی خصوصیات اگرچہ بہت کچھ خلط ملط ہو گئی ہیں اور اب ۵۰

ایرانی قالب میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے" لیکن اُس کی اصلی زبان اب تک باقی ہے۔ یہ اب تک دراوڑی زبان بولتے ہیں۔" دراوڑی تمام جزیرہ نمائے ہند میں پھیلے ہوئے تھے" جس میں پنجاب" سندھ" اور بلوچستان کو بھی شامل کرنا چاہئے۔ کیونکہ جزیرہ نما کی زبان اور نسلیں ان سے متاثر ہیں۔

آریوں کے ہندوستان میں آنے کے زمانے اور اُن کے وطن کا عدم تعین صاحب تاریخ ہند قدیم کا بیان

آریوں کے ہندوستان میں آنے کا صحیح زمانہ متعین نہیں ہوا ہے" بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آبادی سب سے پہلے ہندوستان پیدا ہوئی" اس کا ایک حصہ یہاں رہ گیا اور دوسرے مغرب کی طرف چلے گئے"

علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے "مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اوّل میں "آریہ قوم کا قدیم وطن" کی سُرخی تحت "مؤرخین کے مختلف اقوال لکھے ہیں"

(۱) آریہ قوم کا وطن دریائے جیحون کے شمال میں تھا" (۲) بحیرہ خضر کا مشرقی ساحل تھا" (۳) بحر خضر کا جنوبی علاقہ تھا" (۴) شیراز و اصطخر کا علاقہ تھا" (۵) اس کا وطن ملک چین تھا" (۶) ایران کا شمالی مشرقی علاقہ تھا" (۷) آریہ قوم کا اصلی وطن ناروے اور سویڈن کا علاقہ تھا"

خود ہندوؤں کا دعویٰ اِن بیانات کے خلاف ہے" وہ ہندوستان ہی کو اپنا قدیمی وطن بتاتے" اور "کوہ ہمالہ کے سرد مقامات اور برف پوش چوٹیوں کو "اپنے دیوتاؤں کا وطن اور جائے قیام تسلیم کرتے ہیں"

رگوید کے ایک براہمنہ میں ہے کہ "جو شخص شمال سے آتا ہے" لوگ اس کی بات سننے کے خواہش مند ہوتے ہیں" کیونکہ شمال بزرگوں کا مقام ہے" ہندو ہمیشہ "کیلاش" "سمیرو" اور "کوہ ہمالہ" کو متبرک مانتے ہیں" اور "اتر کھنڈ" یعنی شمالی علاقوں کو "دیو بھومی" جانتے رہے ہیں"

اس کے آگے علامہ موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ "یہ حقیقت قابل تسلیم ہے کہ "ہندوستان" کی آریہ قوم "برہمن چھتریوں کے باپ دادا" ہند کے قدیم باشندے نہیں ہیں" بلکہ وہ باہر سے ہند میں فاتحانہ داخل ہوئے" اور داخل ہونے سے پہلے "تبت" یا بلخ" یا ہرات" یا قندھار" یا بلوچستان" کے صوبوں میں مقیم رہے" اِن صوبوں میں وہ کسی دوسرے علاقہ سے آئے تھے"

فارسی و سنسکرت زبان کی مشابہت نے اِس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ "ہندوستانی" آریاؤں کے باپ دادا اور ایرانیوں کے بزرگ" کسی ایک زمانے میں مقیم رہ کر ایک ہی زبان بولتے تھے" چین کے ملک کو "اگر مخزنِ اقوام" اور نسل انسانی کا ابتدائی گہوارہ مان لیا جائے جیسا کہ اکثر مؤرخین کا خیال ہے تو بہ آسانی تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ "ایک قوم چین سے ترکستان اور ترکستان سے ایران میں آکر آباد ہوئی" اور پھر عرصہ دراز کے بعد اس کے دو یا دو سے زیادہ حصے ہو کر ایک حصہ ایران میں رہا اور ایک ہندوستان کی طرف آیا" اور ایک کاکیشیا" اور یورپ کی طرف نکل گیا"

ایرانیوں اور ہندوستانی آریوں میں چینیوں کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں اور رخساروں کی اُبھری ہوئی ہڈیوں کے تبدیل ہو جانے کی وجہ

ایرانیوں اور ہندوستانی آریوں میں "چینیوں" کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور رخساروں کی اُبھری ہوئی ہڈیاں کیوں

تبدیلی ہوگئیں اس کا جواب بہت آسان ہے" سب کو معلوم ہے کہ "تیمور و چنگیز" جو "منگولیا" یا "مشرقی ترکستان" کے باشندے تھے۔ موجودہ زمانے کے "منگولیوں" ہی کی سی شکلیں رکھتے تھے" لیکن ہندوستان میں آج بھی اُن کی صحیح النسب اُولاد موجود ہے جس کو منگولیوں کی شکل و صورت سے کوئی مشابہت نہیں"

یہ بھی ممکن ہے کہ ترکستان ہی سے آریہ قوم کے دو حصے ہوکر ایک حصے نے ایران پر" اور دوسرے نے ہندوستان پر قبضہ کیا ہو"

یہ خیال کہ ہندوستان میں اوّل آریہ قوم آکر پھر ہندوستان سے اُس کا ایک حصہ جاکر ایران میں آباد ہوا۔ اِس لئے قابل قبول نہیں کہ "ترکستان" میں قیام کرنے والی قوم کے لئے ہندوستان آنے کے مقابلہ میں "ایران جانا زیادہ آسان تھا۔ اور سرد آب و ہوا میں رہنے والی قوم کے لئے ایران کا سرسبز و شاداب ملک ہندوستان کے گرم ملک کے مقابلہ میں زیادہ موجب کشش ہوسکتا تھا" اور اسی لئے "ترکستان سے ایران" اور ایران سے مجبوراً بیدخل ہوکر ہندوستان آنا زیادہ قرین قیاس ہے" آریہ قوم کے قدیمی وطن کی نسبت زیادہ یقینی طور پر اور کچھ نہیں کہا جاسکتا"

آریوں کے وطن کے متعلق مسٹر تاراچند کا بیان

مختصر تاریخ تاراچند کے صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر تحریر ہے کہ "آریہ قوم کے اصلی وطن کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے"

(۱) بعضوں کی رائے میں ان کا اصلی وطن ڈینیوب کی وادی ہے"

(۲) بعضوں کے خیال میں یہ لوگ ہنگری اور بوہیمیا کے باشندے تھے"

(۳) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ منطقہ باردہ شمالی ان کا اصلی مسکن تھا" (۴) بعضوں کے نزدیک وسط ایشیا ان کی جائے سکونت تھی"

(۵) بعض کا خیال ہے کہ یہ لوگ اُس وسیع میدان کے رہنے والے ہیں جو کوہ آرل سے بحر اسود تک اندرونی بحیروں کے شمال میں ان کے کنارے کنارے پھیلتا چلا گیا تھا"

(۶) بعضوں کی تحقیق ہے کہ آریہ قوم باہر سے نہیں آئی بلکہ وہ شروع سے ہندوستان میں رہتی تھی"

آریوں کے وطن اور ہندوستان میں آنے کے زمانے کے متعلق سید ہاشمی صاحب تاریخ ہند کا بیان

تاریخ ہند جلد اوّل مؤلفہ سید ہاشمی صاحب میں "آریہ قوم کا اصلی وطن کی سُرخی کے تحت تحریر ہے کہ "بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ (۱) یہ آبادی "ہندوستان میں پیدا ہوئی تھی اس کا ایک حصہ یہاں رہ گیا" اور دوسرے مغرب میں چلے گئے"

(۲) بعضوں کا خیال ہے کہ اس کا اصلی جنم بھوم "ایشیائے کوچک ہے" (۳) بعضوں کا خیال ہیں وسط ایشیا ہے۔ اور وسط ایشیا پر سب کو اتفاق تھا" کیونکہ اِسی ملک میں نسل انسانی کی تمام ہل چل ہوتی رہی" اسی جگہ سے بڑی بڑی آبادیاں مشرق اور مغرب میں منتشر ہوئی ہیں لیکن ایک اور تحقیق سے یہ نظریئے بھی غلط ہوجاتے ہیں" (۴) اس تحقیق کا صحیح ذریعہ" آریائی زبانیں ہیں جو "ہندوستان" "ایران" "ترکستان" "یونان" "روم" اور "سویڈن" "ناروے" "فلپائن" میں بولی جاتی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں.... "گھوڑے اور گائے کے لئے خاص سرزمین کی ضرورت ہوتی ہے یعنی ایسی سرزمین جو زراعت اور چراگاہ کی ضرورتیں پوری کرے" جہاں کھلے میدان اور سرسبزی بھی ہو" "ہنگری" "آسٹریلیا" اور "بوہیمیا" کے اقطاع میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ چیزیں مجموعی طور پر اور جگہ نہیں ہیں۔ اور اس طرح کس قدر وثوق کے ساتھ یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ "ویراس کا" (یعنی آریہ کا) اصلی وطن "آسٹریا اور ہنگری" کے زرخیز میدان تھے (صفحہ ۳۲ و ۳۳)

اسی کتاب میں آریائی گروہوں کی اپنے جنم بھوم سے نقل و حرکت کا زمانہ" کی سُرخی کے تحت صفحہ ۳۲ و ۳۳ پر تحریر ہے کہ "قرائن سے
معلوم ہوتا ہے کہ "آسٹریا اور ہنگری" کے میدانوں سے آریائی گروہوں" کی نقل و حرکت سنہ ۲۵۰۰ ق م سے قبل نہیں ہوئی" لیکن آریوں
کے اور مسائل کی طرح یہ بات بھی بحث طلب ہے کہ "آریہ" کب ہندوستان آئے" بات یہ ہے کہ آبادی کی کثرت سے اُن کے جنم بھوم
آسٹریا ہنگری میں جب ذرائع معاش تنگ ہوئے تو کچھ لوگ ان میں سے ایران میں آباد ہو گئے" اور کچھ آگے بڑھکر ہندوستان
کی طرف نکل آئے" لیکن ان دونوں کی نقل و حرکت کب ہوئی یہ بات اب بھی بحث طلب ہے"

آریوں کے ہندوستان آنے کا زمانہ

ابھی چند دن ہوئے کہ "جرمنی میں" ایک کتبہ دریافت ہوا ہے جس میں ہندوستان
کے دیوتاؤں کے نام اِندرہ وغیرہ پائے جاتے ہیں" اور اس کتبہ کی تاریخ سنہ ۱۴۰۰ قبل مسیح
کے قریب ہوتی ہے" قرینہ یہ ہے کہ "اِسی زمانے میں "ہندوستان" اور ایران" کے آریہ "آسٹریا و ہنگری" سے نکلے
اور جو طریقہ تخیل "آسٹریا اور ہنگری" کے میدانوں میں اُن کا تھا۔ وہ ہی مشرق میں اپنے ساتھ لائے" ہندوستان میں
یہ تخیل باقی رہا۔ اور آسٹریا و ہنگری میں باقی نہیں رہا۔ وہاں دوسرے تخیل پیدا ہو گئے" لیکن کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس
زمانے میں "آریوں کی جدائی ہوئی" وہاں وہ تخیل موجود تھا"

ہندوستان آنے کا راستہ

رگ وید سے جو "آریوں کی تاریخ کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آریہ "کوہ
ہندوکش" کو عبور کر کے پہلے "افغانستان" آئے" پھر سندھ" پھر "پنجاب"
پھر "وادیٔ گنگا" میں آئے"

آریوں کے حالات کے متعلق تاریخ کی عدم عقدہ کشائی" اور محض قیاسات پر انحصار

صفحہ ۳۰ و ۳۱ پر ہے کہ اس قوم کی کوئی تاریخ چھٹی صدی ق م سے پہلے نہیں معلوم ہوئی" قرائن یہ ہیں کہ "آریہ" اِس سے
بہت پہلے ہندوستان آ چکے تھے" چوتھی یا پانچویں صدی کے جو کتبے یا مذہبی تحریریں یسّر آئی ہیں اُن سے صرف سو سوا سو برس
پہلے تک کے حالات کا قدرے قلیل سُراغ چلتا ہے" وہ بھی مفصل اور مسلسل نہیں ہے" ان میں بھی قیاس اور غیر معتبر روایات
کا دخل ہے" اور پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ برس اور بعض دفعہ بیچ میں صدیوں کا وقفہ پڑ جاتا ہے کہ اِس دوران میں جو واقعات
پیش آئے اُن کا کچھ بھی علم نہ ہو سکا" کتبوں اور سکّوں کے ذریعہ سے "راجگان کے نام اور اُن کے منتشر واقعات جوڑ لئے جاتے
ہیں" اور زمانے کا تعین کرنے کے لئے قیاس سے کام لینا پڑتا ہے" یہ ظاہر ہے کہ "قیاس" کوئی تاریخی حقیقت نہیں ہو سکتا"

گوتم بُدھ سے پہلے اور بعد ہندوستان پر حملہ آور ہونے والی اقوام کے متعلق مزید بیان

گوتم بُدھ کی ترکی قوم کے ہندوستان میں آمد کے زمانے اور اُس کے بعد جس طرح جو قومیں اِس ملک میں داخل ہوئیں
مختصر طور سے اُن پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں" اب تتمہ حال ہم اُن چند اور قوموں کا بھی لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں" جنہوں نے ساکیہ منی
گوتم بُدھ سے پہلے اور بعد ہندوستان پر حملے کئے تھے" اور جن کا حال معلوم ہو سکا ہے"

ہندوستان پر مصر کے بادشاہ اُسامیُرس کا حملہ اور ہندؤں میں اب تک اُس کی یادگار

تاریخ سندھ جلد اوّل مطبوعہ دلگداز پریس لکھنؤ کے صفحہ ۳۳ تا ۳۸ پر تحریر ہے کہ "اِس وقت تک دُنیا کی تاریخ میں سب سے
پہلی مُتمدّن اور اولوالعزم قوم "اہلِ مصر" سمجھے گئے ہیں" وہ اِس بات کے مدّعی ہیں کہ "اُن کا بادشاہ "اسامیرس" تمام

ملکوں کو تاخت تاراج کرتا ہوا براہِ خشکی "سندھ" میں داخل ہوا۔ اور گنگا تک فتح کرتا ہوا چلا گیا۔" اُس نے ہندیوں کو جو نہ تو فنون جنگ سے واقف تھے۔ نہ زراعت جانتے تھے" شائستگی سکھائی" اور بونا جوتنا بتلایا" جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "مصر کے علاوہ "اِس سرزمین میں بھی" دیوتا قرار دیکے "اسائرس" کی پرستش کی گئی" اور اُس کے نام سے شہر آباد ہوئے۔ تین سال یہاں قیام کر کے وہ واپس چلا گیا۔"

محققین کا خیال ہے کہ "مصریوں کے دیوتا" آگسس" اور "اسائرس" ہی ہیں جو ہندوؤں میں "ایسو یا ایشور" کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور اُن کی پرستش کا بہت رواج ہوا۔ اُس کے نام کی تقریبیں گا بجا کر منائی جاتی تھیں۔ (ص ۳۳ و ۳۴)

(ہسٹری آف پنجاب سید محمد عبد الطیف)

"ہندو پنڈت یا برہمنوں کے" مصر سے ہندوستان آنے کے متعلق

ہز ہائی نس نواب صاحب رامپور کا بیان

سیر حامدی یعنی روزنامہ سیاحت اعلیٰ حضرت نواب محمد حامد علی خاں صاحب بہادر فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ فرمانروائے ریاست رامپور (مصطفےٰ آباد) مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۱۴؁ ہجری مطابق ۱۸۹۶؁ عیسوی میں تحریر ہے کہ۔

جلد دوم۔ ص ۲۲۹ ..... ہیروڈاٹس مورخ نے جو حضرت عیسیٰ سے چار سو چوراسی (۴۸۴) برس قبل مصر میں آیا ہے۔ اِس مینار (تیسرے اہرام) میں مدفون بادشاہ کا نام "مصر نیس" لکھا ہے"......

ص ۲۴۶ ..... اِسی شہر (ممفس) پر حضرت عیسیٰ سے پانچسو ستائیس (۵۲۷) برس پہلے "کمبیسس" (کیکاؤس بادشاہ ایران) نے قبضہ کیا اور مصریوں کے دیوتا "آبیس" کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا"......

ص ۲۵۴ تا ۲۶۰ ..... قبل اس سے کہ ہم "آبیس" (مقدس بیلوں) کے مقبرے کا حال بیان کریں۔ مصریوں کے خدا "آبیس" (مقدس بیل) کی حقیقت اور ماہیت سے آپ کو آگاہ کر دیں۔ آبیس کو اُس زمانے کے یونانی لوگ "ایپی فس" کہتے تھے۔ اور وہ عجیب و غریب نادیہ بچھڑا ہوتا تھا" اور اُس میں بچہ جننے یا جنانے کی قابلیت نہیں ہوتی تھی" اُس کی خاص نشانیاں یہ ہوتی تھیں" رنگ سر سے پاؤں تک سیاہ" پیشانی پر ایک چوکور سفید داغ" اور پشت پر عقاب کی تصویر" دُم میں دوہرے بال یعنی ہر بال دو شاخہ" اور زبان پر بھونری کا نشان" ایسے بچھڑے کبھی کبھی مصر میں پیدا ہوتے تھے" جو بڑی سعی و تلاش اور قدر و منزلت سے ایک خاص مندر میں لا کر رکھے جاتے تھے" جب وہ مر جاتے تھے تو مصری اُن کو نہایت اہتمام سے پتھر کے تابوت میں رکھکر اُس قبرستان میں جو "آبیس" کے واسطے مخصوص تھا رکھ دیتے تھے" اور اُسی روز سے دوسرے کی جستجو شروع ہوتی تھی" مصریوں کا عقیدہ تھا کہ ایک گائے پر آسمان سے نور اترتا ہے اور نادیہ بچھڑا اُسی نور کا جلال رکھتا ہے" اِس قسم کے بیلوں کی قبریں زمین میں دبی ہوئی تھیں" بہت کوشش اور محنت سے جس میں زمین کے اندر کی عمارتیں اور اشیاء پر قیاس کرنے کا تجربہ اور علم بھی شامل تھا۔ ۱۸۵۰؁ء میں "میسیو مریتی" نے منجملہ چونسٹھ (۶۴) تابوتوں کے چوبیس (۲۴) تلاش کئے ہیں" اِس وقت آبیس کے منسا ور تابوتوں کی یہ حالت ہے کہ ..... دیواروں پر اُن بادشاہوں کے نام" جن کے زمانے میں مقدس بیل دفن کیا گیا" اور بیل کے پیدا ہونے اور مرنے کی تاریخ اور دن لکھدیئے ہیں ...... اِس ثبوت پر کہ مصر میں پانچ ہزار نو سو ترانوے برس پہلے یعنی "کاکو فرعون" کے زمانے سے بچھڑے کی پرستش ہوتی تھی" ہندوستان کی نسبت قیاس اور بحث کرنے کی راہ نکلتی ہے" "گئو پوجا" یا اِس جانور کو متبرک ماننے کا عقیدہ۔ عجب نہیں مصر سے یہاں آیا ہو"

ایک ایسا زمانہ بھی گذرا ہے کہ مصر سے بنی اسرائیل کی رہائی اور دوسرے "سینی میب تا" فرعون مصر کے

سے جبکہ وہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰؑ کا تعاقب کر رہا تھا معہ فوج کے بحرِ احمر میں ڈوب جانے کے بعد سیائسرس "
اُس کا جانشین اپنی فتوحات کے دائرے کو بڑھاتا ہوا بعض مؤرخین کی تحقیقات کے موافق "ہندوستان" میں دریائے
گنگا تک آیا۔ اور ممالک مقبوضہ میں اپنی یادگاریں چھوڑتا ہوا مصر کو واپس چلا گیا" ممکن ہے اُس بادشاہ کی فتوحات کے ساتھ
"مصریوں کے عقیدے" اور "گئو پوجا وغیرہ رسمیں ہندوستان میں آئی ہوں۔ گو ہم نے کسی تاریخ میں تو یہ روایت نہیں دیکھی
کہ "مصری" لوگ جو پنڈت یا برہمن خطاب سے مخاطب کئے جاتے ہیں "مصر" ہی سے آکر ہندوؤں کی دینی پیشوائی اور علمی رہنمائی
پر قابض ہوئے ہیں "صرف بعض لوگوں کے بیان سے یہ خیال ہمارے کان تک پہنچا ہے" ممکن ہے اِس روایت کی کچھ اصل ہو" اِس
امر کا موازنہ کرنے سے کہ مصری بادشاہوں کے لقب کو "ہندوستانی دیوتاؤں کے نام اور عقاید مذہبی سے کچھ مشارکت ہے۔ شائقین تاریخ
کے قیاس کو تحقیق مدعا کی طرف زیادہ رہنمائی ہوگی" اِس لئے ہم اِشارتاً چند نام لکھتے ہیں"

مصری زبان میں آفتاب کو "را" کہتے ہیں۔ سنسکرت میں "ربی" اور فارسی میں "رَیُو" اور "راب" اِن چار لفظوں
کا ماخذ ایک ہی معلوم ہوتا ہے "رَیُو اور لاب مستعمل ہے کیونکہ "را" "لام" آپس میں بدل سکتے ہیں")

اہلِ تاریخ پر یہ امر بھی آفتاب کی طرح روشن ہے کہ "مصریوں کے عقیدے میں سب سے بڑا خدا (آفتاب) ہے۔ اور اکثر
فراعنہ مصر" باوجود اس کے کہ خود بھی بُتوں کو پوجتے تھے" مگر عام رعایا کی طرف سے "خدا کا ظہور اور اوتار" قرار دیئے جاتے تھے" اور اس
وجہ سے کہ اُن کا تعلق خدا کا اوتار ہونے میں آفتاب نِصف النہار کی طرح روشن رہے۔ اپنے ناموں کے ساتھ ولدیت کی جگہ "آفتاب
ہی کا نام لیواتے تھے" مثلاً "یُوسر کا را" یعنی یُوسر ابن آفتاب "اِس ترکیب سے سوا لفظ "را" کے آخر میں بھی ایک آدھ
حرف اِضافت یا صفت کے طور پر لگا کر نام رکھتے تھے" جیسے "رامیسیس" "رامیرانِ سی" اور "رآزرُب" غرضکہ اوّل
یا آخر میں "را" ضرور ہوتا ہے"

اگر قیاس کیا جائے کہ "مہاراجہ رامچندر" اور "مہاراجہ جسرتھ" وغیرہ شاہان ہندوستان بھی
اپنے کو "سُورج بنسی" (نسل آفتاب) قرار دیتے تھے۔ اور عام رعایا کے عقیدے میں "اَوتار" مانے جاتے تھے" اِسلئے شاہانِ
مصر کے عقاید کو کسی طرح کا اُن سے تعلق ہو سکتا ہے تو گنجائش ہے" اور یہ خیال بھی کہ ہندوستان میں علم کی بنا قایم ہونے سے پہلے
مصر میں علم تھا اِس طرف توجہ دلاتا ہے کہ "مصر" سے علم کے ساتھ ساتھ "مذہبی عقاید بھی یہاں آئے ہوں گے"

سراپیم یا آپیس کے مقبرے سے ہم "اُونوس" بادشاہ کے قبر پر گئے" ...... اِسی جوار میں "انوس" کا اہرام
ہے" سنہ مسیحی سے تین ہزار تین سو پینتیس برس قبل یہ بادشاہ مصر پر حکومت کرتا تھا" سیمو میریتی" نے مذکورہ بالا قبر کو انوس
کی قبر تصور کیا تھا" مگر بعض کا خیال ہے کہ "دہشور" کے اہراموں میں سے "ٹھوس اہرام میں اُس کی قبر ہے"

اِسی جوار میں "میرا" کا مندر ہے۔ راستہ اِس میں بھی زمین کے اندر سُرنگ کھود کر نکالا ہے..... کوئی دیوار مُورتوں
سے خالی نہیں ہے" اخیر میں چھ ستون پر دالان ہے۔ اُس میں "میرا" کا بُت رکھا ہے۔ ایک عورت کی تصویر ہے..... عورتوں
کی تصویروں میں جس کا ہاتھ سینے پر رکھا ہے وہ بی بی کی علامت ہے" اور گلدستہ سونگھنے والی کو بیٹی تصور کرنا چاہیئے" دیواروں
پر جس قدر تصویریں ہیں سب گھٹنوں تک دھوتی باندھے ہوئے ہیں" ایک سرا اُٹھا کیا ہوا آگے لٹکتا ہے" ہو بہو ہندوؤں کے
مثل لباس ہے" بغیر پس و پیش کہہ سکتے ہیں کہ اِس لباس کو "پنڈت یا برہمنوں کی دھوتی" سے ضرور رشتہ
قرابت ہے"

ہندوستان پر ”بابل کی ملکہ“ ”سمیرامیس“ کا حملہ

مصریوں کے بعد اُن کے رقیب ”بابل“ کی ملکہ ”سمیرامیس“ نے جسے اگلی دنیا نے دیویوں میں جگہ دی ہے دریائے ”اٹک“ کے پار اترنا چاہا۔ لیکن اُتر نہ سکی“ اور ہندوستان کے راجہ سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر اپنے وطن واپس گئی جہاں اپنے بیٹے کے ہاتھ سے ماری گئی“ (اتحاف ابناء العصر بتاریخ ملوک مصر) بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ اسی ہندوستان کی مہم میں قتل ہوئی“

فرعونِ مصر۔ سیساستریس کا حملہ

تیسرا حملہ ہندوستان پر ”فرعون مصر سیساستریس“ نے کیا“ وہ وادیٔ گنگا تک آ پہنچا“ اُس کا زمانہ ”حضرت مسیحؑ“ سے اٹھارہ سو برس“ پہلے تھا“

”یافث بن حضرت نوحؑ کی نسل سے تاتاریوں کے بادشاہ ”اُغاس“ کا حملہ“

چوتھا حملہ ”تاتاریوں کا بتایا جاتا ہے“ اُن کا پہلا بادشاہ ”اُغاس“ جس سے اُن کی قومی تاریخ شروع ہوئی ہے وہ ”یافث بن حضرت نوحؑ“ کی نسل سے تھا۔ اُس نے ”تبت“ ”ایران“ ”خراسان“ اور ”آرمینیہ“ کو مغلوب کر کے کابل و غزنی پر حملہ کیا“ اور بڑھکر ”کشمیر“ کے ساتھ ”شمالی ہند“ پر بھی قابض ہو گیا“ وہ یہاں ٹھیرا نہیں صرف لُوٹ مار کر کے واپس چلا گیا“

”تاتاریوں کا اور حملہ“ جنھیں مؤرخین نے سیتھین یا جاٹ کہا ہے“ اور یورپ والوں نے جنہیں ہن کا نام دیا ہے“

پانچواں حملہ بھی ”تاتاریوں کا تھا“ جس کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے چھ سو پچاس برس پہلے ہے“ ان دنوں ”میڈیا“ کے پہلے بادشاہ ”سیاکزارس“ کا عہد تھا“ ”میڈیا“ والوں نے ”اسیریا“ کو (بابل کو) پامال کر کے اپنی سلطنت قایم کی تھی“ تاتاری وحشی ”کوہ قاف“ سے لے کر“ سارے ایشیا پر ”دریائے اٹک“ کے کنارے تک پھیل گئے تھے“ ”سیاکزارس“ نے انہیں اپنی قلمرو سے نکال باہر کیا۔ اُنہیں میں کے بہت سے لوگ ”سندھ“ میں رہ پڑے جو ”جاٹ“ کہلاتے ہیں“ قدیم الایام میں ”جاٹ“ دریائے سندھ کے کنارے کنارے اور ”افغانستان“ میں بکثرت آباد تھے“

ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ہے کہ ”ساتھین“ (سیتھین) وحشی کہ اکثر انہیں اور تاتاریوں کو ایک ہی قوم خیال کرتے ہیں۔ اور جو حضرت مسیحؑ سے ۶۲۵ برس پہلے ایک سیلاب کی طرح ایشیا کی سرزمین میں پھیل گئے تھے“ اُن کی ایک شاخ موجودہ حیدرآباد سندھ پر جو اُن دنوں ”پٹالہ“ کہلاتا تھا“ قابض ہو گئی۔ یہ ہی لوگ ہیں جو یورپ میں ہُن کہلاتے ہیں“

”فریدوں دارائے ایران کا حملہ“ اور دو صدیوں تک پنجاب و سندھ پر ”ایرانیوں کا قبضہ“

شاہنامہ میں ہے کہ ”تقریباً ۷۵۰ ق م سے پہلے“ فریدوں دارائے ایران نے بھی ”پنجاب“ پر قبضہ کر لیا۔ اور دو صدیوں تک ”سندھ“ پر ایرانیوں کا قبضہ رہا ”کیخسرو“ (المتوفی ۵۲۹ ق م) کے مرنے سے چند روز پہلے فارسیوں کے قبضہ سے نکل گیا ”ہندوستانی“ ”فریدون“ کے زمانے سے اس زمانے تک برابر خراج گذار رہے“ (ہسٹری آف پنجاب مؤلفہ عبداللطیف)

افراسیاب کے عہد میں قنوج کے راجہ شنگل نے خراج دینے سے انکار کیا تو لڑائی میں شکست دی“ پھر تاجدار زابلستان نے ”شنگل“ کو قید کر کے اُس کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا“ کیخسرو نے جب تک افراسیاب کا قلع قمع نہیں کر دیا۔ اُس وقت تک ہندوستان اضلاع ”بادشاہ زابلستان“ کے قبضہ میں رہے“

دارائے دوم گشتاسپ کا حملہ

۵۲۱ قبل مسیح میں "دارائے ہستاسپس (گشتاسپ) کے بیٹے نے جو دولت عجم کا بادشاہ تھا اپنے امیر البحر کو افغانیوں کے علاقہ سے لے کر دریائے اٹک کے دہانے تک ملکوں کا پتہ لگانے اور ان پر قبضہ کر لینے کے لئے روانہ کیا۔" ایرانیوں کے قبضہ میں جو حصّہ ملک آیا وہ "وادئ اٹک" کے ممالک کے ایک حصّہ سے زیادہ نہ تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

سکندرِ اعظم کا حملہ

اس حملہ کے بعد "سکندر" کا مشہور حملہ ہوا جس سے سب واقف ہیں۔" اور سکندر کے نائب سیلوکس سے چندر گپت کی لڑائی کا اوپر حال لکھ چکے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد پارتھوا یا پہلوا۔ یا پلوا قوم کا تعلق ایران، افغانستان، ہندوستان سے اور اسکی نوآبادیاں ہند چینی اور اُدھر کے جزائر میں

پارتھیوں کی حکومت ایران کا پانچسو برس کا زمانہ

مقدمہ تاریخ ہند قدیم مصنفہ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی میں "ایران کے اشکانی سلاطین۔ اور تاریخ ہند قدیم" کی سُرخی کے تحت تحریر ہے کہ "ڈھائی سو سال قبل مسیح میں" جب ہندوستان پر بودھ مذہب کے مشہور مبلغ "مہاراجہ اشوک" کا عَلَم لہرا رہا تھا۔ ایران میں "اشک بن اشکان نے یونانیوں کو بیدخل کر کے اکثر وسیع صوبوں پر اپنی حکومت قایم کر لی تھی۔" اِس خاندان میں قریباً پانچ سو برس پُر شوکت حکومت و سلطنت قایم رہی۔ جس کا ۲۲۶ء میں ساسانیوں کے ذریعہ خاتمہ ہوا۔

پارتھین قوم کے بادشاہ کے حُدود سلطنت ہندوستان میں

"اشک بانئ خاندان اشکان "پارتھیہ کا بادشاہ" اور پارتھی قوم کا سردار تھا۔ صوبہ پارتھیہ" کا دوسرا نام طبرستان ہے۔ آذربیجان پر بھی پارتھیہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ پارتی کو پہلوی کا مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس قوم کو ہندوستان سے بہت تعلق رہا ہے۔

ڈیڑھ سو سال قبل مسیح میں پارتھیہ سلطنت کے حدود "دریائے سندھ" کے مشرق میں "ٹکسلا" اور "متھرا" تک وسیع ہوئے ٹکسلا اور متھرا کے حاکم "پارتھیہ سلطنت کے گورنر" یعنی ستریپ" کہلاتے تھے۔ (دیکھو تاریخ ہند مصنفہ ونسنٹ اسمتھ)

مؤرخین کی ناواقفیت "پارتھی قوم سے"

مؤرخین نے دھوکے سے "پارتھیوں" یعنی اشکانیوں" کو یونانی نسل بتایا ہے۔ ایرانیوں نے اس قوم کا حال نہیں لکھا۔

پارتھین قوم کی اصلیت کا سُراغ

"اشکانی یا پارتھین" ایرانی قوم نہ تھے" نہ اُن کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے" یہ بیرونی قوم تھی" یہ قوم "پارتھیہ" یا پشتیہ" کی رہنے والی تھی۔ ایک طاقتور قوم اس کی پُشت پر نہ ہوتی تو پانچ سو سال تک "ایران و خراسان اور مغربی ہندوستان تک کے وسیع علاقے پر ہرگز قایم نہ رہ سکتی۔"

اس قوم کے سُراغ لگانے میں سب سے پہلے اس طرف توجہ مبذول ہوتی ہے کہ "افغانستان" کے باشندے اپنے آپ کو پشتون اور اپنی قومی زبان کو پشتو یا پختو بتاتے ہیں۔" یہ بھی مسلمہ ہے کہ موجودہ پشتون اقوام "افغانستان" کے قدیم باشندے نہیں بلکہ کہیں باہر سے آکر آباد ہوئے ہیں۔"

"اشکانی سلطنت" مذہباً زردشتی سلطنت نہ تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کہاں سے آکر افغانستان میں آباد ہوئے

یہ ثابت ہے کہ پہلے یہ " پارتھیہ یا پشتیہ یا طبرستان " میں آباد تھے۔ پھر وسیع ملکوں پر اُن کی شہنشاہی قایم ہوئی۔ اس کے بعد ایران میں مذہبی بغاوت ہوئی۔ اور ایرانی اپنی مذہبی سلطنت قایم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

جب اشکانی سلطنت برباد ہوئی تو اُس کا دارالسلطنت مقام رَئے تھا۔ بغاوت " رے " کے مغربی علاقہ سے شروع ہوئی تھی تمام مرکزی سلطنت کی بربادی کے بعد یہ لوگ مشرق کی جانب ہی اپنی جان بچا سکتے تھے" چنانچہ افغانستان یعنی غور و بامیان وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں مجتمع ہوگئے۔ اور رفتہ رفتہ اُس تمام علاقہ میں جو اب " افغانستان " اور سرحدی علاقہ کہلاتا ہے آباد ہوگئے "

توریت کا بیان اور افغانوں کا قابلِ توجہ دعوے

اس سلسلہ میں توریت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ " حضرت ابراہیمؑ " نے اپنی بیوی حضرت سارہ کے انتقال کے بعد ایک تیسری بی بی " قتورہ " سے شادی کی " اور ان سے چھ بیٹے پیدا ہوئے " جن میں سے دو کے نام " مدیان " اور " مدان " تھے "

پھر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ " اِن بیٹوں کی اَولاد میں سے بعض تو شروع ہی میں " اور بعض کچھ عرصہ کے بعد مقام پشت یا پشتین " (طبرستان) میں آکر آباد ہوئے تھے " اور اس ملک میں اُن کی نسلوں نے خوب ترقی کی تھی۔ تو افغانیوں کا یہ دعویٰ کہ ہم بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور بھی زیادہ قابل توجہ ہوجاتا ہے " اِسی طرح جب اشکانی سلطنت کا نظام " مجوسی نظام حکومت کے خلاف " اسرائیلی نظام سے مشابہ نظر آتا ہے اور پشتو زبان میں " عبرانی الفاظ " بکثرت موجود پاتے ہیں تو مذکورہ بالا دعویٰ اور بھی زیادہ قابل توجہ نظر آتا ہے "

ایران کی مشہور " پہلوی زبان " جو " ژند و اوست " کی زبان کے بعد وجود میں آئی " انہیں اشکانی یا پاشیتن " لوگوں کی ایجاد و مُروّج کردہ زبان ہے "

پہلوی زبان کے علماء نے دو دَور قایم کئے ہیں " ایک قدیم پہلوی یا اشکانی پہلوی " دوسرا دَور " ساسانی پہلوی " کے نام سے موسوم ہے " اشکانی اور ساسانی پہلوی میں " اس قدر فرق ہے کہ ان دونوں کو مشکل سے ایک زبان کے " دو دَور " کہا جاسکتا ہے "

" اشکانی یا پاشتین " لوگوں نے " ژند " والی زبان میں جو " ایران " کی قدیم زبان تھی " سامی " عبرانی زبان کے الفاظ۔ اِس کثرت سے داخل کردیئے۔ کہ ایک نئی زبان وجود میں آگئی جس میں " ایرانی الفاظ " بہت ہی تھوڑے برائے نام باقی رہ گئے "

اس اشکانی پہلوی کے " نمونے دستیاب ہوگئے ہیں " جن میں حیرت انگیز طور پر " عبرانی " اور " عربی " الفاظ کی کثرت ہے " اشکانیوں نے " ترمیم زبان کے ساتھ ہی " جدید زبان کو " ایک جدید رسم الخط میں " لکھنا شروع کیا۔ جو عبرانی رسم الخط کی " ایک اصلاح شدہ صورت تھی "

" ژند " کے رسم الخط میں " اڑتالیس[۴۸] حروف تہجا تھے " اس اشکانی یا پہلوی میں صرف انیس[۱۹] " ژند " کی زبان میں " بارہ[۱۲] حروف علت تھے " جو سنسکرت سے مشابہ تھے " اور پہلوی میں ایک بھی حرف علت نہ تھا "

جب " ساسانیوں کی حکومت ہوئی۔ تو انہوں نے بہت سے " عبرانی " الفاظ خارج کردیئے۔ اور رسم الخط میں۔ ترمیم و تجدید کی۔ اور مذہب زردشتی کی کلیات " موسومہ وساتیر " اِسی رسم الخط " اور اسی زبان میں لکھی گئی " اس طرح یہ " ساسانی پہلوی " قدیم پہلوی سے " بہت مختلف ہوگئی " اِس ساسانی زبان سے بعد میں وہ فارسی زبان پیدا ہوئی۔ جو مسلمانوں کے ایران فتح کرنے کے وقت ایران میں رائج تھی " اور گیارہویں صدی عیسوی میں " موجودہ فارسی رسم الخط " ایجاد ہوا "

یہ لحاظ کے قابل بات ہے کہ "قدیم پہلوی کے نوشتے" یورپ نے بوجھ لئے ہیں لیکن اُن کے صحیح تلفظ کا پتہ نہیں لگا یعنی اِن کتبوں کو زبان سے پڑھ کر نہیں سنایا جا سکتا" جس کا سبب یہ ہے کہ "سامی یا ارامی" الفاظ بکثرت "پہلوی زبان میں داخل ہوئے - اور طرز تحریر بھی "سامی" ہی اختیار کیا گیا" بعد میں کچھ سامی الفاظ بول چال میں شامل نہ رہ سکے - اور ان کی جگہ "قدیم ایرانی الفاظ" استعمال ہونے لگے" لیکن کتابت میں وہ ہی "سامی الفاظ کی صورت باقی رہی" مثلاً تحریر میں "اب" "باپ" لکھتے ہیں" اور پڑھتے ہیں اس کو "پدر" - اِس سے پتہ چلتا ہے کہ "پارتھین" لوگ "شام وفلسطین" کے باشندوں" اور حضرت ابراہیمؑ" کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں" ایرانی قوم سے اُن کو بالکل تعلق نہیں ہے"

رَے کے علاقہ کا قدیم نام پہلو" پہلو کے معنی اور اس نام میں مختلف تبدیلیاں

"رَے" کے علاقہ کو "قدیم زمانے میں "پہلو" کہتے تھے - چونکہ "پہلو" اور "رے" ہمدان کا دار الصدر تھا - لہذا اُن کی زبان کا نام "پہلوی" مشہور ہوا" قدیم ایرانی زبان میں "پہلو کے معنی" پشتہ" اور "خیمہ" کے ہیں" خیمہ بھی "پشتہ" کوہ" یا "ٹیلے" کی طرح ابھر ا نظر آتا ہے - اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں" پروفیسر براؤن" کہتے ہیں کہ تحقیق کے مطابق "پہلوی" اور پارتھوی ہم معنی ہیں" جس طرح قدیم الفاظ "مہتر" اور "چھتر" مہذب اور ریسک ہو کر "مہر" اور "چہر" بن گئے" اِسی طرح پارتھیہ کا پورا نام پارتھوا پہلے "پرہو" پرہو سے پلہو" پلہو سے پہلو" بن گیا ہوگا"

جغرافین عرب نے" اِس کو عربی صورت میں "فہلو" بنا کر" وسط و غرب ایران کے" ایک ایسے حصّہ کے لئے استعمال کیا ہے جس میں" اصفہان" رے" ہمدان" نہاوند" اور "آذربیجان" کا کچھ حصّہ شامل تھا - کیونکہ یہ لوگ جنگ جو" تنومند" اور "جسیم" ہونے کے علاوہ" فرمانروا" بھی تھے - لہذا فارسی میں "پہلوان" کے معنی" طاقتور" اور جنگ جو" استعمال ہونے لگے" عربی میں "فحل" بمعنی "نر (ضد مادہ) استعمال ہوتا ہے"

منوسمرتی میں پہلو یا پلہو قوم کا ذکر

اِس جگہ "منوسمرتی" کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے" اُس کے ادھیائے "دہم" اشلوک تینتالیس میں "منو مہاراج" لکھتے ہیں کہ "چھتریوں" یعنی جنگ جو قوموں نے جب مذہبی پابندی چھوڑ دی" اور "برہمنوں سے" برگشتہ ہوگئے - تو رفتہ رفتہ اپنے مرتبہ سے گر گئے" پھر آگے "اشلوک چوالیس[۴۴] میں" اِن برہمنوں سے برگشتہ" جنگ جو لوگوں کے قبایل کی فہرست" اِس طرح بیان کی گئی ہے" پونڈرک" اوڈر" ہورالا" "کمبوج" یون" (یونانی) شک" (سک سکزی) پارو" پہلو یا پلہو" چین" کرات" درد" کھش" منوسمرتی کی شرح لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ "نمبر ۸ پہلو قوم کے لوگ" ایران میں رہتے تھے" اور اُن ہی کے نام سے پہلوی زبان مشہور ہوئی"

پلّوا خاندان کا سندھ و گجرات کے راستے سے ہوتے ہوئے جنوبی ہند میں جا کر اپنی زبردست سلطنت قایم کر لینا

جنوبی ہند کے ایک مشہور خاندان "پلوا" کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خاندان سندھ و گجرات کے راستے ہوتا ہوا" ایران سے جنوبی ہند" پہنچا - اور وہاں اُس نے اپنی زبردست سلطنت قایم کر کے قریباً چار سو سال تک - جنوبی ہند کے وسیع علاقہ پر حکومت کرتا رہا" اس کو ایران کا "پہلوی خاندان" بتایا جاتا ہے" اِس سے ثابت ہے کہ "پارتھین" لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان کے چھتریوں میں موجود ہے - اور بعض ہندو قوموں کو "خالص پارتھین قومیں" ثابت کیا جاتا ہے"

سارے ملک افغانستان کا "پارتھوا قوم سے جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہے" آباد نظر آنا

دوسری طرف تمام ملک "افغانستان" پارتھین قوم سے" آباد نظر آتا ہے اور یہ سب حضرت ابراہیمؑ" یا" حضرت یعقوبؑ" کی اولاد ثابت ہوتے ہیں"

ایران پر پارتھیا قوم کی حکمرانی پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان

جگ بیتی حصۂ اوّل کے صفحہ ۲۱۳ و ۲۱۴ پر ہے کہ "میں نے اپنے ایک پچھلے خط میں لکھا تھا کہ "پارتھیا میں" "جنگ کارہائی" کے موقع پر "رومی جمہوریت کی فوجوں کو" شکست فاش ہوئی تھی" لیکن میں نے اس وقت یہ نہیں بتلایا تھا کہ "پارتھی" کون تھے۔ اور "ایران و عراق میں" انہوں نے کس طرح ایک ریاست قائم کرلی تھی" تمہیں یاد ہوگا کہ "سکندر" کے بعد اس کا سپہ سالار "سلوکس" اور اس کی اولاد عرصہ تک اس سلطنت پر حکومت کرتی رہی" جو "ہندوستان" سے "ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی" کوئی تین سو برس تک اس کا دَور دَورہ رہا" لیکن اس کے بعد "وسط ایشیا کی ایک قوم "پارتھی" نے انہیں نکال باہر کر دیا" یہ لوگ "ایران" میں جو اس زمانے میں "پارتھیا" کہلاتا تھا" رہتے تھے" انہیں لوگوں نے "رومیوں" کو جمہوریت کے آخری دَور میں شکست دی تھی" پھر بادشاہت قائم ہونے کے بعد بھی کبھی اُن کا پوری طرح قلع قمع نہ کرسکے"

غرض یہ لوگ ڈھائی سو برس تک پارتھیا پر حکومت کرتے رہے" حتیٰ کہ ایک اندرونی انقلاب نے ان کا خاتمہ کر دیا" ایرانیوں نے ان پردیسی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی" اور اُن کی جگہ "اپنی قوم و مذہب کے ایک شخص کو بادشاہ بنایا اس کا نام "اردشیر اوّل" تھا یہ بادشاہ ساسانی خاندان سے تھا" اور بڑا پکا زردشتی تھا" اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ ذراسی روا داری کا برتاؤ نہیں کرتا تھا"

جنوبی ہند کے حکمران "پارتھو یا پلھو یا پلّو خاندان" کا "جاوا" "سماترا" "ملایا" "کمبوڈیہ یا کمبوجا" اور "بورنیو وغیرہ جزائر میں نو آبادیاں قائم کرنے کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان

آگے اسی جگ بیتی کے صفحہ ۲۲۱ پر ہے کہ "یہ جنوب (جنوبی ہند) ہی تھا جس نے اس زبردست کام میں سبقت کی" اور مشرق کے تمام جزیروں میں "ہندوستانی نو آبادیاں قائم کر دیں" یہ دھاوے "پہلی صدی عیسوی ہی میں شروع ہو گئے تھے اور پھر سینکڑوں برس تک جاری رہے" "ملایا" "جاوا" "سماترا" "کمبوڈیا" (کمبوجا) اور "بورنیو" تک یہ لوگ پہنچے اور وہاں آباد ہو گئے۔ اور اپنے ساتھ ہندوستانی تہذیب و تمدن۔ اور ہندوستانی آرٹ بھی لے گئے "برما" "سیام" "ہند چینی" میں تو "ہندوستانیوں کی بڑی بڑی نو آبادیاں قائم تھیں" اور صفحہ ۲۲۲ پر ہے کہ "شروع شروع میں تو "نئے ملکوں کی جستجو کرنے والے "انفرادی طور پر گئے ہوں گے" اس کے بعد تجارت شروع ہوئی ہوگی" اور پھر بہت سے خاندان" اور لوگوں کی جماعتیں اپنے طور پر گئی ہوں گی"

کہتے ہیں کہ باہر جانے والوں میں "کالنگا" (بہار) اور ہندوستان کے مشرقی ساحل کے لوگوں نے پیش قدمی کی" ممکن ہے "بنگال" سے بھی کچھ لوگ گئے ہوں گے"

"روایت بھی مشہور ہے کہ "جب شمالی ہند سے" حملہ کرنے والوں نے "گجرات" والوں کو اُن کے وطن سے نکالا۔ تو یہ لوگ بھی ان جزیروں میں چلے گئے۔ لیکن یہ بعض قیاسات ہیں"

ہجرت کرنے والوں کی زیادہ تعداد "پلّو" دیس سے گئی" یہ جگہ "تامل علاقہ" کے جنوب میں تھی۔ جہاں "پلّو خاندان" کی حکومت تھی" اور یہی وہ حکومت تھی جس نے "ملکا ایشیا" میں "نو آبادیاں قائم کرنے کا باضابطہ اہتمام کیا"

(نقشہ پلّو خاندان صفحہ ۷۲ پر دیکھئے)



سلطنت گپت
چندر گپت بکرما جیت کے عہد میں
سمدر گپت کے حملہ کا راستہ تیروں سے ظاہر کیا گیا ہے

افغانستان و ہندوستان میں جن اقوام نے اپنے آثار یعنی عمارات و بت اور غار وغیرہ چھوڑے اُن کا یکجائی حال

(۱) گوتم بدھ جو ۵۵۰ ق م میں پیدا ہو کر " بودھ مذہب کے بانی ہوئے بن ۵۵۰ ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک تُرکی قبیلہ سے تھے جو اُن کی پیدائش سے کافی عرصہ قبل " ہندوستان " چلا آیا تھا "

(۲) گوتم بدھ کے قبیلے کے آنے سے ہزاروں برس پہلے سے یہ سلسلہ جاری تھا کہ " مختلف قبیلے یا قومیں " افغانستان " کے راستے سے " ہندوستان " میں داخل ہوتی رہیں " اور جو قبیلہ بعد میں آیا۔ اُس نے اپنے سے پہلے آنے والے قبیلہ کو آگے ہندوستان کی طرف دھکیل دیا " بودھ کے بعد بھی " قوموں کے آنے کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا " یعنی ایک قوم کے بعد دوسری قوم " کچھ دنوں افغانستان میں ٹھہر کر " اپنے سے پچھلے آنے والوں کے دباؤ سے ہندوستان میں داخل ہوتی رہی " جیسا کہ ہم اِن حملہ آور قوموں کی تفصیل میں اُوپر ظاہر کر آئے ہیں "

(۳) ۳۲۱ قبل مسیح میں تخت نشین ہو کر " موریا " خاندان کے چندر گپت " نے " سیلوکس " یونانی سے

کابل اور "ہرات" یا "افغانستان" کا علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اس راجہ کا دار السلطنت "پٹنہ" تھا۔

(۴) "بندسار بن چندر گپت" کے زمانے میں "مصری" اپنے کپڑے "ہندوستانی نیل" سے رنگتے تھے۔ اور اپنی "ممیوں" کو (یعنی حنوط کی ہوئی لاشوں کو) ہندوستانی ململ میں لپیٹ کر رکھتے تھے۔

(۵) "اشوک بن بندسار" بودھ مذہب کا پیرو تھا۔ "وسط ایشیا تک" اُس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ اور جنوب کے ایک چھوٹے ٹکڑے کے سوا۔ سارا ہندوستان اُس کے زیرِ نگیں تھا۔

"اشوک" نے اپنی سلطنت میں "باغ لگوائے" اور "اسپتال" "کنوئیں" "سڑکیں" "غار" اور لاٹیں تعمیر کرائی تھیں۔ نیز چار "یونیورسٹیوں" میں تعلیم کا سلسلہ جاری کرایا تھا۔ "منجھودارو" اور "ہڑپا" کے آثارات جو برآمد ہوئے ہیں وہ "آریوں" کے ہندوستان میں آنے سے بہت پہلے کے ہیں۔ اِن آثارات سے قطع نظر کر کے "اشوک" کے خاندان یعنی موریہ دَور کے آثار سب سے پُرانے ہیں۔

"اشوک" نے جو کتبے اپنی سلطنت میں جا بجا "لاٹوں" "چٹانوں" اور "غاروں" پر کھدوائے۔ وہ کسی ایک زبان میں کُھدے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ جو زبان یا بولی جس حصّۂ سلطنت میں رائج تھی۔ اُس نے وہاں کے کتبے اُسی زبان یا بولی میں لکھوائے۔ "اشوک" نے اپنے "واعظ" "تبت" "افغانستان" "دکن" "لنکا" اور "مصر و یونان" بھیجے تھے۔ "اشوک" کے مرتے ہی اس کی سلطنت کمزور اور کئی حصّوں میں منقسم ہو گئی۔

(۶) ۱۸۵ قم میں "اشوک" کے خاندان کے اخیر فرمانروا کو مار کر اُس کا سپہ سالار "پشی متر" نئے شاہی خاندان کا بانی ہوا۔

(۷) "پشیہ متر" کے زمانے میں "باختر" کے یونانی بادشاہ نے "کابل و سندھ" پر قبضہ کر لیا۔ اِس بادشاہ کا مذہب بودھ تھا۔

(۸) اس کے بعد "ترکی قبیلہ ساکا" "باختر و پارتھیا" سے ہوتے ہوئے پنجاب۔ راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ آ گیا۔

(۹) پہلی صدی قبل مسیح میں "کوشن" آئے جو ترک قوم سے تھے۔ ان کی سلطنت شمال میں "کاشغر" "یارقند" اور "ختن" تک تھی۔ مغرب میں ایران اور پارتھیا تک۔ جنوب میں بنارس اور کوہ وندھیاچل تک تھی۔ گویا صوبجات متحدہ "پنجاب" "کشمیر" اور وسطی ایشیا کا علاقہ۔ اِن کوشن راجاؤں یا بادشاہوں کے زیرِ نگین تھا۔

یہ "کوشن سلطنت" بودھوں کی سلطنت تھی۔ پہلے تو اُس کا دار السلطنت "کابل" تھا۔ اس کے بعد منتقل ہو کر "پشاور" آ گیا تھا۔

سکندر کے زمانے سے "مغربی ایشیا" (افغانستان وغیرہ) میں یونانیوں کی حکومت تھی اب کوشنوں کے ذریعے "یونانی" "ہندی" "بودھی تہذیب" مِل جُل گئی تھی۔

گوتم بدھ "مورتی پوجا" کے خلاف تھے۔ لیکن برہمن فرقہ اِس کوشش میں رہتا تھا۔ کہ ہندو عقاید و اعمال کو "بودھ مت" میں داخل کر دے۔ اِس کے علاوہ وہ کاریگر جو "یونان و روم" سے آئے تھے "دیوتاؤں کی مورتیں" بنانے کے عادی تھے۔

اِس طرح رفتہ رفتہ "دیوتاؤں کی مورتیں" بودھ مندروں میں داخل ہو گئیں۔ شروع شروع میں "گوتم بدھ" کے ستوؤں کی۔ اور بعد میں "بودھ" کی مورتیں بھی بننے لگیں۔ اور اُن کی پوجا ہونے لگی۔

"بودھ مت کا مہایان فرقہ" اِن تبدیلیوں کے حق میں تھا۔ اور کوشن راجہ "مہایان فرقہ" میں شامل ہو گئے تھے۔ جن کی وجہ سے اِسے یعنی بُت بنائے جانے کو بہت فروغ ہوا۔ "مہایان فرقہ" کا شمال میں اور ہنایان فرقہ کا جنوب میں زور رہا۔ بودھ مت کے خیالات میں وہ سادگی نہیں رہی۔ جو ابتدائی دَور میں تھی۔ "خاص کر گندھارا دیس کی" (افغانستان کی) مہایان دَور کی

سنگ تراشی تو تکلف اور آرائش سے بھری پڑی ہے "

ہنایان دَور کا فنِ تعمیر بھی اس نئے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا " اور اس نے بھی تکلفات اور اشاریت کو " اختیار کر لیا۔ اس زمانے کی بہت کم یادگاریں باقی رہ گئی ہیں " ان میں سب سے دلچسپ " اجنٹا " کے وہ خوبصورت نقش و نگار " اور تصویریں ہیں جو دیواروں پر اَستر کاری پر بنائے گئے ہیں " علاوہ اجنٹا کے ایلورہ کے غار جو پہلے بنے ہوئے ہیں " بودھوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

ہندوستان آکر " ان لوگوں نے دباہر سے آنے والوں نے عموماً ہندی آریہ " رسم و رواج " اور روایات اختیار کر لی تھیں " اور اسی رنگ میں رنگ گئے " وہ مہذب تھے اور تہذیب و تمدن کے معاملہ میں " ہندوستان " کو اپنا وطن سمجھتے تھے " کوشن بھی بڑی حد تک " تہذیبی آریہ روایات کے پیرو تھے اور یہاں بالکل آریہ بن کر رہے "

راجہ کنشک نے جو ۱۲۰ء کے قریب " سلطنت کشان یا کوشن " کا بادشاہ ہو گیا تھا " علاقہ گندھارا " میں بدھ والوں کے لئے " عالی شان مذہبی عمارتیں بنائی تھیں " وہ اس مذہب کا اشوک کے بعد سب سے بڑا حامی تھا "

کنشک غالباً چالیس برس حکومت کر کے ۱۶۲ء میں فوت ہوا " اس کا بیٹا ہوشک " ۲۲۰ء تک فرمانروا رہا۔ اس کے بعد سلطنت مختلف ریاستوں میں تقسیم ہو گئی " اس میں شک نہیں کہ " پنجاب و کابل میں " اس کشان خاندان کے بادشاہ چوتھی صدی عیسوی کے اخیر تک حکومت کرتے رہے " اور ان کا خاتمہ " گورے ہنوں " کے سیلاب نے کیا " یہ ہن بھی " ترکی نژاد تھا " ہنوں کے پہلے بادشاہ تومان کا بیٹا " مہر گل ۵۴۲ء میں فوت ہوا "

ہنوں کو " ہرش وردھن المتوفی ۶۴۸ء نے زیر کیا۔ جو وسط ہند تک پھیل گئے تھے " ہرش کے زمانے میں ہی عرب " بلوچستان " پہنچ گئے تھے اور انہوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا تھا "

آریوں سے پہلے ہندوستان میں تمدّن

اہلِ ہند کی مختصر تاریخ تاراچند مطبوعہ میکملن اینڈ کمپنی لمیٹیڈ کے ص ۳۱ تا ۳۳ پر تحریر ہے کہ " آریہ قوم کے ہند میں آنے سے پہلے سندھ کی گھاٹیوں " پنجاب " اور " کاٹھیاواڑ " میں اور غالباً وادیٔ گنگا میں بھی " نہایت متمدن اقوام بود و باش رکھتی تھیں اور غالباً اسی تہذیب و تمدن کا تعلق ان قدیم تمدنوں سے تھا جو " دریائے نیل " فرات " دجلہ " اور ہلمند کی وادیوں میں پائے جاتے تھے "

موہنجو دڑو اور ہڑپا والوں کا تمدّن

جو شہر ابھی حال میں زمین سے برآمد ہوئے ہیں۔ ان کے کھنڈروں میں عمارتوں کی چھ چھ اور سات سات تہیں ایک کے اوپر ایک ملی ہیں سو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر کا موقع تجویز کرنے کے بعد مکانات بنے ہوں گے " جو کچھ مدت بعد گر گئے ہوں گے۔ اس کے بعد اسی جگہ چھ سات مرتبہ شہر آباد ہوئے ہوں گے۔ اس کا پتہ چلانا مشکل ہے کہ پہلے پہل یہ مکانات کب بنے۔ لیکن محققین کی عام رائے یہ ہے کہ " موہنجو دڑو " (سندھ) کے تین سب سے اوپر والے شہروں کا زمانہ ۳۵۰۰ ق م اور ۲۵۰۰ ق م کے درمیان ہے " غالباً ۲۸۰۰ ق م سے یہاں یہ لوگ آباد ہونے شروع ہو گئے تھے "

صنعت و حرفت

اس خطہ کے باشندے فن تعمیر سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے مکانات۔ حماموں اور نالیوں کی ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ " ان لوگوں کو فنِ تعمیر میں کمال حاصل تھا۔ وہ عمارتوں میں پکی اینٹیں اور خاص قسم کا مسالہ استعمال کرتے تھے۔ جو کھڑیا۔ سفید مٹی۔ اور ایک قسم کے تیل کی آمیزش سے بنایا جاتا تھا " اون اور روئی کاتنے اور بُننے کی صنعت بھی ان میں رائج تھی " وہ چاندی سونے کے علاوہ " تانبا۔ ٹین اور سیسہ بھی کام میں لاتے تھے۔ تانبے سے ہتھیار " اوزار " آلات " اور برتن بناتے۔ کانسا بھی استعمال کرتے۔ اور مختلف شکلوں کے مٹی کے برتن روزمرہ کے استعمال کے لئے بناتے تھے "

فنِ تحریر و مذہب

اِن لوگوں نے فنِ تحریر کو خاصی ترقی دی تھی لیکن اُن کے حروف ابھی تک نہیں پہچانے جاسکے ہیں۔" مٹی کے برتنوں پر چکدار روغن پھیرنے اور گُل بُوٹے بنانے میں انہیں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ اُن کے مذہب کی خصوصیات یہ تھیں کہ وہ ایک دیوی اور ایک دیوتا (غالباً شیو) کی پُوجا کرتے تھے اور دیوتاوں کو بھی پُوجتے تھے۔" جن کا تصوّر وہ مختلف جانوروں کی شکل میں کرتے تھے خصوصاً ناگوں کی شکل میں۔ جس کا بدن آدھا اِنسان اور آدھا سانپ کا ہوتا تھا" ان میں جادو۔ منتر۔ ٹوٹکوں۔ اور گنڈوں کا بھی رواج تھا" اِس قسم کی رسوم ہندوستان میں اُس وقت تک رائج تھیں جب آریوں نے یہاں اپنا مذہب پھیلایا۔ اور آگے چل کر یہ رسوم ہندو مذہب کا جزو بن گئیں۔

میت کی رسوم

اِن خطّوں کے باشندے اپنے مُردوں کو دفن بھی کرتے تھے اور جلاتے بھی تھے۔"

حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کی قبر افغانستان میں

حضرت ابراہیمؑ عربی النسل تھے آپ کا عربی النسل ہونا کسی دلیل اور ثبوت کا محتاج نہیں ہے۔" آپ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کے مزار مبارک کا **افغانستان** میں ہونے سے یہ بات ثابت ہے کہ "تاریخی زمانے سے بہت پہلے سے **افغانستان** میں عربی اقوام نے رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور اپنا تمدن وہاں پھیلایا تھا" رسالہ المعارف اعظم گڈھ کے نمبر ۶ جلد ۳۲ کے صفحہ ۴۱۵ پر مولوی سید سلیمان ندوی نے سفر افغانستان کی سُرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ "جلال آباد سے فتح آباد تک سڑک کی سنگلاخی ایسی ہے کہ موٹروں کو سخت سے سخت جھکولے پڑتے ہیں ہمارا موٹر گو زیادہ مستعمل نہ تھا۔ مگر اُس کے پہیئے کے نیچے کی کمانی ٹوٹ گئی" "فتح آباد کی تیل والی دوکان میں پہنچ کر موٹر میں تیل ڈالا جانے لگا تو اس ٹوٹی کمانی پر نظر پڑی . . . . اس دکان کے ملازم بھی ہندوستانی تھے۔ انہوں نے چائے سے تواضع کی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں سے چھ میل پر حضرت لوطؑ کی قبر ہے اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں" رسالہ معارف شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری مطابق دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء مزید برآں عربی النسل بادشاہ ضحاک کی ایران و افغانستان میں سلطنت اور افغانستان میں اُس کی اولاد کی رہائش و سلطنت نیز ہندوستان پر بھی قابض ہوجانے کا حال اِسی کتاب میں ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔"

افغانستان اور ہندوستان میں "کسی خالص آریہ یا ہندو تہذیب کی عدم موجودگی اور اس کے شواہد"

مندرجہ بالا شواہد کے ہوتے ہوئے اب ہمیں اپنی طرف سے کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ان سے "مؤلف تاریخ کمبوہان" کے اُس اعتقاد" قیاس" اور رائے کا بخوبی بطلان ہوگیا ہے جس کا انہوں نے افغانستان میں ہندو تہذیب کی موجودگی کمبوج سلطنت کی دلیل ہے" کی سُرخی کے تحت اظہار کیا ہے" ہمارے پیش کردہ تواریخی شواہد سے یہ امر بخوبی ہویدا ہے کہ "افغانستان" میں ان آثار و عمارات" بتوں اور غاروں کے بنانے والے "شاہانِ کشان یا کوشن" تھے جو آریہ نسل سے نہیں تھے۔ اور اُن کی تہذیب و زبان بھی آریاؤں سے جدا تھی" البتہ کوشنوں کے ذریعہ سے جو ترکی النسل۔ اور بودھ مذہب کے پَیرو تھے" اور مغربی ایشیا افغانستان وغیرہ پر نیز ہندوستان کے کثیر حصہ پر کئی صدیوں تک حکومت و سلطنت کرتے رہے تھے "یونانی" ہندوستانی" اور بودھی تہذیبیں مل جل گئی تھیں"

آریہ جب ہندوستان میں آئے تھے تو انہوں نے بھی ڈراویڈ وغیرہ دیگر اقوام کی جو ہندوستان میں پہلے سے رہتی تھیں بہت سی باتیں اختیار کر لی تھیں" اُن کے بعد جو اور قومیں ہندوستان میں داخل ہوئیں۔ اُن کی بھی کچھ کچھ باتوں اور رسم و رواج سے وہ متاثر ہوتے رہے" انہوں نے اپنے مذہب تک میں بودھ عقاید کی بہت سی چیزیں لینے کے علاوہ گوتم بدھ کو اپنے دیوتاؤں کے زمرے میں شامل کرلیا"

پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان

پنڈت جواہر لال نہرو نے جگ بیتی کے صفحہ ۱۳۸ پر یہ لکھا ہے کہ "اشوک" کی مثال اور "بودھ دھرم" کی اشاعت کا یہ نتیجہ ہوا کہ "گوشت کے بجائے سبزیاں کھانے کا رواج ہوگیا" اس وقت برہمن اور چھتری "گوشت کھاتے تھے اور شراب بھی پیتے تھے" اس کے بعد گوشت خوری اور شراب نوشی" دونوں بہت کم ہوگئیں"

علامہ نجیب آبادی کا بیان

علامہ نجیب آبادی نے آئینۂ حقیقت نما جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۱ پر لکھا ہے کہ "اب برہمنوں نے چونکہ مغلوں اور تاتاریوں کو بودھ مذہب کے پیرو تھے اپنی سازش میں شریک کرلیا" لہٰذا بہت سی باتیں بودھ مذہب کی بھی اپنے اس جدید مذہب میں شامل کرکے اُن کے بہت سے بتوں کی پرستش کو جایز رکھا۔ اور "بودھ کو بھی "وشنو کا اوتار" تسلیم کرلیا"

اسی طرح غیر آریوں کی بھی بہت سی باتوں کو اپنے جدید مذہب میں داخل کرلیا۔ قوموں کے میل جول سے ہر زمانے میں ایک کا دوسری پر اثر پڑتا رہا ہے۔ جس طرح آریوں نے دوسری اقوام و مذاہب کی باتیں لے لی تھیں" اور بعد میں ہندی اقوام مسلمانوں کی تہذیب و مذہب سے متاثر ہوئیں۔ اور آج انگریزوں کی پوشش اور طور طریقوں کو بہت لوگوں نے یہاں اختیار کرلیا ہے" اسی طرح ہندوستان میں داخل ہونے والی قوموں اور کوششوں کا زیادہ اور کم اثر یہاں کی تہذیب و تمدن کا لینا لازمی تھا" مگر اس سے یہ لوگ آریہ نسل کے نہیں ہو گئے تھے"

محمد شفیع صاحب چوہان راجپوت کا بیان

"ہندوستان کی اقوام جن سے وہ آباد ہے" کی سرخی دے کر "جناب محمد شفیع صاحب چوہان (راجپوت) نے روزنامہ الفلاح لاہور مورخہ ۴ر اپریل ۱۹۳۹ء میں تحریر فرمایا ہے کہ "کول" تو برما اور چین کی طرف سے بنگال و بہار" اور مشرقی پوربی علاقہ میں پہنچے" اور "اڑیسہ" صوبہ متوسط میں آباد ہو کر جنوب میں میسور تک پہنچ گئے" "دراوڑ و" جن کا اصلی وطن "ملک مصر" سمجھا جاتا ہے عراق و ایران سے ہوتے ہوئے۔ براہ بلوچستان" اوّلاً سندھ اور پنجاب آئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ "گنگا و جمنا" کے میدان میں پھیل گئے"

ان کے بعد "آریہ" براہ "افغانستان" ہندوستان میں داخل ہوئے" اور دراوڑوں پر فتحیاب ہو کر پنجاب و گنگا کے میدانوں کے مالک ہوگئے" پھر انہوں نے رفتہ رفتہ "دراوڑیوں" کو "ساحل کارو منڈل" اور جنوبی دکن کی طرف بھگا دیا" جہاں امن ملنے کی وجہ سے وہ توطن پذیر ہو گئے" آج یہ صوبے دراوڑیوں" سے بھرپور ہیں۔ اور یہ "دراوڑی علاقے کہلاتے ہیں"

آریہ صدیوں تک ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت بنے رہے" بالخصوص "گنگا جمنا" کا میدان یا اس کا غالب حصہ" کسی نہ کسی آریہ حکمراں کے ماتحت ضرور رہا۔ ہندوستان کے شمال مغربی حصے کی طرف اُن کی زیادہ توجہ نہ تھی۔ کیونکہ یہ خشک اور کم شاداب تھا" اور ویسے بھی "یہ نت نئے حملہ آوروں کا تختۂ مشق بنا رہتا تھا"

ان کے چند حکمران مثلاً "چندر گپت" "اشوک" اور ہرشا" ایسے بھی گذرے ہیں جنہوں نے اس خطۂ زمین کو اپنی حکومت میں شامل کیا" لیکن سلطنت کی یہ وسعت دیرپا ثابت نہ ہوئی" اور اصلی ہندوستان کی حدود عبور کرکے "پنجاب

"کشمیر"، "سرحدی علاقہ جات" اور "بلوچستان" پر زیادہ دیر تک قایم نہ رہ سکی"

"دریائے گنگا و جمنا" جس علاقہ کو سیراب کرتے ہیں" اسی علاقہ یعنی ہندوستان میں وہ تمدن پیدا ہوا" جسے اہلِ مغرب "انڈین کلچر" یا "ہندوستانی تمدن" کہتے ہیں"

آریائی اقوام کے بعد بہت سی قومیں وارد ہوئیں" مگر وہ "پنجاب" اور اس کے گرد و نواح سے آگے نہ بڑھ سکیں" ان میں "پارتھین" "سیتھین" اور "ہن" وغیرہ وغیرہ مشہور ہیں" اس وقت پنجاب میں ان لوگوں کی اولاد ہی کو بہت بڑی اکثریت حاصل ہے" اور "آریہ نسل کے لوگ" کم پائے جاتے ہیں"

ساتویں صدی میں "ساحل مکران" کی طرف سے "عرب" گروہ در گروہ "سندھ" میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ اور انہوں نے "راجپوتانہ" کا کچھ حصہ" اور جنوب مغربی پنجاب کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا" ان بیرونی اثرات نے ان علاقوں میں خاص امتیازی اوصاف پیدا کر دیئے جن کے باعث یہ خطے "گنگا جمنا" کے میدانوں سے "نسلی و تمدنی حیثیت سے" الگ شکل اختیار کر گئے" ہندوستان صرف وہ ہی ملک ہے جسے گنگا و جمنا سیراب کرتے ہیں۔

آج بھی اس برِاعظم کے اپنے باشندوں کی اصطلاح میں "ہندوستان" اور "ہندوستانی الفاظ" اسی مخصوص علاقہ اور اس علاقہ کے بسنے والوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں" دوسرے "پنجابی" "بنگالی" "سندھی" "دکھنی" وغیرہ کہلاتے ہیں"

پرانے زمانے کے سیاحوں "میگستھینز" "ہیون سانگ" "البیرونی" اور "ابن بطوطہ" وغیرہ نے ہندوستان سے مراد وہ ہی خطہ لیا جس میں گنگا اور جمنا" بہتے ہیں ...... انگریز چونکہ سات سمندر پار سے آئے تھے وہ اس جگہ کے اختلافات کو بالکل نہ سمجھ سکے اور نہ انہوں نے سمجھنے کی کوشش ہی کی"

افغانستان کی باشندہ قوموں کا حال جغرافیائے افغانستان مرتبہ رئیس تدریسات سلطنت افغانستان سے

"جغرافیائے افغانستان" مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور ۱۳۰۶ھ ہجری جو فیض محمد خاں وزیر تعلیمات افغانستان کی تصویب محمد حسین خاں رئیس تدریسات افغانستان کا تحریر کردہ اور اس ملک کے طلباء کے نصاب میں داخل ہے اس کے صد ۱۹ پر لکھا ہے کہ۔

"اگرچہ ما علاوہ بر باشندگانیکہ دریں ملک مقدس از ابتدا اسکونت داشتہ اند" مجموعہ مختلف اقوام کہ از مصر و شام و عرب و ایران و تاتار و یونان و ہندوستان" و از منہ متفرقہ آمدہ دریں جا ساکن شدہ اند"

"اگرچہ ہم علاوہ اُن باشندوں کے جو اس ملک مقدس میں ابتدا سے سکونت رکھتے ہیں" مجموعہ مختلف قوموں کا ہیں جو مصر و شام و عرب و ایران و تاتار و یونان اور ہندوستان سے مختلف زمانوں میں آکر اس جگہ ساکن ہوئے ہیں۔

افغانستان میں ہندو آبادی کی حیثیت

اس کے بعد صد ۳۲ تک "افغانستان کی موجودہ اقوام و نسلوں کو الگ الگ بتایا ہے" اور ہندوؤں کے متعلق لکھا ہے کہ۔

"اکثر شہرہائے افغانستان" ہندوان" چند خانہ دارند" اما اکثر

افغانستان کے اکثر شہروں میں چند گھر ہندوؤں کے ہیں لیکن اُن

نوٹ (۱) مقدمہ تاریخ ہند قدیم مصنفہ مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی سے لیکر ہم ابھی اوپر دکھا آئے ہیں کہ "پارتھین حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں" اور ان ہی کی نسل کا ایک "چھاوڑا" سورت ہوتے ہوئے جنوب یعنی انتہائے دکن میں اپنی سلطنت قایم کر لی تھی جو پلّو سلطنت کے نام سے موسوم تھی پھر اسی پلّو قوم نے "جاوا" "سماترا" کمبوجا اور بورنیو وغیرہ میں نو آبادیاں قایم کیں"

شان در مشرق است۔ دکان داری۔ و زرگری وغیرہ میکنند۔ ایں ہا باشندگان قدیم نیستند۔ بلکہ در عہد شاہانِ دہلی۔ چوں افغانستان بہ ہندوستان ملحق بود۔ دریں جا آمدہ شدند۔ مردم سکھ۔ نیز در بعض دیہات سکونت دارند۔

کی کثرت مشرق میں ہے۔ دکانداری اور سناری وغیرہ کرتے ہیں۔ یہ یہاں کے پرانے باشندے نہیں ہیں بلکہ شاہانِ دہلی کے عہد میں جبکہ افغانستان ہندوستان سے ملحق تھا۔ اس زمانے میں یہاں آئے ہیں سکھ لوگ بھی بعض گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں۔

ایران میں ترکی آبادی کے متعلق صاحب کتاب پرشیا لارڈ کرزن سابق وائسرائے کا بیان

مقدمہ کتاب پرشیا صفحہ ۱۱ پر ہے کہ "اہلِ انگلستان" کو "ایرانیوں" کے حالات سے دلچسپی پیدا کرنا کوئی زیادہ مشکل نہیں اور صفحہ ۲۹۹ پر تحریر ہے کہ "چاول کسانوں کی عام غذا تھی" یہ کسان دیکھنے میں وجیہ و شکیل اور توانا معلوم ہوتے تھے۔ اور شہری ایرانیوں سے بالکل مختلف تھے۔ نسل کے اعتبار سے وہ ایرانی نہیں تھے۔ بلکہ ترکی یا ترکمان تھے۔ اور صورت شکل میں بھی وہ اتنے ایرانیوں سے نہیں ملتے تھے جتنے ازبکوں اور تاتاریوں سے۔

ہندوستان کے مختلف النسل اقوام کا گہوارہ ہونے کے متعلق صاحب ڈرامس آف ایشیا مسٹر چارلس ٹریور کا بیان

"ڈرامس آف ایشیا" کے مصنف مسٹر چارلس ٹریور" اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اصلی باشندے قبائل کا مجموعہ تھے۔ جو بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ . . . . . ہندوستان کے شمالی دروں سے" یکے بعد دیگرے متعدد حملے ہوئے" سنہ ۱۵۰۰ ق م میں آریہ اور پھر یونانی۔ سیتھین۔ مغل۔ اور بہت سے دوسرے لوگ وہاں آئے۔ اور ان کی مختلف نسلوں میں پہلے ہی سے جو گتھیاں پڑی ہوئی تھیں وہ سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ گئیں۔ مختلف عقاید و مختلف نسل کے لوگ "ہندوستان" کے مختلف حصّوں میں حکومت کرتے رہے۔ یہ خونریز ہنگامے مختلف نسلوں کے اجتماع کی وجہ سے برروئے کار آئے تھے۔ یہاں ان کی تفصیل بیان کرنا بہت دشوار ہے۔ البتہ ان کا کچھ اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں دو سو بائیس ۲۲۲ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور ایک زبان جاننے والے کے لئے دوسری زبان سمجھنا بڑا مشکل ہے .... اِن تمام اُمور کے باوجود وہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو مختلف نسلوں کے اِس عجائب خانہ کو ایک قوم سمجھتے ہیں۔ اِن لوگوں کے نزدیک "راجپوت" "پارسی" "جاٹ" "سکھ" اور "پٹھان" وغیرہ سب کے سب ہندو یعنی ہندوستان کے باشندے اور ایک ہی قوم کے افراد ہیں ......

ہندو آرین حملہ آوروں کی اَولاد ہونے کے مدّعی ہیں" اور مذہب کے معاملہ میں بھی آریوں ہی سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ مگر ان ہندوؤں کی مختلف قسمیں ہیں اور یہ سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا حقیقی مرکز یا تو جنوبی ہند ہے یا گنگا کی وادی" .....

ہندو دھرم نے اصل میں ہندو معاشرتی نظام کی طرح ڈالی ہے" سب سے اُونچی ذات برہمن قرار دی گئی ہے" برہمن اور راجپوت کے درمیان بہت سی ذاتیں ہیں" .....

ہندوستان میں ساڑھے سات کروڑ "اچھوت" آباد ہیں" اُن کی حالت ناگفتہ بہ ہے" اور ان اچھوتوں کے بھی مدبجے مقرر کئے گئے ہیں" (نیرنگ خیال مشرق نمبر جون و جولائی۔ صفحہ ۹۹ تا ۱۰۱)

محمد نور اللہ صاحب بی اے کا بیان

روزنامہ پیام حیدرآباد دکن مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۸ء کے کالم ۱ و ۲ پر "محمد نور اللہ صاحب بی۔اے نے لکھا ہے کہ".... اجنبی حملوں سے ہندوستان کی حالت بدل گئی۔ وہ "ہن" "مغل" "ترک" "عرب" جیسی غیر آریائی قوموں کی نوآبادی بن گیا"

جس طرح ہندوستان اور افغانستان کے باشندے ایک نسل کے نہ تھے۔ اور اُن کی تہذیبیں الگ تھیں "اسی طرح اُن کی زبانیں بھی جدا جدا تھیں "اشوک" کی سلطنت میں بھی یہی حالت تھی جو آج اِن ملکوں میں دیکھنے میں آتی ہے" اوپر لکھا جا چکا ہے کہ "اشوک" نے جو کتبے اپنی سلطنت میں "جابجا لاٹوں" "چٹانوں" اور غاروں پر کھدوائے" وہ کسی ایک زبان میں کھدے ہوئے نہیں ہیں" بلکہ جو زبان یا بولی "جس حصۂ سلطنت میں رائج تھی" اس کے وہاں کے کتبے "اسی زبان یا بولی میں لکھوائے" "یہ یقینی ہے کہ اشوک کے زمانے سے صدیوں پہلے "افغانستان" ہوتے ہوئے "آریہ لوگ ہندوستان آ چکے تھے" اور اُن کے پیچھے متعدد قوموں کے آتے رہنے کی وجہ سے افغانستان میں آریہ قوم کی زبان اور تہذیب کا بھی وہاں کوئی خاص اثر باقی نہیں رہا تھا"

بلرام جی کے افغانستان جاکر بلخ کو آباد کرنے اور یادو بنیٹوں کے "جنگ مہابھارت کے بعد خراسان حکمران ہونے اور غزنی پر حکومت کرنے کی تردیدی شہادت

اب رہا مؤلف تاریخ کمبوہان کا پیش کردہ یہ بیان کہ جنگ مہابھارت کے بعد "بلرام جی" ہندوستان سے افغانستان چلے گئے تھے اور وہاں جاکر انہوں نے "بالک یا باہیک" (بلخ) آباد کیا" اور تاریخ جیسلمیر میں ہے کہ "یادو مبنی اور اندر مبنی جنگ مہابھارت کے بعد" خراسان پر حکمران تھیں اور "یادو خاندان کے قبضہ میں" غزنی بھی داخل تھا" اسکی بھی کوئی اصلیت نہیں ہے"

"یہ بیان کرنل ٹاڈ کی کتاب سے لے کر مؤلف تاریخ کمبوہان نے "افغانستان میں ہندو تہذیب کی موجودگی "کمبوج سلطنت کے اثبات کی دلیل ہے" کی سُرخی کے تحت پیش کیا ہے" اس لئے اُن کے اُس نوٹ کو جس میں انہوں نے "تاریخ جیسلمیر کے حوالہ پر "کرنل موصوف کو" اچھی اور نادر باتوں کے علاوہ "برانڈی کے نشہ میں "اوٹ پٹانگ" "جھوٹی" اور بے تُکی باتیں لکھ دینے کا بھی ظاہر کیا ہے" نظر انداز کر کے ہم اُن کے پیش کردہ بیان یا دلیل کی جو حقیقت ہے آسے دکھاتے ہیں"

کارنامۂ راجپوتان کے صفحہ ۲۶۹ پر ہے کہ "ایک شخص بُدھ نامی کے پڑپوتے "بیاتی" کے تین بیٹوں میں سے ایک کا نام "یدو" تھا جس کی اولاد "یادو" یا "جادو" کہلاتی ہے" جاٹ قوم کی بعض روایتوں سے اُن کا نکاس یادو میں سے دریافت ہوتا ہے" اور اُن کا اصلی مسکن "مغرب دریائے سندھ" پایا جاتا ہے" اس سے واقعات یادو کی" کہ وہ زابلستان سے آئے تھے تائید ہوتی ہے" اور اس قوم کے "کرشن" سے پیدا ہونے کا گمان رفع ہوتا ہے"

اور صفحہ ۳۰۴ پر ہے کہ "محقق دُوربین سمجھتے ہیں کہ "پسران کرشن" کا "ہندوستان" سے باہر جانا" اور پھر دشمنوں کے زور سے اُن لوگوں کا "افغانستان" کو چھوڑ کر "ہندوستان" کی طرف لوٹنا" ایک قسم کا افسانہ ہے" حقیقت میں "جادو یا یادو کی قوم" زابلستان سے آئی ہوئی ہے "سری کرشن" کی اولاد نہیں۔ اور بعض محققین انہیں سیتھن نسل سے مانتے ہیں۔ مؤلف تاریخ کمبوہان نے جو بالک یا باہیک (بلخ) کو آباد اور وہاں حکومت کرنے کی یہ کہانی سنائی ہے۔ کارنامۂ راجپوتان کے بیان سے اس کی بخوبی تردید ہو گئی ہے" (نوٹ ملا) یونانیوں کی ایشیائی سلطنت "بکٹیریا" کہلاتی تھی" عربوں نے اس کو بالا باختر اور باختر کہا۔ اور پھر یہی

اور افغانستان وہندوستان کی حملہ آور اقوام "باشندوں اور حکومتوں" نیز آثار یعنی عمارات وبتوں اور غاروں وغیرہ کے بانیوں کے متعلق "ہم نے جو شواہد مختلف تاریخوں سے لے کر پیش کئے ہیں" ان سے "مؤلف تاریخ کمبوہان" کے اس بیان کی بھی کہ "یہ آثار کمبوجوں کے بنا کردہ ہیں" بخوبی بطلان ہو چکا ہے"۔

افغانستان میں ہندو تہذیب کی موجودگی کمبوج سلطنت کے اثبات کی دلیل ہے" کی دی ہوئی سرخی ہی اُن کی لیاقت اور سوجھ بوجھ کو ایسا ثابت کر رہی ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے"۔

اِس سرخی کے مضمون کو ثابت کرنے کے لئے "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے جن مؤرخین کی کتابوں کے اقتباسات پیش کئے ہیں" اُن میں سے کسی نے بھی افغانستان کو کمبوج نہیں بتایا" اور نہ ہی کمبوجوں کی اِس ملک میں رہائش وحکومت کرنے کا کوئی ذکر اُن میں موجود ہے" مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے جو "افغانستان" کو "کمبوج" قرار دے کر اور وہاں کے ان آثار و عمارت "بتوں اور غاروں وغیرہ کو کہ وہ ترکی قوم کوشن کی عظیم الشان ہندوستان وافغانستان اور ترکستان پر محیط سلطنت کے باجبروت بادشاہوں کے بنائے ہوئے ہیں" کمبوجوں سے منسوب کر دیا ہے" اور کمبوجوں کو "آریہ" قرار دیکر اُن کی سیکڑوں سال تک حکومت بھی" بلا کسی سند کے محض اپنے قلم کی گردش سے وہاں قایم رہی۔ تحریر کر کے اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے" یہ ایسی بڑی جسارت ہے جس کی مثال نہیں ہے"۔

بامیان واقع افغانستان اور پشاور کے اطراف کے متذکرۂ بالا آثارات کو بجائے کوشنوں کے کمبوجوں کا بتانے کی مَن گھڑت کہانی کے مقابلہ میں تو یہ غَپ بھی کہ "شیخ چلی" نے امریکہ کے اُس صوبہ کو جو آج تک اُن کے نام سے "چلی" مشہور ہے اور امریکہ کی ایک مشہور جمہوری سلطنت ہے" بسایا تھا" اور اُن کے ساتھ جو "پیر بخش عرف پیرو" تشریف لے گئے تھے انہوں نے امریکہ کے اُس شمالی ساحل کے "ملک پیرو" کو آباد کیا تھا۔ چنانچہ آج تک "مملکت پیرو" اُنہیں کے نام سے مشہور چلی آ رہی ہے"۔ کوئی حیثیت نہیں رکھتی"۔

بابِ نہم

افغانستان میں کمبوج سلطنت کے اثبات میں مؤلف تاریخ کمبوہان کی عجیب وغریب دلیلیں

"مؤلف تاریخ کمبوہان" نے صلا تا ۱۲ پر افغانستان کے بعض مقامات کا "کمبو" قوم سے منسوب ہونا۔ کمبوج سلطنت کے اثبات کی دلیل ہے" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ۔

"بعض مقتدر اور طاقتور آدمیوں" یا قوموں کے ناموں پر مواضعات" قصبات" بلکہ بعض ممالک کا منسوب ہونا بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے" بھارت کھنڈ" روہیل کھنڈ" اکبر آباد" شاہ جہاں آباد" سیال کوٹ" گوجرانوالہ" وغیرہ نام اِسی دعوے کی دلیل ہیں"

اور اسی لئے اگر" افغانستان موجودہ میں کوئی ایسی جگہ دستیاب ہو جو "کمبوؤں سے منسوب ہے" تو ہم کو نتیجہ نکالنا پڑے گا۔ کہ کسی زمانہ ماضی بعید میں وہاں "کمبو" قوم کا وجود موجود تھا"

"مصنف المشاہیر" بحوالہ کتاب مصباح العارفین" "مؤلفہ شیخ زین العابدین صاحب" تحریر فرماتے ہیں کہ :- (۱) کمباہ" ایک قصبہ ہے" قریب غزنی" جس سے "قوم کمبو" منسوب ہے"

(۲) اور حاشیہ پر ایک سیاح معتبر" ثقہ" کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ "سمرقند کے شمال کی طرف

جو سات منزل کے فاصلہ پر ایک ندی ہے - اور ایک قصبہ بھی اُس کے کنارے پر اسی نام سے مشہور ہے" اسی اعتبار سے "صاحب ممدوح" نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "قوم کمبوہ" کا نام اسی قصبہ کمباہ سے منسوب ہے"

(۳) پھر فرماتے ہیں کہ "تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ "ہرات کے مضافات میں ایک درّہ "کھمبو" کے نام سے موسوم ہے - اس سے یہ قوم - ہندوستان میں چلا وطن ہو کر آئی"

اِن اقتباسات کے بعد "مؤلف موصوف نے اپنی رائے اِن الفاظ میں پیش کی ہے کہ :-

"کسی قصبہ کا نام "کمباہ" ہونے میں شک کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے" اور اس کی صحت کو ہم ممکن خیال کرتے ہیں" مگر اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے - اس سے ہمیں اتفاق نہیں ہے"

یہ امر کہ "قصبہ کمباہ" کی وجہ سے "کمبو قوم کو" منسوب کیا گیا" ہمارے خیال میں صحیح نہیں ہے" بلکہ قوم کی وجہ سے "قصبہ کا نام کمبوہ" قرار پانا ایک صحیح نتیجہ ہے" جو اس امر سے استخراج کیا جا سکتا ہے" ممکن ہے "صوبہ متحدہ میں" اس کی کوئی مثال نہ ہو" مگر "خاکسار مصنف کے وطن" صوبہ پنجاب میں" اس کی ایک چھوڑ کئی مثالیں موجود ہیں"

(الف) خود مصنف "ایک ایسے گاؤں کا باشندہ ہے" جو شہر امرتسر کے قریب آباد ہے اور اس کی مالک "کمبو قوم" ہے - اور اسی قوم کے توطن و ملکیت کے سبب سے گاؤں کا نام "کمبو" زبان زد چلا آتا ہے"

(ب) امرتسر کے جنوب کی سمت "تحصیل ترنتارن میں" ایک اور موضع اسی خصوصیت کی وجہ سے "کمبو" نام سے موسوم ہے"

(ج) اسی تحصیل میں "امرتسر" کے اِنتہائی جنوبی گوشہ پر "دریائے گھارہ" (ستلج و بیاس کے مجموعی پانی کا نام") کے کنارے پر ایک تیسرا گاؤں "کمبو" نام سے نامزد ہے"

(د) سدرن پنجاب ریلوے "(امرتسر سے" دریائے بیاس" کے ساتھ ساتھ - جنوب مغرب کو "لودہران تک جانے والی لائن") کا ایک اسٹیشن" ضلع منٹگمری میں "چک کمبو" کے نام سے پکارا جاتا ہے"

(س) کہروڑپکا ضلع ملتان کے قریب ایک گاؤں کا نام "کمبو" بھی اسی خصوصیت کی وجہ سے ہے"

(ط) ضلع فیروزپور پنجاب کا ایک گاؤں "کمبو" نامی بھی اِس دعوے کی روشن دلیل ہے" مگر یہ سب نام "قوم کمبوہ - کی موجودگی - اور رہایش کی وجہ سے اِن مواضعات کو ملے ہیں" نہ کہ اس کے برخلاف "کمبو" ایک بہت ہی پرانی اور قدیم قوم ہے" اور اس کے نام کا ذکر - ہندوستان کی پرانی کتابوں میں "اِس تواتر و تسلسل کے ساتھ آتا ہے - کہ ہم کو اپنے اس استحقاق کا باور نہیں آتا" کہ جس کی راہ سے - ہم کسی قصبہ کو" یہ قابلِ فخر

امتیاز دے سکیں" کہ اس کے نام سے "اس قوم کا نام" منسوب کیا گیا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی "اپنی قوم کمبو" اور کمبوج قوم کو" ایک ثابت کرنے میں ناکامی"

مؤلف تاریخ کمبوہان کے اس بیان کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ "(۱) اوّل وہ یہ ثابت کریں کہ "کمبو" اور "کمبوج" ایک ہی قوم کے نام ہیں" اور یہ نام دو جداگانہ قوموں کے نہیں ہیں" جب وہ یہ ثابت کر دیں گے کہ "پرانے زمانہ کی "کمبوج" ہی "اب کمبو" کہلاتے ہیں" تب البتہ وہ اس امر پر کہ "افغانستان" کے بعض مقامات کا "کمبو قوم" سے منسوب ہونا "کمبوج" سلطنت کے اثبات کی دلیل ہے" بحث کے مستحق ہو سکتے ہیں" لیکن جبکہ وہ "کمبو" اور "کمبوج" اقوام کو ایک نہیں ثابت کر سکے ہیں" تو اُن کا اس تصرحی کو قائم کرنا" اپنے ناظرین کو خلجان اور دہوکے میں مبتلا کر دینے کی سعیٔ لاحاصل سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا"

افغانستان میں درہ کمبو کی موجودگی کو وہاں کمبوج سلطنت کے اثبات کی دلیل قرار دینے کے تردیدی ثبوت

مؤلف موصوف کے اس بیان میں بھی کہ "ہرات کے مضافات میں جو "ایک درہ کمبو" ہے وہ "قوم کمبو" سے منسوب ہے" اور اس درہ کا "درہ کمبو" نام ہونا "افغانستان" میں "کمبوج سلطنت" کے اثبات کی دلیل ہے" کچھ وزن نہیں ہے" لفظ کمبو" کے قریبی تلفظ رکھنے والے اور ہمنام بہت سے شہر اور مقامات دُنیا کے مختلف حصّوں میں موجود ہیں جن میں سے یہاں صرف چند نام لکھتے ہیں"

(۱) کوہ کمبالا" بمبئی میں۔
(۲) "قصبہ کنبالو" برما میں۔
(۳) "شہر کمباکونم" مدراس میں۔
(۴) "دریائے کمبوگا" جزیرہ نیوگنی میں۔
(۵) "قصبہ کمبارہ" ضلع آصف آباد مملکت آصفیہ دکن میں۔
(۶) شہر کمبالو" مشرقی افریقہ میں۔
(۷) شہر کمبالوک" منگولیا میں"
(۸) "شہر کمبالا" علاقہ یوگنڈا افریقہ میں۔
(۹) "علاقہ کنبانیہ" ملک اسپین یورپ میں۔
(۱۰) "قصبہ کمبر" سندھ میں"
(۱۱) "شہر کمبولی" ملک البانیہ جنوبی یورپ میں۔
(۱۲) "شہر کمبرے" فرانس میں"
(۱۳) "شہر کمبوجا" انام میں۔
(۱۴) "شہر کمبوہی" جنوبی امریکہ میں۔
(۱۵) "شہر کمبو" کوہستان پرنیز کے نیچے اسپین میں۔
(۱۶) "شہر کمباٹا" ملک حبش میں۔

غرض یہ نام جو ہم نے پیش کئے ہیں" قریباً دنیا کے ہر حصّہ میں موجود ہیں" تو کیا ان شہروں کے" جا بجا موجود ہونے سے یہ بات کسی طور سے بھی ثابت کی جا سکتی ہے کہ "ان شہروں اور مقامات کو "قوم کمبو" اور "کمبوج" نے آباد کیا تھا" یہ سب اور "درہ کمبو" ان اقوام ہی کے نام سے موسوم ہوئے ہیں" اور کسی نہج بھی ان ملکوں میں جہاں "کمبو اور کمبوج" اور "کمبالو" اور کمباٹا" وغیرہ شہر آباد ہیں "کمبوج" سلطنت کے اثبات کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے" کمبو" تو ایک جداگانہ جیسے "کمبوج" اور کمبو" دونوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے" مگر جب کمبو نام کے شہر رکھنے والے ملکوں ہی میں "کمبوج سلطنت کے اثبات کو ثابت نہیں کیا جا سکتا" تو "درہ کمبو" کو ہرات کے مضافات میں دیکھکر جو مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی قوم کمبو سے موسوم کیا ہے" اور اُسے "کمبوج" سلطنت کے اثبات کی دلیل قرار دیا ہے" اس سے اُن کی ناواقفیت جسارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے"

قوموں کے شہروں اور قصبات سے منسوب ہوسکنے کی مؤلف تاریخ کمبوہان کی بےسروپا رائے زنی کے تردیدی شواہد

(۳) مؤلف تاریخ کمبوہان نے صاحب المشاہیر کے اِس بیان کو پیش کر کے کہ۔

"مصنف المشاہیر" بحوالہ مصباح الناظرین مؤلفہ شیخ زین العابدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "کمباہ ایک قصبہ ہے قریب غزنی" جس سے "قوم کمبوہ" منسوب ہے" اپنی رائے کو جو اِن الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ" یہ امر کہ "قصبہ کمباہ" کی وجہ سے "قوم کمبو کو" جو منسوب کیا گیا ہے" ہمارے خیال میں صحیح نہیں ہے" بلکہ قوم کی وجہ سے قصبہ کا نام "کمبو" قرار پانا۔ ایک صحیح نتیجہ ہے" اور اپنے اِس دعوے کی روشن دلیل یہ دی ہے کہ" ضلع امرتسر میں تین" اور "منٹگمری" "فیروزپور" "ملتان" میں ایک ایک گاؤں "کمبو نام کا موجود ہے" یہ سب نام "کمبو قوم کی" موجودگی اور رہائش کی وجہ سے اِن مواضعات کو ملے ہیں"

"صاحب المشاہیر" کے بیان کی تردید مطلق نہیں ہوسکی ہے" اِس بات کو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ "کسی مناسبت سے" کسی افراد انسانی کا نام رکھدیا جاتا ہے" کبھی اُس کو ایسی قبولیت" اور "شہرت عام ہو جاتی ہے کہ "تمام قبیلہ اور گروہ اُسی نام سے شہرت پذیر ہو کر ایک قوم بن جاتی ہے" کوئی قوم" اپنے بزرگ کے نام سے" کوئی باسم محل" اور کوئی بہ اسم صفت موسوم ہو گئی ہے" کارنامۂ راجپوتان کے صفحہ ۴۹و۴۷ پر تحریر ہے کہ "راجپوتوں کی قوم کے ہر نامور آدمی کے نام سے اُس کی اولاد مشہور ہوئی ہے جیسے کچھواہوں میں ابن بہیر کی اولاد نو بیر پوتہ کہلاتی ہے۔ اور شیخ جی پسر موکل کی اولاد شیخاوت کے نام سے پکاری جاتی ہے اور میسو دیہ چونڈا کی اولاد "چونڈاوت" کہلاتی ہے" کبھی کسی ملک" اور خاص مقام" سے بھی نام پڑ جاتا ہے" جس طرح مارواڑ میں رہنے والے "راٹھوڑ" اور میرتہ والے "میرتیہ" کہلاتے ہیں" اور "میسودیہ" گاؤں کی بود و باش سے "سیسودیہ" مشہور ہوئے"

اَب بھی ہمارے سامنے" مثل یورپی" "چینی" "امریکی" "ہندوستانی" "بنگالی" "گجراتی" "کچھی" "مرہٹی" "پنجابی" "سندھی" "سورتی" "ملتانی" "وغیرہ وغیرہ قومیں جس قدر ہیں یہ سب" باسم محل" ہی موسوم ہیں" کوئی اِن میں اپنے ملک کے نام سے موسوم ہے" تو کوئی صوبہ سے اور کوئی شہر سے" پھر یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ ملک "علاقے" اور شہر" اِن اقوام کے آباد کردہ نہیں ہیں جو اِس وقت اُن سے موسوم ہیں" تو چند گاؤں کے نام پیش کر کے یہ استدلال و خیال قائم کرلینا کہ" قوموں کے ناموں پر آبادیوں کے نام رکھے جاتے ہیں" اور آبادیوں کے ناموں سے قومیں منسوب نہیں ہوتیں" مؤرخ تاریخ کمبوہان جیسے مفتش اور محقق ہی کا کام ہے" تاریخی تحقیقات میں خیال اور رائے کو کوئی وقعت حاصل نہیں ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کو "علامہ ابن خلدون" کے اُصولِ درایت کے تحت پہلے تو یہ دیکھنا چاہیئے تھا کہ "صاحب المشاہیر" نے جو کچھ لکھا ہے کہ وہ ممکنات سے ہے یا نہیں ہے" اور پھر اُنھیں یہ معلوم کرنا تھا کہ غزنی کے قریب کوئی قصبہ "کمباہ" کا کبھی وجود بھی تھا یا نہیں" اگر کسی تاریخ و نوشتہ میں اُنہیں "کمباہ" کا پتہ نہ چلتا" تب بھی وہ تاریخی نقطۂ نظر سے اظہار عجز کر کے صرف اِسی قدر لکھ سکتے تھے کہ ہم نے تلاش کیا لیکن کمباہ ہمیں کہیں نہیں مل سکا" لیکن انہوں نے "شہنشاہ کا مبوجیا" کی اولاد بننے کے جس جذبہ کو لے کر اپنی کتاب لکھی ہے" اُس کے مدنظر وہ ہر ناجائز طریقے برت کر اور اپنی رائے سے اپنے موافق صورت حال پیدا کر کے دکھاتے ہیں" تحقیقات تاریخی اور اُصول درایت سے اُنہیں کچھ غرض اور واسطہ نہیں ہے"

"صاحب المشاہیر کے بیان میں" مؤلّف تاریخ کمبوہان کی تحریفیں"

(۴۲) مؤلّف تاریخ کمبوہان" نے صاحب المشاہیر" کا جو بیان مصباح العارفین مؤلفہ شیخ زین العابدین صاحب کے حوالہ سے پیش کیا ہے کہ "کمباہ" ایک قصبہ ہے "قریب غزنی" جس سے "قوم کمبوہ" منسوب ہے" یہ خوب طرح اپنے حسب منشا توڑ مروڑ کر کے پیش کیا ہے" جس سے اُن کی بددیانتی کا حال اچھے طور سے معلوم ہوتا ہے" مؤلّف موصوف کا پیش کردہ بیان تو سامنے آگیا ہے اب صاحب المشاہیر کا بیان ہم دکھاتے ہیں" جس کے صفحہ ۱۸۱ پر تحریر ہے کہ "مولانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۹۳۴ھ ہجری) جدِ مادری شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ ہجری) نے اپنی کتاب "مصباح العارفین" میں لکھا ہے کہ "لفظ کنبوہ" میں واؤ" نسبت کا ہے۔ جیسا کہ "ہندو" میں۔ یعنی منسوب بہ کنبؔ" اور "کنبؔ" ایک شہر ہے قریب غزنیں" جس طرح سادات بنی فاطمہ و علوی" یا شیخ آمدہ عرب" اور جو لوگ باشندگان قدیم "کشمیر" میں سے مسلمان ہوگئے اور جو اب تک اپنے قدیم مذہب پر قایم ہیں" وہ سب بہ لحاظ سکونت کشمیر "کشمیری" کہلاتے ہیں" علیٰ ہذا ساکنانِ کنبؔ" شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد" دربار اکبری میں" بضمن حالات شیخ گدائی" لکھتے ہیں کہ "اُن کے والد "شیخ جمالی" سکندر لودی کے عہد میں "شعرائے باکمال میں شمار ہوتے تھے" اور "شیخ جمالی" دہلوی" "کنبوہی" کہلاتے تھے"

نوٹ میں صاحب المشاہیر نے لکھا ہے کہ "بعض اہلِ شکوک" بوجہ نا واقفیت" وجود "کنباہ" میں متردد ہیں" ترجمہ مجھ سے ایک سیاح معقول و معتبر بغدادی الاصل" اولاد امجاد حضرت غوث پاکؒ نے بیان کیا کہ "سمرقند" سے شمال کی طرف چھ سات منزل کے فاصلہ پر "کنباہ" بضم کاف" ایک دریا ہے" اور اُس کے کنارے پر ایک قصبہ اُسی نام (کنباہ) سے مشہور ہے میں چند روز بکمال آسایش اُس قصبہ میں مقیم رہا ہوں"

صاحب المشاہیرؒ کے اصلی بیان کے سامنے آجانے سے مؤلّف تاریخ کمبوہان کی اُن تحریفوں وغیرہ کا حال بخوبی معلوم ہو گیا ہے جو انہوں نے صاحب المشاہیرؒ کے نوشتہ میں کی ہیں" صاحب المشاہیر نے مصباح العارفین کے حوالہ سے "شہر کنبؔ" اور ایک سیاح کے حوالہ سے "شہر کنباہ" کا حال بیان کیا ہے" مگر اُسی جدت سے کام لے کر جو مؤلّف موصوف نے فرشتہ کے بیان میں کی ہے اور جسے ہم اُوپر ظاہر کر آئے ہیں کہ کیشلج بن نہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوحؑ کے نام کو بجائے کنبلاج کے کمبوج تحریر کیا ہے اُسی طرح یہاں بھی اپنی لیاقت سے کام لے کر "شہر کنبؔ" کو انہوں نے بالکل چھپا لیا ہے اور "کنباہ" کو میم کے املاء سے کمباہ لکھدینا اپنے مقصد کے مدِ نظر ضروری خیال کیا ہے" اور ذرہ کمبو کا حال کہیں دوسری جگہ پڑھکر صاحب المشاہیر کے بیان میں ہونا اپنی طرف سے بڑھاکر اُس پر رائے زنی کر ڈالی ہے" اور اپنی ایسی کارگذاریوں پر انہیں تاریخدانی نیز صداقت بیانی کا دعویٰ بھی ہے"

مؤلّف تاریخ کمبوہان کا شہنشاہ کامبوجیا کی اَولاد بننے کا شوق اور بہیری کنبوہی خاندان سے بھی چسپاں ہو جانے کی کوشش

صاحب المشاہیر کے بیان میں مؤلّف تاریخ کمبوہان کی کتر بیونت دکھادینے کے بعد اب یہاں یہ بات کھول دینی ضروری ہے کہ "جیسا شوق مؤلّف موصوف کو "شہنشاہ کامبوجیا" کی اَولاد بننے کا ہے۔ ویسی ہی "بہیری کنبوہی" خاندان سے رشتہ جوڑنے کی بھی اُن کے دل میں لگن لگی ہوئی ہے" صاحب المشاہیرؒ کے بیان میں مؤلّف تاریخ کمبوہان نے لفظ کنبوہی

کو جو کہیں ظاہر نہیں ہونے دیا ہے۔ اور "کنبوہ" کو بھی ہر جگہ اپنی قومی نام "کمبوہ" کی شکل میں دکھایا ہے" یہ بے سبب نہیں ہے "ان طریقوں سے وہ اپنے ناظرین کو دھوکے دیکر زبیری کمبوہی خاندان سے چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے اپنی اس غرض کے حصول کے جو طریقے اختیار کئے اور جیسے دھوکے اپنے ناظرین کو دیتے ہیں اُن کا حال آگے ظاہر ہوگا۔

باب ہشتم

لفظ کمبوہ کی اِملا پر "مؤلف تاریخ کمبوہان" کی بحث

صہ ۱۱۱ پر حاشیہ میں "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے لکھا ہے کہ "اِس موقع پر ہم کو "لفظ کمبوہ" کے اِملاء کے متعلق چند فقرات لکھنے کی ضرورت ہے"

مصنف المشاہیر" اِس لفظ کی اِملاء "کمبوہ" لکھتے ہیں۔ اور اس کو منسوب بہ "کنباہ" کرتے ہیں۔ اِس وجہ سے ان کی رائے ہے کہ اس کو "کمبو" لکھنا" بے استعدادی کی دلیل ہے"

لیکن خاکسار مصنف کی رائے میں "کمبو" اور "کنبوہ" دونوں اِملاء صحیح ہیں "بلکہ ایک حساب سے "کمبوج" لکھنا بھی درست ہے"

اب اِن دنوں "ہندو" اور "سکھ" کمبوؤں" کی قومی مجلس "کمبوج کانفرنس" نے اس دلیل سے کہ اصل نام "کمبوج" ہے۔ اپنی ذات "کمبوج" لکھنی شروع کی ہے۔ بلکہ مردم شماری کے موقع پر "حکام مردم شماری کو تحریک کرکے" کاغذات مردم شماری میں بھی "کمبوہ" کے بجائے "کمبوج" کا اِندراج کروایا ہے"

کسی لفظ کی اِملاء "اُصولاً اُس کے تلفظ" اور اِن "اصوات و آوازوں پر منحصر ہے" جن کے ادا کرنے پر۔ زبانِ اِنسانی۔ قادر ہو سکے" اور "یا لغت کے لحاظ سے جن مصادر سے۔ کسی لفظ کا اشتقاق۔ عمل میں آیا ہو" بہ وقتِ اِملا اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے "پنجاب میں اِس لفظ کا "کمبوہ" "کنبوہ" "کمو" کی آوازوں سے" تلفظ کیا جاتا ہے اور تحریراً اُس کو "کمبوہ" لکھا جاتا ہے"

"کمبوہ" اور "کنبوہ" کا تلفظ۔ ایک ہی ہے" "حرف میم مہملہ" اور "نون غنہ" کی آوازیں۔ باہم قریب المخرج ہیں" اور بالخصوص جب اِن کے عین مابعد "حرف بائے (ب) واقع ہو۔ تو اُن کی اصوات۔ غیر متمیز ہو جاتی ہیں" اور ایسی صورت میں "اُن کا اِملاء دونوں حرفوں میں سے۔ کسی ایک سے درست سمجھا جا سکتا ہے"

انبالہ کو "پنجاب میں "امبالہ" بھی لکھتے ہیں۔ اور انگریزی میں تو اس کی اِملاء ہمیشہ آخری طریق پر لکھا جاتا ہے"

شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی "سخندانِ پارس میں "سنسکرت" اور فارسی کے باہمی تبادلہ حروف کے بیان میں "م" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"میم" قریب مخرج اور ہمسائگی کے اثر سے چند حرفوں کے ساتھ۔ مبادلہ پر آمادہ رہتی ہے" ان میں سے ہے "نون"۔ جیسے کجیم سے کجین "بام سے بان" اس میں "نون غنہ" کا بھی مادہ ہے۔ چنانچہ جب "نون" کے بعد "ب" آتی ہے "میم" کے ساتھ لکھتے ہیں" جیسے (گنبد" گمبد) جنبش میں "م" کی آواز لکھنے میں "نون" آتا ہے" "دم" کی اصل "دنب" تھی۔ اور اسی طرح "ن" کے حرف کے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جب "نون" ساکن کے بعد "ب" آجاوے۔ تو خاصی "میم" کی آواز ہوتی ہے"

(سخندان پارس صفحہ ۸۷ و ۸۸)

پس اگر ہم "تنبر" "چنبر" "انبہ" "پنبا کو" "تمبر" "چمبر" "امب" "چمبا" "پمبا" لکھیں۔ تو ان کے تلفظ میں فرق نہیں آئے گا" اسی طرح "چمبہ" "کمبھ" "بمب" "کمب کو" "چنبہ" "کنبھ" "بنب" "کھنب" تحریر کرنے میں "اوّل الذکر املاء" کی آواز نکلے گی" اس لئے ایسے الفاظ کی املاء" روا جائز" جس طرح رائج ہو" وہی صحیح خیال کی جاسکتی ہے" "کمبو" یا "کمبا" یا "کمبوج" کا لفظ "کسی مصدر سے مشتق نہیں" اس لئے اس کو خواہ کسی صورت میں املاء کیا جائے" درست سمجھا جاسکتا ہے" پس ہماری رائے میں اس لفظ کا املاء "کنبو" اور "کمبو" دونوں طرح صحیح اور درست ہے" مصنف (تاریخ کمبوہان)

"مؤلف تاریخ کمبوہان کی شپرہ چشمی" اور لفظ کمبو کی بحث کی غرض کی عریانی" نیز دہو کا دہی کی ناکامی"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اس بیان میں "لفظ کمبو کی" املاء پر جس غرض سے بحث کرنی ضروری خیال کی ہے" ابھی ہم اس کو اُن کے پچھلے بیان کے جواب میں ظاہر کر آئے ہیں"

(۱) اوّل تو وہ اپنی "قوم کمبو" کو۔ جو ہندو مسلمان اور سکھوں" پر مشتمل ہے "شہنشاہ کامبوجیا" کی اولاد میں ہونا باور کرانا چاہتے ہیں"

(۲) دوسرے "عربی النسل اور قریشی الاصل" "زبیری" خاندان کے سکنی لقب "کنبوی" کو اخفا کر کے "کنبوی" کی مسخ شدہ شکل "کنبو" اور اپنی قوم کے نام "کمبو" میں صرف املا کی دو صورتیں ظاہر کر کے" اس دودمان عالیشان سے بھی" اپنی قوم "کمبو" کو چسپاں کر دینا چاہتے ہیں" اُن کے یہ ہی دو نقطۂ نظر ہیں" جن کو سامنے رکھ کر انہوں نے اپنی کتاب میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے" اور اپنے ناظرین کو طرح طرح سے دہوکوں میں ڈالنے کی کوشش کی ہے" چنانچہ اپنی اسی کتاب میں آگے ایک جگہ انہوں نے "زبیری کنبوی" خاندان کے نسب پر بحث کی ہے" اور بڑی دلیری سے لکھ دیا ہے کہ "اگر یہ خاندان "شہر کنباد" سے منسوب ہوتا" تو اس کے افراد کے ناموں کے ساتھ کتابوں میں "لفظ کنبوی" لکھا ہوتا" لیکن جب کتاب میں دیکھا گیا" اس میں اس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ بجائے کنبوی کے کمبو لکھا پایا ہے" ہم نے اس بحث کے موقع پر جہاں مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے ناظرین کو یہ دہوکا دیا ہے۔ اُنہیں قدیم و جدید تاریخوں میں سے جن کے مؤلف موصوف نے ایک ایک حرف کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اقتباسات اپنی کتاب میں پیش کئے ہیں" جن جن زبیری بزرگوں کے ناموں کے ساتھ انہوں نے "لفظ کمبو" لکھا ہونا ظاہر کیا ہے" بجائے کمبو کے "کنبوی" لکھا ہوا دکھایا ہے" علاوہ ازیں زبیری خاندان کے اور بہت بزرگوں کے ناموں کے ساتھ بھی "کنبوی" لکھا ہوا دکھا دیا ہے" یہ دہوکا دہی اور شپرہ چشمی نہیں تو کیا ہے کہ "مؤلف

موصوف کو "کنبوی" کا لفظ تو نظر ہی نہیں آیا۔ اور ہر جگہ اُنہیں "کنبو" بھی "میم" کے املا سے لکھا ہوا "کمبو" کی شکل میں نظر آیا ہے۔ مؤلف تاریخ کمبوہان نے جو یہ لکھ کر کہ مصنف "المشاہیر" اِس لفظ کی املا "کنبوہ" لکھتے ہیں" اور اس کو منسوب بہ کنباہ" کرتے ہیں" اس وجہ سے اُن کی رائے ہے کہ "اس کو کمبو" لکھنا بے استعدادی کی دلیل ہے" اپنی رائے اِن الفاظ میں دی ہے کہ۔

"لیکن خاکسار مؤلف کی رائے میں "کنبو" اور "کمبو" دونوں اِملا صحیح ہیں" بلکہ ایک حساب سے "کمبوج" لکھنا بھی درست ہے"

اب اِن دنوں "ہندو اور سکھ کمبوؤں کی قومی مجلس "کمبوج کانفرنس نے" اِسی دلیل سے" کہ اصل نام کمبوج ہے" اپنی ذات "کمبوج" لکھنی شروع کی ہے" بلکہ مردم شماری کے موقع پر۔ حکام سے تحریک کر کے "کاغذات مردم شماری میں" کمبوج" کا اندراج کروایا ہے"

ان کی یہ رائے اور اُن کے ہم قوم "کمبو" ہندوؤں اور سکھوں کی یہ جدید تحریک بھی اُنہیں اغراض کے ماتحت ہے" جس کو پیش نظر رکھکر" مؤلف موصوف نے اِملا کی بحث اُٹھائی ہے" یعنی جس طرح کچھ عرصہ سے پنجاب کے میراثیوں نے اپنے قریشی الاصل ہونے کا دعویٰ کیا ہے" اسی طرح یہ بھی زمانہ کے اثر سے متاثر ہو کر یا اپنی قوم کی پسماندہ حالت سے شرما کر اب تھوڑے زمانہ سے شہنشاہ کامبوجیا اور راجہ کمبوج کی اولاد میں ہونے کے دعویدار بن بیٹھے ہیں" مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اِسی بیان میں لکھا ہے کہ پنجاب میں اِس لفظ کا تلفظ" کمبو" اور "کمّو" کی آوازوں سے کیا جاتا ہے" یہ لفظ کمّو" سادات بنی فاطمہ کے ایک مشہور و معروف خاندان کے نام "کمّوں" سے بہ نسبت کمبوج کے بہت قریب ہے۔ مگر کیونکہ "قوم کمبو" ہندوؤں" سکھوں" اور مسلمانوں پر مشتمل ہے" اِس لئے اُس کے ایک خاص حصہ نے "خاندان سادات کمّو" سے بچپاں ہو جانے میں قباحت دیکھکر اپنی قوم کمبو کا نام "کمبوج" ہی رکھ لینا مناسب خیال کیا ہے۔

اب رہا اِملا کا معاملہ" تو ایسے بہت الفاظ ہیں جو یا تو قریب المخرج ہیں یا اُن کا تلفظ بالکل یکساں ہے" یعنی بولنے میں اُن کی آواز ایک ہے" مگر اُن کے اِملا میں فرق ہے" اور معنی و مطالب جدا ہیں مثلاً

(۱) "نَسَب" (بمعنی نسبت) اور "نَصَب" (بمعنی قایم کرنا")

(۲) "ثواب" (بمعنی فائدہ اُخروی) اور "صواب" (بمعنی ٹھیک و درست)

(۳) "ہال" (بمعنی بڑا کمرہ) اور "حال" (بمعنی کیفیت" اور "زمانہ موجودہ)

(۴) "عرض" (بمعنی پیش کرنا") "اَرض" (بمعنی زمین")

(۵) "سہی" (بمعنی ہونا) اور "چھوڑنا" اور "برداشت کرنا" "صحیح" (بمعنی ٹھیک یا درست)

(۶) "نظر" (بمعنی نگاہ) "نذر" (بمعنی پیشکش)

(۷) "اسرار" (بمعنی بھید) "اِصرار" (بمعنی زور دینا)

ہم نے قریب المخرج الفاظ کو چھوڑ دیا ہے" اور صرف وہی الفاظ لکھے ہیں" جن کے اِملا" الگ اور معنی جدا ہیں" مگر تلفظ بالکل ایک ہیں" ہم چاہیں تو ایسی اور بہت مثالیں دے سکتے ہیں" لیکن یہاں اسی قدر کافی ہیں"

ہمارے پیش کردہ اِن یکساں تلفظ رکھنے والے مختلف المعنی الفاظ کے علاوہ ایسے لفظ بھی ہیں کہ اگر اُن کے اِملا میں ذراسی تبدیلی کر دی جائے تو اُن کے تلفظ بالکل جدا جدا ہو جاتے ہیں"

مثلاً لفظ "کنبو" ہی کو لے لیجئے کہ جب اس کو "کن بو" کی شکل میں املا کیا جائے۔ تو اس کے "نون" کی آواز کسی طرح بھی "میم" کی آواز میں تبدیل نہیں ہوتی" اور بعض الفاظ ایسے ہیں کہ اُن کو مثل "کمبو" یا "کم بو" کے مرکب اور جدا کر کے جس طرح بھی لکھ دیا جائے اُن کا تلفظ ایک ہی رہتا ہے" ایک لفظ کنبہ یا کنبا ہے جو قریبی عزیزوں کے واسطے مستعمل ہے۔ اس میں بھی نون "ب" کے ساتھ آیا ہے۔ لیکن اس لفظ کے نون کو میم سے کسی طرح بھی نہیں بدلا جا سکتا" وجہ سب کو معلوم ہے کہ صرف نون غنہ "ب" کے ساتھ مل کر میم کی آواز دیتا ہے" ورنہ نون کسی طرح اپنی آواز نہیں بدلتا"

ایک کاشتکار قوم ہے جو "کنبی" کہلاتی ہے" مرہٹواڑی" "تلنگانہ" اور "کرناٹک" کے ہر گاؤں میں اس قوم کے متعدد گھر ہیں" اس قوم کے نام "کنبی" میں "نون" اور "ب" مل کر آئے ہیں" مگر "نون" "میم" کی آواز میں کبھی نہیں بولا جاتا نہ لکھا جاتا ہے" مؤلف تاریخ کمبوہان اگر ہزار کوشش کریں تب بھی "کنبی" کے نون کو میم میں تبدیل نہیں کر سکتے" اور کمبی لکھ کر کنبی کے مفہوم کو کسی طرح بھی نہیں سمجھا سکتے"

زبیری کنبوہی خاندان کا بیان ہے کہ اُن کا سکنی لقب کنبوہی "شہر کنباہ" سے منسوب ہے" تو ایسی صورت میں جبکہ یہ دونوں قبایل کوئی نسلی تعلق مطلق نہیں رکھتے" یہ بات غور طلب ہے کہ مؤلف تاریخ کمبوہان کو لفظ کنبوہی چھپا کر اور بجائے اس کے صرف لفظ کنبو ظاہر کر کے اس لفظ کنبو اور اپنی قوم کے نام "کمبو" کی املا پر بحث کر کے ہر دو کو ایک باور کرانے کی کیوں ضرورت پیش آگئی" اور اس "دودمان عالی شان یعنی زبیری کنبوہی خاندان سے اپنی قوم کمبو کو چسپاں کر دینے میں انہوں نے کیا مصلحت مدنظر رکھی ہے" یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے" اس کا مفصل حال آگے معلوم ہوگا" مگر مختصراً یہ ہے کہ "مؤلف موصوف نے اپنی قوم کمبو کے کارناموں سے تاریخوں کو خیال پا کر اور اس کی پس ماندہ حالت کو دیکھ کر مگر زبیری کنبوہی خاندان کے بزرگوں کے جن میں "وزیر و وزیر" "گورنر و سپہ سالار" شیخ الاسلام اور قاضی و مفتی" "مشائخ طریقت" "علمائے شریعت" "حکماء" "شعراء" "مصنفین" ہر زمانے میں ہوتے چلے آئے ہیں") اذکار سے تاریخوں کو پُر اور موجودہ زمانے میں بھی اس خاندان کے افراد کو اپنے بزرگوں کے اوصاف سے متصف پایا تو انہوں نے یہ ترکیب سوچی کہ اس خاندان کے سکنی لقب کنبوہی کو اخفا کر کے اور کنبو ظاہر کر کے اس لفظ اور اپنی قوم کے نام "کمبو" میں "املا کی دو صورتیں باور کرا کر جس طرح فخر و مباہات کے لئے انہوں نے شہنشاہ کامبوجیا کو اپنا جدّ امجد قرار دے لیا ہے۔ اسی طرح "دودمان عالی شان یعنی زبیری کنبوہی خاندان کے بزرگوں سے رشتہ جوڑ لیں۔ تاکہ دوسری اقوام میں عزت حاصل کر سکیں" مؤلف موصوف کے اس جذبہ کی یہ حالت ہے کہ کنبوہی تو انہیں کسی کتاب میں نظر آیا ہی نہیں" اور کنبو بھی ہر جگہ انہوں نے کمبو کی شکل میں میم سے لکھا ہے" یہاں تک کہ فرزندان حضرت نوحؑ کی تفصیل جہاں انہوں نے اپنی کتاب میں "تاریخ فرشتہ" کے صفہ کے حوالہ سے دی ہے" وہاں بھی "کنباج بن نہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوحؑ" کو کمبوج" ہی لکھا ہے" ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ صٹ پہ کنباج کو کمبوج لکھنے میں آپ کی کیا غرض پنہاں ہے۔ اور وہ کونسا املا ہے جس سے کنباج کو "کمبوج" کی شکل میں لکھا جا سکتا ہے" ہم مؤلف تاریخ کمبوہان سے یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ نے اپنے اسی بیان میں جو یہ لکھا ہے کہ "الفاظ کی املا" روا جس طرح جایز ہو" وہ ہی) صحیح خیال کی جا سکتی ہے تو جب ہر تاریخ میں "کنبوہی اور کنبو" نون سے لکھا ہوا ہے" تو "کنبوہی" کے کہیں ایک جگہ بھی ظاہر نہ کرنے اور کنبو کو بھی میم سے کمبو کی شکل میں لکھنے سے آپ کا مدعا کیا ہے" اور آپ کو تاریخدانی" ایمانداری اور ہر روایت پر تاریخی اصول درایت سے اور نکتہ چینی کرنے کا جو ادعا ہے وہ کہاں تک صداقت پر مبنی ہے"

بابِ پانزدہم

مہاراجہ اشوک کی لاٹھوں پر "کمبو سلطنت" کے ذکر ہونے کی مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانی "اور اُسی کے ذیل میں کمبوجوں کے متعلق اُن کی طبع زاد کہانی

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبوؤں کا ہندوستان پر حملہ۔ شمالی ہند پر قبضہ" کے تحت ایک اور سُرخی یہ دے کر کہ "مہاراجہ اشوک کا عہد۔ کمبو سلطنت کا ذکر اُس کی نصب کردہ لاٹھوں پر" صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۷ پر لکھا ہے کہ۔

(۱) ایرانی اقتدار کے اختتام پر "کمبوج" قوم نے "ملک کمبوج پر" پھر تسلط جما لیا تھا" ان کا یہ قبضہ تیسری صدی مسیحی تک قایم رہا۔ اِس عرصہ میں کبھی یہ ریاست بہت مضبوط اور طاقتور ہو کر ایک بادشاہت بن جاتی رہی۔ اور کبھی کسی بیرونی حملہ آور کے غلبہ کے سبب اس کے ہاتھ سے بہت سا علاقہ نکل جاتا۔ اور وہ ایک معمولی ریاست رہ جاتی۔ اِس لمبے اور طویل عرصہ میں ہندوستان کی پولیٹکل بساط پر مُہروں کی حالت کبھی بدل جاتی۔ اور بیرونی حملہ آوروں کے۔ کوہ ہندوکش۔ کو عبور کر کے حملہ کرنے سے خود "کمبوجوں" کو بھی نقصان پہنچتا رہا"

(۲) اِس کتاب کی تمہید میں ذکر ہو چکا ہے کہ "مسلمانوں کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے پہلے کے حالات تاریکی کے پردے میں مستور ہیں۔ اور ان پر تاریکی کا غلاف پڑا ہوا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ حالات ہمیشہ ہی ایسے رہتے" اگر شوقین اور صاحب ہمّت مورخ ان سے کم و بیش پُردہ اٹھانے کی کوشش نہ کرتے"

(۳) بیسویں صدی کی ابتدا سے اِس وقت تک بعض یورپین اور ہندوستانی مؤرخوں نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے۔ اور گہرے مطالعہ کے بعد" ہندوستان قدیم کے تہذیب و تمدن" اور تاریخی حالات کی تحقیقات فرمائی ہے" اور بہت سے حالات پر سے ناواقفیت کا پردہ اُٹھایا ہے"

لیکن باوجود اس کے "کمبو قوم" کی تاریخ تحریر کرنے سے اُن کو کچھ غرض نہ تھی" "کمبو قوم کے متعلق" ہم کو جستہ جستہ چند اشارات ان تاریخوں سے دستیاب ہوتے ہیں جن کو ہم باترتیب "اپنی قومی تاریخ کی تدوین کی غرض سے" احاطۂ تحریر میں لاتے ہیں"

(الف) شہنشاہ دارا کے "کمبوؤں پر" حملہ آور ہونے کے بعد "کمبوجوں نے" تھوڑی مدت گذار کر اپنی ایک آزاد سلطنت "افغانستان میں" قایم کر لی" اُس وقت "افغان" نام موجود نہیں تھا" اِس لئے یہ قطعۂ ارضی "کمبوہ قوم" کے نام کے سبب سے "کمبوج" کے نام سے موسوم ہو گیا"

(ب) اس کے بعد ۳۲۶ء قبل مسیح میں "سکندر اعظم" نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں عرض کر چکے ہیں اس کو "کمبوجوں کی" کوہستانی بلکہ یاغستانی قوم کو مغلوب کرنے کے لئے کافی محنت برداشت کرنی پڑی۔ اس نے اوّل "کابل" "سوات" اور "باجور" کی گھاٹیوں کو فتح کیا۔ اور پھر ہندوستان میں داخل ہوا۔ مؤرخین نے ان مقامات کے باشندوں کے متعلق صراحتاً تحریر نہیں کیا کہ وہ "کمبوج قوم سے" تعلق رکھتے تھے" لیکن چونکہ (جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے) عہد مہاراجہ اشوک میں "کمبوج قوم کی" شاندار حیثیت میں۔ اِس قطعۂ ملک میں موجودگی کی تصدیق ہوتی ہے" اِس لئے ماننا پڑے گا کہ سکندر اعظم کے حملہ کے وقت "کمبوج قوم کی ریاستیں" موجودہ افغانستان و سرحدی علاقہ میں موجود تھیں۔ اگرچہ "حملہ سکندری کے وقت وہ ایسی اعلیٰ پوزیشن میں طاقتور اور منظم حالت میں نہیں ہوں گی۔ کہ یونانی مؤرخین۔ بالصراحت اُن کا تذکرہ کرتے"

(ج) حملۂ سکندری کے بعد "مہاراجہ چندر گپت" ایک زبردست راجہ گذرا ہے اُس کے پوتے اشوک نے جو "بدھ مت کا پیرو تھا۔ اُس نے بدھ مت کے احکام" لاٹھوں پر کندہ کروا کر۔ ان کو اپنی حدود سلطنت میں نصب کرایا۔ اور اشوک ۲۷۲ء ق م میں تخت نشین ہوا تھا"

(د) ہم یہ ذکر کرنا بھول گئے کہ جس زمانہ (۵۳۰ء قبل مسیح) میں "کمبوج قوم" افغانستان میں آکر مقیم ہوئی۔ اِس زمانہ میں "مہاتما بدھ (پیدائش ۵۶۷ء قبل مسیح وفات ۴۸۷ء قبل مسیح) ہندوستان میں "بدھ مت" کی تبلیغ میں مصروف ہوئے تھے"

قیاس کہتا ہے کہ "اشوک کے عہد تک گذشتہ تین سو سال میں "بدھ مت" ہندوستان میں" قابلِ ذکر وسعت پا چکا تھا" مہاراجہ اشوک کے اثر و نفوذ نے اِس مذہب کی توسیع میں بوجہ اپنی پولیٹکل اہمیت کے اور بھی اِمداد دی" اور اغلباً کابل" و قندھار سے "ریاست میسور تک" یہ مذہب پھیل رہا تھا" جس سے "کمبو قوم بھی" لامحالہ اثر پذیر ہوئی" اور بہت ممکن ہے کہ "کمبوؤں نے بھی بدھ مذہب قبول کر لیا ہو" اغلباً اسی زمانہ کی یادگار" وہ آثار و حضریات ہیں" جو بدھ مذہب کی موجودگی کی تائید میں۔ اِس قطعۂ ارضی میں اب بھی دستیاب ہو رہے ہیں۔

(س) ریاست کمبوج "مہاراجہ اشوک کے عہد میں موجود تھی" ایسی حالت میں تھی کہ "مہاراجہ اشوک کو "اپنی لاٹھوں پر" کندہ شدہ احکام میں اس کا ذکر کرنا پڑا۔ "مہاراجہ موصوف کے نصب کردہ مینار" پشاور" دہولی" (کٹک، جوناگڈھ (گرنار) ذولی" وغیرہ میں موجود ہیں" ان پر درج شدہ احکام میں سے "پانچویں حکم کا خلاصہ حسب ذیل ہے"

"دہرم کرنا مشکل ہے۔ اِس واسطے دہرم کروانے والے مقرر کئے ہیں کہ تمام اطراف میں "کمبوج" گاندہار" ترستک" گجرات" پتینیک" میں اور بھی سب جگہ دہرم کروایا کریں۔

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ "مہاراجہ اشوک کے زمانہ تک "کمبوج قوم" کی حکومت "کمبوج" میں نمایاں حالت میں موجود تھی" اور اس سے تمام ہندوستان بخوبی واقف تھا"

افغانستان میں کسی کمبوج ریاست کے ہونے کی مؤلف تاریخ کمبوہان کی طبع زاد کہانی کا بطلان خود انہیں کے بیان سے

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اس بیان کی سُرخیاں تو یہ قایم کی ہیں کہ "(۱) کمبوؤں کا ہندوستان پر حملہ" "شمالی ہندوستان پر قبضہ" (۲) مہاراجہ اشوک کا عہد "کمبوج سلطنت کا ذکر اُس کی نصب کردہ لاٹھوں پر" لیکن اِن سُرخیوں کے تحت جو خامہ فرسائی انہوں نے کی ہے" اُس میں بجائے "قوم کمبوہ" کے "قوم کمبوج" کی حالت دکھائی ہے" اور کمبوجوں کے ذکر میں کہیں کہیں "قوم کمبوہ" لکھکر اپنے ناظرین کو اِس دھوکے میں ڈالنا چاہا ہے" کہ وہ اِن دو ناموں کی بار بار کی تکرار سے انہیں ایک قوم سمجھنے لگیں"

اپنے بیان میں انہیں خود اقرار ہے کہ "(۱) مسلمانوں کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے پہلے کے حالات تاریکی کے پردے میں پڑے ہوئے ہیں اور اُن پر تاریکی کا غلاف پڑا ہوا ہے۔ (۲) بعض یورپین اور ہندوستانی مؤرخوں نے ہندوستان قدیم کے تہذیب و تمدن اور تاریخی حالات کی تحقیقات فرمائی ہے لیکن "قوم کمبوہ" کی تاریخ تحریر کرنے سے انہیں کچھ غرض نہ تھی" لیکن اس اقرار کے بعد بھی مؤلف موصوف نے خاموش نہ رہ کر اپنی طبیعت سے "شہنشاہ دارا" کے کمبوؤں پر حملہ آور ہونے کے بعد افغانستان میں کمبوجوں کی سلطنت قایم کر دینا اور اس ملک کا نام "کمبوج" قرار دے دینا اپنی طبیعت سے ضروری خیال کیا ہے پھر یہ بھی تحریر کرنا مناسب سمجھا ہے کہ "سکندر" کو "ہندوستان" پر حملہ کرتے وقت "کمبوجوں" کی بلکہ یاغستانی قوم کو مغلوب کرنے کے لئے "کافی محنت برداشت کرنی پڑی" مگر کیونکہ جھوٹ کو فروغ نہیں ہوتا اور جھوٹ بولنے والے کا دِل جھوٹ بولتے وقت خوب دھڑکتا رہتا ہے" اِس لئے گھبرا کر مگر اپنے خاص انداز کے ساتھ انہیں مجبوراً یہ لکھ دینا پڑا کہ "مؤرخین نے اِن مقامات یعنی "کابل" "سوات" اور "باجوڑ" کے باشندوں کے متعلق "صراحتاً" تحریر نہیں کیا کہ وہ "کمبوج قوم" سے تعلق رکھتے تھے" "صراحتاً" کا لفظ جو یہاں مؤلف موصوف نے لکھا ہے وہ خاص طور سے غور طلب ہے "صراحتاً تحریر نہیں کیا" بلکہ کیا تحریر کیا ہے کم از کم اسی کو بتانا چاہئے تھا۔ اِس بارے میں اُن کے چُپ لگ جانے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ساری داستان زیادہ بندہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے"

مؤلف موصوف نے اس کے آگے مہاراجہ اشوک کے عہد میں "کمبوج قوم" کی اِس قطعۂ ملک میں موجودگی بتلا کر یہ تحریر کیا ہے کہ "سکندر" کے وقت "کمبوج قوم" کی ریاستیں "موجودہ افغانستان و سرحدی علاقہ میں موجود تھیں" "حملہ سکندری" کے وقت وہ ایسی اعلیٰ پوزیشن میں" طاقتور اور منظم حالت میں نہیں ہوں گی ورنہ "یونانی مؤرخین" بالصراحت ان کا تذکرہ کرتے"

اُن کے اِس بیان کی بھی ایک اختراع سے زیادہ وقعت نہیں ہے" انہوں نے جب خود لکھا ہے کہ "سکندر" کو کمبوجوں یا "یاغستانی" قوم کو مغلوب کرنے میں کافی محنت برداشت کرنی پڑی" تو اب اُن کے اِس بیان کی کہ حملۂ سکندری کے وقت وہ ایسی طاقتور و منظم نہ تھی کہ "یونانی" مؤرخین بالصراحت اُن کا ذکر کرتے" جو حقیقت ہو سکتی ہے۔ وہ ظاہر ہے" بغیر کسی تاریخی سند اور شہادت کے پیش کئے ہوئے ایسی من گھڑت کہانیوں کو کون باور کر سکتا ہے"

کمبوہ بلکہ کمبوج سلطنت کے بھی مہاراجہ اشوک کی لاٹھوں پر کوئی ذکر نہ ہونے کے تاریخی شواہد

اشوک کے زمانہ میں قوم کمبوج کی اُس قطعۂ ملک میں موجودگی بھی اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ "وہاں اس قوم کی

سلطنت بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی ملک میں کسی قوم کی موجودگی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ وہاں اُس کی حکومت بھی موجود ہو۔ مہاراجہ اشوک کے میناروں پر قوم کمبوج کا نام درج ہونے سے بھی یہ نتیجہ کسی طرح برآمد نہیں ہوتا کہ وہاں اس قوم کی حکومت و ریاست بھی ضرور تھی۔ اشوک کے اِن لاٹھوں پر کے کتبات کی حقیقت صرف اِس قدر ہے کہ اُس نے اُن کے ذریعہ سے چند قوانین و فرائض کو اپنی رعایا کو بتانا چاہا اور اُن پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔ اپنی ماتحت ریاستوں کی فہرست گنانے سے اُسے کوئی غرض نہ تھی۔

تاریخ ہندوستان مؤلفہ مسٹر ہاشمی بی۔ اے رکن دارالترجمہ مملکت آصفیہ دکن مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں اشوک بن بندوسار بن راجہ چندر گپت کے حال میں تحریر ہے کہ یہ اتنی بڑی سلطنت تھی کہ زمانہ تاریخ میں نہ پہلے یہاں قایم ہوئی نہ آیندہ کسی ہندو راجہ کے نصیب میں آئی۔ لیکن فتح و کامرانی کے ساتھ صاحب فکر فاتح کے دل پر ان مصایب عظیم کا اثر ہوا جو ملک مفتوحہ (کلنگ) کے باشندوں کو برداشت کرنی پڑی تھیں۔ اِس کا ثبوت وہ کتبات ہیں جن میں یہ تاکید و ہدایت کی ہے کہ رعایا پر کمال شفقت و انصاف کے ساتھ حکومت کریں ان کتبات کی تعداد جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں چونتیس ۳۴ ہے۔ اور عجب نہیں کہ آیندہ بھی اِس میں اضافہ ہوتا رہے۔ کیونکہ میسور سے ہمالیہ اور خلیج بنگال سے بحر عرب کے ساحلوں تک مختلف مقامات پر اُن کا پتہ چلا ہے۔ اتنے وسیع رقبہ میں بہت ممکن ہے کہ بعض کتبے ڈھونڈھنے والوں کی نظروں سے چھپے رہے ہوں۔ مخفی رہنے یا ضائع ہو جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ بعض کتبے پہاڑ کی چٹانوں پر کھدوائے گئے تھے۔ اور بعض پتھر کے میناروں پر کندہ ملے ہیں۔ سنین کتابت کے اعتبار سے اُن کی چار قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ (۱) چٹان کے کتبات۔ جن میں کلنگ کے فرامین بھی شامل ہیں ۲۵۶ و ۲۵۷ قبل مسیح میں کندہ ہوئے۔ ان میں چودہ ۱۴ فرامین ہیں اشوک نے اپنے مذہبی عقاید اور اصول حکومت کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنے عمال کو بھی انہی کے مطابق چلنے کی تاکید کی ہے۔

(۲) تین غاروں کے کتبے جو ضلع گیا سے برآمد ہوئے ہیں۔ اور جن کی تاریخ کتابت ۲۵۷ اور ۲۵۰ قم ہے۔ اشوک نے بہت سا روپیہ صرف کر کے اُن غاروں میں قابل سکونت مکانات بنوا دیے تھے۔ اور انہیں سنیاسیوں کے ایک فرقہ کو دے دیا تھا جو بہ اعتبار عقاید بودھ مت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ تاہم اِن کتبوں سے بھی اتنا پتہ چلتا ہے کہ بودھ مت کا نہایت پُرجوش حامی ہونے کے باوجود اشوک دوسرے مذہب کے فقرا کا خیال رکھتا تھا۔

(۳) ترائی کے دو میناری کتبے جو ۲۴۹ ق م میں نصب کئے گئے تھے۔ یہ تحریریں اِس بات کا ثبوت ہیں کہ راجہ اشوک نے فی الواقع نیپال کے اِن علاقوں کا سفر کیا تھا جو بودھ مذہب والوں کے نزدیک گوتم کا مولد ہیں۔ (۴) میناری کتبات جو ۲۴۳ سے ۲۴۰ قبل مسیح تک کی یادگاریں ہیں۔ ان میں اوّل سات کتبوں کا مضمون وہی ہے جو پہلے چٹانوں پر کندہ کرایا گیا تھا۔ یعنی وہی احکام زیادہ مفصل اور تاکیدی پیرایہ میں میناروں پر کندہ کرا دیئے ہیں۔ اور باقی چھوٹے میناروں کے کتبات ہیں۔ بودھ مذہب کے اندرونی اختلافات کا ذکر ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ یہ کتبے کسی ایک زبان میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ جس ملک میں جو بولی یا پراکرت رائج تھی۔ وہاں کے کتبے میں اُسی سے کام لیا گیا ہے۔ پیرایۂ بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب اشوک نے یہ مذہبی احکام و ہدایتیں کندہ کرائی تھیں۔ اُس وقت ملک میں بودھ مت عام طور پر شائع ہو چکا تھا۔ عوام میں بکثرت اُس کے ماننے والے یا جاننے والے موجود تھے۔

کتبات کے کندہ اور نصب کرانے کے واسطے وہ مقامات منتخب کئے گئے ہیں جو تیرتھ جاترا یا کسی

عام شاہراہ پر واقع تھے"

"اشوک" کے مینار یا لاٹھیں" جن میں سے بعض پر "کتبہ" کندہ ہے" اور بعض پر نہیں ہے" ہند کی قدیم سنگتراشی کے بے بہا نمونہ ہیں" ان میں سے بعض کی بلندی "پچاس فٹ کے قریب ہے" اور وہ سب "ایک ڈال کو تراش کر بنائی گئی ہیں"

مذکورہ بالا کتبات و فرامین سے "اس دھم" (دہرم) یعنی قانون فرائض کو سمجھنا آسان ہے جس پر اشوک" اپنی رعایا کو چلانا چاہتا تھا" درحقیقت یہ "بودھ مت" کے بڑے بڑے اصولوں کی عملی تعلیم تھی" اور اس کے تین بنیادی عقاید تھے"

(۱) جیو رکھشا یا آہنسا" یعنی جانداروں کو تکلیف نہ دینا"

(۲) "معلم" والدین" اور "بزرگوں کا ادب"

(۳) اور "راست گفتاری"

لیکن یہ واضح رہے کہ "اشوک" نے ان قوانین کو "فقط کندہ کرانے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ تمام بڑے بڑے سرکاری عہدہ داروں کے فرائض میں یہ بات داخل تھی" کہ وہ مقررہ ایام میں "اپنے مستقر پر اور جب دَورے پر جائیں تو دیہات میں عام جلسے کر کے "اپنے مالگذاروں اور زمینداروں کو "دھرم" کی تعلیم" اور قوانین شاہی کے مطابق "عمل کرنے پر زور دیں" اس کے علاوہ ایک خاص محکمہ احتساب" قایم کیا گیا تھا" اور اس کے عہدہ داروں کا کام تھا کہ لوگوں کے افعال کی نگرانی" اور بلا لحاظ مذہب و حیثیت" جو شخص مذکورہ بالا اصولوں کے خلاف چلے" اسے سزا دلوائیں"

اس بیان سے صاف ثابت ہو گیا ہے کہ "اشوک" نے اپنی رعایا کے عمل کے لئے قانون فرائض" اپنی لاٹھوں پر کندہ کرائے ہیں" اور ان کتباتات سے یہ نتیجہ اخذ کر کے دیکھا تا کہ "ان میں ریاست کمبوج" کا بھی کوئی ذکر ہے" مؤلف تاریخ کمبوہان کی محض اختراع ہے" اسی تاریخ کے صفحہ ۹۳ و ۹۴ پر تحریر ہے کہ "اشوک کے دادا" چندر گپت" نے ۳۰۳ ق م میں "سلیوکس" (سلوکس) یونانی کو شکست فاش دے کر "کوہستان سلیمان" کے پار کا سارا ملک جو اب دولت افغانستان" کہلاتا ہے لے لیا تھا۔ اور اشوک کے حال میں لکھا ہے کہ "اب مگدھ میں" ہنیار ندی" تک موجودہ نیپال و افغانستان سمیت) تمام ہندوستان کا علاقہ داخل ہو گیا" اور ملک تبت میں بھی جس کی سرحد اس کی سلطنت سے ملی ہوئی تھی۔ اشوک نے اپنے داعی" بھیجے تھے" تو جس طرح اور قومیں اس کی ماتحت رعایا تھیں اسی طرح کمبوج بھی تھے" اور جس طرح اس نے اپنے اور رعایا کے لئے احکام کندہ کرائے تھے کمبوج کے لئے بھی یہ احکام نافذ کئے تھے" مؤلف تاریخ کمبوہان نے "اشوک" کے ان کندہ شدہ احکام کی ان الفاظ میں ترجمانی کی ہے کہ "دہرم کرنا مشکل ہے" اس واسطے دہرم کرنے والے مقرر کئے ہیں۔ کہ تمام اطراف میں "کمبوج" گاندھارا" ترستک" گجرات" پیتنک" میں اور بھی سب جگہ دہرم کروایا کریں"

اور اس پر مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے یہ جو لکھا ہے کہ "مہاراجہ اشوک" کے زمانہ تک "کمبوج" قوم کی حکومت "کمبوج" میں نمایاں حالت میں موجود تھی۔ اور اس سے ہندوستان بخوبی واقف تھا" ان حالات کے دیکھتے ہوئے جو ہم نے اوپر ظاہر کئے ہیں" ان کا ایسا لکھنا اپنے ناظرین کو دھوکا دینے اور غلط بات باور کرانے کے سوا کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا" اور ان کے اس بیان میں حقیقت کا شائبہ تک موجود نہیں ہے"

غرضکہ "مؤلف تاریخ کمبوہان نے جنہیں ادعا ہے کہ "وہ ہر روایت و دعوے پر "تاریخی اصول درایت سے" تنقید اور نکتہ چینی کیا کرتے ہیں" ہر جگہ اپنی دیانت اور واقفیت تاریخی کے ایسے ہی ثبوت بہم پہنچائے ہیں" جن سے ان کے دلی مقاصد کا پردہ چاک ہو کر ان کی ذہنیت صاف طور پر نمایاں ہو گئی ہے"

باب دوازدہم

مؤلف تاریخ کمبوہان کا مزید ڈھکوسلا اور کمبوج حکومت کی خود مختاری کی خود ساختہ کہانی

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبوؤں کے حملہ کے وقت ہندوستان کی پولیٹیکل حالت" کی سُرخی دے کر صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۹ پر "حملہ سکندری کے بعد پہلا بیرونی حملہ آور "سیلوکس یونانی (۳۰۵ ق م) تھا۔ جس کی پیش قدمی "چندر گپت (موریا) نے روکی" لیکن یونانی خاندان "ملک باختر" یعنی موجودہ روسی ترکستان" اور افغانستان پر کم و بیش قابض رہے"۔

موریا خاندان کے آخری انحطاطی زمانہ میں "یونانی خاندان نے" پنجاب پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور "خاندان سنگا کے بانی" پشپ متر" کے عہد میں "منندر یونانی نے (منانڈر یا ملندر رح الف) کاٹھیا واڑ۔ اور مغربی ساحلی علاقہ بھی چھین لیا۔ اور شمالی ہند کو اس کے ہاتوں سے صرف "پشپ متر نے" بچایا" ۱۵۵ ق م "یونانیوں کی حکومت بھلی بُری حالت میں "بحرہ کیسپین" کے نواحی علاقہ "پارتھیا" میں ۵۷ء تک قایم رہی" گو اس زمانے میں "کمبوج حکومت" اور باقی نواحی ریاستیں بھی خود مختار ہو گئی تھیں۔ ۵۷ء میں "اہلِ پارتھیا" نے آخری یونانی بادشاہ ہرمیکس کو بیدخل کر دیا۔ اور خود غلبۂ و تصرف حاصل کر لیا" اغلباً یہ قوم کچھ مدت کابل۔ پنجاب۔ اور سندھ پر قابض رہی" تکش شلا (ٹیکسلا) اس کا دارالحکومت تھا" لیکن یہ حکومت بھی جلد ختم ہو گئی "پارتھیا کو" موجودہ چینی ترکستان" سے آکر شاکا۔ سک۔ یا سیتھیا" قوم نے مغلوب کر لیا۔ اور "ٹیکسلا" متھرا" اور کاٹھیاواڑ تک پھیل گئی۔ اصل باشندگانِ ہند کو مغلوب کر لیا"۔

شاکا یا سیتھیا نسل کی ایک ذات "یوچی" کے ایک قبیلہ نے" جسے "کشان" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے" باختر میں "جہاں سے اس نے "پارتھیوں کو" ہندوستان کی طرف ڈھکیلا تھا" اور پھر "سیتھیوں کو نکالا تھا" اپنی ذات والوں پر حکومت حاصل کی" اور "کرفائی سس اول کی قیادت" میں "شمالی افغانستان پر ۵۰ء کے قریب قبضہ کر لیا" اس کے بعد اس کا پسر کرفائی سس دوم "پنجاب و ہندوستان پر حملہ آور ہوا" اور دوسری صدی مسیحی میں "پنجاب" زیریں سندھ" اور "وادیٔ گنگا پر" قابض ہو گیا"

اس کے بعد اس خاندان کا مشہور بادشاہ "کنشک" غالباً" ۷۸ء میں تخت نشین ہوا۔ جس کی حکومت جنوبی ہند میں "بندھیاچل" مشرق میں "پاٹلی پتر" (اڑیسہ) شمال میں کاشغر" کابل" اور مغرب میں گجرات تک وسیع ہو گئی "کنشک" قریباً ۱۵۳ء میں فوت ہو گیا"۔

کنشک کے بعد ”خاندان کشان کا زوال ہو گیا“ اور آخر کار ۲۲۶ء کے قریب ”سلطنت کشان“ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گئی“ اِدھر ہندوستان میں سلطنت آندھرائے کا شیرازہ بکھر گیا“ اور تیسری صدی مسیحی کے آخر میں تمام ہندوستان میں طوائف الملوک مسلط ہو گئے۔ جس کے سبب پھر کسی بیرونی حملہ آور کی مدافعت کی قوت اہلِ ہند سے زایل ہو گئی)

مؤلف تاریخ کمبوہان کی مندرجہ بالا من گھڑت داستان کی تردید خود ان کے بیان اور دیگر شواہد سے

مؤلف تاریخ کمبوہان نے ”کمبوؤں کے حملہ کے وقت ہندوستان کی پولٹیکل حالت“ تشریح دی ہے“ مگر اپنے بیان میں ”کمبو قوم“ کے بجائے صرف ”کمبوج قوم“ کا حال اِن الفاظ میں لکھا ہے کہ۔

”یونانیوں کی حکومت۔ بھلی بُری حالت میں ”بحر کیسپین“ (بحر قزوین) کے نواحی علاقہ ”پارتھیا میں ۲۵۰ء تک قایم رہی“ گو اس زمانہ میں ”کمبوج حکومت“ اور باقی نواحی ریاستیں بھی خود مختار ہو گئیں تھیں“

یہ سراسر اُن کا دھوکا ہے“ وہ کہیں ”کمبو“ اور کہیں ”کمبوج“ لکھکر اپنے ناظرین کے دماغوں پر یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ اِن دو مختلف النسل قوموں کو ایک سمجھ لینے کے دھوکے میں آجائیں“ جس طرح ”کنبوی“ یا ”کنبو“ اور ”کہبو“ ”کمبو“ نیز ”کموّن“ ”کیمی اقوام“ یا ”نہری“ ”نہرا“ ”نہرو“ ”نارو“ ”نہروانی“ ”نہروالہ“ یا نہروالی“ اور ”مادر النہری اقوام“ مختلف النسل ہیں“ یہی حال ”کمبو“ اور ”کمبوج“ قوم کا ہے“ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ“ جب مؤلف تاریخ کمبوہان نے ”کسی کتاب میں ”کمبوج“ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ اور ”کمبوج“ حکومت کا ذکر کرنا مقصود تھا“ تو اپنی طرف سے اُنہیں کمبوجوں لکھنے کے بجائے کمبوؤں لکھنے کا کیا حق حاصل تھا“ اور کمبوجوں کے لفظ میں یہ تحریف انہوں نے کس غرض اور مقصد کے مدِ نظر کی ہے“

مؤلف موصوف کا یہ فقرہ بھی کہ ”(گو اس زمانے میں ”کمبوج حکومت“ اور باقی نواحی ریاستیں بھی خود مختار ہو گئیں تھیں“) محض ذہنی اور قیاسی ہے“ یقینی نہیں ہے“ یہاں ضرورت تھی کہ اِس بات کو لکھنے سے پہلے ”مؤلف موصوف یہ بتاتے کہ ان اقوام کی نیم آزاد ریاستیں“ وہاں موجود تھیں“ جب ریاستوں کے وجود ہی کا کوئی ثبوت انہوں نے پیش نہیں کیا تو اُن کے آزاد ہو جانے کے بیان کی جو حقیقت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے“ اُن کی اِس بات میں بھی کوئی سچائی نہیں ہے کہ۔

”(حملہ سکندری کے بعد پہلا بیرونی حملہ“ سیلوکس یونانی“ (۳۰۵ ق م) کا تھا“ جس کی پیش قدمی ”مہاراجہ چندر گپت“ نے روکی“ لیکن یونانی خاندان ”ملک باختر“ میں موجودہ رُوسی ترکستان و افغانستان پر کم و بیش قابض رہے“)

بلکہ صحیح یہ ہے کہ ”چندر گپت“ نے ”سیلوکس“ کو شکست دے کر افغانستان کے علاقہ کو یُونانیوں سے لے کر اپنی سلطنت میں الحاق کر لیا تھا“ اور اس کے بعد ”چندر گپت“ کے بیٹے اور پوتے ”بندسار و اشوک“ دونوں کے زمانوں میں یہ ملک اسی خاندان کی سلطنت میں شامل رہا“ ہم کیونکہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے والی سب اقوام کو پہلے دکھا چکے ہیں اُن میں ”کمبو قوم“ تو درکنار رہی ”کمبوج قوم“ کا بھی کہیں نام نہیں آیا ہے۔ اِس لئے اب دوبارہ اُن کی تفصیل کو چھوڑتے ہیں“ یہاں صرف اسی قدر بتانا مقصود ہے کہ افغانستان میں کسی ”قوم کمبو“ کا وجود کبھی نہیں رہا۔ جیسا کہ آگے ظاہر ہوگا“

"قوم کمبوہ" ہندوستان کی قدیم قوم ہے جس کا نکاس "کاٹھیاواڑ گجرات" سے ہے" البتہ "ملک کمبوجا" جو آج کل تبت...
نام سے موسوم ہے" وہاں سے آکر کچھ قبائل افغانستان کے ایک حصہ میں فروکش آباد ہو گئے تھے" لیکن مؤرخین میں اس بات پر
اختلاف ہے کہ یہ "کمبوج" لوگ افغانستان کے کس حصہ میں آکر رہے تھے" جس کا نام اس قوم کی وجہ سے "کمبوج" پڑ...
تھا" مارکنڈے پُران" اور "منوسمرتی" کی رو سے "کمبوج" سے مراد "افغانستان" کا مشرقی حصہ ہے" ممتاز ما...
"اسٹائن" کی رائے میں "کمبوج" غزنی کے پہاڑ کے ساتھ شمار اور مذکور ہوتا ہے"

"ٹھاکر جے آر رائے جرنلسٹ لاہور" نے بڑی تحقیق سے لکھا ہے کہ "ہندوکش کی "سیاہ پوش قوم" اس
"کمبوج قوم" کی اولاد خیال کی جاتی ہے" غرضکہ یہ دونوں اقوام "کمبوہ" اور "کمبوج" ہم نسل نہیں ہیں" جن کو مؤلف
تاریخ کمبوہان نے اپنے خاص انداز میں دھوکے اور چالاکی سے یہاں اور جگہ جگہ ایک باور کرانے کی کوشش کی ہے" مزید برآں یہ
بات بھی روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ "اُن شہنشاہان کی ایرانی نسل جس میں رستم اور شہنشاہ کام بوزیا اول و دوم بھی...
اور جنہیں عرب کیقباد اول و دوم کہتے ہیں" اور فردوسی نے بھی اپنے شاہنامہ میں اُن کے یہی نام لکھے ہیں۔ ...
افغانستان ہر جگہ ہمیشہ سے کیانی لکھی اور کہی گئی ہے اور اب بھی کیانی کہلاتی ہے" ہم نے اس کتاب کی جلد اول کے صـ ۲۱۳ تا ...
پر "جغرافیائے افغانستان" مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور طبع سنہ ۱۳۰۶ ہجری سے جو بہ تحریر محمد حسین خاں رئیس تدریسات ...
تصویب جناب فیض محمد خاں وزیر معارف (تعلیمات) چھپوایا گیا اور افغانی طلباء کو پڑھایا جاتا ہے" اس کے صـ ۱۹ تا ۳۲ سے لیکر افغانستان
کی قدیم و جدید تمام اقوام کا حال لکھا ہے" اس کے دیکھنے سے ہمارے اس بیان کی بخوبی تصدیق ہوگی" اِن اقوام میں "کمبوہ"
قوم افغانستان کی اقوام کی فہرست میں داخل نہیں ہے" مگر کیانی" از اولاد کیقباد و رستم تحریر ہے"

باب سیزدہم ۱۳

کمبوج قوم کے سلطنت دہلی پر قابض ہونے کی مؤلف تاریخ کمبوہان کی من گھڑت کہانی

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبوجوں کا ہندوستان پر حملہ" کی سُرخی کے تحت صـ ۱۱۹ تا ۱۲۳ پر مسٹر رومیش چندر دت" کی
کتاب "دی سولزیشن آف اینشنٹ انڈیا" سے لے کر لکھا ہے کہ۔

"یوچی راجہ "کنشکا" ایک لمبی چوڑی سلطنت رکھتا تھا جو "کابل" کاشغر" اور "قندھار"
سے "گوجرات" اور "آگرہ تک" زمین کی وسعت کو گھیرے ہوئے تھی۔ اس راجہ کا مذہب
بودھ تھا" اور کشمیر میں "شمالی بُدھ فرقہ کی ایک مجلس منعقد کی" پھر "کمبوج" کے رہنے
والے اور کابل کے اور اور جر گے "جوق جوق ہندوستان میں اُمنڈ آئے۔ اور ان کے
پیچھے پیچھے۔ باری باری سے "ہُن قوم کے ٹڈی دل بھی داخل ہوئے۔ یہ پانچویں صدی
مسیحی میں "تمام مغربی ہندوستان کے مختار ہو گئے تھے"

الحاصل "اشوک کے بعد" چھ سات صدیوں تک ہندوستان غیر حملہ آوروں کا
آماجگاہ بنا رہا" اور ایک روز بھی اس کو آرام نہ ملا" مگر اِن حملہ آوروں نے جب ہندوستان
پر "قبض و دخل حاصل کیا تو" بدھ مذہب میں داخل ہو گئے۔ اور اہالیانِ ملک کا ایک
جزو بن گئے"

مسٹر دت کے اس بیان پر مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے یہ لکھا ہے کہ۔

ہن قوم نے وسط ایشیا سے اٹھکر شاکا قوم کو اس نے پارتھیوں کو اور پارتھیوں نے یونانیوں کو ہندوستان کی طرف ڈھکیلا۔ پھر خود پارتھی یوچی شاکا قوم کے آگے لگ کر ہندوستان میں آئے۔ اور یونانیوں کے بجائے ملک پر قابض ہوئے۔ ان کا تعاقب پھر ہن قوم نے نہ چھوڑا۔ بلکہ افغانستان یا کمبوج کے کمبوجوں پر بھی ظلم وستم روا رکھا۔

کمبوجوں نے ہندوستان میں داخل ہوکر کشان یوچی ترکوں سے ملک چھینا اور خود ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ یعنی ہر ایک قوم پر جب پچھلی قوم کی زبردست قوت کا اثر پڑا۔ تو وہ ڈھکیلی ہوئی ہندوستان پہنچی۔

چنانچہ پہلے یونانی پھر پارتھین پھر سیتھین مابعد یوچی کشان باری باری ہندوستان میں آگے پیچھے داخل ہوئے۔ لیکن ہن قوم اب بھی بڑھتی آئی۔ افغانستان کے کمبوج ہن قوم کے غیر معمولی ظلم وستم کے سبب اپنا مقام چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اور وہ بھی ہندوستان کی طرف عازم ہوئے۔ اور سابقہ حکمرانوں کو مغلوب کر کے ان کی جگہ اپنا عمل دخل کیا۔ پھر شمالی ہند اور گجرات سوراشٹر تک پاؤں جمالئے۔ اور سلطنت ولبھی پر بھی قبضہ کر لیا۔

کمبو قوم پہلے ہندو آریہ مذہب کی پیرو تھی۔ بعد میں اغلباً بدھ ہو گئی اور ہندوستان میں آنے کے بعد جدید ترمیم شدہ برہمنی مذہب کی مقلد بن گئی۔ جیسی کہ آج کل ہندو کمبوؤں کے مذہب کی حالت ہے۔

ہم نے یہ واقعات چند سطروں میں درج کر دیئے ہیں۔ لیکن عہد تاریخ میں ان کو ظہور پذیر ہوتے صدیاں لگ گئیں۔ ابتداء میں بدھ مذہب رائج تھا۔ بعد میں برہمنوں نے اپنے مذہب میں ترمیم و تنسیخ کر کے اس کو بدھ مذہب جیسا بنا لیا۔ باہر سے آنے والی قومیں بھی ہندوستان کے مذہبی رنگ میں رنگ گئیں۔ اور ہندوؤں میں ایسی مدغم ہو گئیں کہ اب ان کا علیحدہ وجود بہت کم باقی رہ گیا۔

افسوس ہے کہ کمبوؤں کی خاندانی روایات میں راجہ کرن کے سوائے کسی اور راجہ کا نام نہیں لیا جاتا۔ ورنہ ہم کو تاریخی واقعات کی مطابقت میں ناکامی نہ ہوتی۔ اور ہم آسانی سے تاریخی زنجیر کی کڑیوں کو باہم پیوست کر لیتے۔ راجہ کرن کا نام ہم کو کسی تاریخ میں دستیاب نہیں ہو سکا۔

لیکن چونکہ کمبوؤں کے عین مابعد سفید ہن قوم بھی ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اس لئے ہم قیاس کرتے ہیں کہ کمبوؤں کا خوفناک دشمن جس نے انہیں ولبھی کی سلطنت سے محروم کیا۔ غالباً سفید ہن قوم تھی۔ کیونکہ مؤرخین کا (پروفیسر کاہن چند کا) اس پر اتفاق ہے کہ ہن قوم نے ایک وقت شمالی ہند میں گجرات تک اپنا

اثر اور قبضہ پھیلا لیا تھا" ولبھی کی سلطنت " ان کا سرحدی صوبہ تھا۔ اور شہنشاہ مہر گل" کے عہد میں " سفید ہُن " قریب قریب تمام شمالی ہند پر چھائے ہوئے تھے"

مسٹر دت " سوراشٹر پر " شاہ راجاؤں کی میعاد حکومت سنہ ۱۵۰ء سے سنہ ۳۰۰ء تک محدود فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ " کمبوجوں نے کابل اور قندھار سے اُٹھکر " سنہ ۳۰۰ء سے سنہ ۳۴۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا" پھر اس کے بعد " ہُن قوم " کے زمانے کا تعین فرماتے ہیں " اِس لئے ہم خیال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کمبوؤں نے سوراشٹر میں شاہ راجاؤں کو مغلوب کیا" اور کمبوؤں کو " ہُن قوم نے " ولبھی سے بیدخل کیا" ہنوں کو راجہ وکرماجیت سنہ ۵۱۵ء تا سنہ ۵۵۰ء نے کہرور ضلع ملتان کے میدان میں لڑکر شکست دی"

" جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ میں " کمبوؤں کی حکومت قایم ہونے اور " ہُن قوم " کے ہاتھوں۔ اس کے تباہ ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے " صرف ایک قرینہ اور قیاس ہے"

بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ " مہاتما بدھ " کی پیدایش سنہ ۵۰۰ قبل مسیح کے قریب " ہندوستان میں " کمبوجوں کی ایک سلطنت تھی " جس کا دارالخلافہ " دوارکا (جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ) میں تھا" اگر اس کو صحیح سمجھا جائے (اور فی الحال اس کی تغلیط کی کوئی وجہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے) تو ہم کو پتہ لگانا پڑے گا کہ یہ " کمبوج بادشاہت" وہاں اس زمانے میں کیسے قایم ہوگئی"

شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد کے خلیج فارس سے رخصت ہوتے وقت ہم نے ذکر کیا تھا کہ اِن لوگوں نے ہندوستان سے فرار ہونے کے لئے " بحری اور برّی " دونوں راستے استعمال کئے ہوں گے " پس اگر کوئی حصہ اِس قوم کا " بحری راستہ سے " ساحل ایران و ہندوستان " کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا " جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ میں آکر " اس پر قابض ہوگیا ہو " تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں " کیونکہ کمبوجوں کی ہجرت " ایران سے قریب قریب اِسی زمانہ میں ہوئی ہے۔ جبکہ " مہاتما بدھ " نے ہندوستان میں ظہور کیا" یعنی چھٹی صدی قبل مسیح " کے آغاز کے قریب"

اِس قیاس کو اس دلیل سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ " ابتدائی زمانہ میں جبکہ بڑے بڑے جہاز نہیں ہوتے تھے۔ صرف بادبانی چھوٹی کشتیوں پر سفر ہوتا تھا۔ تو ساحل بحر کے ساتھ ساتھ سفر کرنا پڑتا تھا"

اِس رائے کو صحیح تصور کرنے میں " ہم کو اس شش و پنج " اور خلجان سے بھی " نجات حاصل ہو جاتی ہے کہ " کمبوجوں نے " تھوڑے عرصہ میں " صحرائے راجپوتانہ " یا " وادیٔ سندھ " کو عبور کرکے " جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ " پر عمل دخل کس طرح قایم کیا"

کمبوجوں کے ہندوستان کے کسی حصے اور سلطنت ولبھی پر قابض ہو جانے کی طبع زاد کہانی کی پردہ کشائی

مؤلف تاریخ کمبوہان اِس موقع پر بھی اپنے ناظرین کو دہوکے میں ڈالنے سے باز نہیں رہے۔ انہوں نے سُرخی تو " کمبوجوں
ہندوستان پر حملہ " قایم کی ہے۔ اور اپنے بیان کے ثبوت میں جو اقتباسات مسٹر رومیش چندر دت کی کتاب سے لے کر پیش کئے
ان میں سوائے کمبوج کے رہنے والوں کے قوم کمبو کا ذکر کسی جگہ موجود نہیں ہے " مگر مسٹر دت کے بیانات پر رائے زنی کرتے ہوئے
مؤلف موصوف نے جگہ جگہ کمبو قوم اور کمبوؤں لکھکر اس بات کی کوشش کی ہے کہ اُن کے ناظرین " کمبوج اور کمبو کی بار بار کی تکرار
اُن کی قوم کمبو کو شہنشاہ کام بوجیا کی اولاد سمجھنے کے دہوکے میں آجائیں "

مزید برآں کسی تاریخی شہادت کے پیش کئے بغیر انہوں نے محض اپنے قیاس کے ذریعہ سے شہنشاہ موصوف کی اَولاد
پیدا کر کے اور کشتیوں پر بٹھا کر اُسے کاٹھیاواڑ پہنچا دیا اور وہاں کی سلطنت و حکومت بھی عنایت فرما کر اپنے دلی شش و پنج اور
ان سے نجات حاصل کر لی ہے "

(۱) مؤلف موصوف نے مسٹر دت کے بیان کو سند گردان کر اس طرح خامہ فرسائی کی ہے کہ۔

" مسٹر دت " سوراشٹر پر شاہ راجاؤں کی میعاد حکومت ۱۵۰ سنہء سے ۳۰۰ سنہء یا ۴۰۰ سنہء
تک محدود فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ " کمبوجوں نے کابل اور قندھار سے اُٹھکر ۳۰۰ سنہء
یا ۴۰۰ سنہء میں ہندوستان پر حملہ کیا " پھر ہن قوم کے زمانے کا تعین فرماتے ہیں "
اس لئے ہم خیال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ " کمبوؤں نے سوراشٹر میں شاہ راجاؤں
کو مغلوب کیا اور کمبوؤں کو ہن قوم نے " ولبھی سے بیدخل کیا "

(۲) پھر راجہ وکرماجیت کے ہاتھوں ۵۱۵ سنہء تا ۵۵۰ سنہء ہنوں کی شکست کا حال اِس طرح تحریر کیا ہے کہ۔

" جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ میں۔ کمبوؤں کی حکومت قایم ہونے اور ہنوں کے ہاتھوں اُن
کے تباہ ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں ہے " صرف ایک قرینہ
اور قیاس ہے "

اِن دونوں بیانات میں جو خود مؤلف موصوف کے پیش کئے ہوئے ہیں " پہلے میں تو انہوں نے کمبوؤں کا شاہ
راجاؤں کو مغلوب کر کے سوراشٹر میں حکومت کرنا اور بعد میں ہنوں کے ہاتھوں ولبھی سے اُن کا بیدخل ہو جانا تسلیم کر لیا ہے "
دوسرے میں کسی تاریخ ثبوت کے موجود نہ ہونے کا اقرار کر کے اِس واقعہ کو صرف قرینہ اور قیاس بتایا ہے " اِن متضاد
بیانات سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ اُن کی آراء کی کیفیت کیا ہے " انہوں نے مسٹر دت کے بیان کو تسلیم کر کے پھر اُس کے رد کرنے
پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُن کے بیان میں تھوڑی تحریف کرنی بھی مناسب خیال فرمائی ہے " مسٹر دت نے تو یہ تحریر کیا ہے کہ " پھر کمبوج
کے رہنے والے اور کابل کے ادر اور جرگے جوق جوق ہندوستان میں اُمنڈ آئے " مگر مؤلف تاریخ کمبوہان نے اس میں یہ اصلاح
ضروری سمجھی ہے کہ " کمبوجوں نے کابل اور قندھار سے اُٹھکر ۳۰۰ سنہء یا ۴۰۰ سنہء میں ہندوستان پر حملہ کیا " اِس تحریف
کی غرض یہ ہے کہ ناظرین کمبوج قوم کو کابل اور قندھار کا باشندہ سمجھنے کے دہوکے میں آجائیں " تاکہ اُن کا دلی مقصد
پورا ہو سکے "

(۳) اِن بیانات اور آراء کے بعد مؤلف موصوف نے یہ کہانی سُنا کر کہ " بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ " مہاتما بدھ "
کے ۵۷۷ سنہ قبل مسیح کے قریب ہندوستان میں " کمبوجوں کی ایک سلطنت تھی " جس کا دارالخلافہ " دوارکا " در جزیرہ نمائے

کاٹھیاواڑ میں تھا۔ اگر اس کو صحیح سمجھا جائے اور فی الحال اس کی تنقید کی کوئی وجہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے تو ہم کو پتہ لگانا پڑے گا کہ یہ کمبوج بادشاہت وہاں اس زمانے میں کیسے قایم ہوئی۔ یوں دُرفشانی کی ہے کہ۔

"شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد کے خلیج فارس سے رخصت ہوتے وقت ہم نے ذکر کیا تھا کہ اِن لوگوں نے ہندوستان سے فرار ہونے کے لئے بحری اور بری دونوں راستے استعمال کئے ہوں گے۔ پس اگر کوئی حصہ اس قوم کا بحری راستے سے ایران و ہندوستان کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا۔ جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ میں آکر اُس پر قابض ہو گیا ہو تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ کیونکہ کمبوجوں کی ہجرت ایران سے قریب قریب اُسی زمانے میں ہوئی جبکہ مہاتما بدھ نے ہندوستان میں ظہور کیا۔ یعنی چھٹی صدی قبل مسیح کے آغاز کے قریب۔ اس قیاس کو اس دلیل سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ میں جبکہ بڑے بڑے جہاز نہیں ہوتے تھے صرف بادبانی کشتیوں پر سفر ہوتا تھا تو ساحل بحر کے ساتھ ساتھ سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس راستے کو صحیح تصور کرتے ہی ہم کو اِس کشمکش و پیچ اور خلجان سے بھی نجات حاصل ہو جاتی ہے کہ کمبوجوں نے تھوڑے عرصہ میں صحرائے راجپوتانہ یا وادیٔ سندھ کو عبور کر کے جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ پر عمل دخل کس طرح قایم کیا۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے تو یہ من گھڑت کہانی سنا کر کشمکش و پیچ اور خلجان سے نجات حاصل کر لی ہے۔ لیکن اپنے ناظرین کو حیرت اور استعجاب میں ڈال دیا ہے۔ جو یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جس مؤلف کو اپنی صداقت بیانی اور ہر معاملہ پر تاریخ کی روشنی میں اصول درایت سے تنقید کرنے کا دعویٰ ہے اُس نے کیسی بودی بنیادوں پر اپنی عمارت کھڑی کی ہے۔ قیاس و قرینہ اور بے سر و پا داستانوں کو واقعات تاریخی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اور بلا کسی تاریخی شہادت اور سند کے پیش کئے ہوئے محض قیاس آرائی سے کہانیاں سنا کر کسی بھی واقعہ کو باور نہیں کرایا جا سکتا۔ ابھی تک وہ شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد کے وجود کو ثابت نہیں کر سکے۔ اور جب شہنشاہ موصوف کی اولاد کا ہی پتہ نہیں ہے تو اُس کا افغانستان میں آکر پناہ گزیں ہونے اور وہاں اُس کی حکومت قایم ہو کر افغانستان کا نام کمبوج پڑ جانے اور ہندوستان چلے اور کاٹھیاواڑ گجرات یا سوراشٹر وغیرہ میں سلطنت قایم ہو جانے کی داستانوں کی جو حقیقت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ مؤلف موصوف نے اس موقع پر یک گردش قلم اپنی طبیعت سے شہنشاہ مذکور کی نامعلوم اولاد کے ایک حصہ کو بادبانی کشتیوں کے ذریعہ سے خلیج فارس سے سوراشٹر یا کاٹھیاواڑ میں پہنچا کر اُس کی سلطنت تو قایم کرا دی مگر یہ نہ سوچا کہ ایک ویران حال خاندان جو پناہ لینے کے لئے دور دراز غیر ملک میں جائے اور جس کے ساتھ سوائے آہ و فغاں کے کوئی قوت نہ ہو وہاں کس طرح اپنی حکومت قایم کر سکتا ہے۔

"مؤلف تاریخ کمبوہان کو خود اقرار ہے کہ جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ میں کمبوؤں کی حکومت قایم ہونے اور ہنوں کے ہاتھوں اُس کے تباہ ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں ہے صرف ایک قرینہ اور قیاس ہے۔"

مگر پھر بھی وہ ایسی داستانیں سنا رہے ہیں جن کا سر ہے نہ پیر ہے۔ اور یہ ایسی جسارت ہے جو اُنہی کے لئے خاص ہے۔

کمبوجوں کے ہندوستان پر حملہ کی حیثیت

مؤلفہ تاریخ کمبوہان نے مسٹر رومیش چندر دت کا جو یہ بیان پیش کیا ہے کہ "پھر کمبوج کے رہنے والے اور کابل کے اور ابارہ گئے جو قبل چوتھی صدی ہندوستان میں امنڈ آئے اور اُن کے پیچھے پیچھے باری باری سے ہُن قوم کے ٹڈی دَل بھی داخل ہوئے۔ یہ پانچویں صدی مسیحی میں تمام مغربی ہندوستان کے مختار ہو گئے تھے"

اِس بیان کا مطلب صرف اِسی قدر ہے کہ "ہندوستان کی کمزوری کے سبب سے آج کی سرحدی اقوام کی طرح (؟) کمبوج کے رہنے والوں اور کابل کے جرگوں نے ہندوستان کے علاقوں میں لوٹ مار کی تھی" اور ہُن اپنی کثرت و طاقت کی وجہ سے مغربی ہندوستان پر قابض ہو گئے تھے" اگر کمبوج کے رہنے والوں اور کابل کے جرگوں میں سے کسی جرگہ کی حکومت ہندوستان کے کسی بھی حصہ پر قائم ہو جاتی تو مسٹر دت اُس کا ذکر ضرور کرتے" مگر انہوں نے اِن قبائل کے حملوں اور صرف اُن قوم کے یعنی تمام مغربی ہندوستان پر قابض ہو جانے کو تحریر کیا ہے" تو یہ رائے زنی جو مؤلفہ موصوفہ نے کمبوج کے رہنے والوں کو افغانستان کے کمبوج ظاہر کر کے اِس طرح کی ہے کہ۔

"کمبوجوں نے ہندوستان میں داخل ہو کر کشان یُوچی ترکوں سے ملک چھینا اور خود ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ افغانستان کے کمبوج۔ ہُن قوم کے غیر معمولی ظلم و ستم کے سبب اپنا مقام چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور وہ بھی ہندوستان کی طرف عازم ہوئے۔ اور سابقہ حکمرانوں کو مغلوب کر کے اُن کی جگہ اپنا عمل دخل کیا۔ پھر شمالی ہند اور گجرات سوراشٹر تک پاؤں جما لئے" اور سلطنت دہلی پر بھی قبضہ کر لیا"

اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے" کشن یُوچی ترکوں سے ملک چھیننے والوں اور ان سے پہلے اور بعد کی آنے والی تمام قوموں کا حال تاریخوں میں تحریر ہے۔ لیکن کمبوجوں کے ہندوستان کے کسی حصہ پر حکومت کرنے کا حال کسی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے محض مؤلفہ موصوفہ کی رائے اور قیاس کی بنا پر کمبوجوں کی حکومت کا کسی زمانے میں بھی "افغانستان و شمالی ہندوستان اور گجرات و سوراشٹر میں قائم ہونا ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے" ابھی ہم اوپر دکھا آئے ہیں کہ مسٹر دت کے بیان کو نظر انداز کر کے مؤلفہ تاریخ کمبوہان نے چھٹی صدی قبل مسیح کے آغاز میں کمبوجوں کی کاٹھیاواڑ گجرات یا سوراشٹر میں حکومت قائم ہونے کو یاور کرا کر تشویش و رنج اور خلجان سے نجات حاصل کی ہے۔ لیکن یہاں وہ کشان یُوچی ترکوں کے ہاتھوں سے کمبوجوں کے ہندوستان چھیننے کو یاد کر رہی ہیں" ہم کوشن خاندان کے پنجاب و کابل میں چوتھی صدی عیسوی کے اخیر تک حکومت کرنے اور پھر گورے ہُنوں کے ہاتھوں اُن کی سلطنت کے چلے جانے کا حال صفحہ ۵۵ پر وضاحت سے لکھ آئے ہیں۔ اِن تاریخی شواہد کے ہوتے ہوئے مؤلفہ موصوفہ کی آراء بے معنی ہیں۔ جن میں کوئی حقیقت مطلق نہیں ہے۔

اُن کی بےچارگی اور ناواقفیت کا تو یہ حال ہے کہ فرماتے ہیں۔

"افسوس ہے کہ کمبوؤں کی خاندانی روایات میں" راجہ کرن کے سوائے کسی اور راجہ کا نام نہیں لیا جاتا۔ ورنہ ہم کو تاریخی واقعات کی مطابقت میں ناکامی نہ ہوتی اور ہم آسانی سے تاریخی زنجیر کی کڑیوں کو باہم پیوست کر لیتے" راجہ کرن کا نام ہم کو کسی تاریخ میں نہیں ملا"

کیونکہ وہ کسی راجہ سے اپنا رشتہ ملانا ضروری سمجھتی ہیں۔ اس لئے یہاں انہوں نے اپنے خاص طریقہ سے راجہ کرن کو بھی پیدا

کر لیا ہے" اس کی حقیقت اُن کے بیان سے ظاہر ہے" اور سوراسٹر پر شاہ راجاؤں کے ۱۵۰ء یا ۳۰۰ء تک حکومت کرنے کی داستان کی بھی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ آگے چل کر ہم وضاحت سے بتائیں گے کہ وہ کونسا خاندان تھا جس نے اُس زمانے میں سوراشٹر پر حکومت کی تھی۔ اور وہاں کن واقعات سے اُسے دوچار ہونا پڑا۔ نیز اُس وقت سے ہمارے زمانے تک اُس کی کیا پوزیشن رہی ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی خودساختہ عمارت کی مسماری تبت کا قدیم نام کمبوجا ہونے کی شہادتیں

مؤلف تاریخ کمبوہان نے آرین بننے کے شوق میں اپنے جوش سے بیتاب ہو کر جس طرح شہنشاہ کام بوجیا کی اولاد کو پیدا کر کے افغانستان پہنچایا اور اُس کی سلطنت وہاں قایم کرائی ہے" پھر جن طریقوں سے شہنشاہ موصوف کی اِس خودساختہ اولاد و افغانستان دونوں کا نام کمبوجی اور کمبوج قرار دے کر ان کمبوجوں کو شمالی ہندوستان پر حملہ آور اور کاٹھیاواڑ پر بھی قابض کرایا ہے۔ اُن کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے۔

مزید واقفیت کے لئے اب ہم بتاتے ہیں کہ کمبوج یا کمبوجا کس ملک کا نام تھا جہاں کے رہنے والے کمبوج یا کمبوجی کہلاتے تھے اور جن کے حالات کو کتابوں میں دیکھ کر مؤلف موصوف نے اپنی طبع زاد کہانیوں اور من مانی آراء سے انہیں شہنشاہ کام بوجیا سے چسپاں کر دینے کی جان توڑ کوششیں کی ہیں" (۱) صـ ۲۳ پر مؤلف تاریخ کمبوہان کا یہ بیان ہم دکھا آئے ہیں کہ

"لالہ لاجپت رائے صاحب آنجہانی اپنی کتاب تاریخ ہند حصہ اول میں "راجہ اشوک (۲۵۰ ق م) کی حدود سلطنت کا ایک نقشہ شامل کرتے ہیں۔ اس نقشہ میں "تبت" کو کامبوجا تحریر فرماتے ہیں"

اور لالہ صاحب کے اِس بیان پر مؤلف موصوف نے جو رائے زنی کی ہے اُسے ہم اسی کتاب کے صـ ۲۴ پر تحریر کر کے جواب بھی دے چکے ہیں اس لئے اُس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے"

ملک تبت کا قدیم نام کمبوجا ہونے کی شہادت صرف لالہ صاحب ہی نے نہیں دی ہے بلکہ بہت مؤرخین نے جن کے بیانات سند کا رتبہ رکھتے ہیں" تبت ہی کا نام کمبوجا بتایا ہے اور اپنے بیانات میں اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے جس کی وجہ سے کمبوجا کا نام تبت پڑا ہے"

(۲) تاریخ عرب قدیم سے لے کر مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۱ شمارہ (۱ و ۲) کے صـ ۱۲۱ و ۱۲۲ پر محمد عثمان عمادی بی ایس سی پروفیسر فرزند علامہ عبداللہ صاحب عمادی نے لکھا ہے کہ "عربوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک سے بہت پہلے دُنیا کے بیشتر ممالک پر حکومت کی اور اُن کو تہذیب و تمدن سے روشناس کیا" ملک تبت کا نام انہیں کے ایک بادشاہ "تبع" سے موسوم ہوا"

(نوٹ ۱) یمن کا ایک بادشاہ شمر" اپنی فوج لے کر ترکستان تک تمام علاقہ فتح کرتا ہوا چلا گیا" موجودہ سمرقند کا شہر اُسی کے نام کی یادگار ہے" (ج) ایرانی جو اپنے مہذب و متمدن ہونے کے بڑے بڑے دعادی پیش کرتے ہیں۔ زمانۂ دراز تک اِسی قوم (عرب) کے غلام بنے رہے۔ (د) عربوں کا ایک قبیلہ وادیٔ نیل کے ساحل پر نزیل ہوا اور اُس نے مدت تک مصریوں پر حکومت کی کیونکہ یہ خانہ بدوش قبیلہ تھا۔ اِس لئے اہل ملک نے اُس کا نام ہی "ہکسوس" یعنی چرواہوں کا بادشاہ (ملوک الرعاۃ) رکھا" اِسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے (عربوں کے) تعلقات بعثت نبویؐ سے صدہا سال پہلے تمام اقصائے عالم سے ہو چکے تھے" دانایانِ فرنگ نے بہت سی جگہوں پر کھدائی کے ذریعہ ایسے آثار پائے ہیں جن سے اِ

(۳) ابن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ ہجری المتوفی ۲۷۶ھ ہجری :- تبع کے حال میں (جس نے لڑائی میں سب سے پہلے آگ کا استعمال کیا اور جس کی قوم کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے) لکھتے ہیں کہ یہ شاہ تبع کو جب ترکوں سے تکلیف پہنچی تو وہ بنی طے کی دونو پہاڑیوں کے راستہ سے "انبار" کو روانہ ہوا۔ اسی راہ سے شہنشاہ رایش نے بھی حملہ کیا تھا۔ ترکوں سے آذربیجان کی سرحد پر مقابلہ ہوا۔ بادشاہ نے انہیں شکست دی اور بہتوں کو قید کر لیا۔ پھر وہ چین پر حملہ آور ہوا اور واپسی کے وقت ایک بڑا لشکر "تبت میں چھوڑ آیا" تبت میں اس کی نسل مشہور ہے"

(۴) اس واقعہ کی تائید علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۵ھ ہجری کے بیان سے بھی ہوتی ہے "تبت کے بیان میں باشندگانِ تبت کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ "قدیم زمانے میں اہلِ تبت اپنے بادشاہ کو "تبع" کہتے تھے اور اس زمانے میں "شاہانِ یمن کی جن کا لقب تبع ہوتا تھا پیروی کرتے تھے" انقلابِ زمانہ سے حالت متغیر ہو گئی اور رشدہ شدہ حمیر کی وہ عربی زبان جو اُن میں رائج تھی۔ ہمسایہ اقوام کی زبان سے بدل گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تبت کا ملک چین سے بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ باشندوں میں "عربی قوم حمیر کے اوضاع غالب ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب میں بضمن تذکرہ سلاطین یمن ہم لکھیں گے۔ بعض اُمراء و رؤسا کا لقب اب بھی تبع ہے" سلاطین تبع کے حالات میں تبت کی تصریح موجود ہے"

(مروج الذہب مسعودی جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ حاشیہ نفح الطیب مطبوعہ مصر)

عربوں نے ملک عرب سے باہر نکل کر جو عربی سلطنتیں قائم کی تھیں اور اپنے اثرات وہاں چھوڑے ہیں اور جو یورپ کی تحقیقات سے معلوم ہوئے ہیں اُن سب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے" ہم نے اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۱ میں ابن قتیبہ اور علامہ مسعودی کے بیانات کی عربی عبارتیں لکھ دینے کے علاوہ نوٹ میں قدیم عربوں کے کچھ اور فتوحات پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈالی ہے۔ اسے وہاں دیکھ لینا چاہیئے" صفحہ ۱۰۶ پر لالہ لاجپت رائے کے بیان کا ایک اور تصدیقی بیان تاریخ مگدھ یعنی صوبہ بہار سے لے کر بھی پیش کیا ہے "اِن شواہد کی موجودگی میں وہ ساری عمارت زیر زمین ہو گئی ہے جس کے بنانے میں مؤلف تاریخ کمبوہان نے اس قدر جاں فشانی کی ہے کہ جس کی نظیر نہیں ہے"

(۵) یہ ثابت کر دینے کے بعد کہ لالہ صاحب آنجہانی کا یہ بیان کہ تبت ہی کا قدیم نام کمبوجا ہے ایسے حقایق پر مبنی ہے جن سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ بات باقی رہ گئی ہے کہ کمبوجی یا تبتی صوبہ سرحد کے ایک حصہ اور ہند چینی میں کس طرح پہنچے تھے" تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اکثر منگولی اور ترکی قبائل یکے بعد دیگرے وقفہ وقفہ سے مختلف سمتوں سے افغانستان و ہندوستان میں داخل ہوتے رہے ہیں" انہیں قبایل کی طرح جب تبت یا کمبوجا کے کچھ قبایل نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو اُن کا ایک گروہ اپنے ملک سے نکل کر جنوب مشرق سمت گیا اور ہند چینی کے ایک حصہ پر قابض ہو گیا۔ جہاں اُن کے نام سے صوبہ کمبوجا اور شہر کمبوجا جسے معرب کر کے انگریزوں نے کمبوڈیا بنا لیا ہے موجود ہیں" دوسرے گروہ نے شمال مغرب کی راہ لی

(بقیہ نوٹ ۲ صفحہ ۱۰۲) تمام دعوؤں کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ (ص) لیکن آج کی صحبت میں ہم ناظرین کرام کا تعارف "سلطنت روما کے ایک زبردست عرب بادشاہ سے کرانا چاہتے ہیں جس کو مدت ہوئی کہ ہم بھول چکے ہیں مگر اس کے کارنامے اب تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچے ہیں" گبن نے اس شہنشاہ کا نام "فلپ" لکھا ہے۔ شہنشاہ سی ہیس نے فلپ کو جو عرب تھا اور شہر بصریٰ اس کا وطن تھا ۲۴۳ء میں سپہ سالار بنایا اور پھر بادشاہ کے قتل کے بعد یہ روما کا شاہنشاہ ہو گیا" (سلسلۂ بیان محمد عثمان صاحب عمادی)

(نوٹ صفحہ ۱) قدیم یونانی مؤرخین یمن کو جواہرات کی کان بتاتے ہیں اور بڑی تائید اس سے ہوتی ہے کہ غیر زبانوں کے لٹریچر بھی اس واقعہ کے تذکرہ سے خالی نہیں ہیں" قبیلہ اِرَم کی آسودہ زندگی اور تمدنی ترقیوں کا ایرانیوں پر اس قدر اثر پڑا کہ ان کی زبان میں "لفظ اِرم" آسایش ہی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا" موجودہ فارسی میں بھی عیش کے لئے لفظ آرام ہے۔ اور عیش باغ کو فارسی اور سنسکرت میں بھی آرام بن یا ارم بن کہتے ہیں جو جنت ارم کا ترجمہ ہے"

اور وہ صوبہ سرحد کے ایک حصہ میں آکر مقیم ہو گیا۔"

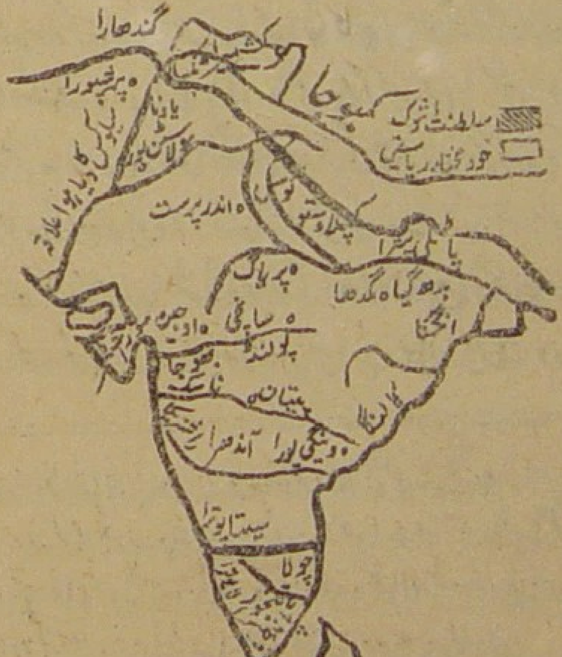
مؤلف تاریخ کمبوہان نے مسٹر دت کا جو یہ بیان پیش کی ہے کہ "یوچی راجہ کنشکا ایک لمبی چوڑی سلطنت رکھتا تھا جو کابل، کاشغر اور قندھار سے گجرات اور آگرہ تک زمین کی وسعت کو گھیرے ہوئے تھی۔ اس راجہ کا مذہب بدھ تھا اور کشمیر میں شمالی بدھ فرقہ کی ایک مجلس منعقد کی۔ پھر کمبوج کے رہنے والے اور کابل کے اور اور جرگے جوق جوق ہندوستان میں اُمنڈ آئے اور ان کے پیچھے پیچھے بارہ باری سے ہُن قوم کے ٹڈی دل بھی داخل ہوئے یہ پانچویں صدی عیسوی میں تمام مغربی ہند کے مختار ہو گئے" اس میں کابل کے جرگوں کو علیحدہ بتایا ہے۔ اور کمبوج کے رہنے والوں کو الگ دکھایا ہے" جس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ کمبوج دوسرے ملک کا نام تھا جہاں کے رہنے والوں کو کابل یا افغانستان کے علاقہ کے رہنے والوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔"

پھر جب مسٹر دت کے بیان میں ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ یوچی قوم کے راجہ کنشکا کی سلطنت میں کاشغر اور کشمیر کے علاقے بھی شامل تھے اور اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ "ملک تبت یا کامبوجا کی سرحد کاشغر و کشمیر سے ملی ہوئی ہے تو اس امر میں شک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جب راجہ کنشکا کی سلطنت میں طوائف الملوکی پھیلی تو اہالیان کمبوجا نے بھی اپنے ملک سے نکل کر اس سلطنت پر حملہ کر دیا تھا اور اس افراتفری میں بڑھتے ہوئے وہ دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گئے تھے اور آگے نہ بڑھ سکنے کی وجہ سے وہیں مقیم ہو گئے تھے" جنرل کننگھم نے مشرقی افغانستان کو کمبوج کا محل وقوع محض اسی بنا پر بتلایا ہے کہ ہندوستان کی سرحد پر پہنچ کر کچھ عرصہ یہ لوگ مقیم رہے تھے"۔ جب ہُنوں کا سیلاب آیا تو یہ اسی سیلاب میں بہہ گئے۔ اور ہُن اپنے زور میں بڑھتے ہوئے تمام مغربی ہندوستان کے مختار ہو گئے"

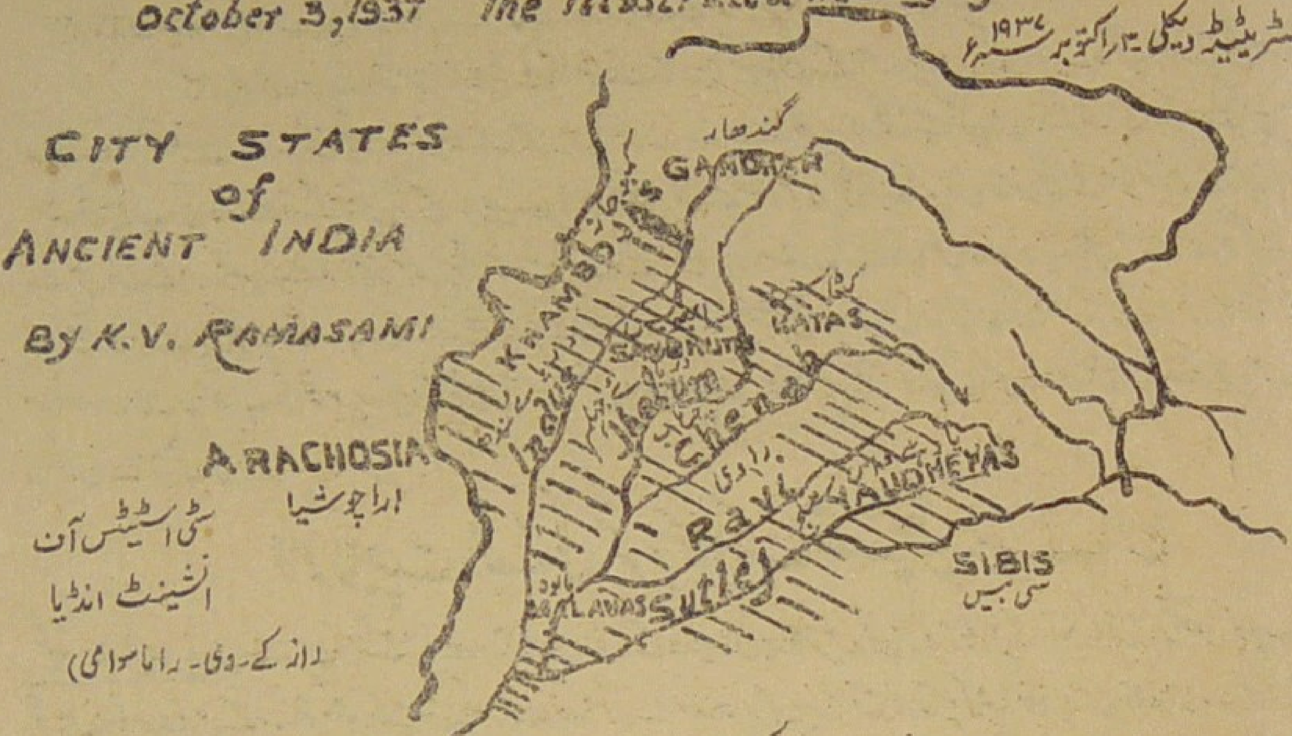
یہاں ہم دو نقشے پیش کرتے ہیں ان میں نمبر ایک نقشہ سے کمبوجوں کا اصلی وطن معلوم ہوتا ہے اور دوسرے دریائے سندھ کے کنارے کا وہ علاقہ ظاہر ہوتا ہے جہاں اپنے ملک سے شمال و مغرب کی طرف بڑھ کر انہوں نے قیام کیا تھا

ہندوستان

۲۵۰ ق م



(از مصور جدید اٹلس صفحہ مؤلفہ سید شرف الدین قادری۔ ایم۔ اے۔ بی ٹی۔ (۱۹۴۱ء)



لالہ صاحب کا بیان صاف ہے ان کا یہ جملہ کہ کمبوج راجا نے پہاڑوں سے اتر کر بنگال کے پال راجہ کی سلطنت پر حملہ کیا تھا اس بات کو کھول کر ظاہر کر رہا ہے کہ یہ حملہ کمبوج راجہ نے اپنے ملک تبت یا کمبوجا سے ہمالیہ پہاڑ کے کسی درہ سے پار ہو کر کیا تھا۔ اس بات سے ابتدائی جماعتوں کے طالب علم بھی واقف ہیں کہ ہندوستان کے مشرقی سمت چین کے صوبہ یونان سے (جو ہند چینی اور تبت کے درمیان واقع ہے) اور برما سے کشمیر و کاشغر تک ہمالیہ پہاڑ کے متوازی ملک تبت یا کمبوجا چلا گیا ہے۔ جس کے دوسری طرف بنگال و بہار ہیں۔

ایسے صاف و صریح اور مبنی بر حقیقت واقعہ کو خلجان میں ڈالنے کے لئے مؤلف تاریخ کمبوہان نے لالہ صاحب کے بیان سے عاجز ہو کر جو یہ لکھا ہے کہ:

> "اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو ظن غالب یہ ہے کہ اس وقت بھی اس قوم کی باقیات اس صوبہ میں موجود ہوں گی۔ گو یہ ممکن ہے کہ وہ بنگالیوں میں مل جل کر مدغم ہو گئی ہوں اور اپنی انفرادی ہستی کھو چکی ہوں۔"

اس کے متعلق ہم کیا کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مؤلف موصوف کی اس خامہ فرسائی کو لالہ صاحب کے بیان سے کیا تعلق ہے۔ "رہا تانبے کے پترے کا معاملہ" تو اس کے نوشتے کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان کے دو بیان ہیں۔

(الف) اپنی کتاب کے چوتھے باب میں جس کا انہوں نے حوالہ دیا ہے یہ لکھا ہے کہ "تبت کے باشندے اس کی رعایا ہیں اور کمبوجا تک اس کی فوجیں گئی ہیں۔"

(ب) اس موقع پر وہ لکھ رہے ہیں کہ "لیکن اس کتبہ میں (تانبے کی پتری میں) گنگوتری (منبع دریائے گنگا) سے لنکا تک (اس کی سلطنت کی حدیں) بیان کی گئی ہیں۔ اور تبت و کمبوجا کے باشندوں کو اس کی رعایا بیان کیا گیا ہے۔"

ان دونوں بیانوں میں جو اختلاف ہیں وہ ظاہر ہیں۔ مگر مؤلف موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کتبہ یا سند میں درج شدہ مضمون مبالغہ پر مبنی ہے کیونکہ پال خاندان کی حدود سلطنت اپنے انتہائی عروج کے وقت بھی خلیج بنگال سے مشرقی پنجاب تک اندازہ کی جاتی ہیں اور صرف شمالی ہند میں۔ اور یہ کہ ہندوؤں کے پاس اپنی کوئی تاریخ

موجود نہیں ہے۔ بہرحال یہ ایک سوال ہے جس پر زمانہ مابعد کے محققین روشنی ڈالیں گے۔"

ہمیں یہاں صرف اتنا بتانا کافی ہے کہ مؤلف تاریخ کمبوہان کے اس بیان پر کسی مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ "محققین کے ناطق فیصلے موجود ہیں جن میں انہوں نے صاف طور سے لکھا ہے کہ پال خاندان کی حکومت کسی زمانے میں بھی مشرقی پنجاب کی حد سے آگے نہیں بڑھی" جب یہ بات یقینی طور سے معلوم ہو چکی ہے کہ پال خاندان کی حکومت کو کبھی افغانستان کے کسی علاقے اور قبیلہ سے سابقہ نہیں پڑا اور کمبوجوں سے انہیں واسطہ رہا ہے تو اس سے خوب طرح ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کمبوج وہ تھے جو تبت یا کمبوجا کے رہنے والے تھے اور جن کے ملک کی تمام مشرقی سرحد پال خاندان کی سلطنت سے ملی ہوئی تھی۔" اگر مؤلف موصوف لالہ صاحب کی تحریر پر غایر نظر ڈالتے اور عقل و فراست سے کام لیتے تو کبھی ایسی آرا پیش نہ کرتے جو اس موقع پر انہوں نے پیش کی ہیں۔

لالہ لاجپت رائے کی تحریر کا ایک تصدیقی بیان

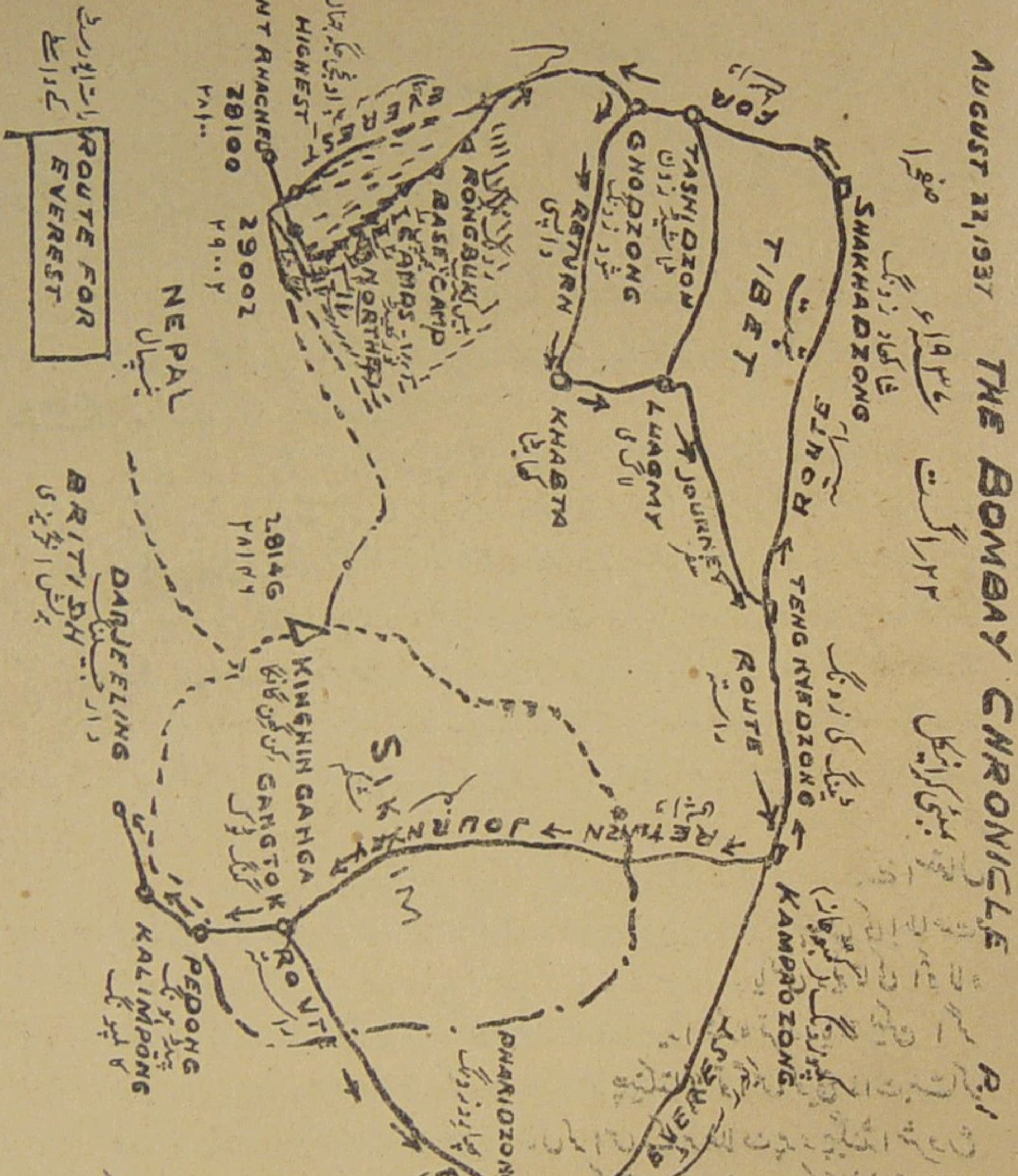
کمبوجا راجہ | پال خاندان (سنہ ۷۳۰ء سے سنہ ۷۴۰ء) تک کے درمیان بنگالہ میں گوپال نامی ایک ذی اقتدار شخص کو اپنا سردار مانا۔ گوپال بودھ دھرم کے ساتھ غلو رکھتا تھا۔ کچھ مدت بعد اس نے مگدھ پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ اس خاندان نے سنہ ۱۱۹۷ء تک حکومت کی جبکہ محمد بختیار خلجی نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی حکومت کے زمانے میں پہاڑی علاقوں کے باشندوں نے خودسر ہو کر اپنی قوم کے ایک سردار کو راجہ بنایا جو کمبوجہ راجہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی حکومت کا پتہ دیناج پور میں پتھر کے پایہ پر ایک کتبہ سے دریافت ہوا ہے۔ "پال خاندان کے نویں راجہ "مہی پال"[1] نے کمبوجہ کی حکومت کا خاتمہ کیا۔"

(تاریخ مگدھ یعنی صوبہ بہار کی مکمل تاریخ شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی سنہ ۱۹۴۲ء)

اس بات کو بخوبی ثابت کر چکنے کے بعد کہ مؤلف تاریخ کمبوہان کے ان تمام بیانات میں جو انہوں نے شہنشاہ کابہچا کی اولاد اور اس کے افغانستان میں آنے اور حکومت کرنے کے متعلق کئے ہیں وہ صداقت سے کوسوں دور ہیں اور ان میں ذرہ برابر بھی اصلیت نہیں ہے اور تبت ہی کا قدیم نام کمبوجا تھا۔ جہاں کے رہنے والے کمبوج کہلاتے تھے۔" کیونکہ ان کے ملک کی سرحد ہندوستان سے ملی ہوئی تھی۔ اس لئے کبھی تو وہ ہندوستان کی اقوام کی لڑائیوں میں کسی ایک فریق کے طرفدار ہو کر حصہ لیتے تھے اور کبھی ہندوستان کی پڑوسی سلطنت سے ان کی لڑائی بھی ہو جاتی تھی۔" اب ہم ایک نقشہ اور پیش کرتے ہیں جس سے لالہ لاجپت رائے کے بیان کی مزید تصدیق ہوتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ جس کمبوج راجہ نے بنگال کے پال راجہ کی سلطنت پر حملہ کیا تھا وہ تبت یا کمبوجا کے کس مقام سے کیا تھا۔"

(نوٹ ۱) مہی پال (اول) جو پال خاندان کا نواں حکمران تھا بڑا مشہور راجہ ہوا۔ سنہ ۹۸۰ء تا سنہ ۱۰۳۰ء تخمیناً اس کا زمانہ حکمرانی ہے۔ اس کے کتبوں میں سارناتھ (یا سرناتھ) قریب بنارس کا کتبہ سنہ ۱۰۸۳ سمبت بکرمی اور اس کے سنہ ۴۸ جلوس کا کتبہ مقام باگھورہ (کمیلا ضلع پٹرہ) میں اور دو پیتل کی مورتیوں پر سنہ جلوس کے کتبے ضلع مظفرپور (بہار) میں پائے گئے ہیں (ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۱۴) از تاریخ مگدھ (یعنی صوبہ بہار کی مکمل تاریخ) مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی۔ ریونیو افسر و مجسٹریٹ ریاست سرائے کیلا (اڑیسہ) شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سنہ ۱۹۴۲ء)

(نوٹ ۲) راجہ ہرشہ (یا ہرش) کے لاولد مرنے پر اس کا وزیر ارجن (اردن آسوہ) حکومت پر قابض ہو گیا۔ اسی زمانہ میں بودھ دھرم کی اشاعت کے سلسلے میں شہنشاہ چین کی طرف سے دوسرا وفد ہندوستان پہنچا۔ ارجن نے ان کو مخالف سمجھ کر قتل کرایا اور ان کا سارا مال لوٹ لیا۔ جب شہنشاہ چین کے وفد کی تباہی کا حال نیپال اور تبت میں معلوم ہوا تو تبت کا راجہ سرونگ لسٹان گمپو (شہر لہاسہ دتبت کا دارالسلطنت) اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اسی نے ہندوستان سے برہمنوں کو بلوا کر تبت کی زبان کے حروف تہجی تدوین کرائے۔ از ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۱) جس نے شاہ چین کی لڑکی سے شادی کی تھی چینیوں کا مددگار بن گیا۔ اور اپنے پاس کے بارہ سو منتخب سپاہیوں کے علاوہ نیپال کے راجا نے جو اس کا ماتحت تھا۔ سات ہزار فوج لیکر ان کے ساتھ کی



(بقیہ نوٹ ۲ صفحہ ۱۰۴) اس فوج کی معیت میں وینگ ہیوئن تسی نے کوہ ہمالیہ سے اتر کر ترہت کا محاصرہ کیا اور تین دن تک تمام علاقوں میں غارت گری کی۔ ارجن کے تین ہزار سپاہی قتل اور دس ہزار کے قریب ندیوں میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ ارجن نے دوسری (صفحہ ۸۳) فوج جمع کر کے پھر مقابلہ کیا مگر پھر شکست نصیب ہوئی ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ اور یہ خود بھی اپنے تمام اہل و عیال اور بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ گرفتار ہوگیا۔ اور تیس ہزار گھوڑے۔ اور مویشیوں کے علاوہ ارجن کے پانسو اسی قصبے بھی نیپالیوں کے قبضے میں آگئے۔ کامروپ (آسام) کا راجہ کمار بھی نیپالیوں کا طرف دار ہوگیا تھا اس فتح کے بعد وینگ ہیوئن تسی ارجن کو زنجیروں میں جکڑ کر چین لے گیا اور اس کے صلے میں انعام حاصل کئے۔ بعد کو جب سنہ ۶۵۰ء کے قریب شاہ چین تائی سونگ (TAI SONG) مرا تو اس کے مقبرے کے دروازے پر تبت کے راجا سرونگ زیاسر دن (لشان گپو) اور راجا ارجن کی تصویریں منقش کی گئیں (ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۶۶ و ۳۸۱) اور تحریر کرنل ویڈل مندرجہ پرچہ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو بابت جنوری سنہ ۱۹۱۱ء) ترہت کے علاقے سنہ ۷۰۳ء کے قریب تک تبت کی حکومت میں رہے۔

باب چہاردہم [۱۴]

کمبو اور کمبوج اقوام میں التباس ۔ برہمن پیشواؤں کی ناراضگی اور قوم کمبوہ کے چھتری ہونے کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان کی دلیلیں

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبوؤں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے سبب برہمن پیشوا ناراض ہو گئے" کی سرخی دے کر صفحہ ۱۲۵ تا ۱۳۱ پر "یہ بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ"

"جب تک "کمبو قوم" برہمن مذہب کی پابند رہی" اور برہمنوں کی سوشل (تمدنی) طور پر غلام رہی" بدھ مذہب کی پابند نہ ہوئی۔ اور کہ ہندوستان پر حملہ آور نہ ہوئی" وہ "چھتری" تسلیم کی جاتی رہی" جنگ بسوامتر میں۔ اس نے برہمنوں کی امداد کی۔ تو اس کے افراد "کمبوج قوم کے مردان کارزار کہلائے" "جنگ مہابھارت میں شامل ہوئے تو میدان جنگ میں سب سے آگے کھڑے کئے گئے۔ اور چھتریوں کے لیڈر بنائے گئے۔ لیکن جوں ہی اس نے "بدھ دھرم" اختیار کیا۔ اور ہندوستان پر حملہ کیا" ان تمام صفات سے عاری قرار دیئے گئے" اور ان کی خوبیوں اور قابلیتوں پر۔ اعتراض وارد ہونے شروع ہو گئے"........

برہمنوں کی تدابیر اور سختیوں کی۔ جسے وہ اپنے اقتدار کی بحالی کے لئے استعمال کرتے تھے" حالت یہ تھی کہ "اگر کسی مجہول النسب حکمران نے" برہمنوں کی اطاعت و تابعداری کا اظہار کیا۔ تو اس نے انہیں "چاند" "سورج" یا کسی دیوتا کی اولاد بنا دیا" یا اُن کے بزرگوں کو "اگنی دیوتا" سے پیدا شدہ قرار دیا" لیکن اگر کوئی راجہ ان کی اطاعت کا جوا۔ گردن سے اتار پھینکتا" تو اُس کو نیچ ذات بتا کر اور اس کی ذات و صفات میں کیڑے نکال کر اس کے برخلاف پروپیگنڈا شروع کر دیتے" اور عوام الناس کے دلوں میں اس کی نفرت کا بیج بونے کی کوشش کرتے...

برہمنوں نے جو فتویٰ "کمبوؤں" پر صادر کیا۔ وہ اُن کے بڑے لیڈر "منوجی مہاراج" کے لفظوں میں حسب ذیل ہے" منوجی مہاراج" دھرم شاستر" (منوسمرتی) میں تحریر فرماتے ہیں کہ" مندرجہ ذیل چھتریوں کے افعال۔ رفتہ رفتہ "شاستر" سے نامطابق ہوتے گئے۔ اور وہ اپنے کرم کو چھوڑ کر۔ برہمنوں سے۔ رُو گردان ہو گئے۔ اس لئے جہالت تک پہنچ گئے" (۱) پونڈرک" (۲) اوڈر" (۳) دراوڑ" (۴) کمبوج" (۵) یون" (۶) شک" (۷) پارد" (۸) پہلو" (۹) چین" (۱۰) کرات" (۱۱) دردے" (۱۲) کھش"

اِس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ "منوجی مہاراج" کمبوؤں کو "چھتری تو

تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کی رائے میں چونکہ وہ اپنے کرم دھرم (یعنی برہمنوں کی مطابعت) سے رُوگردان - اور مُرتد ہو گئے ہیں - اس لئے وہ برہمنی مذہب کے مطابق - اور برہمنوں کی رائے میں اپنی سوشل پوزیشن اور درجۂ تمدن سے گر گئے ہیں - اور چھتری پن سے خارج ہو گئے ہیں ......

ہندوستان پر بیرونی اقوام ساکا - پارتھی - یُوچی - اور ہُن نے بڑی تباہی پھیلائی تھی - یہ قومیں یہاں سے چلی نہیں گئیں بلکہ زمانہ گذرنے پر - رفتہ رفتہ ہندو مت کے دائرے میں شامل ہو گئیں - جبکہ برہمن مت نے نئے سرے سے تقویت حاصل کر لی - اسی دوران میں کشتریوں کی قوم زوال پر تھی - اس لئے برہمنوں نے ان بیرونی اقوام کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی - قوم گوجر بھی قوم ہُن کے ساتھ ہندوستان آئی - اور بعد میں قوم راجپوت کا ایک حصہ بن گئی - ذات پات کے جھگڑے کو مٹانے کے لئے انہوں نے یہ ترکیب سوچی کہ ان غیر ملکی راجاؤں کا رشتہ ان چندربنسی خاندانوں سے جا جوڑا - جن کا ذکر ہندوؤں کی مذہبی داستانوں میں آتا ہے - چنانچہ یہ راجپوت یعنی راجاؤں کے بیٹے کہلانے لگے -

اسی طرح قوم کمبوہ بھی جب پھر سے برہمنی مذہب میں شامل ہو گئی - تو برہمنوں اور پروہتوں نے ان کو پھر سے چھتریوں میں شامل کر لیا - چنانچہ اس وقت تمام تیرتھوں مثل ہردوار - کورو چھتر - بنارس - وغیرہ پر کمبوؤں کے ساتھ چھتریوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے - یعنی

(۱) ہندو کمبوؤں سے برہمن شادی کی تقریب پر جنیؤ (زنار) و تلک کا لاگ وصول کرتے ہیں -

(۲) ہندو کمبوؤں کو برہمن جنیؤ پہناتے ہیں - اور اس موقع پر رسوم چھتریوں کی مانند ادا کرتے ہیں -

(۳) سنکلپ کے وقت تیرتھوں میں ہندوؤں کے ہر چار ورنوں کے لئے برہمنوں نے چار لفظ مقرر کر رکھے ہیں -

(الف) برہمن کے لئے شرما -

(ب) چھتری کے لئے ورما -

(ج) ویش کے لئے گپتا -

(د) اور شودر کے لئے داس -

چنانچہ کمبوؤں کے لئے اس موقع پر لفظ ورما ہم اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے - جس طرح باقی چھتریوں کے لئے (سفینۂ ماہری)

غرضکہ ظاہر ہے کہ کمبوہ آریہ چھتری نسل سے ہیں - اور اب تک ان کو ایسا ہی تصور کیا جاتا ہے - اس زمانہ قدیم کا فتولی دھرمے کا دہرانا ہی رہ گیا ہے - اور اس کی کوئی وقعت نہیں رہی -

مؤلف تاریخ کمبوہان کی بار بار کمبوج قوم کے ذکر میں اپنی قوم کمبو کا نام لکھتے رہنے کی علت غائی

مؤلف تاریخ کمبوہان کی یہاں دی ہوئی یہ سُرخی کہ "کمبوؤں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے سبب برہمن پیشوا ناراض ہو گئے" اور ان کا یہ بیان کہ جب تک "کمبو قوم" برہمنی مذہب کی پابند رہی "اور برہمنوں کی سوشل (تمدنی) طور پر پابند رہی" بدھ مذہب کی پابند نہ ہوئی" اور کہ ہندوستان پر حملہ آور نہ ہوئی" وہ چھتری تسلیم کی جاتی رہی" اُن کا یہ بیان بھی اس اَمر پر مبنی ہے کہ ناظرین قوم کمبو اور قوم کمبوج کو ایک سمجھنے کے دھوکے میں آ جائیں۔ قوم کمبو کا کوئی کارنامہ تاریخوں میں لکھا ہوا نہیں ہے۔ البتہ کمبوج قوم کا ذکر مختلف واقعات میں ضرور تحریر ہے" جیسا کہ مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ۔

"جنگ بسوامتر میں اس نے" برہمنوں کی امداد کی۔ تو اُس کے افراد "کمبوج قوم کے مردانِ کارزار کہلائے" جنگ مہابھارت میں کھڑے ہوئے۔ تو میدانِ جنگ میں سب سے آگے کھڑے کئے گئے" اور چھتریوں کے لیڈر بنائے گئے"

مگر اس بیان میں بھی وہ کمبوج قوم کے سوا "کمبو قوم" کا کوئی کارنامہ بلکہ نام تک نہیں دکھا سکے ہیں" مزید برآں انہوں نے برہمنوں پر سب وشتم کر کے "منوجی مہاراج" کی "منوسمرتی" سے لے کر اُن کا جو یہ فتویٰ پیش کیا ہے کہ۔

"مندرجہ ذیل چھتریوں کے افعال۔ رفتہ رفتہ "شاستر" سے نامطابق ہوتے گئے اور وہ اپنے کرم کو چھوڑ کر" برہمنوں سے رُو گردان ہو گئے۔ اس لئے جہالت تک پہنچ گئے"

اور ان برگشتہ اقوام کی یہ فہرست دی ہے کہ۔

(۱) پونڈر (۲) اُوڈر (۳) دراوڑ (۴) کمبوج (۵) یَون (۶) شک (۷) پارو (۸) پلہو (۹) چین (۱۰) کرات (۱۱) درو (۱۲) کھش"

اس میں بھی "کمبو قوم" کا نام تحریر نہیں ہے" یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ "جب کسی کتاب میں "کمبو قوم" کا ذکر تحریر نہیں ہے" اور جہاں لکھا ہے "کمبوج" ہی لکھا ہے" تو اس کی کیا وجہ ہے کہ "مؤلف تاریخ کمبوہان" لفظ کمبوج میں تحریف کر کے اُسے "کمبو" لکھ رہے ہیں"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی منوسمرتی سے پیش کردہ بارہ ۱۲ اقوام کی فہرست میں سے کسی قوم کے بھی آریہ نسل سے نہ ہونے کے شواھد

ہم راجپوتوں کی بحث میں اُوپر بتا آئے ہیں کہ لفظ چھتری کا اطلاق ہر جنگ جو قوم پر کیا جاتا تھا۔ اُس کے معنی "آریہ نسل" کے کسی مخصوص طبقہ کے ہرگز نہیں ہیں" چنانچہ منو مہاراج" نے جن بارہ ۱۲ اقوام کی فہرست دی ہے" اُس میں تمام قومیں وہ ہیں۔ جو "آریہ نسل" سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں"

(۱) پچھلے بیان میں ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ "کمبوج قوم" ملک کمبوجا" یعنی تبت کی رہنے والی اور منگولی نسل سے تھی" (۲) دراوڑ قوم کے متعلق "تاریخ ہند جلد اوّل مطبوعہ جامع عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن میں تحریر ہے کہ "ہندوستان کے اصلی باشندے" دراوڑیوں" کے آنے سے پہلے" تمام ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے" جب دراوڑی آئے تو یہ مغلوب ہو گئے اور ملک کے دُور دراز گوشوں میں چھپ گئے" ہندوستان کے سرسبز میدانوں اور وادیوں کو چھوڑ کر" جنگلوں اور پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی" اور اب وہیں اُن کی منتشر آبادیاں پائی جاتی ہیں"

"دراوڑ" آریاؤں کے آنے سے تقریباً چار ہزار برس پہلے" سارے ہندوستان" پر چھائے ہوئے تھے۔ اُن

ہیں بہت بڑا تمدن تھا۔ یہ لوگ کہیں باہر سے آئے تھے۔" جب "آریہ" "ہندوستان" میں آئے تو اُن کے سامنے "دراوڑی" مغلوب ہو گئے۔ اور پیچھے ہٹتے ہٹتے بالآخر انہوں نے شمال چھوڑ دیا۔ اور جنوبی ہند میں آباد ہو گئے۔ اِس وقت سارا دکن انہیں سے آباد ہے بقول پروفیسر سندرام پلّے یہ لوگ آریاؤں کی آمد سے پہلے کی زبانیں بولتے ہیں۔" اور آریاؤں سے پہلے کے رسم و رواج رکھتے ہیں "دراوڑی قوم" کب اور کہاں سے "ہندوستان" میں آئی تھی۔ یہ سوال پیچیدہ ہے اور وقت کا تعین بھی دشوار ہے۔" خود آریوں تک کی تاریخ جو اُن کے بہت بعد آئے۔ بہ قید سنہ نہیں بتائی جا سکتی۔" "وادیٔ سندھ" اور "وادیٔ راول" میں جو شہر "منجھو دارو" اور "ہڑپا" کے نام سے زمین سے برآمد ہوئے ہیں" اُن میں سے برآمد شدہ اشیاء سے اِس زمانہ کے تمدن کا پتہ چلتا ہے۔ عراق کی کھدائیوں میں اور چیزوں کے علاوہ پانچ مہریں بھی نکلی ہیں جو اپنی ساخت اور کندن میں "وادیٔ سندھ" کی مہروں کی طرح ہیں۔" اس لئے ان مہروں کی یکسانیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "وادیٔ سندھ" اور "عراق" وغیرہ میں واسطہ تھا۔ تجارتی تعلقات تھے" اور یہ دونوں تمدن بڑی حد تک ہمعصر تھے۔" یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "وادیٔ سندھ" کا تمدن سنہ ۲۸۰۰ ق م سے پہلے ہونا چاہیے۔" ممکن ہے "دراوڑی قوم" جس نے یہ تمدن پیدا کیا تھا۔ اس سے ایک ہزار سال پہلے "ہندوستان" میں آئی ہو۔ کیونکہ صرف "شہر منجھو دارو" کی بعض اشیاء سنہ ۳۲۵۰ ق م تک مارشل کی کتاب جلد اوّل کے صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۴ و ۱۰۶ کی تحریر کے مطابق پہنچ جاتی ہیں۔" "بلوچستان" میں جو قبیلہ "بروہی" کے نام سے آباد ہے وہ اپنی زبان کے اعتبار سے تو صاف دراوڑی معلوم ہوتا ہے" لیکن بدن کی ساخت میں دراوڑی نہیں معلوم ہوتا" بلکہ وسط ایشیا کی قومی درآمد سے مخلوط النسل ہو کر بہت کچھ ایرانی قالب میں ڈھل گیا ہے۔" "منجھو دارو" اور "ہڑپا" کی کھدائیوں میں مُردوں کے ڈھانچے بھی نکلے ہیں۔" ان کی کھوپریوں اور ہڈیوں کی چھان بین کی گئی۔" اُن میں کئی قسم کی کھوپریاں "مختلف قوموں کی نشان دہی کرتی ہیں۔" قیاس ہوتا ہے کہ "ایک نسل تو مقامی ہوگی۔ اور باقی باہر کی درآمد ہوگی" ان شہروں میں باہر کے تاجر اور مسافر بھی آیا کرتے تھے۔" اِس وقت "سندھ اور پنجاب" کی آبادی میں "مختلف عناصر موجود ہیں" یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ دراوڑ اور سمیری ایک ہیں۔ مارشل جلد اوّل کے صفحہ ۱۱۰ پر ہے کہ غالباً دراوڑ "بحر متوسط والی قوم سے تعلق رکھتے ہیں" کیونکہ "منجھو داڑو" میں جو ڈھانچے نکلے ہیں اُن میں سے اکثر میں "بحر متوسط والی" قومی خصوصیات پائی جاتی ہیں" بلاشبہ

(نوٹ ۱) "وادیٔ سندھ کی تہذیب" کی سرخی کے تحت "معارف اعظم گڑھ" نمبر ۵۔ جلد ۳۳ کے صفحہ ۳۸۱ تا ۳۸۳ پر "از پروفیسر ایچ جی والنسن" در رسالہ "آرین پاتھ" بابت فروری سنہ ۱۹۳۲ء ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں ہے کہ "پروفیسر ایس وی ونکٹیسوا" نے رسالہ "آرین پاتھ" جنوری سنہ ۱۹۳۲ء کے ایک فاضلانہ مقالہ میں "موہنجو دارو" اور "ہڑپا" کے عجیب و غریب آثار قدیمہ کے حالات بیان کئے تھے۔ جن سے قدیم تاریخ ہند سے متعلق ہمارے خیالات میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ ان انکشافات کی اہمیت پر کسی قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ غور کیا جائے۔" میرا خیال ہے کہ اس سے دو نتیجے ایسے پیدا ہوتے ہیں جن میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں (۱) ایک یہ کہ وادیٔ سندھ کے باشندے "عراق عرب" (میسوپوٹامیا) سے ترک وطن کر کے سنہ ۳۰۰۰ قبل مسیح کے قریب "درۂ بولان" کی راہ سے سندھ آئے تھے۔ اور اپنے ساتھ اپنے اصلی وطن کی سامیرین تہذیب بھی لیتے آئے تھے" جسے بعد میں انہوں نے اپنے طریقہ پر ترقی دیدی"

(۲) دوسرے یہ کہ وہ ہی لوگ "داس یا داسیو" تھے۔ وہ سنگ کی پوجا کرتے تھے اور فصیل دار شہروں میں رہتے تھے۔ جب خانہ بدوش آرین لوگ سات دریاؤں کے ملک میں داخل ہوئے تو وہ اُن سے لڑے اور اُن پر غالب آئے۔

(۳) ایک تیسرا نتیجہ یہ کہ وہ لوگ قوم دراوڑ کے مورث یا اعزا بھی تھے۔ اگرچہ راقم سطور کے نزدیک بہت زیادہ قرین قیاس ہے" تاہم ابھی صرف ایک مفروضہ ہے"

وراوڑ قوم مغرب سے ہندوستان میں آئی تھی۔ اگرچہ وہ اب جنوبی ہند میں سکڑی ہوئی ہے۔ وراوڑ ہندوستان میں آئے تھے تو شمال کے بڑے حصہ پر قابض تھے۔ یہ لوگ تمام جزیرہ نمائے ہند میں پھیلے ہوئے تھے۔ جس میں "پنجاب" "سندھ" اور "بلوچستان" کو بھی شامل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ تمام جزیرہ نما کی زبان اور نسلیں ان سے متاثر ہیں۔ ان کے آنے سے ہندوستان کے اصلی باشندے "جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ گزین ہو گئے" جہاں اب وہ آباد ہیں۔ لیکن ان میں اختلاط ضرور ہوا۔ ہندوستان میں "آریا قوم" نے داخل ہو کر اور وراوڑیوں کو ہٹا کر اپنے قدم جمائے۔ جدید تحقیقات کے مطابق آریوں کا اپنے جنم بھوم

(بقیہ نوٹ از صـ۱۱۱) لیکن ہمارے لئے اس وقت جو چیز حقیقۃً سب سے زیادہ دلچسپ ہے وہ آرین لوگوں کا "اپنے قدیم پیشروؤں کا مرہونِ منت ہونا ہے" قدیم تہذیب (کلچر) کے باب میں سامی آرین کارناموں کو نہایت مبالغہ آمیز اہمیت دینا ایک دستور ہو گیا ہے۔ اور اس خیال کو حال میں "ہٹلر" نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہ دعویٰ "نٹشے" کے وقت سے چلا آتا ہے جو ساحل بالٹک کے خوبصورت وحشی کی منقبت سرائی سے کبھی تھکتا ہی نہ تھا۔ دوسرے لوگوں نے بھی مذہبی جوش کے ساتھ "ویدک سنسکرت کا" قدیم ترین زبان ہونا بیان کیا ہے۔ اور اس کو بالکل بھول گئے ہیں کہ "قدیم مصری" یا "سمیرین" زبان کے مقابلہ میں ویدا ایک حال کی چیز ہے۔

ہم میں سے بہتیرے لوگ ماہرین السنہ اور ماہرین انسانیات کے تنبیہ کے باوجود اب تک آرین کو ایک نسل ہی کہتے جا رہے ہیں۔ گویا وہ تمام قومیں جو آرین زبان بولتی ہیں ایک ہی خاندانِ اقوام کی رکن تھیں۔ حالانکہ نسلی حیثیت سے مغربی یورپ کی "قوم سلٹ" اور ان آریوں میں کوئی تعلق نہیں جو تین ہزار سال قبل مسیح میں "سیستان اور پنجاب" میں وارد ہوئے تھے۔ اسی طرح آج کے ہندو اپنے آپ کو "آریہ" کہنے کے شایق ہیں۔ حالانکہ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ "راجپوت اصلاً گوجر ہیں" مرہٹہ ایک مخلوط نسل ہے "دراویڈین" "سیتھین" اور وطنی عناصر کی اور بنگالی بڑی حد تک منگول نسل کے ہیں۔ جو آرین خون ابتداً ہندوستان میں آیا تھا وہ اب سے صدیوں قبل ان بے شمار حملہ آور جماعتوں میں مل کر جذب ہو گیا جو بعد میں آئی تھیں۔

آرین لوگ اس متمدن دنیا میں دیر میں پہنچے۔ جو عہد معدنیات میں بحر روم کے ساحلوں سے لیکر "نیل" "دجلہ و فرات" اور "دریائے سندھ" کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ "آرین زبان بولنے والی قومیں خانہ بدوش اور قدیم قومیں تھیں" وہ اپنی جانشین "گاتھ" اور "ہن" قوموں کی طرح جو تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں نمودار ہوئیں۔ جلد اپنے مقابل کی پُر تعیش اور روبہ تنزل تہذیب پر غالب آ گئیں۔ لیکن بالآخر انہوں نے خود ہی قیام اختیار کر لیا۔ اپنی جہان گشتی کو چھوڑ بیٹھے۔ مقامی قوموں سے ازدواجی تعلقات قائم کر لئے اور جن لوگوں کو شکست دی تھی انہیں کی تہذیب اختیار کر لی۔ تقریباً ہر بار ایسا ہی ہوا۔ وادی سندھ میں آرین حملہ آوروں نے "موہنجو داڑو اور ہڑپا کے صلح پسند" اور دستکار باشندوں کو مسلسل لڑائیوں کے بعد جن کی آواز بازگشت۔ وید کے گیتوں میں اب تک محفوظ ہے نکال باہر کیا۔ "یونان" میں "ہیلینی" خاص یونانی نسل کے لوگ "نے" "مینوائین یا ئی سی مین" تہذیب کو شکست دینے کے بعد اسے خود ہی اختیار کر لیا۔ "اٹلی" میں اہل "ایطالیہ" نے بھی وہاں کے قدیم باشندوں "ایٹرسکنس" کے ساتھ یہی کیا۔ "یونان کی شان و شوکت اور روما کی عظمت" سامی بنیادوں پر قائم کی گئی تھی۔ "بحر روم" کی بڑی بڑی سلطنتیں اس وقت بھی صدیوں سے قائم چلی آ رہی تھیں۔ جبکہ آرین قومیں ہنوز عالم وحشت میں تھیں۔ اور بحر بالٹک کے ساحلوں پر کوڑیاں چنا کرتیں تھیں۔

دنیا کے تین بڑے مذاہب "یہودیت" "عیسائیت" اور "اسلام" "سامی الاصل" ہیں۔ موہنجو داڑو کے انکشافات سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ "سامی عنصر" کہیں ہندو مذہب کا بھی اہم ترین جزو تو نہیں ہے۔ "شیو مہادیو" ہندو بت کدہ کا سب سے بڑا خدا ہے۔ "مدت" سے یہ رائے قائم ہے کہ "شیو مہادیو" اور وید کے خدا "رودرا" کے ایک ہی شخص ہونے کا نظریہ قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کی پرستش خاص طور پر اسی حصۂ ہند میں کثرت سے ہوتی ہے۔ جہاں قوم دراوڑ کی آبادی ہے۔

آسٹریا ہنگری کے میدانوں سے نکلنے کا زمانہ قریباً ۲۰۰۰ ق م قرار دیا گیا ہے" جہاں سے نکل کر اور دو میدان میں ٹھہرتے ہوئے رفتہ رفتہ چل کر پھر وہ ہندوستان میں داخل ہو گئے"

(۳) یون قوم سے مراد "یونانی النسل قوم ہے" اسے بھی "آریا نسل سے" کوئی تعلق نہیں ہے"

(۴) شک قوم سے مراد "سک سکزی" یا ساکیہ "قوم ہے" جو ترکی النسل ہے" اسی کتاب میں صـ۵۰ و ۵۱ پر ہم اس قوم کا حال مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اول مؤلفہ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی سے لے کر تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ اُسے دوبارہ دیکھ لینا چاہئے"

ترکستانی قوموں کو یورپین مؤرخین "سیتھین اقوام" کہتے ہیں۔ ان میں ایک قوم "یوچی" بیان کی گئی ہے" جو چین سے آکر "دریائے سیحون" کے کنارے آباد ہو گئی تھی" اور اسی قوم نے "سک قوم" کو وہاں سے بیدخل کیا تھا" اس یوچی قوم کی ایک شاخ کا نام "کش یا کشن یا کشان" تھا۔ اس قوم نے سو یا سوا سو سال قبل مسیح میں "بلخ و کشمیر پر قبضہ کر کے اپنی زبردست حکومت قایم کر لی تھی۔ اس کشان سلطنت کا سب سے مشہور فرمانروا "کنشک" تھا جو "کشمیر و بلخ" کے علاوہ نصف شمالی ہندوستان یعنی پنجاب و سندھ و راجپوتانہ وغیرہ پر بھی فرمانروا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں کنشک کا وہی مرتبہ ہے جو "مہاراجہ اشوک" کو بدھ مذہب کا خادم ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے "کنشک" کا دارالسلطنت پشاور تھا" مغربی پنجاب و جموں" کے گروہ "گکھڑ" اور دوسرے قبایل" جو پشاور کے متصلہ علاقوں میں پائے جاتے ہیں اپنے قد و قامت اور چہرے مہرے سے اپنے "ترکستانی اور سیتھین" ہونے کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ اسی خاندان کشان کی حکومت و سلطنت کا ایک نشان ہیں۔ مسعودی نے بھی ترکوں کی ایک قوم کا نام "کشک" لکھا ہے جو یقیناً یہی کش یا کشان۔ قوم ہے۔ شاہنامہ فردوسی میں اسی قوم کے ایک بہادر سردار" اشکبوس" اور "رستم" کی معرکہ آرائی کا حال نہایت خوبی سے قلمبند کیا ہے" اس قوم کا دوسرا سردار" کاموس" کشانی" تھا جو "گیو" اور "طوس" سے لڑا تھا" سمرقند کے قریب "شہر کش" کے نام سے ایک بستی ہے جس کو "شہر سبز" کہتے ہیں جو امیر تیمور کی جائے پیدائش ہے" اس قوم کشان کے نام سے موسوم کیا گیا معلوم ہوتا ہے"

(۵) پلہو قوم کے حالات "مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اول مؤلفہ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اور جگ بیتی حصہ اول تصنیف پنڈت جواہر لال نہرو سے لے کر ہم نے اس کتاب کے صـ۶۸ تا ۷۲ پر تفصیل سے لکھے ہیں یہ قوم عربی النسل اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہے"

(۶) اوڈ ریہ وہ قوم ہے جو دکن میں بتعداد کثیر آباد ہے "گونڈ" "بھیل" وغیرہ اقوام کی طرح "وڈر" ہندوستان کی قدیم قوم ہے" جری ہے۔ ڈاکہ زنی اور چوری کرنے میں ممتاز ہے" اس لئے پولیس کی نگرانی اس پر قایم ہے۔ ظاہری پیشہ اس کا تعمیرات کے لئے پہاڑوں کے پتھر توڑنے کا ہے" سوائے اس قوم کے دوسری کوئی قوم اس محنت طلب کام کو نہیں کرتی ہے"

(۷) کرات قوم کا اصلی نام "قرایت" ہے۔ جو ترکی نسل ہے" کتاب چنگیز خاں" مصنفہ ہیرلڈ لیمب" مترجمہ محمد عنایت اللہ صاحب سابق ناظم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ کے صـ۱۵ پر تحریر ہے کہ "تموچن" (چنگیز خاں کا اصلی نام) کو یہ بھی معلوم تھا کہ "قوم قرایت" کا سردار "طغرل خاں" اُس کے باپ کا بھائی بنا ہوا تھا۔ اور صـ۲۶ پر ہے کہ "دوسری بات جس سے وہ (یعنی چنگیز خاں) بچتا رہا یہ تھی کہ کسی طرح ترکی قوم قرایت کے سردار "طغرل خاں" سے جو بڈھا آدمی تھا" مدد طلب کرنے کی نوبت نہ آئے" اور صـ۳۹ کے حاشیہ پر مصنف کا نوٹ ہے کہ "قرایت" نے جب "مکریت" منگولی یا ترکی قبیلہ) کے قبضہ سے "بورتہ" (چنگیز خاں کی بیوی) کو رہا کیا تو وہ اُسے اپنے بادشاہ "طغرل" کے پاس لے گئے"

طغرل نے "تموچن" کے تعلقات کی وجہ سے اُسے اپنی بہو کے برابر سمجھا۔ "جوجی" تموچن کا پہلا لڑکا "طغرل" ہی کے محل میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس بچے کا نام "جوجی" یعنی مہمان نورسیدہ اسی وجہ سے رکھا گیا کہ "بورتہ" اس زمانے میں "طغرل" کے یہاں مہمان تھی۔ اور صفحہ ۵۹۵ پر لکھا ہے کہ "تاتار و مغل" "کریت و قرایت" "نایمان و ایغور" ان سب کا شمار خانہ بدوش قوموں میں تھا۔ اور ان کی آپس کی لڑائیاں "دیوار چین" سے لے کر وسط ایشیا کے پہاڑوں تک "صحراؤں" اور کوہستانوں میں کبھی بند اور کبھی جاری رہا کرتی تھیں۔ ...... ختا کی سرحد کے شمالی دروں سے جو سڑک مغرب کو گئی تھی اُس کے کنارے "قوم قرایت" کے شہر آباد تھے۔ اور اس قوم کو اس وقت یہ اقتدار حاصل تھا کہ وہ مختلف صحرائی قوموں میں توازنِ قوت قایم رکھنے کی اہل تھی۔ پس تموچن "حاکم قرایت" طغرل خاں (پریسٹر جون) کے دربار میں حاضر ہوا کہ اُس سے باغراضِ حکومت اتحاد پیدا کرے۔ ...... تموچن کو اس بات کی درخواست کا حق حاصل تھا کہ "بڈھا طغرل" اُس کو اپنا بیٹا بنائے "تموچن" کی رائے سے اتفاق کر کے "طغرل" نے اتحاد کا عہد و پیمان کرلیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ طغرل کا اب بڑھاپا تھا۔ اور وہ "مغلوں کے اس نوجوان خان" "تموچن" کو پسند بھی بہت کرتا تھا۔

نقشہ — قوم کرات یا قرایت کا اَصلی وطن



(۸) وَجّین قوم کے متعلق "تاریخ ہند جلد اوّل مؤلفہ سیّد ہاشمی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن میں تحریر ہے کہ "وَجّین قوم کے لوگ" موجودہ صوبجات متحدہ کے "شمالی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کے سب سے قوی اور مشہور جتھے "لچھوی یا لکھوی" اور "والبانی" کہلاتے تھے" "لچھوی۔ اہل تبّت" کے منگولی خاندان سے ہیں" "ولنسنٹ اسمتھ" کے نزدیک" گمان غالب یہ ہے کہ "لچھوی قوم قبیلہ ساکی" (ساکیا) کا مشہور منی "گوتم بدھ" (جس کی ولادت ۵۶۶ ق م اور وفات ۴۸۶ ق م میں ہوئی) منگولی یعنی مغلیہ النسل کا آدمی تھا" (آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۷) ان کا سب سے بڑا مرکز "شہر ویسالی" تھا، جو موجودہ "ضلع منظفر پور" (بہار) میں "قصبہ بسارھ" کی جگہ آباد تھا" اُن کا دوسرا مستقر "متھلا ویسالی" کے کچھ اُوپر شمال مغرب میں آباد تھا" اور یہاں ودیہائی گروہ کے لوگوں نے ایک مستقل ریاست الگ بنالی تھی جسے "وَدیہا" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یہ لفظ بعد کی بھاشا میں "وِدِہ" رہ گیا۔ اس میں اور "اَوَدھ" میں جو مناسبت ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ بعض شہادتیں ہیں کہ گوتم بدھ کے وقت میں یہاں وسیع سلطنت تھی" کیا عجب ہے کہ انقلاب زمانہ سے اس سلطنت کا نام صرف ایک صوبہ "اَوَدھ" میں یادگار رہ گیا اس میں بالکل شک نہیں کہ جو علاقہ اب "اودھ" کہلاتا ہے۔ وہاں ان دنوں ایک علیحدہ سلطنت تھی جس کی سلطنت مگدھ" کے ساتھ کشمکش تھی" بعض مصنف "اودھ" کو "اجودھیا" کی بگڑی ہوئی شکل بتاتے ہیں"

(۹) پارَدو "پلہو قوم" کی ایک شاخ ہے جو "حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہے" ہم "پلہو قوم کے ذکر میں اُوپر بتا چکے ہیں کہ "صوبہ پارتھیا" کا دوسرا نام طبرستان ہے۔ آذربیجان پر بھی پارتھیہ کا اطلاق ہوتا ہے" اور "پارتی" کو پہلوی کا مترادف قرار دیا گیا ہے"

(۱۰) بونڈر قوم اب بیڈر قوم" کہلاتی ہے۔ مملکت آصفیہ میں یہ قوم کئی اضلاع میں آباد ہے۔ شوراپور جو ضلع گلبرگہ میں شامل ہے۔ وہاں اس قوم کی ریاست تھی۔ ۱۸۵۷ء میں راجہ کی بغاوت کی وجہ سے یہ ریاست ضبط ہوگئی یہ قوم ہندوستان کی قدیم اقوام میں سمجھی جاتی ہیں اور شودروں میں اس کا شمار ہے"

(۱۱) کھش یا کوش یا کشان ایک ہی قوم کے نام ہیں" جو "ترکی النسل یُوچی قوم کی ایک شاخ ہے۔ اس سلطنت اور اس کے بادشاہ کنشک کا تفصیلی حال اسی کتاب میں ہندوستان کی حملہ آور قوموں کے ضمن میں اور افغانستان وپشاور کے علاقوں میں اُن کی یادگاروں کے ذکر میں ص ۵۵ تا ۵۸ پر بیان کر چکے ہیں اور مختصراً شک یا سک سکزی قوم کے حال میں ابھی اُوپر ۲ میں بھی بتا آئے ہیں"

غرضکہ جیسے ہم نے ابھی دکھایا ہے" یہ تمام قومیں جن کا ذکر "منو مہاراج" نے اپنی شاستر میں کیا ہے۔ آریہ النسل سے قطعی کوئی تعلق نہیں رکھتیں" اور منو مہاراج کے اُن سے ناراض ہو جانے کا سبب سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہے کہ یہ اقوام اُن کے برہمنی مذہب اور اقتدار کی حریف تھیں" اور اپنے کرم یا افعال سے" آریہ نسل کے برہمنی مذہب اور اقتدار کو انہوں نے نہایت درجہ صدمہ پہنچا دیا تھا" یہ فطرتی بات ہے کہ جس شخص یا قوم کو کسی دوسرے شخص یا قوم سے نقصان پہنچتا ہے" تو اُس کا جواب ہتھیار سے یا بُرا بھلا کہنے سے جیسا بس چل سکے دیا جاتا ہے"

خود مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اِسی بیان میں ظاہر کیا ہے کہ "کمبوؤں کے حملہ کرنے کے سبب سے اور بودھ مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے برہمن اُن سے ناراض ہو گئے تھے"

ہم دلائل وشواہد سے ثابت کر چکے ہیں کہ کمبوج قوم کمبو جا یعنی تبت کی رہنے والی اور منگولین نسل سے تھی۔ یہاں بھی ہم نے تاریخی روشنی میں اِس بات کو بخوبی دکھا دیا ہے کہ "منو مہاراج" نے اپنے شاستر میں جن بارہ ۱۲ اقوام کے نام

دیئے ہیں۔ اور جن میں "کمبوج قوم" بھی شامل ہے۔ یہ سب ہند کی قدیم باشندہ" اور " دراوڑی۔ مغلی" ترکی"۔ نیز "عربی" اقوام ہیں" جنہیں آریہ نسل سے کچھ تعلق اور کوئی واسطہ نہیں ہے" اور چھتری کا لقب کسی خاص فرقہ کے لئے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ ہر اُس قوم کے لئے مستعمل تھا جو جنگ جُو یا لڑاکا ہوتی تھی"

ہمارے پیش کردہ بیانات سے یہ بات بھی بخوبی عیاں ہوگئی ہے کہ "مؤلف تاریخ کمبوہان نے منو مہاراج کی دی ہوئی اقوام کی فہرست میں "کمبوج قوم" کا نام دیکھکر جو لفظ کمبوج کو اپنے قلم کی ایک گردش سے لفظ کمبوہ میں بدل دیا ہے" اور اس ترکیب کو عمل میں لاکر اپنی قوم کمبوہ کو آرین نسل سے اور چھتری ہونا باور کرایا ہے۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے"

برہمنوں کی سند کی حقیقت

اب رہی یہ بات کہ برہمن "کمبو قوم" کو تیرتھوں میں "لفظ ورماہم" سے مخاطب کرتے ہیں" اس کے متعلق ہمیں صرف اسی قدر کہنا ہے کہ "مؤلف موصوف نے آگے چلکر صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۴ پر اپنی کتاب میں اپنی قوم کمبوہ کے چھتری ہونے کے جو دلائل پیش کئے ہیں اُن میں اس لفظ "ورماہم" کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس لئے آگے جہاں یہ بحث آئے گی اس کی حقیقت کو بھی ہم وہیں ظاہر کریں گے"

باب پانزدہم

کمبو راجہ کی مُلتان پر حکمرانی اور کمبوؤں کے محمد بن قاسم سے جنگ کرنے کی کہانی مؤلف تاریخ کمبوہان کی زبانی

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "ہندوستان پر پہلا اسلامی حملہ" کمبوؤں کی محمد بن قاسم" کے مقابلہ میں شمولیت" کی سُرخی کے تحت صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۲ پر لکھا ہے کہ۔

"ڈہوٹ گوت (گوتر) کے ایک خاندان کے ہاں ایک تحریری یادداشت موجود ہے۔ جس کا نام "مہان پنج رتن جیون" ہے کہ "کمبو قوم" نے اس حملہ کی متعدد لڑائیوں میں اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا۔ اور قوم و ملک کی حفاظت میں سینہ سپر ہو کر قربانیاں کیں" اس روایت کی "ڈہوٹ کمبوہوں کی" تمدنی و مذہبی رسوم" موجودہ حضری آثار و مقابر" اور "تاریخ اسلامی سے پوری تائید ہوتی ہے" ہم اسے اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں" اور "اسلامی تاریخوں کے ساتھ ہی ساتھ۔ اس کی تطبیق بھی کریں گے"

اسلامی حملہ سے پہلے "ڈہوٹ کمبوؤں" میں سے ایک سردار "راجہ سبھی رام" (شاید صحیح نام شیو رام) ملتان کے گرد و نواح علاقہ کا حکمران تھا۔ اس کا خاندان "اچوہلی کمبو" کہلاتا تھا"

راجہ شیو رام نے "ملتان کے قُرب و جوار میں ایک قلعہ تعمیر کر کے اس کو اپنے پسر "کرتا رام" کے نام سے موسوم کیا" یہ قلعہ کہوتے والی گاؤں" کی شکل میں اب بھی موجود ہے" اس کا محیط قریب بارہ[۱۲] سو فٹ ہے" اس نے سات اور دیہات بھی بصورت قلعہ آباد کئے" ان میں سے ایک قلعہ کے کھنڈر تا حال موجودہ قصبہ "شجبور" ضلع ملتان کے نزدیک "کھوتے وال سے بجانب مشرق نظر آرہے ہیں" جن کا نام

اِن دنوں "قصبہ رنگ پال" ہے۔ یہ رنگ پال "شجرۂ نسب کی رُو سے" راجہ شیوُ رام کا پہلا بیٹا تھا" ایک اور قلعہ "امر پورہ" بھی اِس وقت آباد ہے" جو حوادث زمانہ کے باعث "قوم ڈہڈیان" کے قبضہ میں ہے" اور امرپور ڈہڈیان" کہلاتا ہے" محلات تو اس قلعہ کے تباہ ہو چکے ہیں۔ اور کھنڈرات موجود ہیں" اِسی راجہ شیورام کی نسل سے "ساتویں صدی عیسوی کے اواخر میں" ایک راجہ ہہی پال" اس علاقہ پر حکمران تھا"

"مہان پنج رتن" رتن پال گوتر کا ایک کمبوہ" اِس کا وزیر تھا۔ جو "چونیاں ضلع لاہور کا" باشندہ تھا" راجہ ہہی پال" بدھ مذہب کے مقلد" مہاراجہ داہر" "بادشاہ سندھ" کا تعلقہ دار تھا" کیونکہ اِس راجہ کی ایک رانی "بادشاہ سندھ" کی دختر" یا کوئی اور رشتہ دار تھی"

راجہ ہہی پال کی دو شادیاں ہوئیں" پہلی بیوی۔ اس کی ہم قوم "رتن پال گوتر کی" کمبو رانی" چونیاں ضلع لاہور کی باشندہ تھی" اغلباً" اِسی شادی کے باعث "مہان پنج رتن کو" ریاست میں رسُوخ۔ اور پھر درجۂ وزارت حاصل ہوا"

مہان پنج رتن کا خاندان بھی معزز معلوم ہوتا ہے" کیونکہ بحوالہ کتاب مذکورہ" "کمبو رانی" اپنے جہیز میں ایک سالم گاؤں" لائی تھی۔ جس کا نام اِس رانی نے اپنی لڑکی "گنگنا برہم" کے نام پر "گنگن پورہ" رکھا تھا۔ یہ گاؤں اس وقت بھی "تحصیل چونیان ضلع لاہور" میں آباد ہے" سکھوں کی عملداری تک سجادگانِ مزار "شیخ الشیوخ حضرت دیوان چاولی مشایخ کمبوہ" اِس موضع کا مالیہ وصول کیا کرتے تھے۔ بعد میں ضبط ہو گیا"

کمبو رانی کے بطن سے ایک لڑکا "راج کمار جہان چادر" (جو بعد میں "دیوان چاولی" مشایخ کے نام سے موسوم ہوا) اور ایک لڑکی "کنگن برہم" عرف مائی گنگنان" تولد ہوئے" پندرہ برس کی عمر میں یہ "آداب دربار" اور "فنون حرب" دونوں میں ماہر ہو گئے"

اِسی اثنا میں "راجہ ہہی پال" فوت ہو گیا" اور ان کا فرزند "سدھ پال" جو "شہزادی سندھ کے بطن سے تھا" ریاست کا گدّی نشین ہوا"

۹۳ھ ہجری میں مسلمانوں نے بسرکردگی "محمدؐ بن قاسم" سندھ پر حملہ کیا" اور "جنوبی سندھ" پر غالب آجانے کے بعد ۷۱۳ء عیسوی میں "مُلتان" پر حملہ کیا" مہاراجہ سندھ کی بچی کھچی فوجیں بھی اِسی مقام پر آکر جمع ہو گئیں تھیں"

مصنّف مہان پنج رتن" لکھتے ہیں کہ "اِن لڑائیوں کے دوران میں ایک معرکہ میں "راجہ سِدھ پال" کی فوج سے مسلمانوں کے ایک دستہ فوج کا مقابلہ ہوا"

جس کے افسر کا نام "ابن العاص تھا" معلوم ہوتا ہے کہ یہ "ابن العاص" چھوٹے درجہ کا کوئی غیر معروف افسر تھا"

بہرحال "راجہ سدہ پال سے" "ابن العاص" کا مقابلہ ہوا" مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی انہیں شکست ہوگئی" راج کمار جہان چادر نے بھی" اس لڑائی میں شامل ہو کر دادِ شجاعت دی" بقول "جہان پنج رتن" راجہ سدہ پال نے اس شدت سے مسلمانوں کا تعاقب کیا کہ اُن کو مجبوراً پلٹ کر مقابلہ کرنا پڑا۔ اور "راجہ سدھ پال" مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگیا"

راجہ سدہ پال نے "اپنی رہائی کے لئے" زر فدیہ" ادا کرنا منظور کیا" اور تا ادائگی رقم "اپنے سوتیلے بھائی" جہان چادر کو" بطور یرغمال حوالے کیا" لیکن جب زرِ فدیہ کی ادائیگی میں توقف ہوا" تو سپہ سالار لشکر اسلام نے "راج کمار جہان چادر" کو "مدین دار الخلافہ ایران ۔ میں بھیج دیا" اور وہاں سے وہ جنگی قیدی کی حیثیت سے "مال خمس کے ہمراہ" خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیئے گئے" اور کچھ عرصہ بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا"

قبولِ اسلام کے بعد "شیخ جہان چادر" جو آب "دیوان چاوری مشائخ" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں" اپنے وطن "کھوتے وال ضلع ملتان میں واپس تشریف لے آئے۔ یہیں شہید ہوئے۔ اِن کی آرام گاہ اِس وقت "ضلع ملتان" کھوتے وال میں موجود ہے" اور مزار "شیخ الشیوخ حضرت دیوان چاوری مشائخ" کے نام سے عوام الناس کے لئے بالعموم اور "ہندو ڈہوٹ کمبوؤں کے لئے" بالخصوص جائے عقیدت ہے" مسلمانوں کے تسلط کے باعث "کمبوؤں کی" یہ ریاست برباد ہوگئی" لیکن "قوم کمبوہ" اس وقت ضلع ملتان "پاک پٹن۔ دیپالپور۔ اور چونیان" کے علاقہ میں موجود ہے"

مؤلف موصوف نے "ڈہوٹ کمبوؤں" میں "اسلام کی اشاعت" کی سُرخی کے تحت ص ۱۸۱ و ۱۸۲ پر اور ص ۱۸۵ تا ۱۸۷ پر "حضرت دیوان چاولی مشائخ رحمۃ اللہ علیہ" کا حال آگے پھر لکھا ہے" اس لئے ہم "مؤلف تاریخ کمبوہان کے" دیوان صاحبؒ کے متعلق اِن نوشتوں کو بھی یکجائی طور سے نظر کے سامنے آجانے کے خیال سے اِسی جگہ لکھ دینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ مؤلف موصوف نے بتایا ہے کہ۔

"مسلمانوں کی تاریخی کتابوں سے ہم کو "کوئی شہادت اِس قسم کی نہیں مل سکی" جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ "مذہب اسلام" اوّل ہی اوّل" کس کمبوہ خاندان نے قبول کیا۔ لیکن کمبوؤں کی "ڈہوٹ گوت" کے ایک خاندان میں "آبائی روایت ہے کہ "سب سے پہلے اسی شاخ کے ایک بزرگ "راج کمار جہان چادر نے" اسلام قبول کیا" اور پھر اپنے ہی خاندان کے ہاتھوں شہید ہوئے" اور "کھوتے وال ضلع ملتان میں سپرد خاک کئے گئے"

ہندو ڈہوٹ کمبوہ قوم کے افراد آپ کے مزار سے غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں" بلکہ ایک مذہبی اور تمدنی رسم "چوٹی کٹوانا" کئی صدیوں سے اسی مزار پر حاضر ہو کر

ادا کرتے ہیں" جہان پنج رتن جیون " میں " ڈھوٹ کمبوہوں " کی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ " راج کمار جہان چادر " حضرت عمر خطابؓ کے دستِ مبارک پر اسلام لائے " لیکن یہ ادعا غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ " محمد بن قاسم " نے ۷۱۲ء مطابق ۹۳ھ ہجری میں سندھ پر حملہ کیا تھا " اور حضرت عمر فاروقؓ " ۶۴۴ء مطابق ۲۳ھ ہجری میں شہید ہو چکے تھے۔ البتہ واقعات سے پایا جاتا ہے کہ " شہزادہ جہان چادر نے " حضرت عمر بن عبدالعزیز اُموی جو ۷۱۷ء مطابق ۹۹ھ ہجری میں خلیفہ ہوئے " اور جنہوں نے ۷۲۰ء مطابق ۱۰۱ھ ہجری میں اِنتقال کیا) کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا "

جیسا کہ ہم ساتویں باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ " راج کمار جہان چادر خلف راجہ جھی پال" اِسلامی لشکر میں گرفتار ہو کر " اوّل مدین دارالخلافہ فارس بھیجے گئے " مگر میری رائے میں " بصرہ دارالقیام دالسرائے عراق بھیجے گئے اور وہاں سے " خلیفہ کے حضور میں پہنچے "

قصہ کوتاہ کہا جاتا ہے کہ " حضرت نے (خلیفہ نے) راج کمار کی نوجوانی۔ اور حسن و جمال سے مُتاثر ہو کر دعا مانگی " کہ الٰہی اِنہیں دَولتِ اسلام عطا کر " اور پھر اِنہیں ایک " صحابیؓ " کے حوالہ فرما دیا "

تاریخی اعتبار سے " ۹۳ھ ہجری اور ۱۰۲ھ ہجری کے درمیان " صرف دو صحابیؓ " رُوئے زمین پر زندہ تھے " حضرت انس بن مالکؓ " اور " حضرت ابُوطفیلؓ " آخر الذکر" حضرت عمر بن عبدالعزیز " کے عہد میں موجود " مگر مکہ معظمہ میں مقیم تھے " ۱۰۲ھ ہجری میں فوت ہو گئے " اور دُنیا اصحاب نبی کریم صلعم سے خالی ہو گئی تھی "

بہرحال اگر صحابیؓ نہیں " تو کوئی جلیل القدر مُسلمان " شہزادہ کا متکفل رہا ہو گا " راجکمار جہان چادر نے " وہیں اِسلام قبول کر لیا " حرمین کی زیارت کی " یمن بھی تشریف لے گئے۔ اور چند سال قیام کے بعد " براستہ ایران " واپس ملتان تشریف لے آئے " اور اپنے خاندانی قلعہ کھوتے والی " میں قیام فرمایا "

روایت میں بیان کیا جاتا ہے کہ " شیخ جہان چادر " جو بعد میں " دیوان چاولی مشائخ " کے نام سے موسُوم ہوئے " قرن علاقہ یمن میں " حضرت اُویس قرنیؓ " کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے " مگر یہ دعویٰ واقعات کے برخلاف اور پایۂ اثبات سے ساقط ہے " حضرت اُویس قرنیؓ " ۶۴۳ء مطابق ۲۲ھ ہجری اور بقول بعض ۶۴۸ء مطابق ۲۷ھ ہجری میں فوت ہوئے " ان کا مزار " آذربائی جان " میں ہے " اِس لئے شیخ جہان چادر " اور اُن کی ملاقات صُوری ناممکن ہے "

البتہ یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ " شیخ جہان چادر " بروقت واپسی ہندوستان " ان کے مزار پر حاضر ہوئے ہوں " اور اُن کی رُوح پُر فتوح سے فیوض باطنی۔ و تمتع رُوحانی حاصل کیا ہو "

کھوتے وال کی واپسی پر " دیوان چادری مشائخ کی والدہ " فوت ہو چکی تھیں " لیکن ہمشیرہ حقیقی " تاحال بقیدِ حیات تھیں۔ جنہوں نے آپ کی ہم نشینی اور تلقین سے اِسلام

قبول کر لیا۔

"دیوان صاحب" کے اسلام قبول کر لینے سے۔ اہل خاندان پہلے ہی ناراض تھے۔ ہمشیرہ کے مسلمان ہو جانے نے اُن کو اور بھی مشتعل کر دیا۔ پہلے تو انہوں نے "اظہار اسلام اور تبلیغ مذہب" کی ممانعت کی۔ باز نہ آنے پر سب تدبیروں میں ناکام رہ کر آپ کو شہید کر دیا۔

آپ کی ہمشیرہ "گنگن برہم" کو آپ سے کمال محبت تھی۔ وہ "رنج والم سے" "کل سے" آپ کی نعش پر کود کر جاں بحق تسلیم ہو گئیں۔

دیوان صاحب کا انتقال تیس ۳۰ سال کی عمر میں ہوتا بیان کیا جاتا ہے۔ ان کے مزار کے مجاور "بلیم گوت" کے حجام ہیں۔ وہ ہی "کمبوڈں کی چوٹی بناتے ہیں"۔ خانقاہ کے ساتھ پہلے بہت سی اراضی وقف تھی۔ مگر اب ایک مربع یعنی پچیس ۲۵ ایکڑ تک محدود رہ گئی ہے۔

اس زمانہ میں "سندھ" اور "ملتان" پر مسلمانوں کا تصرف ہو چکا تھا۔ اُن کو جب اس واقعہ فاجرہ کا علم ہوا۔ تو وہ فوراً "کھوتے وال" میں پہنچے۔ اور دیوان صاحب کے قتل کا انتقام لینا چاہا۔ مگر دیوان صاحب کے اہلِ خاندان۔ اس علاقہ سے بھاگ کر نکل گئے۔ اور "کمبوڈں کی وہ ریاست"۔ جس کا پولیٹیکل اقتدار پہلے ہی زایل ہو چکا تھا۔ بالکل تباہ و برباد ہو گئی۔

مسلمانوں نے "دیوان صاحب" اور اُن کی ہمشیرہ کا مزار۔ ایک دوسرے کے قریب ایک ہی روضہ میں بنایا۔ جو اس وقت تک موجود ہے۔ اور مرجعِ انام ہے لوگ نذر نیاز لاتے ہیں۔ منتیں مانتے ہیں۔ اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں عرض کر چکے ہیں۔ اس ڈھوٹ ریاست کی وسعت۔ موجودہ جنوب مشرقی حصۂ ملتان۔ و نیز "ضلع منٹگمری تک" قراین سے پائی جاتی ہے۔ یہ ریاست تو تباہ ہو گئی۔ لیکن قوم کمبوہ۔ اس وقت بھی اس علاقہ میں موجود ہے۔

"ہندو ڈھوٹ کمبوڈں کو" اب حضرت دیوان صاحب سے بہت عقیدت ہے۔ وہ مزار پر حاضر ہو کر "سر کے بالوں کی چوٹی کے پانچ حصّوں میں سے چار حصّے کٹوا دیتے ہیں۔ لیکن درمیان میں ایک چھوٹی سی چوٹی رکھ لیتے ہیں"۔

مؤلف تاریخ کمبوہان کی بیان کردہ کہانی کی تردید خود اُن کی اصلی احوال و تواریخی شواہد سے

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "جن واقعات کو ڈھوٹ گوت" کے ایک خاندان کی یادداشت "پنجاب پنج رتن جیون" میں لکھا ہونا ظاہر کر کے پیش کیا ہے۔ اُن کی طرف کسی اور نوشتے۔ یا تاریخ و سفرنامے وغیرہ میں کہیں کوئی اشارہ تک موجود نہیں ہے۔ جبکہ تاریخوں میں جزوی جزوی باتیں بھی تحریر ہیں تو اُن میں "ملتان" اور اُس کے گرد و نواحی علاقہ کے حکمرانوں" یا

یا راجاؤں "سی رام یا شیو رام" اور اس کے چھوٹے بیٹے "کرتا رام" اور پسر اکبر و جانشین "رنگ پال" اور "بھی پال" پسر "رنگ پال" (مہاراجہ سندھ کے بہنوئی) اور "راجہ سدھ پال" پسر و جانشین "راجہ بھی پال" (مہاراجہ سندھ کے بھانجے) ہیں۔ (جن میں مؤخر الذکر نے "محمد بن قاسم" فاتح سندھ کے ایک افسر "ابن العاص" کو بقول راقم یادداشت "جہان پنج رتن جیون" اپنی گرفتاری سے پہلے ایک دفعہ شکست بھی دے دی تھی اور جو اپنے بھائی "جہاں چادر" کو بطور یرغمال مسلمانوں کے حوالے کر کے رہا ہوا تھا) کسی کا کوئی ذکر نہ ہونا۔ اور "راجہ سدھ پال" کے اس واقعہ کی طرف بھی کسی اشارے کا نہ ہونا بہت توجہ طلب ہے۔ "محمد بن قاسم" کی فوج میں "ابن العاص" نامی کسی شخص کو نہ پا کر تو مؤلف تاریخ کمبوہان کو خود یہ توجیہ کرنی پڑی ہے کہ "چھوٹے درجے کا کوئی غیر معروف افسر ہوگا" لیکن ہم انہیں بتاتے ہیں کہ "چچ نامے" اور "تاریخ سندھ" میں "ملتان" کی فتح کا حال اس طرح مذکور ہے کہ "بجائے کسی افسر کے بھیجنے کے "محمد بن قاسم" بہ نفس نفیس ملتان فتح کرنے کو تشریف لے گئے تھے" یہ گھاٹ جہاں سے وہ دریا پار ہوئے "خاص شہر ملتان کے نیچے واقع تھا" ملتان میں خاندان چچ کا ایک شہزادہ "مسمی بجہرا" (یعنی بجے سنگھ) سکہ سے چلا آیا تھا۔ اور اس شہر کی حکومت "مہاراجہ داہر" والئ سندھ کے بھائی "چندر" کے بیٹے "گور سنگھ" کے ہاتھ میں تھی۔ ایک لڑائی "محمد بن قاسم" سے اگلے دن بجہرا نے شہر کے باہر آکر لڑی مگر دوسرے دن اسے شہر سے باہر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ سے تنگ آکر "بجے سنگھ" راجہ کشمیر سے مدد حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی آنکھ بچا کر چلا گیا۔ ایک شخص نے مسلمانوں سے پناہ لے کر انہیں وہ موقع بتا دیا جہاں سے قلعہ کی دیوار آسانی سے توڑی جا سکتی تھی۔ یہ بات معلوم کر کے دو تین دن میں منجنیقوں سے مار کر دیوار توڑ دی گئی۔ اور راستہ بنا کر مسلمان اس میں داخل ہو گئے۔ ملتان کو فتح کر کے "محمد بن قاسم" نے "امیر داؤد نصر" کو وہاں مقرر کر دیا اور نواح ملتان کی حکومت "عکرمہ بن ریحان شامی" کے ہاتھ میں دی "ملتان" سے "محمد بن قاسم" نے اپنی فوج لے کر قدم بڑھایا۔ اور خاص حدود کشمیر کے پاس اس مقام کو جا کر معائنہ کیا۔ جہاں پر "راجہ داہر" اور "راجہ کشمیر" کی سرحد ملتی تھی۔ اور یہیں پر "راجہ چچ بن سلائج" نے اپنی سرحد کو متمائز کرنے کے لئے "درختوں کی ایک قطار لگائی تھی" "محمد بن قاسم" نے ۹۵ھ ہجری میں ملتان فتح کیا تھا۔

غرضکہ ملتان اور اس کا گردونواحی علاقہ تو در کنار رہا۔ سارے "سندھ" میں جس میں اس زمانے میں "سارا پنجاب" "مشرقی افغانستان و بلوچستان و موجودہ سندھ" و کچھ حصہ راجپوتانہ کا شامل تھا۔ واقعات تو الگ رہے نام تک ان راجاؤں کے جنہیں مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے بیان میں پیش کیا ہے کسی بھی تاریخ میں موجود نہیں ہیں۔ اگر کوئی راجہ سدھ پال ہوتا تو جبکہ معمولی اور چھوٹے چھوٹے سرداروں تک کے نام و واقعات کتابوں میں درج ہیں تو اس کا نام بھی "فتح سندھ" کے موقع پر ضرور آتا۔ راجہ کے گرفتار ہونے نیز اس کے بھائی "شہزادہ جہان چادر" کے بطور یرغمال "خلیفۂ اسلام کے حضور میں بھیجے جانے کے واقعہ کو مؤرخین ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے تھے" اور جبکہ "راج کمار یا شہزادہ جہاں چادر" خلیفۂ اسلام کے ہاتھ پر اسلام لے آیا تھا۔ تو یہ ایسی دلچسپی کی بات تھی۔ جو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ "مسلمان مؤرخین اسے بڑی وضاحت سے تحریر کرتے" لیکن وہ اس واقعہ کا بھی کوئی ذکر نہیں کرتے اور بالکل خاموش ہیں۔

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "ابن العاص" کے متعلق جو توجیہ کی ہے اسے ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اور جو ترمیمیں مؤلف موصوف نے اس "جہاں پنج رتن جیون" یادداشت میں کی ہیں وہ یہ ہیں کہ۔

(۱) "جہان پنج رتن جیون" میں ہے کہ "شہزادہ جہان چادر" نے "حضرت عمر فاروق رضی المتوفی ۲۳ھ" کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن جب مؤلف موصوف نے دیکھا کہ معاملہ بگڑ جاتا ہے تو انہوں نے یہ ترمیم کر دی

مناسب بھی ہے کہ "حضرت عمر بن عبد العزیز اُموی" المتوفی سنہ ۱۰۱ ہجری کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا"
مؤلف تاریخ کمبوہان نے "حضرت عمر فاروق رضؓ" کے بجائے اُن کے ہمنام "عمر بن عبد العزیز" کو دیکھ کر اُن کا نام لکھدیا ہے" لیکن اپنے مقصد کو پُورا کرنے کے جوش میں وہ یہ نہ سوچ سکے کہ "شہزادہ جہان چادر" کا "محمد بن قاسم" کے ہیں "عمر بن عبد العزیز" خلیفہ اُموی کے پاس بھیجا جانا ممکن بھی تھا یا نہیں۔ "۹۵ھ ہجری میں "محمد بن قاسم" نے جب ملتان فتح کیا ہے۔ تو اُس وقت "ولید بن عبد الملک" خلیفہ تھا" ۹۶ھ ہجری میں "ولید کے انتقال کے بعد "سلیمان بن عبد الملک" خلیفہ ہوا جس نے خلیفہ ہوتے ہی "سندھ" سے "محمد بن قاسم" کو بُلا لیا" عمر بن عبد العزیز" ۹۹ میں خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان حالات سے صاف ظاہر ہے کہ "محمد بن قاسم" اگر کسی کو بھیج سکتے تھے تو "ولید" ہی کے زمانہ میں بھیج سکتے تھے" مگر مؤلف موصوف ولید کے زمانے میں بھی نہیں "سلیمان بن عبد الملک" کے زمانے میں بھی نہیں ان دونوں خلفاء کے زمانوں سے گذر کر "عمر بن عبد العزیز" کے زمانہ میں "شہزادہ جہان چادر" کا "دمشق" پہنچانا بیان کر رہے ہیں" جو قطعی ناممکن ہے" (دیکھو تاریخ اسلام مؤلفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی" طبری" و ابن خلدون" وغیرہ)

(۲) جہان پنج رتن جیون میں ہے کہ "شہزادہ موصوف کو" سپہ سالار لشکر اسلام نے "مداین" دار الخلافہ ایران میں بھیجدیا۔ وہاں سے وہ جنگی قیدی کی حیثیت سے "مال خُمس کے ہمراہ" خلیفہ کی خدمت میں بھیجدیئے گئے" مؤلف تاریخ کمبوہان نے اس میں یہ ترمیم کر دی ہے کہ "میری رائے میں "بصرہ" دار القیام وائسرائے عراق بھیجے گئے۔ اور وہاں سے عمر بن عبد العزیز خلیفہ کے حضور میں پہنچے"

(۳) جہان پنج رتن جیون میں ہے کہ "خلیفہ نے شہزادہ جہان چادر" کے اسلام لے آنے کی دعا کر کے اُنہیں ایک صحابی رضؓ کے حوالہ فرمادیا"

اس بیان کو "مؤلف تاریخ کمبوہان نے اس طرح سدھارنے کی کوشش کی ہے کہ "تاریخی اعتبار سے سنہ ۹۳ ہجری اور سنہ ۱۰۲ ہجری کے درمیان صرف دو صحابی رضؓ زندہ تھے" حضرت انس بن مالک رضؓ" اور حضرت ابو طفیل رضؓ" آخر الذکر حضرت عمر بن عبد العزیز" کے عہد میں موجود" مگر "مکہ معظمہ" میں مقیم تھے" سنہ ۱۰۲ ہجری میں فوت ہو گئے۔ اور "دنیا اصحاب نبی کریم سے خالی ہو گئی تھی" بہر حال اگر صحابی رضؓ نہیں تو کوئی جلیل القدر مسلمان "شہزادہ کا متکفل رہا ہوگا" یہاں یہ بات غور طلب ہے مؤلف موصوف نے "حضرت ابو طفیل رضؓ" کے تو "مکہ معظمہ" میں مقیم ہونے کا ذکر کیا ہے" مگر حضرت انس رضؓ کے بارے میں نہیں بتایا کہ آپ کہاں مقیم تھے" آیا حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس شام کے شہر "دمشق" میں تھے۔ یا اُن سے بہت دور فاصلہ پر کسی دوسرے صوبے میں مقیم تھے" اس امر کے ظاہر نہ کرنے سے اُن کا منشاء سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ "وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت انس رضؓ" حضرت عمر بن عبد العزیز" کی سکونت کے شہر ہی میں رہا کرتے تھے" حالانکہ وہ اُن سے بہت دُور صوبہ عراق کے شہر "بصرہ" میں قیام پذیر تھے" اور یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ "بہر حال اگر صحابی رضؓ نہیں تو کوئی جلیل القدر مسلمان "شہزادہ کا متکفل رہا ہوگا" یہ اس وجہ سے ہے کہ دونوں پہلو قایم رکھنا چاہتے ہیں کہ شہزادہ کو حضرت انس رضؓ" کے یا کسی اور جلیل القدر مسلمان کے حوالے سمجھ لیا جائے"

(۴) جہان پنج رتن جیون میں ہے کہ "شہزادہ جہان چادر یا دیوان چاولی مشایخ" اسلام قبول عرب سے وطن کو واپس ہوتے ہوئے قرن علاقہ یمن میں حضرت اویس قرنی رحؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے"

اس بیان کو مؤلف تاریخ کمبوہان نے اس طرح خامہ فرسائی کر کے چُول بٹھائی ہے کہ "مگر یہ دعویٰ واقعات کے اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے" حضرت اویس قرنی رحؒ سنہ ۶۴۳ء مطابق سنہ ۲۲ ہجری اور بقول بعض سنہ ۶۴۸ء مطابق

میں فوت ہوئے۔ اُن کا مزار "آذربائیجان" میں ہے۔ اِس لئے "شیخ مہان چادر" اور اُن کی ملاقات صُوری ناممکن ہے۔" البتہ یہ
ممکن ہو سکتا ہے کہ "شیخ (شہزادہ) مہان چادر" بروقت واپسی ہندوستان اُن کے مزار پر حاضر ہوئے ہوں۔ اور اُن کی رُوح پُرفتوح
سے فیوض باطنی" و تمتع رُوحانی حاصل کیا ہو۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے جس طرح کی ترمیمیں اور اصلاحیں "یادداشت مہان پنج رتن جیون" میں کی ہیں اُنہیں
گنوا چکنے کے بعد" اب یہ بات غور طلب باقی رہ گئی ہے کہ" انہوں نے اِس اَمر کو مطلق ظاہر نہیں کیا ہے کہ "مہان پنج رتن جیون"
جس کے بیان کو پیش کر کے انہوں نے اپنے ہم قوم راجاؤں کے ملتان اور اس کے گرد و نواحی علاقوں پر حکمران رہنے۔ اور اُن میں سے
ایک راجہ کے "محمد بن قاسم" کی فوج کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہو کر گرفتار ہو جانے اور پھر اپنے بھائی "شہزادہ مہان چادر" کو بطور
یرغمال حوالہ کر کے رہائی پانے اور اس شہزادے کے خلیفۂ اسلام کے حضور میں بھیجے جانے اور اُن کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول
کرنے کو باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ اُسے کس نے لکھا ہے۔ اُس کا سنہ کتابت کیا ہے۔ اور وہ کس شخص کے پاس کس شہر میں موجود ہے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایسی کوئی یادداشت کہیں کسی کے پاس موجود ہے تو جب مؤلف
موصوف کو اُس کے بیان کی تائید کرنے والی" کوئی بات بھی کسی تاریخ میں نہیں ملی تھی" بلکہ اُس کا بیان آپ ہی اپنی تردید کر رہا تھا"
تو اُنہیں "مہان پنج رتن جیون" کے بیان میں ترمیمیں اور اصلاحیں کر کے پیش کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ اور کس
غرض کے مدنظر رکھ کر انہوں نے یہ کہانی سُنانی ضروری سمجھی ہے۔

اپنی کتاب میں مؤلف تاریخ کمبوہان نے جا بجا اِدّعا کیا ہے کہ "وہ کسی روایت یا دعوے پر" تاریخی اُصول دِرایت کے لحاظ
سے نکتہ چینی کیا کرتے ہیں" یہاں مہان پنج رتن جیون کے بیان پر جیسی تنقیدیں انہوں نے کی ہیں۔ اور اُن سے جو نتائج برآمد
کئے ہیں" وہ اُصولِ درایت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے" مہان پنج رتن جیون کے بیان اور مؤلف تاریخ کمبوہان کی اصلاحوں
سے یہ حقیقت صاف ظاہر و عیاں ہو گئی ہے کہ "اِس ساری داستان کی حیثیت و وقعت "ایک من گھڑت کہانی" سے زیادہ
کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہو چکا ہے۔"

باب ششدہم

کمبوؤں کے سلطان شہاب الدین غوری سے جنگ کرنے اور دلاور خاں کماچی یعنی راجہ کمبو کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہاں کے پیش کردہ بیان

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "سلطان شہاب الدین غوری" کے حملات میں کمبو قوم کا حصہ" کی سُرخی دے کر
صفحہ ۱۵۳ تا ۱۵۵ میں لکھا ہے کہ۔

"۱۱۹۲ء کی "جنگ ترائن میں" کمبو فوج" مہاراجہ پرتھوی راج" کے ہمراہ تھی" اور
"سلطان شہاب الدین" کی فوج خاصہ سے لڑنے والے یہ ہی "کمبو قوم" کے افراد تھے"
"بقول مؤلف شب جانکی"

اِس حالت میں "کمبوجی لوگ" رائے پتھورا کو" اپنے پراکرم کا خوب ثبوت دکھا چکے
کہ ہزاروں تلوار کی دھار پھیر کر آگے بڑھے جاتے تھے" اور "(سلطان) شہاب الدین"
کے مُنہ پر نیزے کے زخم آنا۔ اِن ہی کے ہاتھ دکھانے کا نمونہ تھا" مگر بمقتضائے اس کے
کہ "داتا کے دھن اور سُورما کے سر نہیں ہوتا" نیزہ زن بھی "سلطان شہاب الدین"

کے ہاتھ سے سرٹیفیکیٹ نجات لے گیا۔"

مؤلف شب جاگی کے اِس بیان پر مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی طرف سے لکھا ہے کہ۔

"معلوم ہوتا ہے کہ "جنگ ترائن" میں "سلطان شہاب الدین غوری کی" شکست کا باعث بہت کچھ "کمبوہ" فوج کی شجاعت تھی" سلطان کو اِس لڑائی میں ہزیمت ہوئی۔ اور وہ مجروح ہو کر بڑی مشکل سے واپس "غزنی" پہنچایا گیا۔ سلطان اگلے سال پھر تیاری کر کے ایک لاکھ بیس ہزار ترک رسالے اور دس ہزار تیرانداز سواروں کی قواعد داں جمعیت کے ساتھ مکرر آیا۔ اور اِسی میدان میں دوبارہ قسمت آزما ہوا"

مؤلف شب جاگی نے لکھا ہے کہ "اِس جنگ میں بھی "کمبوؤں کے ایک حصہ نے جو "جمنا" کے مغربی میدانوں" اور کرنال وغیرہ اضلاع کے باشندوں پر مشتمل تھا" مہاراجہ پرتھوی راج" کی حمایت میں لڑائی میں حصہ لیا۔ اور اپنے سردار کی قیادت میں جس کا نام "راجہ کمودر" تھا" اور جو اپنے نام ولقب سے کسی ریاست کا رئیس معلوم ہوتا ہے" میدان جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھائے"

راجہ کمودر "کمبوؤں" کے "جہام گوتر سے" تعلق رکھتا تھا" اور اُس کی قوم کے سپاہی مختلف سردارانِ قوم "مثل کرپارام" "سورج مل" "بخت رائے" "ماہی سنگھ" وغیرہ کے "زیر کمانڈ اس کے ساتھ شامل تھے" راجہ کمودر "اپنے مہاراج کے ہمراہ حقِ رفاقت ادا کرتا۔ اور دادِ شجاعت دیتا ہوا" داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گیا" اور اُس کے متذکرہ بالا ہمراہی سردار "جو آخر دم تک بجائے فرار کے مصروفِ قتال رہے" گرفتار ہو گئے"

پھر صفحہ ۱۵۶ تا ۱۵۸ پر مؤلف تاریخ کمبوہان نے "دلاور خاں" "کماچی افغان" کی کوشش سے کمبوؤں کو رہائی ملی" کمبوہ" اب تک اِس احسان کا بدلہ۔ کماچی پٹھانوں کو دے رہے ہیں" کی سُرخی دے کر" صاحب تاریخ شب جاگی کا یہ بیان لکھا ہے کہ "کمبو سردار گرفتار ہو کر پا بجولاں "قلعہ غزنی میں" پہنچائے گئے تھے" اور پھر اپنی طرف سے لکھا ہے کہ "لیکن ہماری رائے میں بہت ممکن ہے کہ وہ "ہندوستان ہی کے کسی قلعہ میں قید کئے گئے ہوں" بہرحال داروغہ زندان "دلاور خان کماچی" کی سفارش وسعی و کوشش سے "سلطان کی توجہ" ان اِسیرانِ شاہی کی طرف مبذول ہوئی" تحقیقات سے معلوم ہوا کہ کچھ عرصہ سے "کمبو قوم" سلطنت کی معتوب" تصور کی جاتی ہے" معزز افراد قوم مُتقید ہیں۔ اور قوم کے "عام شجاع اور سپاہی" جنگلوں اور پہاڑوں میں "خانہ بدوش پھرتے ہیں۔ اور مُلک میں "بدامنی کا باعث بنے ہوئے ہیں" اِس پر سُلطان نے خود۔ سرداروں کو پُرامن شہری رہنے کے وعدے پر رہائی دی۔ اور قوم کے مفرور اور آوارہ گرد اشخاص کو۔ اپنے اپنے گھروں میں واپس آ کر۔ آزادانہ بود و باش کی اجازت عطا فرمائی"

اِس پر تمام سرداران قوم "دہلی" میں جمع ہوئے "سُلطان شمس الدین" (التمش) کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار وفاداری کی۔ بادشاہ کو نذر بھی پیش کی۔ جس میں ایک بیش بہا الماس بھی شامل تھا" (شب جانکی)

سُلطان نے "مختلف مقامات پر سکونت گذارنے کے لئے" قبالہ جات وچّہ داری کے ذریعہ بسوہ داری و ملکیت عطا کی" چنانچہ اب تک اِس قوم کے ہاتھ میں "ستلج و جمنا" کے درمیان" خصوصاً ریاست پٹیالہ و کرنال" کے مختلف حصص میں" اکثر دیہات کی پٹہ داری و بسوہ داری" موجود ہے۔ جو زمانۂ قدیم سے مُسلسل ان کے قبض و تصرّف میں چلی آتی ہے"

دلاور خاں کے پوتے "چاند خاں" کو تھوڑے عرصہ کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے اس کو "کمبوؤں" سے حصول امداد پر مجبور کر دیا" وہ اُن سے اپنے دادا کے حُسن سلوک کا طلب گار ہوا" کمبوؤں نے "دلاور خاں" کے حصّوں کا معاوضہ ایک دوامی عطیہ کی صورت میں دیا" یعنی شادی بیاہ وغیرہ تقاریب مسّرت پر اس کے لئے کچھ مواجب "بطور نذرانہ یا نیگ" مقرر کر دیا" چنانچہ آج تک دلاور خاں کی اَوْلاد کے "کماچی افغان" "چوراسی گوتیا" کمبوؤں کے" بعض خاندانوں کے ہاں "بیاہ وغیرہ کے موقعوں پر" اپنا مقررہ نذرانہ" یا "لاگ" وصول کرتے ہیں"

کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ "راجہ کمودر کی ریاست میں" اُس وقت کون کون سا علاقہ شامل تھا" ہندوؤں نے تو اِن واقعات کی سرے سے تاریخ لکھی ہی نہیں" مُسلمانوں کو اِن چھوٹے واقعات کی جن کا تعلق "ہندوؤں کے" سوشل اور باہمی اندرونی کوائف سے تھا۔ تفصیل لکھنے کی ضرورت نہ تھی" اِس لئے ہم کسی قطعہ اراضی کو مخصوص نہیں کر سکتے" لیکن چونکہ جن کمبوؤں کو اِس واقعہ کے سبب فخر و امتیاز کا دعویٰ موجود ہے" وہ دو آبہ مابین "ستلج و جمنا" میں آباد ہیں۔ اِس لئے قیاس چاہتا ہے کہ "یہ ریاست مذکور اِسی قطعہ ارضی میں واقعہ تھی"

سُلطان شہاب الدین غوری سے کمبوؤں کے جنگ کرنے اور دیگر بیانات کی حقیقت تاریخ کی روشنی میں

مؤلف تاریخ کمبوہان کے اِس بیان کا ماخذ صرف ایک کتاب "شب جانکی" مؤلفہ لالہ شب چند کمبو" سنامی" پٹیالوی" ہے" جس کے متعلق مؤرخ تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب کے صہ پر اپنی رائے اِن الفاظ میں پیش کی ہے کہ۔

"شب جانکی کی نسبت البتہ میری یہ رائے ہے کہ" وہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی ایک کوشش ہے" مگر افسوس ہے کہ انہوں نے بھی اپنی راہِ تحقیق کو "خس و خاشاک سے پاک نہیں کیا" یعنی دوسرے مخالف دعاوی کی" کافی طور پر تردید نہیں فرمائی" علاوہ بریں اُنہوں نے اپنے "چھتری نسل" ہونے کا اِس قدر ثبوت نہیں دیا" جو مخالف کا مُنہ بند کرنے کے لئے کافی ہوتا" ان کا طرزِ بیان" طریقۂ بحث" اور شستگی زبان بھی" ہماری طبیعت کو اپنی طرف راغب نہیں کر سکی"

مگر کیونکہ مؤلف تاریخ کمبوہان کو کسی بھی تاریخ دنوشتہ میں "ایسی من گھڑت کہانیاں نہیں مل سکیں" جنہیں وہ اپنے پیشِ نظر "یعنی اپنی قوم کمبوہ" کی عظمت وشان جتانے کے لئے پیش کرنا ضروری سمجھتے تھے" اس لیے انہوں نے "شب جا[نکی]" جیسی کتاب سے حالات لینے میں کسی بھی خیال وتردد کو سدِ راہ نہیں ہونے دیا" اور بلاکسی پس وپیش کے اپنے ناظرین کو اُن صحیح باور کرانا ایسا ضروری ومناسب سمجھا ہے کہ "صرف مؤلف شب جانکی" کے بیان ہی کے لکھ دینے پر اکتفا نہیں کیا" بلکہ طرف سے اُس پر "مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے" اب ہم بتاتے ہیں کہ اِن بیانات کی حقیقت کیا ہے" یہ بیان کہ تلا[وڑی] کے میدان میں "سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ" کو زخم پہنچانے والا "مؤلف شب جانکی" اور "مؤلف کمبوہان کی" قوم کمبوہ" کا کوئی شخص تھا" قطعاً غلط" اور پایۂ تحقیق سے خارج ہے" تمام تاریخیں اِس بیان کی تردید کر رہی "کارنامۂ راجپوتان" مطبوعہ کارخانہ روزنامہ اخبار پنجابی گزٹ پریس بریلی کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے کہ "پرتھی راج" نے "اجمیر" اپنا پایۂ تخت بنایا تھا" دہلی کی حکومت" اپنے سردار کھانڈے رائے" کو سپرد کی تھی" یہ کھانڈے رائے" واہمہ راجپوت تھا" اور اصلی نام اس کا "چاونڈ رائے" ہے- اِسی عہد میں "سلطان غیاث الدین" غور کا بادشاہ" اور اُس کا بھائی "شہاب الدین" امیر لشکر- اور حاکم غزنی تھا" شہاب الدین" غزنی" کا اِنتظام کر کے "ملک ہند" کی آمادہ ہوا" اول لاہور کے بادشاہ "خسرو ملک" کو "اسیر و دستگیر کر کے "پنجاب" پر قبضہ کر لیا- پھر ہندو راجاؤں علمداری میں قدم بڑھایا" اور "قلعہ سرہند" کو فتح کیا" اب سلطان مراجعت کی تیاری کر رہا تھا کہ "رائے پتھورا (پر[تھی] راج) کی لشکر کشی کا غلغلہ سنا" خود پیش قدمی کر کے آگے بڑھا" اُدھر سے "رائے کا لشکر پہنچا" تلاوڑی کے میدان میں ہنگا[مہ] گرم ہو گیا- جس وقت سلطانی فوج" راجپوتوں" کے قلب پر جھکی ہوئی تھی" اُس کا دایاں اور بایاں بازو شکست کھا کر مگر سلطان کچھ رفیقوں کے ساتھ میدان میں جما رہا" کھانڈے رائے نے ہاتھی اُس پر ریلا" سلطان" بھی گھوڑا چمکا کر پر بڑھا- اور نیزے کا ایسا ہاتھ مارا کہ دانت توڑ کر اُس کے مُنہ میں اُتر گیا" مگر سلطان کے بھی زخم کاری لگا" قریب تھا کہ زین سے جدا ہو جائے" یہ کیفیت دیکھ کر ایک خلجی بچہ اُس کے پیچھے ہو بیٹھا- اور گھوڑے کو مہمیز کر کے "نرغۂ اعدا سے صاف نکال

اور کارنامۂ راجپوتان کے صفحہ ۴۲ پر ہے کہ "واہمہ قوم" کا صرف نام باقی رہ گیا ہے" جس کی ہمات وسخاوت کو بڑے فخر کے ساتھ مشہور کیا کرتے تھے" اُن کا نام اِنقضائے مدت سات صدی سے "صرف کتابوں میں رہ گیا ہے" واہمہ کے راج تھے- اور پرتھی راج چوہان کے زبردست سرداروں میں سے اِس خاندان کے تین بھائی سلطنت میں بڑے عہدوں ممتاز تھے" اور جس زمانہ میں ان میں سے بڑا بھائی "گیکے ماس" وزیر رہا ہے "چوہانوں" کی تاریخ میں نہایت عمدہ زمانہ ہے" وہ دشمنوں کے حسد سے مارا گیا" دوسرا بھائی "پن دیر" سرحد لاہور پر سپہ سالار تھا" اور تیسرا چاونڈ "شہاب[الدین] غوری" کے ساتھ پرتھی راج کی پہلی لڑائی میں اُس کی فوج کا افسر تھا" اِسی جنگ میں کام آیا" شہاب الدین کے مؤرخ نے بھی "واہمہ چاونڈ رائے" کی شجاعت کی داد دی ہے" اور اُس کا نام "کھانڈے رائے" لکھا ہے- چوہانوں سلطنت کے ساتھ یہ نسل معدوم ہو گئی"

ہمارے پیش کردہ اِس بیان سے صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ "واہمہ قوم کے راجپوت راجہ" جو بیانہ پر حکمران اُن کے خاندان کے ایک فرد "چاونڈ رائے المعروف بہ کھانڈے رائے" نے "سلطان شہاب الدین غوری کیا تھا" اور اس کی قوم ایسی جانفشانی سے لڑی تھی کہ اُن میں سے کوئی نہ بچا" مؤلف تاریخ کمبوہان اور مؤلف شب جا[نکی] کی "قوم کمبوہ" کا وہاں پتہ بھی نہ تھا"

سوائے شب جانکی کے کسی تاریخ دنوشتہ میں "اُن کی قوم کمبوہ" کے راجہ پرتھی راج کے ہمراہ ہو کر لڑنے کا

زر نہیں ہے۔ "راجہ کموور" اور "دلاور خاں کماچی افغان" کی داستانوں کی وقعت بھی اس مَن گھڑت کہانی سے زیادہ نہیں ہے۔ جس کی تردید ابھی ہم نے تاریخی سند سے کی ہے۔ "راجہ کموور" کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان نے اسی بیان میں لکھا ہے کہ۔

"ہندوؤں نے تو ان واقعات کی سرے سے تاریخ لکھی ہی نہیں۔ اور مسلمانوں کو ان چھوٹے واقعات کی "جن کا تعلق" ہندوؤں کے سوشل اور باہمی کوائف سے تھا۔ تفصیل لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔"

تو اب سوال یہ ہے کہ "مؤلف شب جانکی" کو سات سو برس کے بعد یہ حالات کیسے معلوم ہو گئے" اور "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے جنہیں ہر روایت و دعوے پر "تاریخی اصول درایت سے تنقید و نکتہ چینی کرنے کا ادعا ہے" شب جانکی کے اس بیان کو کس بنا پر قبول کر لیا۔ اور اس پر اپنی مُہر تصدیق بھی ثبت کرنی ضروری سمجھی ہے۔"

مؤلف موصوف کا یہ کہنا قطعاً صحیح نہیں ہے کہ "اسلامی تاریخیں واقعات سے خالی ہیں" اگر کوئی شخص واقعات کی جستجو کے لئے اُن کی ورق گردانی کرے تو بہت کچھ مواد اُن سے حاصل کر سکتا ہے" لیکن جسے تحقیق و تلاش سے کچھ غرض نہ ہو" اور صرف اپنے مقصد کے پورا کرنے ہی کی دُھن ہو تو پھر اُس کے لئے ایسی مَن گھڑت کہانیوں کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

دلاور خاں کماچی افغان کی اولاد کو شادی بیاہ وغیرہ کی تقاریب میں جو "کمبو قوم" کے نذرانہ دینے کا حال بیان میں ہے" اُس کے متعلق ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ "صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ" کے اضلاع میں "زبیری کنبوہ" خاندانوں اور دوسری رؤسا کی رعایا جو "بڑھیوں" "جولاہوں" "اہیروں" "کمہاروں" اور اسی قبیل کے لوگوں سے مسلمانوں پر مشتمل ہے" اپنی شادی بیاہوں وغیرہ کی تقریبوں میں اُنہیں نذرانے گذرانا کرتی ہے" ہندوستان کی اس قدیم رسم سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کے چوراسی گوتہ "قوم کمبوہ" کے جو خاندان "دلاور خاں کماچی کی اولاد کو شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر نذرانے دیتے ہیں" وہ دلاور خاں کے خاندان" کی رعایا رہے ہیں" اور نذرانے کی قدیم رسم پر اب تک قایم ہیں۔"

تاریخ کمبوہان کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ "مؤلف تاریخ کمبوہان" اپنی قوم کو "تاریخی اور نمایاں قوم" باور کرانے کی دُھن میں ایسے سرشار ہیں کہ اُنہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اُن کے پیش کردہ شواہد و اسناد کی حیثیت و حقیقت کیا ہے" محمد بن قاسم" اور "سلطان شہاب الدین غوری" کے مقابلہ میں بھی "قوم کمبوہ" کی لڑائیوں وغیرہ کے متعلق ان من گھڑت کہانیوں کے پیش کرنے سے اُن کا یہ مقصد صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ اپنی قوم کمبوہ کو ایک جرار قوم اور اُس کا تسلسل ہر زمانے میں دکھانا چاہتے ہیں" اب رہی یہ بات کہ اُن کے پیش کردہ اسناد قابلِ قبول ہیں یا نہیں تو وہ سب کے سامنے ہیں۔"

باب ہفت دہم

سلطان شمس الدین التمش کے کمبوج کو کمبوہ بنا دینے کی داستان اور مؤلف تاریخ کمبوہان کی عجیب و غریب رائے زنی

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبوہ" پہلے کمبوج تھے۔ اب کمبوہ کہلاتے ہیں" کی سُرخی دے کر صفحہ ۱۵۸ تا ۱۶۰ پر یہ لکھا ہے کہ۔

"گمان غالب ہے کہ "اس زمانہ تک" کمبو" اپنے پرانے قومی لقب "کمبوج" (باضافہ جیم تازی) سے مخاطب ہوتے رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ "ج" کا حرف اُن کے نام کے ساتھ سے "بمرور زمانہ اُڑنا شروع ہو گیا۔"

مؤلف تاریخ شب جانکی لکھتے ہیں کہ "سلطان شمس الدین التمش نے "کمبوؤں"

کے اعلانِ معانی کے ساتھ "کمبوجی" کے "جیم" کو "جی" بمعنی عزت "(مثلاً پنڈت جی" "لالہ جی" "شیخ جی" "کمبوجی" وغیرہم) ایک اعزازی لفظ تصور کرکے۔ حکم دیا تھا۔ کہ آیندہ قوم کو صرف "کمبو" پکارا جائے"

لیکن اِس رائے پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے" آفتاب سلطنت اسلامیہ کے عیّن نصف النہار و عروج اقبال کے وقت "شہنشاہ اکبر اعظم" جہانگیر و شاہجہان" جیسے بادشاہ جن کو تاریخ عالم میں "مغل اعظم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے" ہندو مسلمان اُمراء کو "شیخ جیو" راجہ جیو" کے الفاظ سے مخاطب کرتے رہے ہیں" اِسی صورت میں بادشاہ کا مندرجہ بالا حکم "دِرایت کے برخلاف ہے"

تاہم بہت ممکن ہے کہ "سلطان نے" لفظ کمبوج میں "حرف جیم کو "جی" تصوّر کیا ہو" اور اِس خیال سے کہ افراد رعایا کو بادشاہ کا "جی" کے لفظ سے مخاطب کرنا" وقار شہنشاہی کے منافی ہے" دربار میں مخاطب کرتے وقت "صرف کمبو" کے لفظ سے پکارا ہو" جس سے آیندہ قوم کا نام صرف "کمبو" رہ گیا"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "لفظ کمبوج" میں "جیم کا حرف" جیساکہ ناظرین سمجھ سکتے ہیں" غیر متحرک" اور "ساکن نہیں ہے" بلکہ موقوف ہے" اور تلفظ میں بہت خفیفُ الصوت ہے" یعنی۔ لفظ "کمبوج" کے ساتھ اِتّصال پاتے وقت اپنی آواز بہت خفیف سی نکالتا ہے" اِس لئے اگر اس نے گِر کر اپنی جگہ "ہائے ہوز" کو دے دی ہے۔ تو یہ کوئی تعجّب کا مقام نہیں ہے" بلکہ یقیّن قدرتی اور نیچرل ہے" جیم کا حرف کسی قدر بُوجھل اور وزنی ہے" اور اس کے بجائے "ہائے" ہلکی اور سبک ہے" پس عام محاورہ میں "ہائے ہوز نے" جیم تازی" کی جگہ لے لی" اور "کمبوج" صرف "کمبوہ" رہ گیا"

اِس کا اثبات ایک اور دلیل سے بھی ہے" اِن دنوں "ہائے ہوز" کا حرف بھی اُڑ رہا ہے" اور عام طور پر بول چال اور گفتگو میں اب صرف "کمبو" پکارا جانا شروع ہوگیا ہے"

زیادہ تر لطیف نکتہ یہ ہے کہ "پنجاب میں اب "ب" نے بھی اپنی جگہ خالی کرنی شروع کردی ہے" اور اہلِ پنجاب کے غیر تعلیم یافتہ بعض افراد "کمبوہوں" کو بجائے "کمبو" کے صِرف کمو کہہ کر مخاطب کررہے ہیں"

"علم فیلالوجی" (زبان اور لغت کی فلسفیانہ تحقیقات کا علم) کے ماہر جانتے ہیں کہ زبانوں میں اِس قسم کے تغیرّات کسی شخص یا قوم کے حیطۂ اختیار سے مبتّا وزہوا کرتے ہیں" اور نیز اِس قسم کے تغیّر و تبدل کو ایک معقول عرصہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے"

صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عالمگیر اُصول "قوم کے نام پر کب سے وارد ہوا"

"دیگر یہ صاف ظاہر ہے کہ " برہمنی عہد میں " لفظ کمبوج " اپنی اصلی ہیئت اور معانی کے لحاظ سے بدستور قایم تھا " جس کو اس وقت قریباً چودہ سو سال کا عرصہ گذر گیا ہے "

تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ پرانے زمانہ کے " کمبوج " ہی اس وقت کے " کمبو " ہیں۔ کیونکہ بفرض محال " اگر کور نظری اور ہٹ دھرمی سے " اس دعوے کے اثبات کو تسلیم نہ کیا جائے " تو معترض کو جواب دینا پڑے گا " کہ ہندوستان کی مشہور و معروف قوم " کمبوج " اس وقت کہاں ہے "

کمبوج قوم نے " تاریخ ہند میں " اس قدر حصہ لیا ہے۔ اور اس تکاثر و تواتر کے ساتھ اس کا ذکر " ہندوستان کی کتب قدیم میں آیا ہے کہ۔ اس کو بے پرواہی سے نظرانداز نہیں کر سکتے " ایک ایسی قوم۔ جو ہند پر۔ آریوں کی یورش سے " مہابھارت و رامائن کے زمانہ تک " اور پھر اس عہد سے " برہمنی عہد تک " ہندوستان میں نمایاں۔ اور درخشندہ حیثیت میں۔ موجود رہی ہو " کیونکر بعد کے زمانے میں ہندوستان سے ایسی بُری طرح معدوم ہو سکتی ہے " کہ اس کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ رہے " پس ایک صاحب بصیرت کے لئے اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی معقول وجہ مانع نہیں ہے کہ " کمبوج قوم ہی " اب کمبو کہلاتی ہے "

علاوہ بریں جیسا کہ ہم اسی باب میں اگلے ورق میں ذکر کریں گے " موجودہ وقت کے دیگر مؤرخین بھی " ہمارے ساتھ اسی اظہار رائے میں شامل ہیں کہ " کمبوج قوم ہی " اب " کمبو " کہلاتی ہے "

سُلطان شمس الدین التمش کے کمبوج کی جیم چھین لینے کی داستان اور مؤلف تاریخ کمبوہان کی پُر غضب رائے زنی کی تردیدی شہادتیں

مؤلف تاریخ کمبوہان کی پیش کردہ اور معتقدہ مؤلف قسب جانکی کی اس دروغ بیانی اور من گھڑت کہانی کا کہ " پرتھی راج " کے ساتھ ہو کر " قوم کمبو " کی فوج نے بھی " سلطان شہاب الدین غوری " کے مقابلہ میں جنگ کی تھی۔ اور سلطان موصوف کو زخمی کرنے والا اُن کی " قوم کمبو " ہی کا ایک فرد تھا " پول تو ابھی ہم اوپر کھول آئے ہیں "

یہاں مؤلف تاریخ کمبوہان نے " اسی قسب جانکی " کے مؤلف کی ایجاد کردہ ایک اور کہانی کو " کہ ہماری قومی نام " کمبوجی " کی " دم " یعنی " جیم " کو " سلطان شمس الدین التمش " المتوفی ۶۳۳ہجری نے کاٹ لیا تھا " اس زمانے سے یہ نام " لنڈورا ہو کر " صرف " کمبو " رہ گیا ہے " پیش کرنا مناسب و ضروری خیال کیا ہے " اور اس پر اپنی مُہر تصدیق ان الفاظ میں ثبت کی ہے کہ۔

" تاہم بہت ممکن ہے کہ " سلطان نے " لفظ کمبوج میں " حرف جیم کو " جی " تصور کیا ہو " اور اس خیال سے کہ افراد رعایا کو " بادشاہ کا " جی " کے لفظ سے مخاطب کرنا " وقار شاہنشاہی کے منافی ہے " دربار میں مخاطب کرتے وقت " صرف کمبو " کے لفظ سے پکارا ہو " جس سے

آئندہ " قوم " کا نام صرف " کمبو " رہ گیا "

لفظ کمبوج میں " جیم کا حرف " ساکن نہیں ہے " اور " لفظ کمبو " جیم " کے ساتھ اتصال پاتے وقت خفیف آواز نکلتا ہے " اور جیم کا حرف کسی قدر بوجھل اور وزنی ہے۔ اس لئے اُس نے اپنی جگہ " ہائے ہوز " کو دے دی " جو سُبک ہے " اور " کمبوج " صرف " کمبو " رہ گیا "

مؤلف موصوف کی اس پُر لیاقت رائے زنی کے متعلق ہمارا اُن سے یہ دریافت کرنا مناسب نہ ہوگا کہ " کمبوج " کی طرح ایک اور لفظ " قنوج " بھی ہے " اور یہ اس قدر پُرانا ہے کہ " قدیم تاریخوں میں جا بجا اس کا نام آیا ہے۔ چینی سیاح ہیونگ شیانگ جو ۶۳۰ء یا رسُولِ مقبول صلعم کی حیاتِ مبارکہ کے زمانے میں آج سے زاید از ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہندوستان آیا تھا " اُس نے بھی اپنے سفرنامے میں " قنوج " کا نام لکھا ہے " وہ لکھتا ہے کہ یہاں سے چل کر (تھانیسر سے متی پورہ) اور متی پورہ سے چل کر " قنوج کی ریاست میں پہنچا۔ جہاں ایک سو خانقاہیں اور دس ہزار پجاری تھے " یہاں کا راجہ " بیش فرقہ " کا راجپوت تھا " جس کا نام " ہرشا وردھن " اور اُس کے باپ کا نام " پراکر وردھن " تھا "....

مؤرخ اعظم مرحوم و مغفور علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اپنے رسالہ عبرت بابتہ ماہ اپریل ۱۹۱۶ء کے صفحہ ۹ تا ۱۶ پر قنوج کی سُرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ " ہندوستان کی تاریخ میں " قنوج " " اوجین " " بنارس " وغیرہ شہروں کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو " شام " کی تاریخ میں " دمشق " اور " اٹلی " کی تاریخ میں " روما " کو " ہندوستان " میں کوئی اہم تاریخی واقعہ ایسا نہیں گذرا جو قنوج نے نہ دیکھا ہو " ہندوستان کا مشہور تیر انداز " ارجن " اور طاقتور پہلوان " بھیم " قنوج " کے سامنے پیدا ہوئے۔ فردوسی نے ہمیں سُنایا ہے کہ " رستم زابلستانی " نوجوانی کے عالم میں " اپنے باپ زال کے ہمراہ قنوج آیا ہے " وہ کیسا عجیب و غریب زمانہ ہوگا کہ " قنوج " کے راجہ نے " سیستان " کے گورنر " زال زر " کو حریر پر لکھکر عرضی بھیجی ہوگی کہ نواح " قنوج " میں ایک بہت بڑا سانپ موجود ہے " جو چوپایوں اور انسانوں کو اپنے سانس کے ساتھ کھینچ کر نگل جاتا ہے۔ مخلوقِ خدا اس آفت روزگار سے سخت لرزاں و ترساں ہے " آپ بہت جلد تشریف لاویں اور اِس موذی کے ٹھکانے لگانے کی تدبیر فرمائیں " بوڑھا سپاہی " سیستان " سے آتا ہے۔ نوجوان بیٹے رستم کو ہمراہ لاتا ہے " رستم " قنوج " سے باہر جنگل میں تنہا جاتا اور اژدہے کو مارتا ہے " اس خوشی میں " قنوج " کے ہر گھر میں خوشی منائی جاتی ہے " رستم جب قنوج میں داخل ہوتا ہے تو عورتوں اور مردوں سے دو طرفہ شہرہ گذر مکانوں کی چھتیں لدی نظر آتی ہیں " مہاراجہ قنوج " کی لڑکی " رستم " سے خواہاں عقد ہوتی ہے۔ اور چند روز یہاں رہ کر " زابلستان " کا حاکم سلطنت ایران کا گورنر زال " اپنے بیٹے کی شادی " قنوج " کی راج کماری سے کرتا اور دولھا دلھن کو ہمراہ لے کر اپنے گھر واپس پہنچتا ہے " یہی قنوج کی شہزادی " رستم " کے بیٹے " فرامرز " کی ماں تھی " فردوسی " کی یہ سنائی ہوئی داستان " قنوج " کی قدامت کے لئے ایک عظیم الشان ثبوت ہے " موریا سلطنت کی بنیاد قایم کرنے والا " چانکیہ برہمن " قنوج " کے ایک معمولی طبقہ کا انسان تھا " اس لئے " اشوک کی لاٹھیں " یقیناً قنوج کے سامنے تیار کی جا رہی تھیں "

محمد بن قاسم تو قنوج کو ٹھکرانا ہی چاہتا تھا کہ قضا و قدر کے ہاتھوں نے اُسے روک دیا۔ لیکن اُس کے تین سو برس بعد " غزنی سے ایک ابر اُٹھا اور اُٹھکر کڑکتا گرجتا برستا ہوا " گنگا اور رام گنگا " کے جائے اتصال یعنی " قنوج " پر چھا گیا " " قنوج " کے راجہ کی راج کماری " سنجوگتا " کا سوئمبر ہے " اس شوہر پسندی کے دربار کی عظمت و شان " شہر کی آئینہ بندی اور چہل پہل " دلی کے راجہ کی بزدلی اور دست درازی سے یکایک یاس و حسرت کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہے " قنوج " کا راجہ جے چند پیچ و تاب کھاتا اور کانٹوں کے بستر پر لوٹتا نظر آتا ہے " آخر " شہاب الدین غوری " کے ہاتھ سے پرتھی راج کو سزا

رلتی ہے۔ اور چند روز کے بعد "غوری فقیر" قنّوج کے سامنے غرّاتا اور جے چند کو للکارتا ہے۔ لڑائی ہوتی ہے اور "جے چند" کے سینہ میں اُس قطب الدین ایبک کا تیر ترازو ہوتا ہے۔ جو ہندوستان کے اِس آخری مشہور راجہ کے چند روز بعد "ہندوستان" کا سب سے پہلا مُسلمان بادشاہ ہوا۔ جس کی قبر لاہور میں انارکلی بازار کے متصل کس مپرسی کی حالت میں لوگوں کی عبرت آموزی کے لئے آج تک باقی ہے" تو جس طرح "ہیونگ شیانگ" کے زمانے سے بہت پہلے سے بلکہ مہابھارت کے سُورما ارجن کی پیدائش سے بھی پہلے سے "قنّوج" کا نام چلا آرہا تھا اور وہاں کے باشندے "قنّوجی" کہلاتے تھے۔ اِسی طرح "سُلطان شمس الدین التمش" کے زمانہ میں بھی قنّوج کے رہنے والے "قنّوجی" کہے جاتے تھے" اور تمام مؤرخین نے "قنّوج" کے رہنے والوں کو "قنّوجی" لکھا ہے۔ نیز آج تک وہ قنّوجی لکھے اور بولے جاتے ہیں" تو اب سوال یہ ہے کہ "جب بادشاہ کا افراد رعایا کو "جی" کے لفظ سے مخاطب کرنا" وقار شاہی کے منافی تھا تو "قنّوجی" کا "جی" بھی اُڑ کر صرف "قنّو" رہ جانا چاہیے تھا" لفظ کمبوجی" تو "کمبو" رہ گیا۔ اور "قنّوجی" "قنّو" نہ ہوا۔ آخر اِس کا کیا سبب ہے" اور امتدادِ زمانہ سے جب "کمبوج" کا جیم" ایسا بوجھل ہوگیا کہ زبان اُس کی گرانی کی تاب نہیں لاسکی۔ تو "قنّوج" کے جیم" میں ایسی سُبکی کیسے پیدا ہوگئی" کہ شروع سے آج تک زبان اُس کے چٹخارے لے رہی ہے" اور کسی طرح اُس کی جُدائی اُسے گوارا نہیں ہے"

"مؤلف تاریخ کمبوہان" جنہیں ہر روایت و دعوے پر "تاریخی اُصول درایت سے تنقید و نکتہ چینی کرنے کا اِدّعا ہے" جب وہ ایسی مَن گھڑت کہانیاں پیش کرکے اور اُن پر اپنی مُہر تصدیق ثبت کرکے اُن کے صحیح باور کرانے میں کوشاں ہوں تو اُن کے لئے سوائے خدا سے دعا مانگنے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے"

مؤرخ تاریخ کمبوہان کو اصرار ہے کہ "اُن کے ناظرین بالضرور اُن کے اِس بیان کو باور کرلیں کہ پُرانے زمانہ کے کمبوج" ہی "اِس وقت کے کمبو ہیں" اور باور نہ کرنے والوں کو اُنہوں نے کور نظر اور ہٹ دھرم کا خطاب عطا کرکے اُنہیں مجبور کیا ہے کہ۔ اُنہیں جواب دینا پڑے گا۔ کہ ہندوستان کی مشہور و معروف قوم "کمبوج" اِس وقت کہاں ہے"

ہم مؤرخ تاریخ کمبوہان، اِس ہذیان کا کہ انہوں نے اپنی پیش کردہ اِس داستان کے نہ ماننے والوں کو "کور نظر" اور "ہٹ دھرم کہا ہے" جواب دینا ضروری نہیں سمجھتے" لیکن اُنہیں یہ بتائے دیتے ہیں کہ "کمبوج" اِس وقت کہاں ہیں"

"منوسمرتی کے ادھیائے دہم" اشلوک تینتالیس[۴۳] میں "منو مہاراج" نے لکھا ہے کہ "چھتریوں میں" جنگ جو قوموں نے جب مذہبی پابندی چھوڑ دی" اور برہمنوں سے برگشتہ ہوگئے" تو رفتہ رفتہ اپنے مرتبہ سے گر گئے" پھر آگے اشلوک چوالیس[۴۴] میں اِن برہمنوں سے برگشتہ جنگ جو لوگوں کے قبایل کی فہرست یہ بیان کی ہے" (۱) پونڈرک" (۲) اُوڈر" (۳) ہوراوڑ" (۴) کمبوج" (۵) یون" (یونانی)" (۶) شک" (سک سکزی) (۷) پارو" (۸) پہلو یا پلہو" (۹) چین" (۱۰) کرات" (۱۱) درد" (۱۲) کھش"

اور کارنامۂ راجپوتان کے صفحہ ۳۶ و ۴۱ پر ہے کہ۔

(الف) واہیہ قوم کی بود و باش "لب دریائے سندھ" جہاں اُس کا دریائے ستلج سے اِتصال ہوا ہے تھی" اگرچہ اِس قوم کے لوگ چھتیس[۳۶] کلوں میں سمجھے جاتے ہیں" مگر اب اُن کا کچھ پتہ نشان نہیں ہے" جیسلمیر کے بھاٹوں کی تاریخ میں اُن کا ذکر ہے" اُن کے نام اور مقام مسکن سے گمان ہوتا ہے کہ "یہ وہ ہی لوگ تھے جن کو سکندر نے "واہیہ" لکھا ہے"

(ب) موہل" قوم کا صرف اِس قدر حال معلوم ہے کہ "جب ریاست حال بیکانیر" قایم ہوئی" اُس وقت تک بڑے خطۂ ملک پر آباد تھی" راٹھوڑوں" نے اُن کو تباہ کرکے نکال دیا۔ اَب "قوم مالسن" "ملانی" مالیہ" اور موہل" سب معدوم ہیں" قوم موہل" مالی" کی اولاد میں تھی" اور مالی" جن کا دارالحکومت ملتان تھا" سکندر" کی دشمن تھی"

(ج) اور صفحہ ۴۱ پر ہے کہ "واہمہ" قوم کا اب صرف نام باقی رہ گیا ہے۔۔۔ چوہانوں کی سلطنت کے ساتھ" یہ نسل

معدوم ہوگئی" علاوہ اِن متذکرہ صدر اقوام کے "ساکا" "کوشن" "کٹاس" وغیرہ وغیرہ بہت قوموں کے نام ہندی تاریخوں میں آتے ہیں۔ لیکن اَب اُن کا پتہ نہیں ہے تو جو حالت اِن سب قوموں پر گذری" وہ ہی "قوم کمبوج" پر گذر گئی" اَب اُس کو اللہ میاں کے پاس ڈھونڈنا چاہیے"

باب ہشت دہم ۱۸

مؤلف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ "قوم کمبو کے چھتری بَرن" سے ہونے کے دلایل

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبو چھتری بَرن سے ہیں۔ اُن کے چھتری ہونے کے دلایل" کی سُرخی کے تحت صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۴ پر اِن دلایل کو اِس طرح دکھایا ہے کہ۔

"بقول مصنّف تاریخ کھتریان" کسی قوم کے حسب و نَسب" اور اصلیّت کی تحقیقات کے وقت "محققین کو لازم ہے کہ" اس فرقہ کے لوازم "خانگی و اندرونی پر" جو تعمیل رسُوم آبائی وطرزِ پرستش" وطریقِ تمدّن" پر مبنی ہوں" (اور جن کی تسلسل قدامت" اور جن کی تعمیل کی شدّت" ہر ایک ذات کے دعوے کو ثابت کر سکتی ہے") بخوبی غور کرے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے۔ کہ فرقہ مدّعی۔ جس ذات میں شامل ہونے کا دعویدار ہے۔ اس کے خصایص و رسُوم اُس میں موجود ہیں یا نہیں"

تاریخ کھتریان سے یہ بیان دے کر مؤلّف موصوف نے لکھا ہے کہ "اپنے اِس دعوے کے اثبات کے لئے ہمارے پاس "مندرجۂ ذیل دلایل ہیں۔ جن سے ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ "کمبو" چھتری آریہ نسل سے ہیں"

اِس بحث پر ہم نے جس قدر مضمون لکھا ہے۔ اُس کا بہت سا مواد "منشی محمد عبداللہ صاحب مالیری مرحوم کی کنج کاویوں کا نتیجہ ہے" آپ نے پنجاب کے مختلف اضلاع کا دَورہ کیا۔ مختلف مذاہب کے "کمبوہوں سے" صَرفِ اخلاق کیا۔ اُن کے نَسب نامے" جنم پتریاں" اور "شجرہ ہائے نسب دیکھے" ان کے رسُوم و رواج کا بہ اَمعانِ نظر معائنہ کیا۔ اور پھر چند مختصر اَوراق میں اپنی تحقیقات کا نتیجہ آیندہ نسل کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ جن کو ہم آنکھوں سے لگاتے اور سَر پر رکھتے ہیں"

(۱) اوّل:- پنجاب میں اکثر گوتروں یا گوتوں "گوت کسی قوم کے قبیلے یا خاندان کے خاص نام کو کہتے ہیں") کا "چھتریوں" اور "برہمنوں کی گوتوں سے ہم نام ہونا" پنجاب کی رپورٹ مردم شماری بابتہ سال ۱۸۹۱ء میں "کھتریوں اور برہمنوں کی گوتیں تفصیل وار درج ہیں" اِن گوتوں کا جب "کمبو قوم" کی گوتروں سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو "کھتریوں کی زاید از یک صد" اور برہمنوں کی کم و بیش پچیس ۲۵ گوتیں "کمبوؤں" کی گوتروں سے ملتی ہیں" جو اِس امر کی دلیل ہے کہ "کمبو" اور "چھتری" ہم نسل ہیں" مسٹر میک لیگن سپرنٹنڈنٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء نے بھی اپنی رپورٹ میں "کھتری ذات" کی

تفصیل بیان کرتے ہوئے "اُن کی گوتوں کا مقابلہ "چھتریوں سے کیا ہے" اور پھر "چھتریوں" اور "کھتریوں" کو اِسی دلیل سے "ایک ہی قوم تصوّر فرمایا ہے"

ٹاڈ صاحب فرماتے ہیں کہ "گوتر" چھتری قوم کی "وہ مذہبی کسوٹی ہے۔ جس کا نام لیتے ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں شخص کس نسل اور کس خون سے تعلق رکھتا ہے" اور اُس کے اَوضاع واطوار واخلاق کس قسم کے ہیں" اِس لئے اگر ہم اور ہماری طرح دوسرے دماغ "گوتوں کی مشابہت کو دلیل ہم نسلی" ٹھہراتے ہیں" تو کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے"

(۲) دوئم :۔ ہندو کمبوؤں کے ہاں "شادی بیاہ کی تقاریب پر "برہمن کو جنیؤ" (زنار) اور تلک کا لاگ دیا جاتا ہے" حالانکہ زنار باندھنے کا اختیار "دو جنما قوموں کو ہے" نیز اکثر "ہندو قوم" اب تک عموماً زنار بند۔ (جنیؤ دھاری) رہتے ہیں"

(۳) سوئم :۔ ہندو کمبو" اپنے لڑکوں" کو "چھتری اور برہمن قوم کی طرح" پانچ سات سال کی عمر میں "یگیوپویت" یعنی بھدن کراتے ہیں"

(۴) چہارم :۔ چھتریوں کی پُرانی رسم کے مطابق "پنجاب کے مشرقی حصّہ میں "ہندو کمبو" دسہرہ کے ایّام میں "شستر پُوجا" کی رسم ادا کرتے ہیں" (ٹاڈ صاحب بھی تصدیق کرتے ہیں کہ چھتری ہتھیاروں کی پرستش کیا کرتے تھے" چنانچہ راجپُوتوں کی پرستش اسلحہ کا ذکر وہ خود بھی کرتے ہیں" (مؤلف تاریخ کمبوہان)

(۵) پنجم :۔ چھتریوں کی طرح "کمبوؤں کے ہاں" دُولھا کا "درخت جنڈ" کی پُوجا کرنا اور اس کی شاخ کو کاٹنا"

(۶) ششم :۔ بموقعہ شادی "بکرے کو ذبح کرنا" جس کے بجائے اب گُڑ کی بھیلی پھوڑ کر تقسیم کی جاتی ہے"

(۷) ہفتم :۔ چونکہ چھتریوں کا "شستر دھاری" یعنی مسلّح رہنا۔ آبائی پیشہ" اور پُرانا دستور تھا۔ اِس لئے "کمبوؤں کے ہاں" چھتریوں کی طرح "شادی میں دُولھا کو تلوار پہنائی جاتی ہے" اور اگر قانون برطانوی کے سبب تلوار نہ پہن سکیں" تو اس کے عوض کوئی آہنی چھڑی پاس رکھتے ہیں"

(۸) ہشتم :۔ سب سے زیادہ ضروری "اور قطعی ثبوت "کمبوؤں کے" چھتری ہونے کا یہ ہے کہ "وہ سنکلپ کے موقعوں پر "ورما کے لفظ سے مخاطب کئے جاتے ہیں"

ہندو مذہب میں "منو" کے وقت (زمانہ ۹سو قبل مسیح) آریوں کی چار برنوں میں تقسیم ہوئی ہے" اِن چار ذاتوں کے لئے چار جداگانہ الفاظ مقرر ہیں" برہمن شرما" چھتری ورما" ویش گپتا" اور "شودر۔ داس" کے لفظ سے مخاطب و موسوم کئے جاتے ہیں" اور اب تک یہ سلسلہ ہندوستان میں جاری وساری ہے" کمبوؤں کو شروع سے آج تک "لفظ ورما ہم" اور "ورما" سے پُکارا جاتا ہے۔ جو چھتریوں کے لئے مخصوص ہے" اور اِس لئے ہم کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم "کمبوؤں کو کیوں چھتری نسل سے خارج تصوّر کریں"

(الف) "تاریخ کھتریان" مصنفہ لالہ ہیرا لعل کپور لاہوری "مطبوعہ کھتری سماچار پریس لاہور میں" صاحب مصنف "اپنی قوم کو "چھتری" ثابت کرتے ہوئے صٓ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "لفظ ورما" جو از رُوئے اِصطلاح دہرم شاستر "قوم کشتری کا" اصل لقب ہے ہماری قوم کے ساتھ ہزار ہا سال سے منسوب ہے - اور ہمارے آباؤ اجداد - اور ہم اور ہماری اَوْلاد "بوقت ضرورت ہمیشہ "شنکلپ وغیرہ کے موقعوں پر اپنے ناموں کو اسی لقب کے ساتھ مدت مدید سے ملقب ہوتے دیکھتے چلے آتے ہیں" باوصف تبدیلی پیشہ وغیرہ - صفات ہم کو اپنے "کھشتری ہونے کا یقین کامل دلاتا ہے" اور حسب قواعد دہرم شاستر "سات آٹھ برس کی عمر میں "یگیہ پویت ہوتا ہے" باستثنائے برہمن و چھتری اور کسی فرقہ راجپوت "بنیا" کایستھ" وغیرہ میں "یگیو پویت" دگا تیری" وغیرہ کی ایسی سخت قید نہیں "ہمارے دعوے کے ساتھ ہمارے آبائی رسُوم بھی گواہ ہیں" اور دسہرے وغیرہ کے دن "ہتھیاروں" اور "سمی برکس" (درخت جنڈ) کا پُوجنا" بموقعہ شادی دُولھا کا گھوڑے پر سوار ہونا" اور بکرے کا ذبح کیا جانا" جو مصلحتاً چند روز سے بند ہے" صرف رسم ادا ہوتی ہے" وغیرہ وغیرہ"

پس چھتریوں کی یہ تمام رسُومات - جو ایک چھتری ہندو مصنف نے تحریر کی ہیں" وہ ہی رسُومات ہیں جو اس وقت "ہندو کمبوؤں" میں بھی رائج ہیں - اور بلاشک وشبہ "کمبوؤں" کے "چھتری ترن ہونے کی" کافی دلیل ہیں"

(ب) علاوہ بریں "راجہ شیوُ پرشاد صاحب بھی" آئینۂ تاریخ نما حصۂ سوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ "کمبوج" کے رہنے والے اب "کمبو" کہلاتے ہیں"

(ج) نیز بھائی تارا سنگھ جی نروتم "پنڈت نرملا ملازم سرکار پٹیالہ نے "اپنی کتاب "گوُر تیرتھ سنگرہ گرنتھ" میں جہاں ذاتوں کا ذکر لکھا ہے - تحریر فرمایا ہے کہ "سُورج بنسی" چندر برہما کی اَوْلاد" کمبوج سے آئے ہوئے چھتری "آج کل کمبو" کہلا رہے ہیں"

(د) تاریخ حصار کی دفعہ ۱۲ باب ۸ میں بھی اِسی رائے کی تائید کر کے تحریر کیا گیا ہے "کمبوؤں کی بنیاد "چھتریوں سے ہے"

(س) خود کمبوؤں کی خاندانی روایات میں "ان کا چھتری" اور "کرن و کمبوج" کی اَوْلاد سے ہونا ظاہر کیا جاتا ہے"

(ط) کمبوؤں کے میراسی" اور "پروہت" ان کو سورج کی اَوْلاد (سُورج بنسی) اور چھتری نسل ظاہر کرتے ہیں"

پس خلاصہ اِس تحریر کا یہ ہے کہ "کمبو" بلاشُبہ" آریہ نسل" اور "چھتری خاندان کی ایک شاخ ہیں" بلا لحاظ اِس امر کے کہ ان کے عقاید مذہبی کیا ہیں" کمبوُؤں کے اکثر حصہ نے اِسلام قبول کر کے اپنی وہ خصوصیتیں ترک کر دی ہیں - جن سے شرک کی بُو آتی تھی" اور جن کی وجہ سے ان کا ہندو پن - اور چھتری ہونا - مُترشح ہوتا تھا" اور "سکھ

بالخصوص ہندو کمبوؤں میں۔ اگرچہ اُن کی تعداد یوماً فیوماً کم ہوتی جارہی ہے۔ یہ اعتقادات اور رسُوم و رواج۔ تاحال کم و بیش قایم و موجود ہیں۔

مؤلّف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ قوم کمبو کے چھتّری نسل سے ہونے کے دلایل کے تردیدی شواہد

(۱) مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اس بیان میں "سنہ ۱۹۰۲ مطابق ۱۳۱۶ ہجری کی ایک چھتیس ۳۶ صفحہ کی تالیف سفینہ عبداللہ مالیری مؤلّفہ منشی محمد عبداللہ کمبو" مطبوعہ مطبع صدّیقی لاہور سے لیکر جو دلایل اپنی قوم کمبو کے چھتری نسل ہونے کے "پیش کئے ہیں اُن میں "کمبوؤں اور چھتری کی گوتوں یا گوتروں کی مشابہت کو بہت اہمیت دے کر دلیل ہم نسل ٹھیرایا ہے" اور ثبوت میں لکھا ہے کہ "کھتریوں" کی زاید از یک صد اور "برہمنوں" کی کم و بیش پچیس ۲۵ گوتیں "کمبوؤں" کی گوتروں سے ملتی ہیں۔

مگر یہ دلیل خود اُن ہی کے بیان سے ناقابلِ قبول ہے۔ اس لئے کہ جس طرح دو قوموں "چھتریوں اور برہمنوں" کی گوترین ایک ہیں تو دوسری اقوام کا بھی اِن گوتروں سے منسوب ہونا قطعی ممکن ہے۔ "گوتروں کے متعلق "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے بصرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "گوت کسی قوم کے قبیلے یا خاندان کے خاص نام کو کہتے ہیں"۔ مگر کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۴۸ و ۴۹ پر گوتروں کی تشریح اِن الفاظ میں کی ہے کہ "راجپوتوں کی قوم کے ہر ایک نامور آدمی کے نام سے اُس کی اَولاد علیحدہ گوتر سے مشہور ہوتی ہے"۔ جیسے کچھواہوں میں بن بیر کی اولاد "بنویر پوتہ" کہلاتی ہے۔ اور "شیخ جی پسر موکل کی اولاد "شیخاوت" کے نام سے پکاری جاتی ہے"۔ اور سیسودیہ چونڈا کی اولاد "چونڈاوت" کہلاتی ہے"۔ کبھی کبھی کسی ملک اور خاص مقام سے بھی نام پڑ جاتا ہے"۔ جس طرح مارواڑ میں رہنے والے "مارور اٹھوڑ"۔ اور میرتیہ کے رہنے والے "میرتیہ" کہلاتے ہیں اور سیسودا گاؤں کے رہنے والے "سیسودیہ" مشہور ہیں"۔

لہذا گوتر کے ایک ہونے کی حقیقت محض اسی قدر ہے کہ جیسے "امرتسر" کا رہنے والا۔ کوئی چھتری یا شیخ "یا "برہمن" یا "کمبو" یا "چمار" یا "کہار" یا "کایستھ" یا کسی دوسری قوم کا شخص "دوسرے شہر میں جاکر "امرتسری" کہلاتا ہے" اور اسی نام سے مشہور ہو جاتا ہے" تو یہ نام "امرتسری" اُس شخص کی اَولاد و خاندان کی گوت یا گوتر کہا جاتا ہے"۔ مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۸ پر "اپنی قوم کمبو" کے خاندانوں کی گوتروں کی ایک فہرست دی ہے جن میں "جموں" "سندھ ہے"۔ "ہٹی"۔ "ملتانی"۔ اور "نیپال" نام بھی ہیں"۔ اور صفحہ ۳۰۸ پر ارائین قوم کے خاندانوں کی دار یحائی "یعنی ملک شام کے مقام۔ اریحا" سے موسُوم قبیلہ" جو گوترین لکھی ہیں اُن میں "سندھو"۔ "ملتانی"۔ "ہانسی"۔ "نام ہیں"۔ اِن ناموں سے صاف ظاہر ہے کہ اِن دونوں قوموں کے جن میں کوئی نسلی تعلق بالکل نہیں ہے یہ خاندان اِن شہروں اور مقامات سے آئے ہوئے ہیں "سندھ ہے" اور "ملتانی" "کمبوؤں" کے گوتر ہیں" اور "سندھو" اور "ملتانی" "ارائیوں" کے بھی گوتر ہیں"۔ تو جس طرح اِن گوتروں کے اشتراک کی وجہ سے یہ دونوں قومیں ایک نسل کی ثابت نہیں کی جاسکتیں اِسی طرح گوتروں کے ناموں کا اشتراک "چھتریوں" اور "کمبوؤں کے" ہم نسل ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتا"۔ کمبوؤں اور چھتریوں سے "ارائیوں" کی طرح میراثیوں وغیرہ دیگر اقوام کی اکثر گوتروں کے اشتراک کا حال بھی ہمیں معلوم ہے"۔ لیکن اختصار کے مدّنظر اور بے ضرورت سمجھ کر اُنہیں چھوڑ دیا ہے"۔

(۲) اب رہیں یہ باتیں کہ "(۱) کمبو قوم" میں "برہمن اور چھتری اقوام کی چند رسُومات ہیں"۔ (۲) اور برہمن اُنہیں لفظ ورماسے پکارتے یا مخاطب کرتے ہیں جو چھتریوں کے لئے مخصوص ہے"۔ (۳) راجہ شیو پرشاد نے آئینہ تاریخ نما میں" اور بھائی تارا سنگھ نے "گورتیرتھ سنگرہ گرنتھ" میں یہ لکھا ہے کہ "کمبوج سے آئے ہوئے" چھتری" اب "کمبو" کہلاتے ہیں" نیز

تاریخ حصار کی دفعہ بارہ میں راجہ جی اور بھائی جی کی تائید درج ہے "(۴) اور "کمبوؤں" کی اِس خاندانی روایت کے علاوہ کہ وہ راجہ کرن اور کمبوج کی اَولاد ہیں "اُن کے "میراثی" اور "پروہت" بھی اُنہیں "سُورج کی اَولاد" "سُورج بنسی" اور چھتری نسل کہتے ہیں" تو یہ باتیں بھی کچھ وزن نہیں رکھتیں "یعنی کمبو قوم کے "چھتری بَرن" سے ہونے کا کوئی قطعی ثبوت بہم نہیں پہنچاتیں"

(الف) سارے مؤرخین اِس اَمر پر متفق ہیں کہ "ہندوستان" اور خصوصاً پنجاب میں جو قوم کمبو کا موجودہ مسکن ہے کثیر بیرونی اقوام داخل ہوتی رہی ہیں "جنہوں نے یہیں سکونت اختیار کرلی اور آپس کے نیز قدیم اقوام کے میل جول سے ایک دوسری کی رسُومات و مذہب کی کچھ کچھ باتیں اختیار کرلیں" جس سے نیا تمدّن اور نیا مذہب اِس ملک میں وجُود میں آگیا" اور قدیم برہمنی مذہب باقی نہیں رہا۔ صرف اُس کا نام رہ گیا ہے" اِن حالات میں "قوم کمبو" میں اِن چند رسُوم کے آجانے کو جنہیں مؤلف تاریخ کمبوہان نے یہاں پیش کیا ہے۔ اُس کے چھتری بَرن سے ہونے کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا"

کمبو قوم تو خیر ہندو تھی اور کثیر حصّہ اُس کا اب بھی ہندو اور نام نہاد برہمنی مذہب کا پَیرو ہے" لیکن عربی اقوام تک جو اِسلام کی علمبردار رہی ہیں" وہ بھی اِس ملک میں آکر میل جول کی وجہ سے ہندوؤں کے تھوڑے بہت رواج و رسُومات کے اختیار کرلینے سے نہیں بچ سکیں"

القریش امرتسر بابتہ ماہ فروری ۱۹۲۵ء کے صفحہ ۹ پر "ساداتِ کرام اور رواج" کی سُرخی کے تحت تحریر ہے کہ "معاصر الرّاعی "شریعت اور رواج پر تبصرہ کرتا ہوا" قانون رواج پنجاب" کے حوالے سے "ساداتِ کرام" کے اِن غیر مشروع رواجات کا ذکر کرتا ہے "جو فرمانِ قرآنی اور احکامِ ربّانی" کے سراسر خلاف ہے" معاصر موصُوف لکھتا ہے کہ "سیّد رواج" کے تابع ہیں" اور "کنجر شرع محمدی کے" یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو "مشرّع اور متدیّن لوگوں کو ہی نہیں" عام مدّعیانِ اِسلام کو "عرقِ خجالت میں غرق کردینے کے لئے "طوفانِ نوح" سے کم نہیں" اِس سے قوم سیّد ہی کی نہیں بلکہ لفظ سیّد کی سخت توہین" اور اُن کی پیشانی پر ایک سیاہ داغ ہے" مگر خود کردہ را علاجے نیست" واقعات کو کون جھٹلا سکتا ہے"......

"الرّاعی" نے فیصلہ جات کا حوالہ دیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں"

(۱) سیّدانِ ضلع ملتان "رواج کے پَیرو ہیں نہ کہ شرع محمدی کے" ۴ پنجاب ریکارڈ ۱۸۸۵ء"
(۲) بخاری شیعہ سیّدانِ ساڈھورہ ضلع انبالہ" بیوہ قانون شرع کے برخلاف اپنے خاوند کی سالم جائداد کی وارث ہے"
(۳) سیّدانِ ضلع گورداسپور" اُمور انتقال جائداد۔ اور وراثت میں "جیلانی سیّدان" جو کہ پشتوں سے بطور پیشہ زراعت کا کام کرتے ہیں۔ شرع محمدی کے نہیں۔ بلکہ رواج کی پَیروی کرتے ہیں" ۴ پنجاب ریکارڈ ۱۹۰۸ء"
(۴) سیّدانِ ضلع گورداسپور" رواج کی پَیروی کرتے ہیں" (۹۰ ریکارڈ پنجاب ۱۹۰۱ء)
(۵) سیّدانِ ضلع جالندھر" دختران اور اُن کے پسر چوتھی پُشت کے نرینہ جدّیوں کو خارج کرتے ہیں" (۲) پنجاب ریکارڈ ۱۸۸۹ء)
(۶) سیّدانِ ضلع ہوشیارپور" جو صاحبانِ زمین پُشتوں سے زراعت کرتے ہیں۔ رواج کی پَیروی کرتے ہیں" (۱۲۶ پنجاب ریکارڈ ۱۹۰۶ء)
(۷) سیّدانِ ضلع انبالہ" ایسے رواج کی پَیروی کرتے ہیں جو زرعی رواج کے منطبق نہیں" بیوہ سالم جائداد محدود اختیار سے لیتی ہے" (۱۱ پنجاب ریکارڈ ۱۸۹۶ء)

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے" یہ ادّعا فضول ہے کہ "سیّدوں میں" تمام باتوں میں شرع محمدی" حاوی ہوتی ہے" لیکن یہ کہنا ویسا ہی ناممکن ہے کہ خاندان نے تمام باتوں میں رواج قبول کرلیا ہے" ۱۲ پنجاب ریکارڈ ۱۹۱۱ء" (اِس کا مطلب یہ ہے کہ بہت باتوں میں اِن سیّدوں نے رواج قبول کرلیا ہے اور بہت میں وہ شرع محمدی پر بھی عامل ہیں") آہ یہ حال ہے اُن لوگوں کا

ان کا فرض تھا کہ وہ دین کے معاملہ میں زیادہ مضبوط ہوتے" اور شرع محمدی کی سب سے زیادہ پیروی کرتے" مگر افسوس خود سیدوں میں شرع محمدی کا اتباع موقوف ہو چلا ہے۔ اصحابِ بصیرت کے لئے یہ واقعہ فی الواقع حیرت انگیز ہے"

لطف یہ ہے کہ "قانونی کتب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ "کنجر" بالعموم شرع محمدی کے پیرو ہیں" حالانکہ اِن لوگوں سے یہی توقع رکھنی بہت مشکل ہے" لیکن واقعات کو کون جھٹلا سکتا ہے" ہم ذیل میں چند قانونی حوالے" شریف اور عالی خاندان والوں کو عبرت دلانے کے لئے پیش کرتے ہیں" تاکہ عام شرفاء اور عزت مند اصحاب میں شریعت حقہ کی پیروی و اتباع کا شوق دامنگیر ہو"

(۱) "کنجرانِ لاہور" شرع محمدی کی پیروی کرتے ہیں" (۱۴۸ پنجاب ریکارڈ ۱۸۸۹ء)

(۲) "کنجرانِ دہلی" شرع محمدی کی پیروی کرتے ہیں" (۶۲ پنجاب ریکارڈ ۱۸۹۲ء)

(۳) "کنجرانِ دہلی" شرع محمدی کی پیروی کرتے ہیں" (۵۲ پنجاب ریکارڈ ۱۸۹۳ء)

(۴) "کنجر" شرع محمدی کے تابع ہیں" (۸۹ پنجاب ریکارڈ ۱۸۸۳ء)

(۵) "کنجر" شرع محمدی کے پابند ہیں" (۹۵ پنجاب ریکارڈ ۱۸۸۴ء)

"تذکرۃ الکرام تاریخ امروہہ" کی جلد ثانی کے صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے کہ "امروہہ" کے شرفاء (یعنی سادات و شیوخ) کی لڑکیوں کو جائداد میں شرعی حق نہیں ملتا" کشمیریوں کا ایک مشہور خاندان "ملا خاندان" کہلاتا ہے "جگت نراین ملا" وکیل لکھنؤ اسی خاندان کے تھے" جن کے دو صاحبزادے "تیج نراین ملا" جج ہائی کورٹ الٰہ آباد" اور "آنند نراین ملا" وکیل لکھنؤ ہیں" مشہور مقنن بمبئی جن کی "ہندو لا" مشہور کتاب ہے" پارسی ہیں اور ملا کہلاتے ہیں" منظوم کنندہ جارج نامہ ۱۸۳۷ء مطبوعہ بمبئی در فارسی "ملا فیروز بن کاؤس" بمبئی کے ایک مشہور مصنف اور پارسی تھے" مگر ملا کہلانے کی وجہ سے جو مسلمانوں کے ایک فرقہ کا لقب ہے" اِن اصحاب کی قومیت اور مذہب میں کوئی فرق نہیں آیا" نہ انہیں کسی نے مسلمان سمجھا"

راجہ صاحب محمود آباد (علاقہ اودھ) حضرت ابوبکر صدیق رض کی اولاد میں ہیں" مگر نواب کے بجائے "ہندوانہ لقب" راجہ" موسوم ہیں" تو اس راجہ کے لقب کو مدار علیہ قرار دے کر کوئی کسی طرح بھی انہیں ہندو اجداد کی اولاد ثابت نہیں کر سکتا"

(ب) "زنار" چھتریوں" اور "برہمنوں" کے سوائے "ہندوستان" کی چند اور قومیں بھی باندھتی ہیں" اور زنار باندھنے سے وہ چھتری نہیں ہو گئی ہیں"

زنار باندھنے کی طرح "دسہرہ میں "ہتھیاروں کی پوجا بھی" اکثر ہندو قومیں کرتی ہیں" مگر نہ وہ خود اپنے آپ کو "چھتری" کہتی ہیں۔ اور نہ ہتھیاروں کی پوجا کی وجہ سے انہیں کوئی چھتری سمجھتا ہے" تاریخداں حضرات اس سے واقف ہیں کہ "کالیستھ" اونچے ذاتوں میں نہیں شمار کئے جاتے" لیکن اب وہ اپنے آپ کو چھتری کہتے ہیں اور یہ کہانی سناتے ہیں کہ جب "پرسرام جی نے" چھتریوں" کا تخم سوخت کر دیا" یعنی دنیا سے اُن کی نسل معدوم کرنے کے لئے قتل عام کیا تھا تو کچھ حاملہ عورتیں چھتریوں کی بچ گئی تھیں اُن کی اولاد ہم ہیں" ایسی ہی کہانی مملکت آصفیہ کے ضلع آصف آباد کے ایک لکھ پتی پنچھی ٹھیکہ دار نے ۱۳۲۹ف میں ہمیں سنائی تھی" اس ٹھیکہ دار کے رشتہ دار بڑھئی اور معمار تھے" بجائے مقامی بڑھئیوں اور معماروں کے وہ اپنے اِن رشتہ داروں سے ہی کام لیا کرتا تھا" ایک روز ہم نے اُس کی ذات پوچھی تو اُس نے کہا کہ "پرسرام جی نے چھتریوں کا قتل عام کیا تو اُن کی چند حاملہ عورتیں "بڑھئیوں" لوہاروں" معماروں" وغیرہ وغیرہ کے گھروں میں چھپ گئی تھیں" اُن کی اولاد جو پیدا ہوئی" وہ انہیں لوگوں کی ذاتوں سے مشہور ہوئی" جن کے یہاں اُن کی ماؤں نے پناہ لی اور خود انہوں نے پرورش پائی تھی" غرضکہ ایسے لوگ اور خاندان ہیں جو ذی حیثیت اور صاحب ثروت ہو جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو شودر کہنے سے شرماتے ہیں" اور چھتری بن گئے ہیں" اگرچہ انہوں نے "زنار" باندھ لئے ہیں اور ایام دسہرہ میں ہتھیاروں کی پوجا کو" اپنا شعار بنا لیا ہے" اور چند دیگر رسومات کو بھی اختیار

کر دیا ہے۔ لیکن اِن طریقوں سے وہ اپنے کو چھتری نہیں منوا سکے ہیں۔ اور اپنی اُس حقیقت کو جو کتب تواریخ میں جلی حرفوں سے لکھی ہوئی ہے، نہیں مٹا سکے ہیں۔

(ج) مؤلف تاریخ کمبوہان نے لکھا ہے کہ "پنجاب" کے مشرقی حصہ کے "ہندو کمبوہ" چھتریوں کی پرانی رسم کے مطابق دسہرہ کے ایام میں "شستر" یعنی ہتھیاروں کی پوجا کی رسم ادا کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ مغرب، اور شمال، جنوب کے "کمبوہ" جو ہتھیاروں کی پوجا "ایام دسہرہ میں" نہیں کرتے ہیں اُن کی قومیت کیا ہے۔

"قوم کمبوہ" کا "بموقعہ شادی" بکرے کو ذبح کرنا جس کے بجائے اب "گڑ کی بھیلی" تقسیم کی جاتی ہے، اور دولھا کو بوقت شادی تلوار پہنائی جاتی ہے۔ اگر قانون برطانوی کے سبب تلوار نہ پہن سکیں تو لوہے کی چھڑی ہی اُس کو دیدی جاتی ہے۔ یہ دونوں رسمیں بھی چھتریوں میں مخصوص نہیں ہیں۔ دوسری اکثر اقوام چھوٹی بڑی اُن کو عمل میں لاتی ہیں۔ چنانچہ صوبہ متحدہ میں "جولاہے" "برہئی" اور "کھٹیک" وغیرہ وغیرہ ہندو و مسلمان اقوام اپنی اپنی شادیوں کے موقعوں پر "گڑ" تقسیم کرتی ہیں اور اسی صوبہ کے شیوخ و سادات کے خاندانوں میں یہ رسم ہے کہ زچہ کو تلواروں کے سایہ میں جسے چند عورتیں پکڑے ہوتی ہیں صحن میں لا کر تارے دکھائے جاتے ہیں۔ اور تیر کمان زچہ کے ہاتھ میں دے کر اُس سے چند تیر چلوائے جاتے ہیں۔ بعض اسلامی خاندانوں میں بچہ گیری کی رسم کی جاتی ہے۔ تین تلواروں کا ایک مثلث بنا لیا جاتا ہے۔ دو بوڑھیاں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جن میں سے ایک "نومولود بچے" کو تلواروں کے حلقہ میں سے گذار کر دوسری بڑی بی کو یہ کہکر "بچہ" دیتی ہے کہ "بچہ لے" وہ اُسے لے کر پھر پہلی کو واپس دیتی اور اسی جملہ کو دہراتی ہے غرضکہ "سات بار بچہ" تلواروں کے حلقہ میں سے گذارا جاتا ہے۔" مملکت آصفیہ دکن کے تمام قصبات و دیہات کے ہر قبیلہ و قوم کے مسلمانوں میں شادی کے موقع پر "دولھا کو گھوڑے پر سوار کرکے اور چھوٹی یا بڑی تلوار یا خنجر اُس کے ہاتھ میں دے کر شب میں گشت کرایا جاتا ہے۔" تو کیا ان رسومات کی وجہ سے جن میں گڑ کی تقسیم اور "ہتھیاروں" کا استعمال بموقع شادی خصوصیت سے کیا جاتا ہے۔ یہ سب اقوام چھتری ہو گئی ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو "مؤرخ تاریخ کمبوہان" کی یہ دونوں دلیلیں بھی جو انہوں نے اپنی قوم کے چھتری ٹبرن ہونے کی سند میں پیش کی ہیں کوئی وقعت و حیثیت نہیں رکھتیں۔

یہاں ایک بات اور بھی غور طلب ہے کہ "برطانوی قانون کے سبب کمبوہ قوم کے دولھا کو تلوار نہ پہنائی جا سکے تو لوہے کی چھڑی دے دی جاتی ہے" مگر بکرا ذبح کرنے کے بجائے "اب گڑ کی بھیلی بموقع شادی" تقسیم کرنے کا سبب "مؤلف تاریخ کمبوہان نے کچھ نہیں بتایا۔" آخر بکرا ذبح کرنے میں کونسا برطانی قانون مانع ہوا جس کی وجہ سے "بکرا ذبح ہونے کی بجائے" "گڑ" تقسیم ہونے لگا ہے۔"

(د) برہمنوں کا "قوم کمبوہ" کو لفظ "ورما سے" مخاطب کرنا بھی کوئی دلیل اِس قوم کے چھتری ٹبرن سے ہونے کی نہیں ہے کہ "اگر یہ لفظ کچھ بھی اہمیت رکھتا تو "مؤلف تاریخ کمبوہان کو" پھر دوسرے دلایل پیش کرنے کی اور اس بارے میں تگ و دو کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔" برہمن پروہتوں کی حالت "بھاٹوں" اور "میراثیوں" کی حالت سے کچھ بھی بہتر نہیں ہے۔" جس طرح بہت سے مولوی ہیں جو روپیہ لے کر حسب منشاء فتوے دے دیتے ہیں۔" یہی حالت برہمنوں کی ہے اُنہیں روپیہ دو اور جو چاہو کہلوا لو۔" اِس بحث میں جہاں "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے پروہتوں اور میراثیوں کے بیانات کو اپنے چھتری النسل ہونے کی شہادت میں پیش کیا ہے۔ وہاں ہم اِن فرقوں کی حقیقت کو بھی وضاحت سے دکھائیں گے۔"

راجہ شیو پرشاد کی تاریخ "آئینۂ تاریخ نما" کی حقیقت"

(س) جن تین کتابوں سے لے کر مؤلف تاریخ کمبوہان نے یہ لکھا ہے کہ "کمبوج" سے آئے ہوئے چھتری اب "کمبوہ" کہلاتے ہیں۔ وہ اِسی حالیہ زمانہ کی تصنیفیں ہیں" اور خاص مقاصد کے پیشِ نظر رکھکر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے راجہ شیو پرشاد کی تاریخ پر محققین نے جو کچھ لکھا ہے اور اب بھی کبھی کبھی لکھتے رہتے ہیں" اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ "ہندوستانیوں کی قسمت اُسی دن پھوٹ گئی" جب اِس قسم کی تاریخیں دیسی زبان میں لکھی گئیں" اور رفتہ رفتہ اِفترا پردازیاں اور جھوٹ "موجودہ تاریخ کا جزو بنا دی گئیں

اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۲ مئی ۱۹۳۲ء مطابق ۸ محرم ۱۳۵۱ ہجری کے صہ۲ کالم ۳ پر "تحریر ہے کہ" . . . . . چونکہ غدر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں سے زیادہ "ہندوؤں نے حصہ لیا تھا" اور "ہندو باغی" "بہادر شاہ کی جے" کے نعرے بلند کر رہے تھے" اِس وجہ سے گورنمنٹ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ تعلیم کے ذریعہ سے ہندو مسلمانوں میں نااِتفاقی پیدا کرائی جائے" اِس مقصد کے لئے "راجہ شیو پرشاد" سے "آئینۂ تاریخ نما" تصنیف کرائی گئی" چنانچہ ہمارے صوبہ (متحدہ) کے "پرائمری" "مڈل" اور ہائی اسکولوں میں "نچی جماعت سے لے کر اونچی جماعت تک یہی تاریخ پڑھائی جاتی تھی" اور اُوپر کی جماعتوں میں اسی کتاب کا ترجمہ" آئینۂ تاریخ نما کا لبِ لباب یہ تھا کہ "مسلمان بادشاہ نہایت ظالم تھے" انہوں نے ہندوؤں پر بہت ظلم وستم کئے" مندروں کو مسمار کیا" ہندوؤں کے مذہب کے مٹانے کے لئے مختلف مسلمان بادشاہوں نے۔ مختلف قسم کی تدابیر اختیار کیں" کالج کی کلاسوں میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی گئیں" وہ بھی تقریباً اِسی مضمون کی تھیں" اِن زہریلی تحریروں کا نتیجہ "ہندو مسلمانوں کی موجودہ منافرت ہے . . (البشیر)

غرضکہ ایسی کتابوں سے شہادتیں بہم پہنچانا" مؤلف تاریخ کمبوہان ہی کا کام ہے" اِس موقع پر مؤلف تاریخ کمبوہان کے اِس سے پہلے بیان کو پھر دیکھ لینے کی ہم سفارش کرتے ہیں جس میں انہوں نے "شب جائگی" سے لے کر لکھا ہے اور اپنی مُہر تصدیق بھی اُس پر ثبت کی ہے کہ "کمبوج کی "جیم" کو "سلطان شمس الدین التمش" نے چھین لیا تھا" اُس وقت سے "کمبوج کا لفظ" لنڈورا ہو کر "صرف کمبو" بولا جانے لگا ہے"

(ط) مؤلف تاریخ کمبوہان نے اِس بیان کے اخیر میں دو ثبوت" اپنی قوم کمبو کے "چھتری بَرن سے ہونے کے پیش کئے ہیں کہ۔ "(۱) کمبوؤں کی خاندانی روایت میں ان کا چھتری" اور (راجہ) کرن و کمبوج" کی اَوْلاد سے ہونا ظاہر کیا جاتا ہے"

(۲) کمبوؤں کے "میراسی" اور "پروہت" ان کو "سُورج بنسی" اور "چھتری نسل" ظاہر کرتے ہیں"

فقرۂ اوّل کے متعلق مؤلف موصوف نے اپنے اِس بیان میں جو لکھا ہے وہ سامنے ہے" مگر انہوں نے خود ہی پچاس صفحہ آگے بڑھکر اپنی اِسی کتاب کے صہ۱۰۳ پر اِس فقرے کی تردید اِن الفاظ میں کی ہے کہ۔

"کمبوؤں کے شجرۂ نسب میں "راجہ کرن کا ذکر ضرور آتا ہے" اور "راجہ کرن سے آگے بھی نام گِنائے جاتے ہیں" لیکن ہم کو اب تک تحقیق نہیں ہو سکا کہ "راجہ کرن" کس زمانہ میں" اور کس حصۂ ملک پر فرمانروا تھا" نہ کتب و تواریخ کی ورق گردانی سے ہی ہمیں اِس راجہ کا کچھ پتہ

(نوٹ ۱) اِسی کارگذاری پر "راجہ شیو پرشاد" مصنف "آئینۂ تاریخ نما" جن کی تاریخ سے مؤلف تاریخ کمبوہان نے استفادہ کیا ہے" "ستارۂ ہند" بنا دیئے گئے تھے"

جل سکتا ہے۔ بعض اصحاب ”راجہ کرن“ سے اُس بہادر کو مراد لیتے ہیں۔ جو جنگ مہابھارت میں کوروں کا طرفدار۔ اور دراصل ”پانڈوں کا“ بھائی تھا۔ لیکن یہ دعویٰ غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت ”کمبوہ“ خود بحیثیت القوم اس جنگ میں شامل تھے۔ (یہاں مؤلف تاریخ کمبوہان نے ”کمبوج“ کے بجائے ”کمبوہ“ لکھا ہے۔ جو غلط ہے۔ ح ا ع) پس وہ ہی راجہ ”جو اِس لڑائی میں“ اُن کا ہمعصر اور جانبدار تھا“ اور اُن کے فریق کا مددگار و معاون تھا“ کس طرح اُن کا جدِ امجد ہو سکتا ہے“ علاوہ بریں ”مہابھارت میں“ راجہ کرن کی اولاد مثل برکھ کیت“ کے نام بھی تحریر ہیں“ ان میں سے کسی کا نام ”کمبوؤں کے شجرے میں مذکور نہیں ہے“ خود اِن شجروں کی“ جو تاریخی حیثیت ہو سکتی ہے ظاہر ہے“ پس یہ کوئی اور حکمران“ اس قوم میں کسی زمانہ مابعد میں گذرا ہے“ جس کا تعین کرنے سے ہم قاصر ہیں“ ممکن ہے کہ ”ڈہوٹ راجگان ملتان“ یا جہام کمبوہ“ راجوں میں سے“ (یہاں بھی مؤلف موصوف نے ”کمبوج کے بجائے“ کمبوہ“ لکھا ہے۔ ح ا ع) کوئی راجہ اس نام کا ہو گذرا ہو“ یا کمبوج کے حکمرانوں میں سے کسی کا نام ”کرن“ ہو۔ لیکن تاریخ میں اس کا نام دستیاب نہیں ہو سکا“ کرن کے متعلق“ ہماری ذاتی رائے دریافت کی جاوے“ تو موجودہ واقفیت کی بنا پر“ ہمارے خیال میں ”کرن سے“ ”کُرس“ مراد ہوگا“ جو جیسا کہ ہم تیسرے باب میں ذکر کر آئے ہیں ”شہنشاہ کمبوجیا“ کا جدِ امجد تھا“ ممکن ہے کہ اِسی لفظ کا تلفظ ”سنسکرت لہجہ نے“ تبدیل کر دیا ہو)

مؤلف تاریخ کمبوہان ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے پر بھی جیسا کہ ہم اُوپر دکھا آئے ہیں“ شہنشاہ کامبوجیا“ کی اولاد کا ”افغانستان“ میں آنا اور اُن کی وجہ سے افغانستان کا نام کمبوج پڑ جانا“ ثابت نہیں کر سکے ہیں“ لیکن انہوں نے یہاں اپنی رائے سے پھر ”شہنشاہ کامبوجیا“ کے جدِ امجد سے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے“ اور جس طرح سے جوڑا ہے“ وہ سامنے ہے“ انہوں نے راجہ کرن کو ”شہنشاہ کمبوجیا کا جدِ امجد ”کُرس“ (کیخسرو) مراد ہوگا لکھا ہے“ افسوس ہے اُن کے حال پر وہ تاریخ ہند کی موٹی موٹی باتوں سے بھی ناواقف ہیں“ یا انہوں نے ہر موقع پر اپنے ناظرین کو دھوکا دینا ہی اپنا فرض قرار دے لیا ہے

مؤلف موصوف نے ”کمبو قوم“ میں شجروں کی موجودگی کا بھی ذکر کیا ہے“ لیکن اپنی ساری کتاب میں کہیں ایک شجرہ بھی درج نہیں کیا ہے“ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بات بھی انہوں نے برائے بیت اپنے مقصد کو باور کرانے کے لئے لکھدی ہے“ ”ڈہوٹ راجگان ملتان“ جن کا انہوں نے اِس بیان میں ذکر کیا ہے“ اُن کا بھی کوئی وجود کبھی نہ تھا“ ان فرضی راجاؤں کے متعلق جو بیان مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۲ پر دیا ہے“ اُس کی تردید ہم اُوپر کر چکے ہیں“ یہاں انہوں نے ”جہام کمبو راجوں“ کا جو نیا نام لیا ہے“ اُن کے وجود کے متعلق بھی مؤلف موصوف نے کوئی تاریخی شہادت نہیں پیش کی ہے“ اور صرف نام لکھدینے سے کسی کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا“ یہ بھی اُن کی ایک اختراع ہے“

کیونکہ ”مؤلف تاریخ کمبوہان“ کی پیش کردہ اُن کی قوم کمبو کے ”راجہ کرن و کمبوج“ کی اولاد ہونے کی قومی روایت کی بھی خود انہیں کے بیان سے تردید ہو چکی ہے“ تو اَب ہم کو صرف فقرہ دوم کے متعلق جس میں اُنہوں نے ”میراثیوں اور پروہتوں کو اپنے چھتری نَبرن ہونے کا شاہد قرار دیا ہے“ دکھانا ہے کہ اُن کے طریقے اور عمل کیا ہیں“ میراثیوں“ اور پُروہتوں کی حالت کا اندازہ ”منشی احمد الدین صاحب ایم۔ اے علیگ پروفیسر تاریخ ساکن اٹاوہ“ کے قلمی سفرنامے موجودہ

درکتب خانہ محرّر اوراق ہٰذا کے صفحہ ۱۲ کے اِس بیان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ "ملتان کے" ہندو مسلمان کی تفریق میں مجھ کو ہمیشہ دقّت ہوئی "سرائے کا انچارج" میری دانست میں ہندو تھا" اور اس کا ثبوت یہ ہو سکتا تھا کہ اِس مُنجرے کے ایک لمبی چوٹی بھی تھی" مگر بعد میں معلوم ہوا کہ "وہ مسلمان ہے" اور اُس کا نام عبدالحمید ہے" نیز یہ کہ وہ نو مسلم بھی نہیں ہے" بلکہ اس کے باپ دادا بھی مسلمان تھے"

پیر صاحب نے ایک بھاٹ کا پتہ دیا" جس کو شجرے یاد ہیں" اور اُس کو سرکار سے "رائے بہادر" کا خطاب ملا ہے" اگرچہ مجھے بھاٹوں پر اعتماد نہیں" مگر اِس خیال سے کہ ممکن ہے کوئی کام کی بات نکل آئے" وہاں بھی پہنچا" اُس نے کہا کہ ہم صرف اِتنا جانتے ہیں کہ وہ شیخ قریشی ہیں" اب آگے جیسا آپ کہیں ہم اُن کا شجرہ بنا کر "کتھا بنا دیں" میں نے کہا کہ ہم اِس قسم کی روایات نہیں چاہتے" اب صرف شیخ بہاؤالدین زکریا" کے سجادہ نشین "مرید حسین صاحب سے" ملنا باقی ہے جو آج شب میں آجائیں گے" اِرادہ ہے کہ کل صبح اُن سے مل کر اُسی وقت "لاہور" روانہ ہو جاؤں"......

اس بیان کے درمیانی ٹکڑے سے خوب طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ "برہمن و پروہت - میراثی و بھاٹ" وہ ہی بات کہنے پر آمادہ رہتے ہیں جو اُن کے ججمان اُن سے کہلوانا چاہتے ہیں" یا اُن کے ججمانوں کی جیسی مرضی و خواہش ہوتی ہے" اِن لوگوں کو روپیہ رولنے اور انعام و اکرام وصول کرنے سے کام ہے" مُردہ دوزخ میں جائے یا جنّت میں" اِس سے انہیں کوئی غرض اور مطلب بالکل نہیں ہے" مگر مؤلف تاریخ کمبوہان" جنہیں ہر روایت و دعوے پر تاریخی اُصول درایت سے تنقید و نکتہ چینی کرنے کا ادّعا ہے" اِس قسم کی باتوں کے باور کرانے پر زور دے رہے ہیں" جن کا کھوٹ" درایت کی کسوٹی پر لگاتے ہی صاف نظر آجاتا ہے" اور جن کی حقیقت و حیثیت کو ہم نے ابھی ظاہر کیا ہے"

باب نوزدہم [19]

مؤلف تاریخ کمبوہان کی پیش کردہ کمبوؤں کی گڑھ گجنی پر قابض رہنے کی آبائی روایت اور رائے زنی

مؤلف تاریخ کمبوہان نے صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۴ پر "کمبوؤں میں "گڑھ گجنی" پر قابض رہنے کی آبائی روایت موجود ہے" کی سُرخی کے تحت لکھا ہے کہ۔

"جب ہم اپنی قومی روایات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو وہاں بھی ہم کو۔ اِسی قسم کی روایات ملتی ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ "کمبو قوم" کے بزرگ" کسی وقت "غزنی" و افغانستان پر حکومت کر چکے ہیں"

چنانچہ "پنجاب کے ضلع کرنال" اور "ریاست پٹیالہ" اور اس کے گرد و نواح کے بعض "کمبو خاندانوں میں" ایک قومی اور سینہ بہ سینہ روایت اِس قسم کی مشہور ہے" کہ وہ "چھتریوں" کی اولاد ہیں۔ اور کسی زمانہ ماقبل میں "ان کے بزرگ "گڑھ گجنی" کی ریاست میں "صاحب تاج و علَم" اور مالکِ تخت و بخت تھے"

روایت میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ "کچھ مدّت تک ذوق فرمانروائی" اور لطفِ حکومت اُٹھانے کے بعد۔ اُن کا کسی زبردست اور خوفناک دشمن سے پالا پڑ گیا۔ جس نے انہیں ریاست مذکورہ سے "حملہ کر کے بیدخل کر دیا"

رپورٹ مردم شماری پنجاب ۱۸۹۱ء میں "مسٹر پر سر صاحب" مہتمم مردم شماری" کمبوؤں" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کرنال کے کمبو" اپنی اصلیت "گڑھ گجنی" سے بتلاتے ہیں" (رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء حصّہ اوّل)

"مولوی محمد عبداللہ صاحب مالیر کوٹلوی" اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مؤلف نے اس بارے میں" پنجاب وغیرہ کے "ہندو مسلمان" کمبوؤں کی خدمت میں چند سال تک متواتر خط و کتابت کی" اور بہت سے مقامات میں" بذاتِ خود بھی حاضر ہوکر بالمشافہ زبانی تحقیقات کی" تو ان تحقیق شدہ حالات کی رُو سے ثابت ہوا کہ "گڑھ گجنی" میں حکومت کرنے والی "چھتری قوم کی" باقیات الصالحات "کمبو" ہیں۔ اس کے علاوہ حسب ذیل دلائل سے "کمبو قوم کا" کسی زمانہ ماضی میں "دار الریاست" گڑھ گجنی" پر قابض و متصرّف ہونا ثابت ہے"

(۱) کلُ محقق اور واقف ہندو و مسلمان کمبو" اپنی سینہ بہ سینہ قومی و قُبلی روایات کی رُو سے اپنی قوم کا نکاس "گڑھ گجنی" سے بتلاتے ہیں" اور جب تک اس کی کوئی اصلیت نہ ہو۔ اس روایت کا اِس شدّت اور تواتر کے ساتھ "کمبوؤں میں" اِشاعت پانا ناممکن ہے"

(۲) ہندو کمبوؤں میں "شادی کے پھیروں کے وقت" پروہت لوگ" ساکھو چار میں "گڑھ گجنی" نکاس" اور "للوچھی" (گھگھر باس) کہہ کر پکارتے ہیں" گویا "غزنی میں" کمبوؤں کا" صاحب حکومت ہونا۔ ایسا یقینی اور واقعی خیال کیا جاتا ہے کہ "کمبوؤں کی" قومی رسُومات" اور شادی غمی" کی تقریبات کی ایک لازمی رسم۔ اور جزوِ اعظم بنا گیا ہے" یہ عمل "وادیِ ستلج و جمنا کے" ہندو کمبوؤں میں عموماً اور "پٹیالہ" اور "اس کے مضافات میں رہنے والے "کمبوؤں میں خصوصاً رائج ہیں"

علاوہ اس کے "پنجاب میں جب "مراسی لوگ" کمبوؤں کے ہاں آکر اپنے معمول کے مطابق "شجرہ نسب" سناتے ہیں" جسے وہ اپنی اصطلاح میں "کلان" کہتے ہیں۔ تو وہ بھی "اپنی کلان میں "گڑھ گجنی" کا ذکر "فخریہ طور پر کرتے ہیں"

(سفینۂ مالیری)

اِن بیانات پر مؤلّف موصوف نے اپنی رائے اِن الفاظ میں تحریر کی ہے کہ۔

"غرضکہ اِن تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "کمبوؤں میں "غزنی" میں حکومت کرنے کی نہایت زبردست روایت ہے۔ اور اِس روایت سے "ہماری اس رائے کی "کلّی طور پر تائید ہوتی ہے کہ "کمبوج سلطنت" موجودہ مشرقی افغانستان میں نہایت جاہ و جلال کے ساتھ قایم رہ چکی ہے" قصّہ مختصر اِن واقعات و شواہد پر غور کرنے سے یہ بات مؤثق طور پر قابلِ یقین پائی جاتی ہے کہ "حضرت مسیحؑ کی ولادت سے "صدیوں پیشتر "کمبو قوم" کی ایک زبردست سلطنت" موجودہ افغانستان" اور "موجودہ آزاد سرحدی علاقہ"

کوہستان سلیمان " کوہ ہندوکش " میں موجود تھی " جو اس قوم کے نام پر " سلطنت کمبوج " کہلاتی تھی " اور اپنے عروج کے زمانہ میں اس کی حد " کشمیر کے شمال " اور " سمرقند " وغیرہ مقامات میں " مغربی ترکستان تک " پہنچ گئی تھی " اسی سلطنت کا ذکر " ہندوستان کی پرانی کتابوں میں آیا ہے " اس ملک کے رہنے والے " کمبوج " کہلاتے تھے " وہ ہی جنگ وشوامتراؤ " جنگ مہابھارت " میں شامل ہوئے " اسی کی طاقت وقوت کو " بطور ضرب المثل " سنسکرت لٹریچر میں " اعلیٰ درجہ حاصل ہے " یہاں کے رہنے والے " آریہ چھتری " کہلاتے تھے ۔۔۔ اور پھر انہیں چھتریوں " کی اولاد " موجودہ بد بخت " بدنام کنندہ بزرگان قوم " کمبوہ " کہلاتی ہے "

مؤلف تاریخ کمبوہان کی آبائی روایت اور رائے زنی کی تردید خود اُن کے بزرگ عبداللہ مالیری کے بیانات سے

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی قوم کمبو کو قوم کمبوج کی باقیات الصالحات قرار دے کر غزنی اور افغانستان پر اس کے حکومت کرنے کے متعلق جو رائے اِن الفاظ میں پیش کی ہے کہ۔

" جب ہم اپنی قومی روایات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو وہاں بھی اسی قسم کی روائتیں ملتی ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ کمبو قوم کے بزرگ کسی وقت غزنی اور افغانستان پر حکومت کر چکے ہیں۔ غرضکہ ان تمام باتوں سے (یعنی قومی اور صُلبی روایات سے) معلوم ہوتا ہے کہ کمبوؤں میں غزنی پر حکومت کرنے کی نہایت زبردست روایت موجود ہے اور اس روایت سے کلّی طور پر تائید ہوتی ہے کہ کمبوج سلطنت موجودہ افغانستان میں نہایت جاہ وجلال کے ساتھ قائم رہ چکی ہے "

اس کی تردید اُن کے بزرگ منشی عبداللہ مالیری ومصنف سفینۂ مالیری کے بیان سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ جسے سند گردان کر انہوں نے یہ رائے زنی کی ہے " مصنف رسالہ سفینۂ مالیری نے تو یہ بتایا ہے کہ کمبو قوم کا نکاس گڑھ گجنی واقع گجرات کا ٹھیاواڑ سے ہوا ہے اور وہیں کے شہر کے تعلق سے اس قوم کا نام کمبو پڑا ہے۔ مگر مؤلف موصوف نے اُن کے بیان کے بڑے حصّہ کو چھپا کر اور باقی میں تحریف کر کے گڑھ گجنی " کو " غزنی واقع افغانستان بنا دیا ہے " اور اس طرح افغانستان میں پہنچا کر اپنی قوم کمبو کی وہاں حکومت بھی قایم کرا دی ہے ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اَب ہم منشی عبداللہ مصنف رسالہ سفینۂ مالیری کا مکمل بیان پیش کرتے ہیں جس سے مؤلف تاریخ کمبوہان کے اِخفا اور تحریفوں کا سارا حال ظاہر ہوگا "

منشی عبداللہ مالیری کا پورا بیان

" سفینۂ مالیری " مصنفہ منشی عبداللہ کمبو " ساکن مالیرکوٹلہ " مطبوعہ در مطبع صدیقی لاہور سنہ ۱۹۰۲ء مطابق سنہ ۱۳۱۹ ہجری کے صفحہ ۳ تا ۶ پر تحریر ہے کہ۔

(۱) نَسب اور احوال کمبوؤں " کا	لکھوں میں یہ ہے قوم کا مدعا
(۲) اُسے بعض ایسا بیان کرتے ہیں	وہ طبع رسا یوں رواں کرتے ہیں

(۳) سودکشن جو راجہ تھا کمبوج کا ۔۔۔ دلیسر و بہادر جری مَرد تھا
(۴) سُورَج بنسی تھا چھتری اصل سے ۔۔۔ چندر بر ہما اوتار کی نسل سے
(۵) ہُوا پانڈوؤں اور کوروں کا جنگ ۔۔۔ سودکشن بھی شامل ہوا بیدرنگ
(۶) وہ ہمراہ لایا تھا فوجِ جری ۔۔۔ شُجاع و بہادر جو تھے چھتری
(۷) ہوا تھا مددگار وہ کوروں کا ۔۔۔ مگر جنگ میں وہ بھی مارا گیا
(۸) بہت اُس کا لشکر بھی لڑکر مَرا ۔۔۔ اُدھر خاتمہ جنگ کا بھی ہوا
(۹) بچے اُس کے ساتھی جو اُندہ وہیں ۔۔۔ یہیں ہو گئے پھر وہ مسکن گزیں
(۱۰) جو تھا اصل کمبوج کا یہ گروہ ۔۔۔ ہُوئے قوم کمبوجی مشہور وہ
(۱۱) زمانہ جو پہلو بدلتا رہا ۔۔۔ تو کمبو ہی کمبوجی کا رہ گیا
(۱۲) اِنھیں پہلے کمبوجی کہتے رہے ۔۔۔ وہ کمبوجی سے پھر کمبو ہو گئے
(۱۳) زباں سنسکرتی میں مشہور عام ۔۔۔ یہ کمبوج تھا ملک کابل کا نام
(۱۴) یہ سب راجہ کمبوج کی داستان ۔۔۔ مہا بھرت میں ہو چکی ہے بیان
(۱۵) سودکشن کا یہ قصہ مشہور ہے ۔۔۔ یہ قوم کمبوؤں میں مشہور ہے
(۱۶) روایت مگر اِس کو جانو کُہن
میں لکھتا ہوں جو مُعتبر ہے سخن

ناظرین عبداللہ مالیری کمبو کی پرانی روایت سُن چکے" اَب اُن کی مُعتبر بات ملاحظہ ہو"

(۱۷) ہے تحقیق ٹاڈ اور قومی بیان ۔۔۔ ہے سینہ بہ سینہ زبان پر رواں
(۱۸) افو کتابِ ٹاڈ تاریخ کو دیکھئے ۔۔۔ بیانات قومی ذرا سوچئے
(۱۹) روایات قومی کا مفہوم عام ۔۔۔ مفصل پتہ دے رہا ہے تمام
(۲۰) تواریخ پر چاہئے اِعتبار ۔۔۔ ہو تاریخ بھی مُستند نامدار
(۲۱) اُسی کے مطابق ہو قومی بیان ۔۔۔ جو سینہ بہ سینہ رہا ہے عیاں
(۲۲) روایت وہ اب میں بیان کرتا ہوں ۔۔۔ تواریخی حالت عیاں کرتا ہوں
(۲۳) اجودھیا کا ایک راجہ تھا چھتری ۔۔۔ جسے تھی سُورج بنس میں برتری
(۲۴) بہادر تھا اور جنگ جُو مَرد تھا ۔۔۔ وہ کُل چھتری قوم میں فرد تھا
(۲۵) جو وہ مُلک گیری پہ عازم ہوا ۔۔۔ وطن چھوڑ "ویرات" میں رہ گیا
(۲۶) لیا چھین راج اُس نے "پرمار" کا ۔۔۔ بسایا اُسی نے "وِرَنگر" کو تھا
(۲۷) ہوا بنس اُس کی سے "ویجا" جو تھا ۔۔۔ "ویجا پور" "وِربا" کا بانی ہوا
(۲۸) "ولبھی" "گجنی" یہ مشہور شہر ۔۔۔ جو "کمبھنے" کے تھے پاس وہ رشکِ دہر
(۲۹) جو تھے "کاٹھیاوار" "گجرات" میں ۔۔۔ اِسی بنس نے تھا بسایا اُنہیں
(۳۰) مگر شہر یہ قتل و ویران ہوئے ۔۔۔ بچے واں سے جو وہ گُریزاں ہوئے
(۳۱) یہاں سے سُنو قومی قلبی بیان ۔۔۔ ہے سینہ بہ سینہ زبان بر زبان

تاریخ ٹاڈ راجستھان کرنل ٹاڈ

تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ

"ویرات" شاہ... کا قدیم نام

"دربار" [illegible]

"پرمار" راجپوتوں کا ایک قبیلہ

(۳۲) کہ جب "گجنی" برباد و ویران ہوئی — یہ ہیں چھتری "آل کمبو" پڑ گئی

(۳۳) اِسی "گجنی" سے ہے انہوں کا نکاس — ہوا تھا انہوں کا وہیں بنس ناس

(۳۴) "سورج بنسی" ہیں چھتری ہیں اصل میں
"اجُدھیا" سے ملتے ہیں یہ نسل میں

(۳۵) تھے ان کے بڑے "گجنی" کے حکمران — شجاع و دلیر و جَری مرد مان

(۳۶) اجُدھیا تو اس قوم کی اصل تھی — پہ "گجنی" میں اِن کی ترقی ہوئی

(۳۷) سُورج بنسی یہ چھتری قوم ہے — یہ سب صاحبِ ثروری قوم ہے

(۳۸) رہے مدتوں تک یہ فرمانروا — رعیت بھی حاکم بھی شاداں سدا

(۳۹) مگر ایک دشمن جو بیباک تھا — دغا بازیوں میں چالاک تھا

(۴۰) بہت اُس نے حملے کئے بار بار — پہ ناکام پھرتا تھا بے اختیار

(۴۱) نہ جب جنگ کی تاب وہ لا سکا — تو آمادہ تدبیر پر ہو گیا

(۴۲) جو ان کے ہی کُل کا پروہت وہ تھا — اِدھر اُن کے دشمن سے وہ مل گیا

(۴۳) پروہت نے دشمن کو دی یہ خبر — سلونوں کے دِن اُن پہ حملہ تو کر

(۴۴) پرستش میں مصروف ہوں گے سبھی — تہی دست ہوں گے یہ سب چھتری

(۴۵) جو اُس وقت حملہ کیا جائے گا — مُراد اپنے دل کی تو سب پائے گا

(۴۶) پروہت سے دشمن یہ پا کر پتا — سلونوں کے دِن حملہ آور ہوا

(۴۷) یہ پا کر کے موقع کیا قتلِ عام — کیا ملک دولت کو غارت تمام

(۴۸) بہت سر تنوں سے اُتارے گئے — بہت لوگ یک لخت مارے گئے

(۴۹) تبہ کر دیا شہر کو لُوٹ کر — ہوئی چھتری قوم بے بال و پَر

(۵۰) ہوا خاندان قتل آیا خلل — تبہ ہو گئے اُن کے رنگین محل

(۵۱) بچے واں سے جو ہو گئے مُنتشِر — رہا زیب و زینت نہ مال و نہ زر

(۵۲) نہ وہ عیش و عشرت کا گلزار تھا — نہ وہ شان و شوکت کا دربار تھا

(۵۳) نہ وہ سبز و شاداب بُستان سرا — نہ اُمرائے دولت کا وہ جمگھٹا

(۵۴) نہ وہ ملک دولت خزاین رہے — نہ وہ راجگی کے قراین رہے

(۵۵) نہ وہ باغ و گلشن نہ بازار تھا — فقط وہ تھے یا دشت پُر خار تھا

(۵۶) خس و خاک میں اُن کو سونا پڑا — غم و رنج میں جان کو کھونا پڑا

(۵۷) غم و یاس سے اُن کا سینہ تھا چاک — تھے مقتولوں کے غم سے دلِ دردناک

(۵۸) جہاں جن کو موقع مِلا جا بسے — بسر زندگی اپنی کرنے لگے

(۵۹) اُدھر سے وہ پھر آئے پنجاب کو
پہ "کمبے" سے "کمبو" کے القاب کو

(۶۰) وہ "کمبے" کی کھاڑی کا "گجنی" مقام — جو چھوڑا ہے "کمبو" پڑا اُن کا نام

(۶۱) قدیمی وطن اُن کا "کمبے" جو تھا — مقامی لقب اُن کا "کمبوہ" ہوا

(۶۲) مقامی ہے یہ نام "نسلی نہیں"

یہ ہیں چھتری اصل نقلی نہیں

(۶۳) پھیروں میں کمبوؤں کے "گجنی نکاس" — ہیں کہتے پروہت اور گھگر کا پاس

(۶۴) ہوئی تھی جو یہ قوم اُس دن خراب — سلونوں کی رکھڑی سے ہے اجتناب

(۶۵) سلونوں کے دِن کو نہیں مانتے

یہ اِس دن کو اچھا نہیں جانتے

اِس بیان کے بعد "سفینۂ مالیری" کے صفحہ ۱ تا ۳ پر خود مؤلف نے شرح اِن الفاظ میں لکھی ہے کہ۔

"۱ یہ وہ ہی شہر "گرڑھ گجنی" ہے جس میں "کمبوؤں" کا جنس ناس ہوکر اُس سے اُن کا نکاس ہوا ہے "نہ افغانستان" والی "غزنی" ۔

"۲ خلیج یا کھاڑی "کمبے یا کمبایت" "بحرِ عرب" کی ایک کھاڑی کا نام ہے "جو جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ گجرات" کے جنوب میں واقع ہے" اور خلیج یا کھاڑی "سمندر کے پانی کے اُس قطعہ کو کہتے ہیں۔ جو تین طرف سے خشکی کو دُور تک کاٹتا چلا گیا ہو" دیکھو جغرافیہ نقشہ ہندوستان۔

"۳ اَجدِّھیا سے "ایک سُورج بنسی چھتری راجہ کا" وطن چھوڑ کر "ویرات" میں جانا اُس کے بنس سے "مُلک کاٹھیاواڑ گجرات" میں "خلیج کمبے یا کمبایت" کے قریب مشہور شہر "ولبھی پُور" اور "گجنی" کا آباد کرنا" اور دشمن کی فوج کے حملہ سے اِن دونوں شہروں کا "قتل اور برباد ہوجانا تو کتب تواریخ مذکورہ بالا" (تاریخ گجرات مندرجہ تاریخ ہندوستان جلد چہارم مؤلفہ مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب سابق پروفیسر کالج الہ آباد مطبوعہ ۱۸۹۶ء" اور "کتاب ٹاڈ راجستان مؤلفہ کرنل ٹاڈ صاحب بہادر") سے ثابت ہوتا ہے" اور تواریخ مسطورہ سے یہ بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ "جو لوگ اپنا نکاس "دکن والی گرڑھ گجنی سے بتلاتے ہیں" اُس گجنی کا اصلی جائے وقوع "ملک کاٹھیاواڑ گجرات میں "خلیج کمبے" کے قریب ہے" نہ کہ افغانستان میں اور بعض لوگ جو غلطی سے اس کو "افغانستان والی غزنی" خیال کر لیتے ہیں" یہ صحیح نہیں ہے۔ کاٹھیاواڑ گجرات کی گجنی "گ ج" سے ہے" اور افغانستان والی غزنی "غ ز" سے اور اِسی "ہم تلفظی" اور "ہم صَوتی" کی وجہ سے" دونوں مقاموں کے امتیاز میں" زیادہ تر خلجان پڑتا تھا" اور یہ بڑا پیچیدہ حل طلب مسئلہ تھا" جو بعنایتِ ایزدی حل ہوگیا"

لیکن اب یہ معلوم کرنا کہ "گجنی" والی فرمانروا سُورج بنسی چھتری قوم ہندوستان میں کون سی ہے" یہ مدعا اِس طرزِ تحقیق کے اِختیار کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے کہ "اَب ہم کو یہ دریافت کرنا چاہیئے" کہ وہ کونسی قوم ہے" جو اپنی سینہ بہ سینہ قومی زبان زد "روایات سے "گرڑھ گجنی" سے "اپنا نکاس" اور اس سے اپنی اصلیت" اور نسل کا پتہ" اور تعلق

بتلاتی ہے " اور وہ کونسی قوم ہے جو اپنی " قومی نقلی معلومات سے " گرڑھ گجنی " کے واقعہ " اور حادثہ کو " اپنے بزرگوں کی طرف منسوب کرتی ہے " اور یہ ظاہر ہے کہ " جو قوم قوی دلایل سے " اُن اُمورات اور واقعات مذکورہ بالا کو اپنے اور اپنے بزرگوں کی نسبت ثابت کر سکتی ہے بلا شبہ " گجنی " کے باقی ماندہ سُورج بنسی چھتری بزرگوں کی اولاد سے وہ ہی قوم سمجھی جائیگی "

پس اِس غرض کے حاصل کرنے کے لئے " مؤلف نے " (مؤلف سفینۂ مالیری نے) جو اِس بارے میں پنجاب وغیرہ کے بھائی صاحبوں " ہندو مُسلمان " کمبوؤں " کی خدمت میں چند سال تک متواتر خط و کتابت اور بہت سے مقامات میں بذاتِ خود بھی حاضر ہو کر " رُو برو زبانی تحقیقات کی " تو اُن تحقیق شُدہ دلایل " اور وجوہات کی رُو سے " جو نیچے بیان کی جاتی ہیں " جو میری ایک عرصہ دراز تک کی " زبانی اور تحریری " قومی تحقیقات کا نتیجہ اور ماحصل ہیں " گرڑھ گجنی " والی " سُورج بنسی چھتری قوم " پنجاب " وغیرہ کے " ہندو مُسلمان " یا دن گوتہ " وغیرہ گوت والے کمبوہ " ہی ثابت اور متحقق ہوتے ہیں "

(۱) کُل محقق اور واقف ہندو مُسلمان کمبو وغیرہ " اپنی سینہ بہ سینہ قومی و نقلی روایات کی رُو سے کمبوؤں کا نکاس " گرڑھ گجنی " سے بتلاتے ہیں "

(۲) شہر پٹیالہ " اور اِس کے گرد و نواح " سنور " وغیرہ سے لے کر " سنام " وغیرہ تک کے ہندو کمبوؤں وغیرہ کا " قومی روایتی بیان یہ ہے کہ " کُل کمبوؤں کا نکاس " کاٹھیاواڑ گجرات والی " گرڑھ گجنی " سے ہے " اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ " اجُدھیا کے راجہ " " راجچندر " والے خاندان سے " سُورج بنسی چھتری ہیں " اور یہ سلونوں کو منحوس سمجھکر نہیں مانتے۔ اور اس کی " رکھڑی " نہیں باندھتے " کیونکہ " گرڑھ گجنی " میں اُن کے پروہت کی سازش اور مخبری سے " سلونوں کے دن " اُن کا " بنس ناس ہوا تھا " اور وہ وہاں سے نکلے تھے "

(۳) اُن کا بیان ہے کہ " ہندو کمبوؤں " کے بچے کے ضد کرنے پر " ہندو کمبوؤں " کی عورتیں تک یہ ہی کہہ دیتی ہیں کہ بچہ سلونوں کی رکھڑی مت باندھنا " یہ وہ دن ہے کہ جس دن " گرڑھ گجنی " میں " کمبوؤں کی کُل کا " بنس ناس ہوا تھا "

(۴) " گرڑھ گجنی " سے " کمبوؤں " کے نکاس کا " ایک بڑا کامل ثبوت یہ ہے کہ ہندو کمبوؤں " کے پھیروں کے وقت پروہت لوگ " ساکھوچار میں " کمبوؤں " کا " گرڑھ گجنی نکاس " اور " تلوچھی " یا گھگر باس " پکارتے ہیں " گویا یہ واقعہ ایسا یقینی اور واقعی خیال کیا جاتا ہے کہ " کمبوؤں " کی قومی رسُومات کی " ایک بڑی لازمی رسم " اور جُزو اعظم بن گیا ہے " اور یہ عمل دوآبۂ جمنا و ستلج " وغیرہ کے " ہندو کمبوؤں میں " خصوصاً " پٹیالہ " اور اُس کے گرد و نواح " سنور " وغیرہ سے لے کر " سنام " وغیرہ تک برابر جاری ہے "

پس وجوہات متذکرۂ بالا کی رُو سے " کاٹھیاواڑ گجرات والی " گرڑھ گجنی " سے کمبوؤں کا نکاس " اور وہاں سے ہی اُن کی اصلیت اور نسل کا پتہ اور تعلق واقعی اور مدلل طور سے ثابت ہے "

پھر آگے چل کر اسی سفینۂ مالیری کے صفحہ ۱۸ و ۱۹ پر تحریر ہے کہ۔

۹ یہ ظاہر ہے کہ "اکثر مقام اور جائے سکونت کا اثر اور اطلاق" قوم پر ضرور پڑ جاتا ہے" جیسے "تاریخ کھشتریان" مؤلفہ سردار بہادر امین چند صاحب" میں مرقوم ہے کہ۔

(۱) برہمن جو "سرستی ندی" کے کنارے پر آباد تھے" اسی سبب سے "سارست" کہلاتے تھے"

(۲) دلوالی کھشتری" دلی" کی سکونت کے سبب سے "دلوالی" کہلائے"

(۳) پشاوریہ کھشتری" پشاور" کی سکونت کی وجہ سے "پشاوریہ" کہلائے"

(۴) اور کتاب حیات افغانی" میں "محمد حیات خاں صاحب" بحوالہ تاریخ فرشتہ" وجہ تسمیہ" لفظ پٹھان" کی نسبت لکھتے ہیں کہ "پہلی دفعہ ہندوستان" میں آکر "شہر پٹنہ" میں بسنے کی وجہ سے "پٹھان" مشہور ہو گئے"

(۵) اور ایسی ہی اور قومیں "جیسے سندھ سے آئے ہوئے "سیّد" سندھی" اور

(۶) سبزوار سے سبزواری" اور

(۷) واسط سے "واسطی" کہلاتے ہیں" اور اسی طرح

(۸) "کشمیر سے کشمیری" (۹) پارس سے پارسی"

(۱۰) اور اوّل "دریائے سندھ" کے پاس کے رہنے والے "سندھو" پھر "س" کا "ہ" سے بدل کر "ہندو" کہلائے"

(۱۱) اور "بانگر" سے "بانگرو" (۱۲) بھٹنڈہ سے بھٹنڈیہ"

(۱۳) سرسہ سے سرسہ وال" (۱۴) مالیر سے مالیریہ" (۱۵) اور باگڑ سے باگڑیہ" وغیرہ وغیرہ مشہور و معروف ہیں"

(الف) پس ایسے ہی "کمبے سے کمبو بھی" ایک اَل" اور مقامی نام مشہور ہو گیا ہے نہ کہ نسلی"

(ب) یعنی جب انہوں نے "کمبے" کے علاقہ کے "گجنی" مقام کو چھوڑا" تو ان کا نام "کمبو" پڑ گیا۔ اور نسل ان کی چھتری ہے"

(ج) لفظ کمبو" میں "واؤ نسبت کا ہے" جیسے "ہندو" بانگرو" چندو" جھنڈو" اور "بڈھو" وغیرہ ہیں"

"۱۰ کاٹھیاواڑ گجرات" سے جس میں "گڑھ گجنی" کے کھنڈر واقع ہیں" کچھ "کمبو" براہ جیپور" یا مارواڑ کے مضافات "سرہند میں آکر" پہلے انبالہ والی" گھگر ندی" کے وسطی حصہ پر "سامانہ" کے متصل آباد ہوئے" پھر گھگر سے آگے" تمام وادی جمنا و ستلج وغیرہ" اور دریائے ستلج اور بیاس وغیرہ سے گذر کر "پنجاب" خاص کے اکثر اضلاع میں پھیل گئے۔

"کاٹھیاواڑ گجرات" سے کچھ "کمبو" براہ سندھ" کے "ملتان" وغیرہ کو چلے گئے" جو وہاں سے آگے "ضلع منٹگمری" اور "لاہور" وغیرہ تک پھیل گئے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانی اور عبداللہ مالیری کے بیان میں تحریف اخفا کی عریانی

مؤلف تاریخ کمبوہان کے اِس دعوے کی کہ "شہنشاہ کاموجیا" کے مرنے پر اُس کی اولاد افغانستان میں آ بسی تھی" اور اُس نے وہاں پہنچکر اپنی حکومت وسلطنت بھی قایم کرلی تھی نیز اسی "کاموجی خاندان کی وجہ سے "افغانستان" کا پرانا نام بدل کر "کمبوج" ہو گیا تھا" ہم بخوبی تردید کر چکے اور دکھا آئے ہیں کہ "مؤلف موصوف" کسی نہج بھی "شہنشا کاموجیا" کی اولاد کا "افغانستان" میں آنا کسی زمانہ میں بھی ثابت نہیں کر سکے" اور نہ ہی اپنی قوم کمبو" اور "قوم کمبوج" کے ایک ہونے کا کوئی بیّن ثبوت بہم پہنچا سکے ہیں"

اب مؤلف سفینۂ مالیری کی اُس تحقیقات اور نتیجۂ تحقیقات کو" جو سینہ بسینہ قومی وصُلبی روایات پر مبنی" اور کُتب تواریخ سے ماخوذ ہے" (اور جس کے بہت بڑے حصّہ کو "مؤلف تاریخ کمبوہان نے" معرضِ خفا میں رکھکر اور صرف اُس کے ایک جزو کو (" کمبوؤں میں "گرڑھ گجنی پر" قابض و متصرف رہنے کی آبائی روایت موجود ہے") کی سُرخی کے تحت ظاہر کرنا مناسب خیال کیا ہے") ہم نے مَن وعَن یہاں لکھدیا ہے" اِس کے مطالعہ سے بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر و ثابت ہوگئی ہے کہ "مؤلف موصوف کی" کمبوج قوم کو" قوم کمبو" قرار دینے کی اور "قوم کمبو کی" افغانستان یا اُس کے کسی حصّہ میں کبھی رہائش اور حکومت و سلطنت رہنے کی" داستان کی" ذرّہ برابر بھی حقیقت نہیں ہے"

"مؤلف سفینۂ مالیری" جن کے متعلق "مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۰ پر نوٹ ۲ میں اِس طرح اظہار خیال کیا ہے کہ۔

"اِس مبحث پر ہم نے جس قدر مضمون لکھا ہے" اس کا بہت سا مواد "محمد عبداللہ صاحب مالیری مرحوم کی "کنج کاویوں" کا نتیجہ ہے" جناب ممدوح نے" (پروردگارِ عالم ان کی رُوح پُر فتوح پر۔ باغِ جنان سے" رحمت کے پھولوں کی بارش کرے") اِس تحقیقات میں نہایت عرق ریزی" اور صَرفِ اوقات کیا ہے" آپ نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں دَورہ کیا" مختلف مذاہب کے "کمبوہوں سے" صَرفِ اخلاق کیا" ان کے نسب نامے" جنم پتریاں" اور شجرہ ہائے نسب دیکھے" ان کے رسوم و رواج کا" بامعانِ نظر مطالعہ کیا" اور پھر چند مختصر اوراق میں" اپنی تحقیقات کا نتیجہ" آیندہ نسل کے لئے چھوڑ گئے ہیں" جن کو ہم آنکھوں سے لگاتے" اور سر پر رکھے پھرتے ہیں")

لیکن جب عبداللہ مالیری نے ثابت کر دیا ہے کہ "جو لوگ اپنا نکاس" دکن والی" گرڑھ گجنی" سے بتلاتے ہیں" اُس گجنی کا اصلی جائے وقوع" ملک کاٹھیاواڑ گجرات" میں "خلیج کمبے" کے قریب ہے" نہ کہ افغانستان" میں اور "گجنی وغزنی" دو ملکوں کے دو جداگانہ شہر ہیں" جنہیں ایک سمجھنے کی غلطی میں کبھی نہ پڑنا چاہیئے" اور "کمبے" سے "کمبو" بھی "مثل سندھو" و ہندو" بانگرو" بھٹنڈریہ" مالیریہ" باگڑیہ" کشمیری" وغیرہ کے "ایک "اَل" یعنی "مقامی نام" مشہور ہو گیا ہے"

تو مؤلف تاریخ کمبوہان کا "سفینۂ مالیری" کے بیان میں سے "گرڑھ گجنی" کے جائے وقوع اور اپنی قوم کے "کمبو" لقب کی وجہ تسمیہ کو" معرضِ خفا میں ڈال کر "صرف گرڑھ گجنی" سے "قوم کمبو" کے نکاس کو ظاہر کر کے اور

اپنی طرف سے اِس پر خوب طرح زور دے کر "گجنی واقع کاٹھیاواڑ گجرات کو" غزنی واقع موجودہ افغانستان"
بتانا" اور اپنے ناظرین کو "اِس ملک میں" اپنی قوم کمبوہ" کا صاحب سلطنت ہونا باور کرانا" مؤلف موصوف کی کھُلی
ہوئی بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے" ہمیں اُن سے ہمدردی ہے" مگر جب کسی طرح وہ اپنی قوم کمبوہ کا تعلق ملک افغانستان
یا اُس کے کسی حصہ سے ثابت نہیں کر سکے" اور وہ عمارت جو انہوں نے شہنشاہ کاموجیا کی اولاد بن جانے اور ملک
افغانستان میں صاحب تاج و تخت ہونے کی بڑی محنت اور کوششوں سے کھڑی کر کے دکھائی تھی" خود انہیں کے
بزرگ مؤلف سفینۂ مالیری کی اِس تحقیقات سے جو اُن کی قوم "کمبوہ" کی سینہ بہ سینہ قومی و صُلبی" روایات و رسوم
رواج پر مبنی ہے اُس کی بیخ کنی ہو گئی ہے تو ہم اِس بارے میں اُن کی کیا مدد کر سکتے ہیں"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی "قوم کمبوہ" نے جو کچھ عرصہ سے اپنے چھتری بَرن سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ
اسی قبیل کا ہے" جس کی مثال خود مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب کے صٓ۱۳ پر ان الفاظ میں پیش کی ہے کہ.

"پریچنگ آف اسلام میں "مسٹر آرنلڈ سابق پرنسپل علیگڈھ کالج نے لکھا ہے کہ
"غیر ملکوں کے اسلامی خاندان جو ہندوستان میں مستقل طور سے آباد ہیں" اُن کا
شمار سوائے "پنجاب" اور "پنجاب" کے قرب و جوار کے" اور کہیں زیادہ نہیں ہے
ہندوستان کے مُسلمانوں میں۔ نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے
ساتھ "شیخ" بیگ" یا خان" کا لفظ" بلکہ بعض صورتوں میں "سید" کا لقب
اختیار کرتے ہیں" اِن لوگوں کے بھی دو حصّے ہیں۔ بڑا حصّہ تو وہ ہے جس کے لوگ
نَومُسلم ہیں۔ یا نومسلموں کی نسل سے ہیں" اور جن بزرگوں نے اُنہیں مسلمان کیا"
اُن کا لقب اُنہوں نے اختیار کر لیا" یا کسی اور سبب سے "شیخ" مرزا" یا خان"
ہو گئے"............

ہمیں بھی معلوم ہے کہ "کچھ عرصہ سے "پنجاب کے میراثیوں" اور پنجاب و یُوپی کے قصائیوں نے "توانی
قریشی ہونے کا اور جولاہوں نے "انصاری" ہونے کا ادّعا کیا ہے" اور مُسلم راجپوت صدیوں سے اپنے آپ کو "خان"
لکھتے ہیں"

لیکن اِن باتوں کا انحصار کچھ اِن متذکرہ صدر مُسلمانوں ہی پر نہیں ہے" ہندوؤں" میں بھی اکثر
شُودر اقوام تک "چھتری اور برہمن" بن گئی ہیں" اور کچھ اب تھوڑے عرصہ سے اپنے چھتری بَرن" سے ہونے کا
دعویٰ کرنے لگی ہیں"

ہم اُوپر وضاحت اور تفصیل سے بتا آئے ہیں کہ "راجپوتوں" میں "مغلی و ترکی" اور "شُودر اقوام"
شامل ہیں" چھتریوں کی نسل کو چونکہ "پرسرام جی" تخم سوخت کر چکے ہیں" لہذا برہمنوں" نے بُودھوں کے مذہب
اور حکومت کو مٹانے کے لئے "ایک نئی جنگجو قوم" تیار کر کے اُس سے وہ کام لیا جو "چھتریوں سے لیا جاتا" یہ نئی قوم جو
مُغلی و ترکی اور شودر اقوام پر مشتمل تھی اور جسے برہمنوں نے اپنی سازش میں شریک کر لیا" اُسے راجپوت کا خطاب دیا
گیا" جس طرح یہ نئی قوم تیار ہوئی اِسی طرح مذہب بھی بالکل نیا ترتیب دیا گیا" ترکی و مغلی قومیں بدھ مذہب رکھتی تھیں"
جس میں بُت پرستی بہت بڑھ گئی تھی" برہمنوں نے اِس مذہب کی بہت سی باتیں اختیار کر کے خود "بدھ" کو بھی "وشنو
کا اوتار تسلیم کر لیا" اس سے پہلے بھی "کشتری یا چھتری" کا لفظ "کسی خاص قوم کے لئے مخصوص نہیں تھا" بلکہ جنگجو

لوگوں کے لئے مستعمل تھا۔

لالہ لاجپت رائے نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "جس طرح بیسیوں خاندان برہمنوں کے اصلی آریا" نہیں ہیں"۔ اور جس طرح سے بہت سی اور جاتیاں بھی اصلی آریا نہیں ہیں" اسی طرح سے "راجپوت" بھی ہو سکتے ہیں"۔ ہندوستان کے مذاہب اور قوموں کی تفصیل ہم پہلے دکھا چکے ہیں یہاں صرف یادداشت تازہ کرنے کیلئے ایک اشارہ کر دیا ہے۔

لیکن جو قومیں اُس وقت "راجپوت" بنائی گئی تھیں" وہ اُسی وقت سے اپنے آپ کو راجپوت کہتی رہی ہیں" یہ کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کسی زمانہ ابتلا میں بھی اپنے آپ کو راجپوت کہنا چھوڑ دیا ہو۔

کمبوقوم کے سلونوں کے تہوار کو نہ منانے کی حقیقت

مگر اب جو مؤلف تاریخ کمبوہان کی "قوم کمبو" نے اپنے آپ کو "چھتری برن" سے ہونا" ظاہر کرنا شروع کیا ہے" وہ صرف چند رسومات کی بنا پر ہے" مگر اُن کی حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ "قوموں کے میل جول سے" ہر زمانے میں ایک کا دوسرے پر اثر پڑتا رہا ہے" جس طرح آریوں نے" دوسری اقوام اور مذاہب کی باتیں لے لی تھیں اور بعد میں ہندی اقوام" مسلمانوں کی تہذیب و مذہب سے متاثر ہوئیں" اور آج انگریزوں کی پوشش اور طور طریقوں کو بہت لوگوں نے یہاں اختیار کر لیا ہے اسی طرح ہندوستان میں داخل ہونے والی قوموں اور یہاں کی قدیم اقوام کا ایک دوسرے کا اثر لینا لازمی تھا" مگر ایک دوسرے کے تہذیب و تمدن" اور رسم و رواج کو اختیار کر لینے سے "یہ سب قومیں" آریہ نسل" سے نہیں ہو گئیں نہ انہیں ایسا سمجھا گیا ہے" قوم کمبو کے رسم و رواج کی حقیقت کو ہم وضاحت سے دکھا چکے ہیں" اب ہمیں یہ اور دکھانا ہے کہ "سلونو کے تہوار کو جو "مؤلف تاریخ کمبوہان نے" اپنی قوم کمبو" کے "چھتری برن" سے ہونے کی دلیل میں پیش کیا ہے" اُس کی حیثیت کیا ہے"

سلونوں کا تہوار "چھتری" ماان کے قائم مقام راجپوتوں کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے" ہم نے یُو۔ پی کے اضلاع میں دیکھا ہے کہ "سلونوں کے تہوار کو اعلیٰ و ادنیٰ سب اقوام بڑے جوش سے مناتی ہیں" اور سلونوں کی رکھڑی باندھتی ہیں" سلونوں کے یا کسی اور تہوار کے دن مصیبت اور تباہی آجانے کی وجہ سے "کسی قوم کا" اُسے منحوس قرار دے کر نہ منانا تو ضرور لحاظ کے قابل ہے" لیکن سلونوں کے دن کی ابتلا کو اب تک یاد رکھنے اور اس دن کو منحوس سمجھ کر بجائے خوشی کے رنج و غم کے اظہار کرنے کو "قوم کمبو" کا اپنے چھتری برن سے ہونے کی دلیل گردانا ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے"

منشی عبداللہ مصنف سفینہ مالیری نے "شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب" اور کرنل ٹاڈ صاحب کی تاریخ سے تو یہ بات دکھلائی ہے کہ "اودھ" کے ایک سورج بنسی خاندان نے" کاٹھیاواڑ گجرات" کو "پرمار راجپوتوں" سے چھین کر اور وہاں اپنی حکومت و سلطنت قایم کر کے "ولبھی پور" اور "گڑھ گجنی" وغیرہ شہر آباد کئے تھے" ایک مدت کے بعد اُن کے پروہت کی سازباز سے اس سورج بنسی حکمران خاندان کو اُس کے کسی دشمن نے تباہ و برباد کر دیا"

اور قوم کمبو کی سینہ بہ سینہ قومی و نسلی روایات سے یہ بات بتائی ہے کہ "

"اس انقلاب حکومت کے وقت جو قتل و غارت گری ہوئی" اُس کی وجہ سے "گڑھ گجنی" کے باشندے فرار ہو کر مختلف سمتوں کی طرف نکل گئے" کیونکہ شہر "گڑھ گجنی" خلیج کھمبے" پر آباد تھا اور یہ لوگ وہاں سے آئے تھے" اس لئے "کمبو" کہلائے" یعنی کمبو" اِن کی

" آں " پڑ گئی "

مسٹر ہر سر صاحب " مہتمم مردم شماری پنجاب نے بھی " اپنی رپورٹ ۱۸۹۱ء میں لکھا ہے کہ " کرنال کے کمبوہ " اپنی اصلیت " گڑھ گجنی " سے بتلاتے ہیں " اور " مراسی بھی " کمبوؤں کا نکاس " گڑھ گجنی " سے ہی بتاتے ہیں "

گڑھ گجنی کے فراریوں یعنی " کمبوؤں نے " اپنی تباہی اور آوارگی کے دن کو ایسا یاد رکھا ہے کہ " اب تک وہ " سلونوں کے تہوار کو منحوس جان کر " کوئی خوشی نہیں مناتے اور اُس کی " رکھڑی " نہیں باندھتے ہیں "

اِس سارے بیان سے یہ ہی ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ " انقلابِ حکومت کے وقت جس طرح شاہی خاندان کے ساتھ " رعایا پر بھی تباہی اور بربادی آجاتی ہے " اور وہ اپنی جائداد و مال اور اسباب کو چھوڑ کر صرف جانیں بچانے کیلئے " پہاڑوں جنگلوں " اور دوسرے مقامات میں فرار ہو کر چلی جاتی ہے " اسی طرح کی اِس " قوم کمبوہ " کو بھی جو گڑھ گجنی " میں بطور رعایا آباد تھی " صورت واقعہ پیش آئی " یعنی جس طرح ۱۸۵۷ء میں انقلاب حکومت کے وقت " دہلی " کی رعایا " شہر کو چھوڑ کر فرار ہو گئی تھی " اسی طرح قوم کمبوہ کو اپنا وطن " گڑھ گجنی " چھوڑ کر فرار ہو جانا پڑا تھا " اور جس طرح انقلاب حکومت ۱۸۵۷ء میں " دہلی " کی اکثر رعایا قتل اور بہت سی فرار ہو گئی تھی " اور اُس کے خلاف ابھی تک اُس تباہی و بربادی کو نہیں بھولے ہیں جو اُن کے بزرگوں کو پیش آئی تھی " اور اُس گھڑی کو نہایت منحوس سمجھتے ہیں جب اُن کے بزرگوں کو اپنا سب کچھ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا پڑا تھا " اسی طرح اگر " قوم کمبوہ " نے بھی اپنے بزرگوں کی " گڑھ گجنی " سے فراری کے واقعہ کو یاد رکھا اور اُس دن کو منحوس سمجھا " جس میں اُن پر آفت آئی " اور اُنہیں جلاوطنی نصیب ہوئی " تو یہ قدرتی بات ہے "

راقم اوراق ہذا کے خاندان میں رسم تھی کہ دولھا کو شادی کے وقت ہاتھی پر سوار کرایا جاتا تھا " ہمارے بزرگ " نواب اعتماد الملک زبیری کنبوی سنبھلی وزیر اعظم شیر شاہ سوری " کے بھانجے " محمد یحییٰ " کی شادی شہر میرٹھ میں قرار پائی " وہ حسب دستور دولھا بنے ہوئے " ہاتھی پر سوار تھے کہ یکایک تو نج کا دَرد اٹھنے سے تھوڑی دیر میں ہی انتقال کر گئے " اُس دن سے ہمارے خاندان میں ہاتھی پر دولھا کا سوار کرایا جانا بالکل موقوف ہو گیا اور اُسے ایسا منحوس سمجھا جانے لگا کہ اُس وقت سے آج تک پھر کوئی دولھا " ہاتھی پر نہیں سوار کرایا گیا " اِن ہی پر کچھ منحصر نہیں ہے " بہت سے واقعات ایسے ہو جاتے ہیں جنہیں اقوام یاد رکھتیں اور اپنے لئے مبارک یا منحوس سمجھنے لگتی ہیں "

لیکن " شہر گڑھ گجنی " سے " قوم کمبوہ " کی فراری " اور سلونوں کے دن کو اِس قوم کے منحوس سمجھنے سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکالا جاسکتا " کہ یہ قوم " سورج بنسی چھتری " نسل سے کوئی ذرا سا بھی تعلق رکھتی ہے "

پھر جبکہ " مولوی ذکاء اللہ صاحب " اور " کرنل ٹاڈ صاحب " کی تاریخوں میں بھی قوم کمبوہ کی طرف کہیں کوئی اشارہ تک موجود نہیں ہے " تو اُن میں صرف یہ دیکھ کر کہ " اودھ " کے ایک " سورج بنسی " خاندان نے کاٹھیاواڑ گجرات میں جا کر سلطنت کی تھی " اور " شہر بلبھی پور " و " گڑھ گجنی " وغیرہ آباد کئے تھے " اور کچھ عرصہ بعد یہ سلطنت بھی مثل دوسری سلطنتوں کے " دوسرے خاندان کے ہاتھوں میں چلی گئی " اِس بیان سے یہ نتیجہ کہاں سے نکال لیا گیا کہ " قوم کمبوہ " اِسی سورج بنسی " شاہی نسل سے تھی " اِس دعوے کے لئے کہ " قوم کمبوہ " چھتری نسل سے ہے جب تک کوئی تاریخی سند نہ ہو " محض زبانی لنترانیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں "

وہ " سورج بنسی " خاندان " جنے اودھ سے جا کر " کاٹھیاواڑ گجرات " میں اپنی سلطنت قائم کر کے

"ولبھی پور" اور "گڑھ گجنی" شہر آباد کئے تھے" اور جس کی اولاد ہونے کا مؤلف تاریخ کمبوہان کے بزرگوں نے اِدّعا کیا ہے "کاٹھیاواڑ گجرات" کے قریب" اُسی زمانے سے" باجاہ وحشم موجود چلا آرہا ہے" جس زمانے سے "قوم کمبو کا نکاس" "گڑھ گجنی" سے ظاہر کیا گیا ہے"

منشی عبداللہ مصنف سفینۂ مالیری نے تو اِس خاندان کے حال کو واضح طور سے نہیں بیان کیا" اور مؤلف تاریخ کمبوہان نے اِس غیر واضح بیان کا بھی بہت سا حصّہ اپنے مقصد کے مدِّنظر اخفا کر لیا ہے" اِس لئے ہمیں اودھ کے اِس سورج بنسی خاندان کے حالات کا وضاحت سے لکھنا لازم ہو گیا ہے۔ جس سے اُس کی شروع سے آج تک کی حیثیت وحالت اور رہائش گاہوں کی کیفیت خوب طرح ظاہر ہو جاتی ہے"

کاٹھیاواڑ گجرات میں اودھ سے جاکر حکومت قائم کر کے ولبھی گڑھ گجنی شہر آباد کرنے والے سورج بنسی خاندان کی ۱۴۵ء سے آج تک برسرِ حکومت چلے آنے کی تاریخ

کارنامۂ راجپوتان کے صفحہ ۲۶ و ۲۷ پر تحریر ہے کہ "شہر اجودھیا" واقع ملک اودھ" ایک نامعلوم مدّت دراز سے" مہاراجہ بکرما جیت کے عہد تک "سورج بنسیوں" کا پایۂ تخت تھا" مگر پھر بہ سبب غلبۂ وفتوحات ملک مہاراجہ موصوف کے۔ اِس خاندان کی سلطنت جاتی رہی اور اُس کی شاخیں تتّر بتّر ہو کر دوسرے ملکوں کو چلی گئیں" اُن میں سے ایک گجرات میں آئی۔ اور تین چار سو برس تک "مشہر بلبھی پور" میں حکمران رہی" جہاں کا آخری راجہ سلادت" سمت ۵۸۰ سنہ (یعنی چھٹی صدی عیسوی) میں دشمنوں کے "(جن کو ایران کے بادشاہ "نوشیرواں" وغیرہ کی فوج" یا گجرات کے دشتی باشندے "گوجر" وغیرہ خیال کیا گیا ہے") ہاتھ سے مارا گیا" اور اُس کی راجدھانی "بلبھی" برباد کر دی گئی" صرف ایک رانی جو حمل سے تھی جان بچا کر "کوہ آبو" کے قرب وجوار میں چھپ رہی۔ اُس کے جو لڑکا پیدا ہوا۔ اُس کا نام "کیشوادت" رکھا گیا" در یاست اودے پور کے نسب نامے کے موافق جو تلاش کے ساتھ "کتبوں وغیرہ سے" تیار کیا گیا ہے "گوہ" نام یہاں غلط معلوم ہوتا ہے") کیشوادت اور اُس کے جانشینوں نے دو سو برس کے قریب "ایڈر" میں راج کیا" اُس وقت سروہی کا علاقہ بھی اُن کے قبضہ میں رہا" بعد اس کے ایک اور حملہ دشمنوں کا اُن پر ہوا" اور وہ یہاں سے بھی نکالے گئے" اِن میں سے "آشادت" نے جو" کیشوادت" کی چوتھی پشت میں تھا مقام اہاڑ یا آہڑ" واقع میواڑ میں قیام کیا" جہاں سے یہ لوگ "اہاڑیہ" کہلائے" پھر اُس کی چوتھی پشت میں سے "باپا" نے شروع آٹھویں صدی عیسوی میں چتوڑ لیا" جس کے بڑے بھائی "گہل" کے نام سے یہ نسل گہلوت کہلائی" باپا" راول کی اولاد میں سے شروع چودھویں صدی عیسوی میں بڑے بھائی "ماہیپ" نے "چتوڑ" کی گدّی سے محروم رہ کر "میواڑ" کے جنوبی علاقے "ڈونگر پور" پر قبضہ کیا" جس کی چھوٹی شاخ میں سے "شروع سولھویں صدی عیسوی میں "پرتھوی راج" کے چھوٹے بھائی "جگمال" نامی کو "بانسواڑے" کی علیحدہ ریاست ملی" اِس بیان کی مزید تشریح "کارنامۂ راجپوتان کے صفحہ ۶۲ تا ۶۸ پر اِس طرح تحریر ہے کہ۔

اودھ کے راجہ رامچندر کا حال جس کو اوّل سورج بنسی راجہ اکشواک" سے ستاونویں پشت میں گنتے ہیں" کتاب رامائن وغیرہ میں سب نے لکھا ہے" اُس کے بڑے بیٹے "لو" کا "پنجاب میں جا کر "لاہور" کو آباد کرنا جس کو پہلے "لوکوٹ" کہتے ہیں" اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے۔ لیکن "لو" کی کوئی اولاد کہیں سے ثابت نہیں ہوتی" جس کا

پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اِس سبب سے ”راجہ کنک سین“ بانی بلبھی بنس“ کو ”کُش“ کی نسل میں سمجھنا چاہئے۔ جس کو نا واقف
سے دوسرے لوگوں نے ”لَو“ کی اولاد میں ہونا لکھدیا ہے۔

کنک سین نامی جس نے ”سورج بنسی“ ہونے کا دعویٰ قائم کیا۔ شمالی ہندوستان سے نقل مکان کر کے
حسب بیان ٹاڈ۔ سمت ۲۰۱ مطابق ۱۴۵ء میں ”سوراشٹر“ کی طرف جو قدیمی نام علاقہ سورہٹہ کاٹھیا واڑ
کا ہے جا بسا۔ اور اُس نے وہاں کی حکومت ”پرمار قوم“ کے راجہ سے چھین کر ”بڑنگر“ آباد کیا۔ اُس کی چار پشت بعد
وجیا سین نے ”وجیا پور“ اور مشہور دار الریاست ”بلبھی“ کو تعمیر کرایا۔ جس کا موقع دس میل ”بھاؤنگر“ سے
شمال و مغرب کی طرف ہے۔ ۱۴۵ء سے ۵۲۴ء تک تین سو اسّی برس کے اندر بارہ پُشت اس خاندان کا راج بلبھی
میں رہا۔ جہاں کے آخری راجہ ”سلاوت“ کے وقت ”بلبھی“ سمت ۵۸۰ مطابق ۵۲۴ء میں کسی دشمن کے ہاتھ سے جس کو
اکثر مؤرخ ”ایران کے ساسانی بادشاہ“ نوشیرواں“ وغیرہ کی فوج“ اور ڈاکٹر بھاؤ داجی“ اور ”مسٹر فاربس
وغیرہ“ گوجر قوم“ کے لوگوں کو جن کے نام سے ایک علاقہ کا نام ”گجرات“ مشہور ہوا۔ خیال کرتے ہیں۔ غارت ہوا۔ شہر کے
تباہ ہونے پر سوائے ایک رانی ”کملاوتی“ کے جس کو بعض لوگ ”پشپ“ یعنی کنول“ سمجھکر ”پشپاوتی“ لکھتے
اور جو اس وقت اَولاد کی آرزو میں ایک دُور مندر کے اندر نذر چڑھانے گئی تھی۔ راجہ کا تمام خاندان قتل ہوا۔ رانی
یہ خبر سُنکر پہاڑی علاقہ میں جا چھپی۔ یہاں کچھ عرصہ بعد اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام ”کیشوادت“ رکھا
گیا۔ جس کو غلطی سے لوگوں نے ”گوہ“ لکھدیا ہے۔ رانی بیٹے کو ایک برہمنی ”لکھمناوتی“ نام کے حوالہ کر کے خود
چتا پر جل کر مر گئی۔ یعنی ستی ہو گئی۔ (بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ”مہاراشٹر“ میں ایک راج تھا جس کی راجدہانی ”ناگور
تھی۔ یہاں کے راجاؤں کی قوت کو ”شالباہن“ نے خاک میں ملا دیا۔ ”شالباہن“ ایک رذیل قوم کا آدمی تھا۔
اُس نے اُس راجہ کے ملک کو فتح کر لیا جو قوم کا ”راجپوت“ سیسودیہ“ کی نسل سے تھا۔ ”شالباہن“ نے اس
راجہ کے سارے خاندان کو قتل کیا۔ مگر ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ جان سلامت لے کر نکل گئی۔ اور ست پوری
کے پہاڑوں میں اُس لڑکے نے پرورش پائی۔ اور یہی لڑکا ”چیتوڑ“ کے راناؤں کے بنس کا بانی ہوا۔ چیتوڑ کے
رانا سے ”اودے پور“ کے رانا پیدا ہوئے۔ یہ بیان بہت گڈمڈ اور خلط ملط ہے۔)

”کیشوادت“ جو گیارہ برس کی عمر میں کسی کا کہنا نہ مانتا تھا اور بھیلوں کے ہمراہ رہ کر اکثر جانوروں کے شکار سے
اپنا دل خوش کیا کرتا تھا۔ اُسے میواڑ کے مغربی علاقہ کے اندر بھیلوں نے اپنا حاکم اور راجہ بنا لیا۔ ایک بھیل کے انگوٹھے
سے اُس کو خون کا ٹیکہ لگانا ٹاڈ وغیرہ نے غلط لکھا ہے۔ اس کا موقع ”رانا ہمیر“ کے وقت آئے گا۔

کیشوادت کی اولاد آٹھ پیڑھی تک ”پہاڑی علاقہ میں“ بطور سرداروں کے گذر کرتی رہی۔ اور کئی مقامات
پر اپنے نام سے گاؤں آباد کئے جو ”میواڑ“ کے شمالی حصّہ میں تیرت گاہ ”ایکلنگ“ کے آس پاس پائے جاتے ہیں۔
گرہ دَت کے وقت میں جو ”کیشوادت سے“ آٹھویں پُشت میں تھا۔ پہاڑی بھیلوں“ نے جن کی دوستی
اور دشمنی پر کچھ اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ حملہ کر کے سب گھرانے کو قتل کیا۔ صرف ایک رانی معہ اپنے بیٹے ”باپا“ کے جو اس وقت
دو تین برس کا تھا۔ اپنے پروہت“ یعنی پجاری برہمن کے گھر چھپ رہی۔ اور وہاں سے ناگدا گاؤں میں آ کر جو ”اودے پور“
سے دس میل شمال کی طرف ہے باپا نے پرورش پائی۔

باپا اوّل شخص ہے جس نے موجودہ خاندان یعنی ”ریاست میواڑ“ کی بنا ڈالی۔ اُس کی اَولاد کے قبضہ میں
”اودے پور“ ڈونگرپور“ بانسواڑہ“ اور پرتاپ گڈھ“ چار ریاستیں ”راجپوتانہ“ کے اندر موجود ہیں۔

جن کے سوا اور بھی کئی رئیس اِس خاندان سے ہونے کے مدعی ہیں“ باپا نے اپنی ماں سے سُنا تھا کہ میں ”چتوڑ“ کے موری راجہ کا رشتہ دار ہوں“ اِس واسطے اُس نے چتوڑ کا راستہ لیا“ چتوڑ آنے پر ”رشتہ داری کے سبب باپا کی بڑی قدر ہوئی۔ اور وہ گذر کے لایق جاگیر پا کر۔ فوج میں ایک افسر بنایا گیا“ تھوڑے عرصہ میں موری راجہ کو کسی بڑے دشمن سے مقابلہ کی ضرورت ہوئی۔ جس پر اُس کے ماتحت تمام سرداروں نے راجہ کی بدمزاجی“ اور باپا کی جلد ترقی سے جل کر کنارہ کیا“ باپا کو عمدہ موقع ملا کہ وہ تمام فوج کا افسر اعلیٰ کیا گیا“ سرداروں کی جاگیریں ضبط ہوئیں“ اور وہ شرمندگی اٹھا کر ”باپا“ کے شریک حال ہوئے“ دشمن کو شکست دینے سے باپا نے تازہ ناموری اور قوت حاصل کی“ اور تمام سردار موری راجہ کو چھوڑ کر باپا سے مل گئے“ جن کی مدد سے اُس نے واپسی کے وقت چتوڑ پر حملہ کر کے وہاں قبضہ کر لیا“ ٹاڈ نے لکھا ہے کہ ”راجہ موری“ کے جن دشمنوں کو ”باپا“ نے شکست دی“ وہ عرب کے مسلمان معلوم ہوتے ہیں جن کا افسر ”محمدؐ قاسم تھا“ لیکن یہ محض غلط ہے“ کیونکہ محمدؐ قاسم نے ۷۱۲ء میں خلیفہ ولید کی طرف سے صرف سندھ وغیرہ پر حملہ کیا تھا۔ اور کامیابی کے بعد واپسی پر ایک الزام کے سبب وہ ہلاک ہوا“ باپا کی پیدائش بقول کرنل ٹاڈ اس سے کچھ دنوں بعد ہے“ اِس واسطے چتوڑ کے دشمن ”مغربی میواڑ کے فسادی بھیلوں کو سمجھنا چاہیے۔ جنہیں کسی لوٹ مار کے عوض سزا دی گئی“

بیان کیا جاتا ہے کہ ”باپا“ جب سمت ۷۸۴ مطابق ۷۲۸ء میں اپنے ماموں ”راجہ مان موری“ کو نکال کر اُس کے سرداروں کی سازش سے ”چتوڑ“ پر قابض ہوا تو چوده ۱۴ پندره ۱۵ برس کا تھا“ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ”غارت بلبھی“ سے ایک سو نوے ۱۹۰ برس بعد ۷۱۳ء یا ۷۱۴ء میں پیدا ہوئے“ یہ وقت ایسا تھا کہ مسلمان بادشاہ ہندوستان میں موجود نہ تھے۔

غرضکہ اِس خاندان کو میواڑ میں قایم ہوئے“ بارہ ۱۲ سو برس کے قریب زمانہ ہوا“ چتوڑ پر قبضہ پانے کے بعد باپا کو ”راول“ کہنے لگے“ کرنل ٹاڈ وغیرہ زبانی رواتیوں سے لکھتے ہیں کہ باپا نے سو ۱۰۰ برس کی عمر میں وفات پائی“ اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ آخر عمر میں ”خراسان“ چلا گیا۔ جہاں غیر قوم کے لوگوں میں بیاہ شادی کر کے بہت سی اولاد چھوڑ مرا“ لیکن یہ غلط ہے“ ایک مذہبی کتاب جس کا نام ”ایکلنگ مہاتم“ ہے اور جو اس وقت سے اوپر چار ۴۰۰ سو برس کی بنی ہوئی ہے“ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”باپا“ نے سمت ۸۱۰ مطابق ۷۵۳ء میں سنیاس لیا“ یعنی دنیاداری کو ترک کیا“ یہ اُسی حالت میں گوارا کیا جاتا ہے جبکہ زندگی کی اُمید نہیں رہتی“ بس اس کے دو برس بعد ”باپا“ کا انتقال سمجھ لینا چاہیے“ جس کے حساب سے اِکتالیس ۴۱ سال کی عمر ہوتی ہے“ سو برس کی تعداد بے ثبوت“ مبالغے کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے“ جیسے کہ پرانے زمانے کے نامور لوگوں کی عمریں ”ہزاروں تک لکھنا“ اولاد کا نمبر سیکڑوں تک پہنچانا“ اور اُن کی ذات میں خدائی اوصاف قایم کر دینا۔ ایک معمولی بات ہے“

ٹاڈ صاحب لکھتا ہے کہ ”اپراجیت“ باپا“ کا چھوٹا بیٹا۔ جو چتوڑ کی پیدائش تھا باپ کے بعد مسند پر بیٹھا“ اور بڑا بیٹا ”اسیل“ یا ”اسیر“ جو راج ملنے سے پہلے پیدا ہوا تھا“ حکومت سے محروم رہ کر ”سوراشٹر“ (مہاراشٹر) کا مالک جا بنا“ یہ بھی صحیح نہیں ہے“

اس طرح کہ ”چوده ۱۴ یا پندره ۱۵ برس کی عمر میں ”باپا“ کا ”چتوڑ“ لینا مانا جاتا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اس کے پہلے سے کوئی بیٹا موجود ہو۔ کیونکہ باپا“ کی نابالغی کے علاوہ ”راجپوت لوگ“ کم عمری میں شادی بھی نہیں کرتے تھے ”باپا“ کا بیٹا گہل“ درج ہے“ جس سے یہ قوم ”گہلوت“ یعنی گہل کی اولاد کہلاتی ہے“

اسیر کی بابت ”شاہ جہاں نامہ“ میں لکھا ہے کہ ”اس کو ”آسا اہیر“ نامی نے بنوایا تھا“ جس سے اس کا نام ”آسا اہیر گڈھ“ رکھا گیا تھا“ اور اب اس کو لوگ ”کثرت استعمال سے آسیر“ بولنے لگے ہیں“ (قلعہ آسیر۔ خاندیس“ دکن“ میں ہے“)

راول کھمان کو "کرنل ٹاڈ" نے باپا سے چوتھی پشت پر ۸۱۲ء میں راجہ ہونا لکھدیا ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ راول کھمان کو باپا سے نویں پشت میں گنا جاتا ہے۔ اور باپا "راول" کی موت درمیانی آٹھویں صدی عیسوی میں صحیح مانی جاتی ہے۔ اگر کرنل ٹاڈ کے قول پر یقین لاکر "باپا" کی عمر "سو برس" قبول کی جائے تو ۸۱۳ء میں اُس کو زندہ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ باپا کا سال پیدائش ۷۱۳ء لکھا گیا ہے۔ پس اِس طرح باپا کے سامنے جبکہ کوئی بڑا فساد بھی درپیش نہ تھا۔ آٹھ پُشت گذر جانا۔ اور "کھمان" کا راج پانا صرف غلط ٹھہرتا ہے۔ ایک کتبہ سے "کھمان" کے پوتے "نرباہن" کا عہد سمت ۱۰۰۸ مطابق ۹۵۲ء ظاہر ہوتا ہے۔ پس "کھمان" کا وقت "نرباہن" سے پچاس برس پہلے شروع دسویں صدی عیسوی میں سمجھنا چاہیے۔ جس سے باپا کے عہد تک پونے دو سو برس کا زمانہ اندازے کے ساتھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔

کسی ہندی کتاب میں "محمود خراسانی" (غزنوی) کا حملہ چتوڑ کی طرف لکھدیا ہے۔ جس کو کرنل ٹاڈ نے اس خیال سے کہ "سلطان محمود غزنوی" نے شروع سے گیارھویں صدی عیسوی میں "کھمان" سے عرصہ بعد "ہندوستان" پر چڑھائی کی ہے خلاف سمجھ کر اپنے قیاس سے "مامون" بنا لیا ہے۔ اسی بے ثبوت بات کو "راجہ شیو پرشاد" وغیرہ نے بھی جن کے پاس کوئی بڑا مسالہ "تاریخ الفنسٹن" وغیرہ کی نقل کرنے کے سوا نہ تھا۔ کرنل ٹاڈ سے لے کر اپنے پر تعصب کتابوں میں درج کر دیا ہے کہ "چوبیس لڑائیاں ہونے پر "مامون" چتوڑ" سے ہٹایا گیا۔

یہ بیانات محض غلط ہیں "خلیفہ مامون" کا عہد "کھمان" کے سو برس پہلے ہے۔ وہ ۸۱۳ء سے ۸۳۳ء تک بیس برس حکومت کر کے گذر گیا۔ کوئی خلیفہ فوج لے کر "ہندوستان" یا کسی دُور ملک میں نہیں گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے زمانہ میں محمود اور کھمان کی شہرت و بہادری کا حال سُن کر لوگوں نے غلط قصہ بنا لیا۔ جس کو اَوروں نے بغیر سوچے سمجھے اپنی کتابوں میں لکھدیا۔

جائے سکونت کے تعلق سے بھی قوم کمبوہ کے کسی سورج بنسی چھتری نسل سے نہ ہونے کے دلائل و شواہد

یہ خاندان جس کا شروع سے آج تک کا حال ہم نے "کارنامہ راجپوتان" سے لے کر ابھی پیش کیا ہے۔ وہ ہے جس سے مؤلف کمبوہان کے بزرگ عبداللہ مالیری نے اپنا رشتہ ملایا ہے۔ اور اپنی قوم کمبو کی سینہ بہ سینہ قومی و جبلی روایات "گڑھ گجنی" سے نکال کی لکھ کر یہ بات باور کرائی ہے کہ "قوم کمبوہ" اُسی شاہی چھتری خاندان سے ہے۔ جو "گڑھ گجنی" اور "ملتھی" پر حکمران تھا۔ اور جب اُس کا راج کسی دشمن نے چھین لیا تو وہ وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ مگر تاریخ کمبوہان نے بددیانتی سے عبداللہ مالیری کے بیان میں سے صرف قومی و جبلی روایات کو لے لینا اور گڑھ گجنی واقع گجرات کاٹھیا واڑ کو غزنی واقع افغانستان بتانا اپنے اِس مقصد کے لئے ضروری خیال کیا۔ جس کے لئے وہ شروع سے طرح طرح کے افسانے سناتے چلے آئے ہیں۔ یعنی قوم کمبوج کو شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد اور افغانستان کی حکمران قوم اور اپنی قوم کمبو کو اُسی کی باقیات الصالحات باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے آئے ہیں۔ لیکن اب ان تمام واقعات و حالات کے سامنے آجانے سے اِس بات میں ذرا سا بھی شک اور شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ "قوم کمبوہ" کو اِس حکمران خاندان سے اُس کی رعایا ہونے کے سوائے اور کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ اگر کمبوہ اِس شاہی چھتری نسل کے ہوتے تو ضرور تھا کہ وہ قتل و غارت کی وجہ سے اگر فوراً "رانی کملاوتی" کے پاس نہیں پہنچ سکے تھے تو جبکہ رانی کو امن کی اور محفوظ جگہ مل گئی تھی تو اُس کے پاس جمع ہوتے اور شہزادہ کیشوا دت کی معیت میں رہتے۔ مگر کمبوہ تو گڑھ گجنی سے ایسے بھاگے کہ انہوں نے پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اور رانی و شہزادہ کی مطلق کوئی خبر نہیں رکھی۔ اِنتہا یہ ہے کہ جب "شہزادہ کیشوا دت" حکومت قائم کر کے راجہ ہو گئے۔ تب بھی "قوم کمبوہ" نے اِس خاندان کے بادشاہ اور راج سے کسی قسم کا کوئی تعلق

نہیں رکھا" اور نہ گرہ دت کی رانی اور اس کے خورد سال بچے "باپا" کے پاس اُن کے اِبتلا اور مصیبت کے زمانہ میں گئے" پھر جب "باپا" نے اپنی وہ حکومت وسلطنت قایم کی جو زاید از بارہ سو سال سے آج تک مسلسل اور بِلا وقفہ اُس کی اولاد میں چلی آرہی ہے" اُس کی طرف بھی کبھی رُخ نہیں کیا"

یہ واقعات اِس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ "قوم کمبو" کو "سوراشٹر" یعنی کاٹھیاواڑ گجرات" سے اِس سورج بنسی خاندان "بانئی بلبھی بنس سے" نسلی تعلق ہرگز نہ تھا" بلکہ یہ قوم اُسی ملک کی رعایا میں سے تھی "راجہ سلاوت کے قتل اور انقلاب حکومت کے وقت وہ اپنی وطن "گرڑھ گجنی" سے فرار ہوکر دُور کے علاقوں میں چلی گئی" اور وہاں بھی حسب سابق بطور کاشتکار رعایا کے رہنے لگی" اور آج تک اِسی طرح رہتی چلی آرہی ہے"

منشی عبداللہ مؤلف سفینۂ مالیری کی اِس رائے زنی سے بھی کہ۔

"اب ہم کو یہ بات دریافت کرنا ہے کہ" وہ کون سی قوم ہے جو اپنی سینہ بر سینہ قومی زبان وروایات سے "گرڑھ گجنی" سے اپنا نکاس" اور اُس سے اپنی اصلیت" اَور نسل کا پتہ اور تعلّق بتلاتی ہے اور وہ کون سی قوم ہے" جو اپنی قومی صُلبی معلومات سے "گرڑھ گجنی" کے واقعہ اور حادثہ کو اپنے بزرگوں کی طرف منسوب کرتی ہے" اور یہ ظاہر ہے کہ جو قوم قوی دلایل سے اُن اُموراؔ اور واقعات مذکورۂ بالا کو اپنے اور اپنے بزرگوں کی نسبت ثابت کرسکتی ہے" بلا شبہ "گجنی" کے باقی ماندہ سُورج بنسی چھتری بزرگوں کی اولاد" وہ ہی قوم سمجھی جائے گی"

یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوسکا کہ "قوم کمبو" "سُورج بنسی چھتری" بزرگوں کی اولاد سے ہے ظاہر ہے کہ آج کے کمبو نہیں بلکہ اس قوم کے بزرگ "گرڑھ گجنی" "واقع کاٹھیاواڑ گجرات" سے آئے تھے" اور گرڑھ گجنی" کے واقعہ اور حادثہ ہی کی وجہ سے اُنہیں اپنے وطن سے نقل مقام کرنا پڑا تھا" لیکن اِن بزرگوں کے "گرڑھ گجنی" سے آنے اور سلونوں کے تہوار نہ منانے کو اِس بات کی دلیل ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا" کہ یہ قوم کمبو" اجدّھیا کے راجہ رامچندر والے خاندان سے "سُورج بنسی چھتری" ہے" اور اُس ملک کی رعایا میں سے نہیں تھی" ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ اور انقلاب حکومت کے وقت سب ہی قوموں کے اشخاص شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے" جن میں سے بہت سے خاندانوں کو پھر دہلی دیکھنی نصیب نہیں ہوئی" اور وہ دُور و دراز ملکوں میں جاکر آباد ہوگئے" جہاں اُن کی نسلیں موجود ہیں" تو جس طرح دہلی کے یہ فراری خاندان یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ ہم "شاہی مغلیہ خاندان سے ہیں" اِسی طرح قوم کمبو کا یہ دعویٰ بھی قطعاً کوئی اصلیت نہیں رکھتا کہ وہ "سوراشٹر یا کاٹھیاواڑ گجرات" کے حکمران "سُورج بنسی چھتری" خاندان کی نسل سے ہیں۔

مزید برآں یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ "یہ حکمران خاندان جس کو اِس بیان میں "قوم کمبو" کا ہم نسل ہونا ظاہر کیا گیا ہے" اپنی دونوں دفعہ کی تباہی وبربادی" اور سلطنت وحکومت ہاتھ سے جاتے رہنے پر بھی "سوراشٹر" سے زیادہ دُور نہیں گیا" اور ہر بار اُس نے جس ہمت مردانہ سے کام لے کر اپنی شوکتِ رفتہ کو تھوڑے تھوڑے عرصہ ہی میں پھر بحال کرلیا" اور زاید از بارہ سو سال سے آج تک اپنی حکومت وریاست کو مسلسل قایم رکھا ہے"۔ اِس جُرات ولیاقت کا ایک شمّہ بھی کبھی "قوم کمبو" سے ظہور میں نہیں آیا" شروع سے ہی کسی تاریخ میں کہیں "قوم کمبو" کا کوئی کارنامہ تحریر نہیں ہے" اور یہ خود اپنی قوم کے نام کی وجہ تسمیہ کے بیانات میں متفق نہیں ہے" چنانچہ مؤلف تاریخ کمبوہان نے "اپنی اِسی کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت" اپنی قوم کمبو" کے مختلف خیالات وآراء کو لکھا ہے" جس میں کہیں وہ "کے انبوہ" سے کہیں "کم بدھ" سے "کمبو" کے لفظ کو نکلا ہوا" اور کہیں راجہ کمبوج کی اولاد" اور کہیں سُورج بنسی چھتری" ہونے کا دعویٰ کررہے ہیں"

مگر مؤلف موصوف نے اِن سب باتوں کو رَد کر کے اِصرار کیا ہے کہ اُن کی پیدا کردہ اِس جدید بات کو ہی صحیح سمجھ لیا جائے کہ "قوم کمبو" "شہنشاہ کا مبوجیا" کی اولاد ہے" یعنی اس کے سوا اور سب باتیں غلط ہیں"

ہم مؤلف تاریخ کمبوہان کے اس اِدّعا کا حال بھی اچھی طرح ظاہر کر چکے ہیں کہ اُن کی قوم کمبو کو شہنشاہ کا مبوجیا سے مطلق کسی قسم کا تعلق اور دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے" جبکہ خود اُن کی قوم کی سینہ بہ سینہ قومی و قبلی روایات" سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہے کہ "یہ قوم کمبایت یا کمبے" کی وجہ سے کمبو" مشہور ہوئی ہے" تو ان روایات کے مقابلہ میں یہ اور کہانیاں جو گھڑی گئی ہیں۔ اُن میں کچھ بھی اصلیت و حقیقت نہیں ہے"

"مؤلف تاریخ کمبوہان" اور دوسرے اُن کی قوم والوں نے جو اس سکنی لقب "کمبو" کی متذکرہ صدر توجیہیں کی ہیں" اُن سے ان حضرات کا منشا یہ ہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی "پست و درماندہ قوم کو اُبھار کر ترقی کے زینہ پر لانا چاہتے ہیں" یہ جذبہ کہ اُن کی قوم کی ترقی ہو" بہت قابلِ تعریف ہے" اور ہماری بھی دعا ہے کہ" وہ خوب پھلے پھولے" لیکن جو طریقے انہوں نے اپنے اس مقصد کے بَر لانے کے اختیار کئے ہیں" وہ ہرگز کسی تعریف کے مستحق نہیں ہیں" سچائی اور راستی کے راستہ کو چھوڑ کر کوئی بھی منزلِ مقصود کو نہ کبھی پہنچا ہے۔ اور نہ پہنچ سکتا ہے۔ اِس قدر دکھا چکنے کے بعد اب ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ وہ قوم جس کی ریاست اپنے پروہت کی دغابازی سے تہوار کے دن حملہ کئے جانے سے غارت ہوئی وہ کس نسل سے تعلق رکھتی تھی"

وہ قوم جس کی ریاست اُس کے پُروہت کے دشمن سے مل کر تہوار کے دن حملہ کرانے سے غارت ہوئی

کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۸ پر ہے کہ "کچھواہہ راجپوتوں کو دعویٰ ہے کہ "ہم راجہ رامچندر والئے کوسلہ عرف اجودھیا" کے دوسرے بیٹے کش" کی اولاد میں ہیں" کش یا اُس کے بیٹے پوتوں میں سے کسی نے اپنی موروثی دارالریاست سے نقل وطن کر کے سون ندی کے کنارے پر رہتاس کا مشہور قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اور چند پشتوں کے بعد ایک مشہور شخص راجہ نل" جس کا قصہ رانی دمنتی کے ساتھ مشہور ہے" اور اس قصہ کو مثنوی نل دمن کے نام سے فیضی نے فارسی میں نظم کیا ہے" سمت ۳۵۱ مطابق ۲۹۵ء میں مغرب کی طرف چل کر "نرور" میں جس کو قدیم لوگ "نشدھ" کہتے تھے۔ قلعہ اور سلطنت بنائی" بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ نرور پہنچنے سے پہلے اُس نے "لاہر واقع کچھواہاگار" اور گوالیار بھی آباد کئے تھے" مگر اس کی تصدیق اچھی طرح نہیں ہوتی ہے"

"بتیسویں پشت میں سُورا سنگھ ہوا" اُس کے پسر دولہا رائے نے جس کو عام لوگ "ڈھولا رائے" بولتے ہیں۔ باپ کے مَرنے کے بعد موروثی ریاست سے مخروج ہو کر سمت ۱۰۲۳ مطابق ۹۶۷ء میں "ڈھونڈھار" کا راج قایم کیا جو "مشرقی شمالی راجپوتانہ میں ہے" کہتے ہیں کہ سُورا سنگھ رئیس نرور" کا انتقال ہوا۔ تو اُس کے بھائی نے راج چھین کر صغیرسن ڈھولا رائے کو اُس کے موروثی حق سے محروم کیا" اُس کی والدہ مفلسوں کا لباس پہن کر اور لڑکے کو ٹوکرے میں اپنے سر پر لے کر مغرب کی طرف روانہ ہوئی۔ اور قصبہ کھوگنگ میں جو شہر جے پور کے موقع سے پہاڑوں میں پانچ میل کے اندر تھا اور اُس میں "مینون" کی آبادی تھی پہنچی" اور "مینا" رئیس کی کسی کنیز سے مل کر روٹیوں کے عوض مزدوری کرنے کی اِلتجا کی" مینا کی رانی نے اُس کو کنیزوں میں نوکر رکھا" ایک روز اُس نے کھانا پکایا اور "مینا رئیس" نے جس کا نام "رالن سی تھا۔ کھایا تو اُس کو اپنے معمولی کھانے سے ایسا خوشگوار معلوم ہوا کہ پکانے والی کو طلب کر کے اُس کی کل سرگذشت دریافت کی" اور جب اُس کو اِس آفت زدہ عورت کے خاندان کی عظمت کا حال معلوم ہوا تو اُس کو اپنی بہن" اور "ڈھولا رائے" کو اپنا بھانجا قرار دے کر بہت عزت و توقیر سے رکھا"

ایک قدیم تواریخی شعر ہندی سے اِس مینا رئیس کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ہے ؎

باوَن کوٹ چھپّن دَر واجہ مینا مَرد نایَن کا راجہ

(یعنی باوَن ۵۲ قلعے اور چھپّن دروازے " مینا راجہ " کے پاس ہیں)

جب یہ لڑکا چودہ ۱۴ برس کا ہوگیا تو اُس کو "کھوگنگ" کا خراج ادا کرنے کے واسطے "دہلی" کو کہ وہاں تنور راجہ حکمران تھا بھیجا۔ وہاں اُس کو پانچ برس رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور یہ خیال پیدا ہوا کہ "مینا رئیس کی ریاست کو لینا چاہئے"۔ اِس باب میں اُس نے "مینوں" کے دہولی یا کبیشر (پروہت) سے مشورہ کیا۔ اُس نے صلاح دی کہ "ہولی" کے تہوار پر "کل مینے" جمع ہوکر ایک تالاب میں غُسل کرتے ہیں۔ اُس وقت یہ کام کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا کہ دہلی سے اپنے ہم قوم راجپوتوں کا گروہ ہمراہ لاکر جس تالاب میں "مینے" نہاتے تھے۔ اُسی کو اُن کی نعشوں سے بھر دیا۔ اور اُن کے ساتھ نمک حرام "دہولی" (پروہت) کو بھی قتل کیا۔ کیونکہ جس نے ایک آقا سے دغا کی۔ اُس پر دوسرا کیونکر اعتبار کرسکتا ہے۔ "کھوگنگ" پر قبضہ کے بعد وہ "دوسہ" گیا۔ اور وہاں کے بڑگوجر راجہ کی لڑکی سے اُس نے شادی کی۔ اس بڑگوجر راجہ کے اولاد نہ تھی۔ اُس نے اپنے داماد کو راج کا اختیار دیا۔ اِس طرح اضافہ ملک سے زور پاکر "سیرہ" قوم کے مینوں کو جن کا سردار "ماچ کا رئیس" "ورڈ نہتو" تھا فتح کرنا چاہا اور مقام مفتوحہ جدید کو اپنی بود و باش کے واسطے بہتر سمجھکر وہاں دارالحکومت بنایا اور اپنے بزرگوں کے نام سے "ماچ" کا نام "رام گڈھ" رکھا۔ بعد ازاں "ڈھولا" نے "ماروَنی" دختر رئیس اجمیر سے شادی کی جس پر وہ عاشق ہوگیا تھا۔ ڈھولا مارو کا قصہ راجپوتانہ میں بابا لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ یہ ہندو فقیروں کا ایک گروہ ہے۔ ایک دفعہ جمدائے دیبی کے مندر سے معہ ماروَنی رانی کے واپس آتا تھا کہ اثنائے راہ میں "مینون" نے بہ تعداد گیارہ ہزار فراہم ہوکر اُس پر حملہ کیا۔ ڈھولا نے اُن سے لڑائی کی اور اکثر آدمیوں کو مار کر خود بھی مارا گیا۔ اُس کے حمائتی فرار ہوگئے۔ "ماروَنی رانی" حاملہ تھی "ڈھولا رائے" کے بعد اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام "کن کل" رکھا اس نے باپ کا ملک دشمنوں کے قبضہ سے نکالا۔ "کن کل" کا بیٹا "میدل راؤ" ہے۔ اس نے سوساوت مینوں سے "شہر انبیر" کہ اُس کے سردار بھاٹو راؤ کا دارالریاست تھا فتح کیا۔ اور ناندلہ مینوں کو مغلوب کرکے "گتر گھٹی" کا ضلع اپنے علاقہ میں شامل کیا۔ اور خاص قصبہ اَنبیر کو جو انبادیوی کے نام پر آباد ہوا تھا۔ اپنی راجدھانی بنایا۔ اور بھاٹو کو مار ڈالنے کے بعد "راؤ" کہلانے لگا۔

میدل راؤ کے بعد "ہُون دیو" یا ہنوجی راجہ ہوا۔ اُس کے وقت میں بھی مینوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ "ہُون دیو" کے بعد "کون تل" اُس کا قایم مقام ہوا۔ اُس کی حکومت گرد و نواحی پہاڑیوں پر پھیل گئی۔ جس وقت وہ بہٹوارہ کے چوہان رئیس کی دختر سے شادی کرنے کے واسطے چلنے لگا تو اُس کی پہلی خونریزیوں کو یاد کرکے اور ہر طرف سے جمع ہوکر "مینون" نے اُس سے کہا کہ سرحد سے باہر جاتا ہے تو راج کے نقارے اور نشان کو ہماری حفاظت میں چھوڑ تا جا۔ اس نے انکار کیا۔ اس پر لڑائی ہوئی۔ "مینوں" نے شکست کھائی۔ (نوٹ) نسب نامہ مہاراجگان جیپور میں اس نام کی جگہ جانز دیو نام تاریخوں میں مندرج ہے) "کون تل" کے بعد "پجُون" راجہ ہوا۔ اس نام کی جگہ "پرچُون اور پوجن" بھی لکھا ہے۔ چند شاعروں نے اسے راج راسا میں "پرتھی راج" کا بہنوئی قرار دیا ہے۔ "پرتھی راج نے ہندوستان کے ایک سو آٹھ راجاؤں کو اور زمینداروں کو طلب کیا تھا۔ اس میں پرچون کو عمدہ مقام پر جگہ دی اور اپنی فوج کے ایک گروہ کا افسر مقرر کیا۔ "پجُون" نے چندیلہ راجپوتوں سے مہابہ فتح کیا۔ اور وہاں کا حاکم مقرر ہوا۔ جبکہ پرتھی راج نے "جے چند والئی قنوج" پر چڑھائی کی اور اس کی بیٹی سنجوگتی کے ساتھ زبردستی شادی کرنی چاہی تو "پجُون" "پرتھی راج" کی طرف سے اس کے مقابلہ پر مارا گیا۔ "مالسی یا ملے سی" "پجُون" کا بیٹا بھی قنوج کی لڑائی میں موجود تھا۔ جس نے بہت سے دشمنوں کو قتل کرکے "پرتھی راج" کے معتبر سرداروں میں درجہ پایا۔ اور ریاست اَنبیر میں باپ کا جانشین ہوا۔ اُس نے اکثر کارنمایاں کئے۔ اُن میں سے "آترا ہی" کی فتح تھی جو کہ منڈور کے رئیس پر حاصل کی تھی۔

اور صفحہ ۲۶۸ تا ۲۷۲ پر ہے کہ "مالے سی" کے بعد "بی جل" "راج دیو" اور "کولن" "ریوا و مجھو" تین راجے ہوئے۔ ان کے عہد میں کوئی امر قابل تحریر وقوع میں نہ آیا۔ "کولن" کے بعد "کنل یا کون تل" اس کے بعد "جون سی" اُس کے بعد "اُدے کرن" اس کے بعد "نرسنگھ" پھر "بن بیر" بعد "اُدے کرن دوم" پھر "چندر سین" بعد "پرتھی راج" پھر "بہارا مل" بعد "بھگوان داس" پھر "راجہ مان سنگھ" راجہ ہوئے۔ اسی کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۴۹۴ و ۴۹۵ پر ہے کہ "کوہ آبو" کا اصلی نام "اربدہ" ہے...... اِن پہاڑوں میں اکثر "مینہ" "بھیل" "کولی" اور گراسیہ بہت عرصہ سے اور کثرت سے آباد ہیں"...... قوم مینہ" اُتر کی طرف زیادہ ہے" چھ سَو برس کے قریب ہوئے کہ یہ "گوڈواڑ" سے آئے تھے" اور اس علاقہ میں بس گئے" یہ بھی چوری اور غارت گری میں بھیلوں سے کم نہیں۔ بلکہ بہادری اور مضبوطی میں دو قدم اُن سے زیادہ ہیں اور بہت جلد بدی پر آمادہ ہو جاتے ہیں"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی قوم کمبو کا قدیم مسکن اور اُس کی قومیت کا حال مسٹر آرنلڈ کے قلم سے

یہ ظاہر اور ثابت ہو جانے کے بعد کہ "کمبو" سکنی لقب ہے" اور اس لقب کو کسی نسل سے مطلق کوئی تعلق نہیں ہے" اب ہمیں یہ دکھانا ہے کہ "قوم کمبو" کی اصلیت کیا ہے" اور فی الحقیقت وہ "کس نسل سے تعلق رکھتی ہے" اِس بات کے بخوبی جان لینے کے لئے ہم "مسٹر ٹی آرنلڈ" مصنف دی پریچنگ آف اسلام" کا بیان پیش کرتے ہیں۔ جسے خود مؤلف تاریخ کمبوہان نے صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴ پر سوراشٹر میں کمبوؤں کی حکومت کا ایک اور ثبوت" کی سُرخی کے تحت اِن الفاظ میں پیش کیا ہے کہ۔

"داعیان و مبلغان ملتِ اسلامیہ میں سے ایک واعظ کا نام "نورستاگر" تھا" قلعہ الموت سے "جہاں اسمٰعیلیوں کا سردار رہا کرتا تھا" ہندوستان کو روانہ کیا گیا" یہ واعظ اول گجرات میں راجہ سدہارج" کے زمانہ سنہ ۱۰۹۳ء تا سنہ ۱۱۴۳ء میں پہنچا" اس نے اپنا نام ہندوؤں کا سا رکھا" لیکن مسلمانوں کو اپنا نام "سید سعادت" بتایا" (۱) کمبی" (۲) کھاروا" اور (۳) کوری" قوم کے لوگوں کو جو "گجرات" کی۔ نیچی ذاتیں تھیں" اسمٰعیلیہ مذہب میں شامل کیا"

مسٹر آرنلڈ کے بیان پر مؤلف تاریخ کمبوہان کی رائے زنی اور اس کی حقیقت"

مسٹر آرنلڈ کی تلاش و تحقیقات اور صداقتِ بیان پر مؤلف تاریخ کمبوہان کو پورا وثوق و اعتماد ہے" اپنی کتاب میں کئی جگہ انہوں نے مسٹر موصوف کی کتاب کے اقتباس اپنے بیانات کے ثبوت میں پیش کئے ہیں لیکن یہاں ان کے بیان پر اپنی رائے

(نوٹ عـ۱) رولرز آف انڈیا "رنجیت سنگھ" مصنفہ سر لیپل گریفن کے سی۔ ایس۔ آئی" مترجمہ نظیر حسین صاحب فاروقی مہتمم تعلیمات ضلع رائچور (حیدرآباد دکن) مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سنہ ۱۳۴۰ ہجری مطابق سنہ ۱۳۳۱ فصلی مطابق سنہ ۱۹۲۲ء کے صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ "مہاراجہ رنجیت سنگھ" مہان سنگھ کا بیٹا تھا جو "سکرچاکیا" ریاست کا ایک منچلا اور دلیر سردار تھا" رنجیت سنگھ سنہ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا" اُس کا خاندان "سانسی جاٹ ذات کا تھا" جس کا قریبی رشتہ سندھن والیوں سے تھا" رنجیت سنگھ کی وفات کے وقت "سندھن والیہ خاندان" دریائے بیاس کے شمال کے تمام سکھ سرداروں میں نہایت زبردست تھا" اور اب بھی پنجاب میں سب سے بلند مرتبے پر ہے" گو اب اِس خاندان میں ممتاز اشخاص موجود نہیں ہیں" دوسرے سکھوں کی طرح "سندھن والیہ خاندان بھی راجپوت نسل سے ہونے کا مدعی ہے" لیکن سانسیوں کی ذلیل اور چور قوم سے بھی اس کا قریبی تعلق ہے" ان کا آبائی وطن "راجہ سانسی" جو امرتسر کے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے" اسی نام سے موسوم ہے"

اِن الفاظ میں پیش کی ہے کہ۔

”ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس حد تک ہم راستی کے قریب ہیں“ لیکن ”کمبھی“ نام کے تلفظ سے ہم کو گمان ہوتا ہے کہ شاید اِس کا تعلق ”کمبوؤں“ سے ہو“ جیسا کہ فاضل مصنف نے تحریر فرمایا ہے ”کمبھی قوم“ اِس وقت ”گجرات“ میں ایک نیچی ذات ”تصور کی جاتی ہے“ لیکن کسی ذات کا ”اُونچا یا نیچا ہونا“ اُس کی اصالت و نسل پر ”زیادہ تر منحصر نہیں ہے“ بلکہ اِس کا مدار ”اِس قوم کی پولیٹیکل پوزیشن“ طرزِ تمدن ”قومی تموّل“ اور خوش لباسی پر موقوف ہے“ ممکن ہے کہ یہ ”کمبھی قوم“ دراصل کمبوؤں کی نسل کی ”باقی ماندہ یادگار ہو“ جو دشمن کے ملک میں ”مغلوب ہونے کے بعد مقیم رہی ہو“ اور خارج قوم نے اُسے مغلوب کر کے اُس کی حالت غلاموں کے درجہ تک بالکل اِسی طرح پہنچا دی ہو“ جس طرح آریہ ہندوؤں نے ”اِس ملک کے ”اصلی باشندوں کی ان کو ”شودر“ بنا کر پہنچا دی ہوئی ہے“ اگر یہ بات صحیح ہو تو اِس سے آسانی کے ساتھ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ”کمبوؤں کا ”کاٹھیاواڑ گجرات میں پولیٹیکل فوقیت حاصل کرنے کا دعوٰی ”صرف خیالی ہی نہیں بلکہ واقعات سے ہے“ خصوصاً اِس صورت میں جبکہ دیگر آثار و شواہد سے“ اور قراین سے ”اِس اِدّعا کی تائید ہوتی ہو“

مسٹر آرنلڈ نے جن تین اقوام کے اسمٰعیلیہ داعی کے ذریعہ سے تبدیلِ مذہب کا ذکر کیا ہے اور اُنہیں نیچ ذات کا بتایا ہے اُن میں ایک کمبھی یا کمبو قوم بھی شامل ہے“ مؤلف موصوف جب کسی طرح مسٹر موصوف کے بیان کو جھٹلانے پر قادر نہیں ہو سکے تو انہوں نے اپنی طبیعت سے اُس کی اِس طرح توجیہ کی ہے جو سامنے ہے“ یہ دوسری بات ہے کہ اُن کی یہ توجیہ قابلِ قبول ہے کہ نہیں ہے اور کسی طرح بھی کمبوؤں کے کاٹھیاواڑ گجرات پر کسی زمانے میں بھی پولیٹیکل فوقیت یا حکومت و سلطنت حاصل کرنے پر منتج ہو سکتی ہے“ مسٹر آرنلڈ نے تو کمبھی یا کمبو قوم کو صرف نیچ ذات بتانے پر اکتفا کیا ہے اور اس کے سوا کسی دوسری بات کی طرف اِشارہ تک نہیں کیا ہے“ تو ان کے بیان سے سوراشٹر میں کمبوؤں کی حکومت کا ایک اور ثبوت“ کی سُرخی دے کر مؤلف تاریخ کمبوہان کی شاید اور قراین اور ممکن ہے کہ اور اگر یہ بات صحیح ہو کے جملوں کے ساتھ رائے زنی کے کیا معنی ہو سکتے ہیں“ اِس قسم کی لفاظیوں سے نہ تو حقیقت کو چھپایا جا سکتا ہے نہ ہی کسی واقعہ کو ثابت کیا جا سکتا ہے“ اور مؤلف موصوف کے سوائے جنہیں کسی بھی روایت و دعوے کے اُصول درایت سے تردید کرنے کا اِدّعا ہے کوئی دوسرے شخص اِس قسم کی رائے زنی کا تصور بھی نہیں کر سکتا“

مؤلف تاریخ کمبوہان نے کاٹھیاواڑ گجرات کے تپس سورج بنسی چھتری خاندان سے اپنی قوم کمبو کے ہم نسل ہونے کا دعوٰی کیا اور اپنی قوم کی جن سینہ بہ سینہ قومی اور قبیلی روایات کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے اُن سب پر ہم کافی روشنی ڈال چکے اور بوضاحت دکھا آئے ہیں کہ اِس شاہی خاندان کی رعایا ہونے کے سوا قوم کمبو کو اُس سے کوئی تعلق نہیں تھا“ جب اُس ملک میں انقلابِ حکومت ہو کر قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا تو جیسا کہ ایسے موقعوں پر ہوتا ہے“ تو قوم کمبو سوراشٹر سے بھاگ نکلی اور پنجاب کے اضلاع میں جا کر اُس نے اپنا وہی آبائی پیشہ کاشتکاری اختیار کر لیا جس سے وہ واقف تھی“

کوری قوم جس کا ذکر مسٹر آرنلڈ نے ”کمبھی یا کمبو قوم کے ساتھ کیا ہے ہم نے اسے میرٹھ میں دیکھا ہے جہاں مختصر اور خام مکانوں میں بطور رعایا رؤسائے شہر آباد ہے“ ممکن ہے کہ پنجاب میں بھی ہو۔ یہ لوگ موٹا کپڑا بننے اور بھیک مانگنے کے دونوں کام کرتے ہیں۔

ہمارے پیش کردہ شواہد اور مسٹر آرنلڈ کے بیان سے بھی اب اِس بات میں کچھ شک اور شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ۔

(۱) کمبو قوم کا نکاس کاٹھیاواڑ گجرات سے اور وہاں کی نیچی ذات سے ہے“

(۲) اور مؤلف تاریخ کمبوہان کا یہ دعویٰ کہ اُن کی قوم کمبو سُورج بنسی چھتری نسل سے تعلق رکھتی ہے قطعاً بے حقیقت ہے!
(۳) اِسے راجہ کمبُوج اور شہنشاہ کام بوجیا سے بھی کوئی نسلی علاقہ نہیں ہے۔
(۴) اور قوم کمبوج سے بھی جو بقول لالہ لاجپت رائے بتت کے پُرانے نام کمبوجا کی وجہ سے کمبوج اور کمبوجی کہلاتی تھی۔ (اور جس کے متعلق مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ مملکت آصفیہ دکن نے بھی عمل صالح کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "موسیو ناوچر بنیا بزر روایات ملک نیپال۔ بتت را کمبوج دیس مے پندارد") اسے کوئی تعلق نہیں ہے۔
(۵) جس طرح اکثر قومیں اپنے جائے سکونت سے بھی مشہور ہو گئی ہیں اسی طرح یہ قوم بھی کھبے یا کمبایت کے تعلق سے کمبو کہلائی ہے۔

باب ۲۰ ہشتم

تین اشخاص اور ایک ٹھاکر دوارے کے حالات مؤلف تاریخ کمبوہان کے قلم سے

(۱) رائے بنسی داس کمبو "امیر دربار اکبری" کی سُرخی دے کر مؤلف تاریخ کمبوہان نے صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ:۔

ہم اپنے موضوع سے دُور چلے آئے۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بعد مسلمانوں کی مستقل سلطنت قایم ہوگئی۔ اور چھ سَو سال تک قایم رہی تاآنکہ ۱۸۵۷ء میں مُغلیہ حکومت کے انتزاع۔ اور بہادر شاہ ثانی آخری مُغل بادشاہ کی معزولی کے بعد انگریز اِس مُلک پر قابض و متصرف ہو گئے۔

اسلامی عہد میں ہندو کمبوؤں نے اپنی قابلیت و شجاعت کا اظہار اِس حد تک نہیں کیا۔ جہاں تک کہ مسلمان کمبو قدرتاً کر سکتے تھے۔ مسلمان کمبوؤں کے عروج و ترقی کے حالات باب نہم میں تفصیل سے درج ہوں گے۔ یہاں ہم ہندو کمبوؤں کے حالات درج کرتے ہیں۔

جلال الدین اکبر اعظم کے عہد سلطنت میں۔ نہ فقط مسلمان کمبوؤں کی عزت افزائی ہوئی۔ بلکہ ہندو کمبوؤں نے بھی اِس زمانے میں کم و بیش اپنے تئیں صاحب امتیاز بنایا۔ نواب شہباز خاں کمبوہ کی فوج میں ہندو کمبو بھی مُلازم تھے جس کا ذکر علامہ ابو الفضل نے آئینِ اکبری کی جلد سوم میں اشارۃً کیا ہے۔ اکبر نامہ میں رائے بنسی داس نام ایک کمبو سردار کا ذکر بھی آتا ہے۔

بارھویں[۱۲] سال جلوس میں۔ جب امیر الامراء خان زماں علی قلی خاں۔ شیبانی پنج ہزاری اور بہادر خاں پنج ہزاری اس کے بھائی نے بادۂ نخوت و پندار سے بدمست ہو کر طغیان و تمرّد پر کمر باندھی تو شہنشاہ اکبر نے بہ نفسِ نفیس ان پر یورش کی۔ اِس مہم میں نواب شہباز خاں اور بنسی داس بھی ضمیمہ لشکر بادشاہی تھے۔ علی قلی خاں مارا گیا۔ اور بہادر خاں گرفتار ہوا۔ شہنشاہ نے بہادر خاں کو شہباز خاں اور بنسی داس کے سپرد کیا۔ اور بہ الفاظ ابو الفضل۔

"بر دو بہ زخم شمشیر۔ گردنش را از بارِ سر سبک ساختند"

"دونوں نے تلوار کی ضرب سے اس کی گردن کو سر کے بوجھ سے ہلکا کر دیا" (قتل کر دیا")

اور فرشتہ کے الفاظ ہیں:

"صلاح در وجودِ او ندانستہ۔ بے رخصت آں حضرت بقتل آوردند"

"اس کی زندگی کو سلطنت کیلئے مفید نہ سمجھکر بلا اجازت بادشاہ اسے قتل کر دیا"

رائے بھنی داس کے حالات کتب تواریخ سے اِس سے زیادہ میسّر نہیں آسکے۔ (صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵)

(۲) دیوان متھرا داس کمبوہ مصنّفِ انشائے ہرکرن

تصنیف و تالیف کا میدان بھی ہندو کمبوؤں نے خالی نہیں چھوڑا اسلامی عہد میں فارسی دفتر کی زبان تھی اور اس میں قابلیت و لیاقت کا حصول اِسی طرح باعثِ افتخار ہوا کرتا تھا جس طرح آج کل انگریزی زبان میں اِمتیاز حاصل کرنا باعثِ فخر و ناز ہے۔

ملتان کے ایک کمبوہ متھرا داس نے اِس زبان میں جو لیاقت حاصل کی۔ وہ اِس کی کتاب انشائے ہرکرن سے بخوبی واضح ہوتی ہے جو اِسلامی حکومت کے عہد میں سالہا سال مکتبوں اور مدرسوں کے نصاب تعلیم میں شامل رہی دیوان متھرا داس کے تفصیلی حالات ہم کو نہیں مل سکے۔ سوائے اِس کے کہ وہ ملتان کے مردم خیز خطّے کے رہنے والے تھے۔ اور اپنی وفات تک اپنے اصلی ہندو مذہب سناتن دہرم کے پابند رہے انشائے ہرکرن میں ہر قسم کے فرامین خطوط وثیقہ جات کی تحریر کے طور و طریق اور نمونے درج ہیں اور ہم نے بچپن میں اِس کتاب کا دیدار کیا تھا (صفحہ ۱۶۵)

(۳) بابا بھومن شاہ

سترہویں صدی مسیحی کے آخر ربع اور اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف میں ہندو کمبوؤں میں بابا بھومن شاہ ایک صوفی منش بزرگ اور ولی اللہ جنوبی پنجاب میں ہو گذرے ہیں وہ ایک اُداسی ہندو درویش تھے اور بڑے عابد و زاہد اور خدا پرست تھے اِن کا مزار قصبہ کوٹ قطب میں ہے جو اب اِنہیں کے اِسم مبارک سے موسوم ہو کر بھومن شاہ کہلاتا ہے اور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری میں واقع ہے ۱۶۸۷ء میں آپ پیدا ہوئے اور ۱۷۶۵ء میں آپ کی وفات ہو گئی پھر آپ کی کرامت وغیرہ کا حال لکھکر تحریر کیا ہے کمبوہ بالخصوص اور باقی قومیں بالعموم آپ کے مزار کو عزت و تعظیم کی نظر سے دیکھتی ہیں اِس کتاب کی تحریر کے وقت مہنت گردھاری داس جی بی۔ اے۔ پنجاب لیجس لیٹو اسمبلی کے منتخبہ ممبر اِس مزار کے گدّی نشین ہیں۔

ہم نے مہنت صاحب کی خدمت میں اِلتجا کی تھی کہ وہ حضرت بابا صاحب ممدوح کے متعلق مستند تاریخی حالات بہم پہنچا کر شکرگزار فرمائیں مگر افسوس ہے کہ یہ درخواست شرفِ قبولیت نہ حاصل کر سکی لہٰذا ہم کو اپنے ذریعے سے جو کوائف میسّر آسکے وہ ہدیۂ

قادرین کیئے گئے" ان کے متعلق بھی ہم "میاں فتح دین میراثی" خلف رو بیلا میاں کبیر لال" چک ۷۶ تحصیل پاک پٹن" ضلع منٹگمری" کے زیر بار احسان ہیں" (صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۷)

ٹھاکردوارہ چورموروالا

"لالہ کنہیا لال صاحب" مصنف تاریخ لاہور" لکھتے ہیں کہ یہ مشہور و معروف مندر" واقع بھولی کے کوچہ میں واقع ہے" مکان اڑہائی منزلہ نہایت پُرتکلف و پختہ۔ چونہ گچ و منقش بنا ہوا ہے" عرصہ ایک سو ۱۲۰ بیس برس کا گذرتا ہے کہ اس مندر کی بنیاد "سکھ حکومت کے عہد میں رکھی گئی تھی" اور "کنہیا کمبو" کی والدہ نے اپنے روپیہ سے اس کو تعمیر کیا۔ اور "مہنت بلرام داس کو" جو ایک مشہور خداپرست سادھو تھا۔ یہ مکان دے دیا"....... اب بعد اشاعت" تاریخ لاہور ۱۸۸۴ء بھگوان داس مہنت ہے"........ گذارہ مہنت و پجاریوں کا صرف چڑھاوے کی آمدنی پر ہے" اور اسی سے اخراجات ضروری مندر کے چلتے ہیں۔ (صفحہ ۱۶۷ و ۱۶۸)

اشخاص کے حالات میں مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانیوں کا انکشاف

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے بیان میں یہ لکھکر کہ۔

"اسلامی عہد میں ہندو کمبوؤں نے" اپنی قابلیت اور شجاعت کا اظہار" اس حد تک نہیں کیا" جہاں تک کہ "مسلمان کمبو" قدرتاً کرسکتے تھے" مسلمان کمبوؤں کے" عروج و ترقی کے حالات "باب نہم میں" تفصیل سے درج ہوں گے" یہاں ہم "ہندو کمبوؤں کے حالات درج کرتے ہیں" اپنے ناظرین کو سخت دھوکا دیا ہے"

زبیری کنبوی بزرگوں کے متعلق غلط بیانی

(۱) سوائے ایک فرد "تہان چادر یا دیوان چاولی" کے جن کی شہزادگی کی کہانی" اور اسلام لانے کی داستان کی حقیقت ہم اوپر ظاہر کرآئے ہیں" اور جس قدر کنبوی بزرگوں کے حالات" مؤلف موصوف نے "باب نہم" میں لکھے ہیں وہ سب کے سب "زبیری کنبوی" خاندان سے تعلق رکھتے ہیں" قوم کمبو" سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہے"

نواب شہباز خاں کے متعلق غلط بیانی

(۲) اور "شیخ شہر اللہ" الملقب بہ عمدۃ الملک" موتمن الدولہ" نواب نظام الدین شہباز خاں" سپہ سالار گورنر صوبجات" و از امرائے کبار" شاہنشاہ اکبر" زبیری کنبوی" خاندان سے تھے" قوم کمبو" سے انہیں کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا" ان کی فوج میں مؤلف تاریخ کمبوہان کی قوم کمبو کا کوئی ہندو یا مسلمان شخص ملازم نہیں تھا" کسی تاریخ میں اور اکبرنامہ کی بھی کسی جلد میں کہیں "کنایتہً یا اشارۃً" اس کا ذکر تحریر نہیں ہے" اکبرنامہ" میں اگر کہیں کوئی اشارہ موجود ہوتا تو مؤلف تاریخ کمبوہان" اس عبارت کو لکھنے سے ہرگز باز نہ رہتے"

اکبرنامہ کی تحریر میں ردوبدل

(۳) مؤلف موصوف نے "اکبرنامہ جلد دوم کے صفحہ ۲۳۱ پر سالِ دوازدہم الٰہی از جلوس مسعود شاہنشاہی

سالِ اسفندارمذ نہم از دَورِ اول نہضت موکب اقبال شاہنشاہی از دار الخلافۃ آگرہ " بہ جونپور " و قتل " خان زمان علی قلی خاں " و بے بہادر خاں " و معرکہ " کی سُرخی کے تحت یہ فقرہ دیکھکر کہ۔

..... بعد از شدتِ التماس اُولیائے دولتِ قاہرہ " شہباز خاں و بنسی داس کنبو " مامور شدند " تا بدرمِ شمشیر " گردنش از بارِ سرِ سبک ساختند " ......

..... اُمرائے سلطنت قاہرہ کی شدتِ التماس کی وجہ سے شہباز خاں اور بنسی داس کنبو اِس امر پر مامور ہوئے کہ تلوار سے اُس کی گردن کو سَر کے بوجھ سے ہلکا کردیں "

انہوں نے ، جو راجہ " بنسی داس کمبو امیر دربار اکبری " سُرخی قایم کرکے اس پر رائے زنی کی ہے " اس کی اصلیت صرف اتنی ہے کہ اکبر نامہ میں " کاتب کی غلطی سے " نواب شہباز خاں " کے نام کے ساتھ " کنبوی یا کنبو " لکھے جانے کے بجائے " بنسی داس کے نام کے سامنے " لفظ کنبو " لکھ گیا ہے " مؤلف تاریخ کمبوہان " نے اُس سے فائدہ اُٹھاکر یہ عمارت کھڑی کردینی مناسب سمجھی " کہ بنسی داس " قوم کمبو " سے تھا " اور اس کو " رائے " کا خطاب بھی حاصل تھا " انہوں نے کنبو کو کمبو کی شکل میں لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اکبر نامہ کے بیان میں یہ اصلاح بھی کردینی ضروری خیال کی ہے کہ " فقرہ تا بدرمِ شمشیر " کو " ہر دو بدرمِ شمشیر " میں تبدیل کردیا ہے " اور اس طرح بنسی داس کا رتبہ بڑھاکر اور رائے کا خطاب عطا فرماکر اُسے امرائے اکبری میں بھی شامل کردیا ہے " بنسی داس نہ کمبو تھا نہ رائے تھا نہ امرائے اکبری میں سے تھا " اکبر نامے میں اور کسی دوسری تاریخ میں بھی اس موقع کے سوا کہیں یہ نام تحریر نہیں ہے " اور مؤلف تاریخ کمبوہان کی اختراع کے سوا اُن کے اِس بیان میں بھی کوئی حقیقت نہیں ہے "

مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانی کی شہادت خود مصنف ہرکرن کے قلم سے

(۴) مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اِس بیان میں بڑے فخر سے تحریر کیا ہے کہ " تصنیف و تالیف کا میدان بھی " ہند کمبوؤں " نے خالی نہیں چھوڑا " مگر نہایت جانفشانی اور جانکاہی " غیر تحقیق و تلاش کے بعد بھی " مؤلف موصوف " جس ایک شخص دیوان متھرا داس مصنف انشائے ہرکرن " کا نام پیش کرسکے ہیں یہ شخص نہ تو دیوان تھا " اور نہ ہی اُن کی " قوم کمبو " سے تعلق رکھتا تھا " اور نہ کسی کتاب کا مصنف تھا " بلکہ متھرا داس کے بیٹے ہرکرن " نے یہ کتاب لکھی تھی " ہمیں ان کے حال پر افسوس ہے کہ " اس موقع پر بھی انہیں اپنے ناظرین کو دھوکا دینے میں کچھ باک نہیں ہوا " ہرکرن ولد متھرا داس نے اپنے آپ کو " کنبوی ملتانی " لکھا ہے " جس طرح " لکھنؤ " کے رہنے والے کسی شخص کو بھی " لکھنوی " کہا اور لکھا جاتا ہے " اسی طرح " کنباہ " کے رہنے والوں کا نسبتی لقب " کنبوی " ہے ۔ اور " ملتان " کے باشندوں کا ملتانی ہے " لیکن یہاں " لفظ کنبوی " کی آڑ پکڑ کر " ہر روایت و دعوے پر " تاریخی اُصول درایت سے تنقید و نکتہ چینی کرنے کا ادعا رکھنے والے " مؤلف تاریخ کمبوہان نے متھرداس کو اپنا ہم قوم " کمبو " بنا ڈالا ہے " اس سے صاف ظاہر ہوگیا ہے کہ " وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے کیسے ناجائز طریقے عمل میں لاتے ہیں "

مکتوبات ہرکرن کے صفحہ ۲ پر مصنف نے اپنے آپ کو جن الفاظ میں " روشناس کرایا ہے " اور دیباچہ تالیف اپنی کتاب کی لکھی ہے " وہ اِس طرح ہے کہ۔

بعد از حمد و سپاس حضرت ایزد متعال ذو الجلال اَنگہ بندہ شکستہ و دل خستہ عاصی فقیر الحقیر ہیچمدان اضعف عباد اللہ " ہرکرن ولد متھراداس کنبوی ملتانی "

حمد و سپاس حضرت ایزد متعال ذو الجلال کے بعد بندہ شکستہ اور دل خستہ " گنہگار فقیر الحقیر ہیچمدان اضعف عباد اللہ " ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی ملتانی " ایک دن

روزے در دارالخلافہ " بلدہ متھرا " بصحبتِ یاران نشستہ بُود "
بعضے دوستان گفتند۔ کہ تو مدّتے در خدمت " نواب غفران پناہ "
حاتم زمان " رضوان دستگاہ " نوشیروانِ عصر " اعتبار خاں "
منشی بُودہ " عمرے " دَرفنِ انشاء " صَرف کردی " چیزے بہ
طریق یادگارے بنویس۔ کہ تا مردم خواندنِ آں بہرہ حاصل
نمایند " بحکمِ اشارت آں عزیزان " خطے چند " بعبارت شکستہ و
بستہ در قید قلم آمد " کہ طالبانِ ایں فن را " در نوشتن روز
مرّہ بکار آید " مشتمل بر ہفت باب است " .....

دارالخلافہ متھرا میں یاروں کی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا " بعض
دوستوں نے کہا کہ تو مدّت تک خدمت میں نواب غفران پناہ "
حاتم زمان " رضوان دستگاہ " نوشیروان عصر " اعتبار خاں "
کا منشی تھا " اور تو نے اپنی عمر کو فنِ انشاء میں صَرف کیا ہے "
کوئی چیز بطور یادگار لکھ " تاکہ لوگ اُسے پڑھ کر واقفیت حاصل
کریں " اُن عزیزوں کے کہنے کے بموجب چند خطوط عبارت
شکستہ اور بستہ میں لکھ دیئے ہیں کہ اِس فن کے خواہشمندوں کے
روزمرّہ لکھنے میں کام آویں " سات باب پر یہ کتاب مشتمل ہے "

ہرکرن کی اِس تحریر کو پیش کر کے یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ " متھرا داس " کسی کتاب کا مصنّف نہیں تھا " اور وہ دیوان بھی نہیں تھا " اور " ہرکرن ولد متھرا داس " مصنف مکتوبات ہرکرن " مؤلف تاریخ کمبوہان کا ہم قوم " کمبوہ " نہیں تھا اب ہم اِس بات کو بھی کھول دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ مؤلف تاریخ کمبوہان کی " قوم کمبوہ " جس کی تعداد دو لاکھ سے متجاوز ہے " اِس ساری قوم میں " سوائے شب جانکی " کے جس کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان نے خود لکھا ہے کہ " اس کا طرز بیان " " طریقہ بحث " اور " شستگی بیان " ہماری طبیعت کو اپنی طرف راغب نہیں کر سکی " اور " چھتیس ۳۶ صفحوں کا " رسالہ سفینۂ مالیہ " اور اِس " تاریخ کمبوہان " کے جس کی حقیقت ہم دکھا رہے ہیں " اور جو اِسی ہمارے حالیہ زمانے کی مؤلفہ ہیں " اور کوئی کتاب کسی زمانہ میں کسی ایک فرد نے بھی تصنیف یا تالیف نہیں کی ہے " اگر کوئی کتاب اِس قوم کمبوہ کے کسی بھی فرد نے کبھی تالیف و تصنیف کی ہوتی " تو ظاہر ہے کہ " مؤلف تاریخ کمبوہان " اُسے اُجاگر کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے " اور اِس بارے میں بالکل مہر سکوت نہ اختیار کر لیتے "

بابا بھومن شاہ کے حالات کیلئے مؤلف تاریخ کمبوہان کا صرف ایک میراثی کے بیان پر انحصار

(۵) مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اِس بیان میں " ایک ہندو ولی اللہ " بابا بھومن شاہ " سے بھی تعارف کرایا ہے " اور اُن کی پیدایش اخیر زمانہ شہنشاہ عالمگیر غازی المتوفی سنہ ۱۷۰۷ء کی اور وفات احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں لکھ کر اُنہیں اپنی " قوم کمبوہ " سے ظاہر کیا ہے " اگر یہ بزرگ ایسے ہی صاحب کرامت اور مرجع خلائق ہوتے جیسا کہ مؤلف موصوف نے تحریر کیا ہے " تو کسی نئے پُرانے نوشتہ میں اُن کا ذکر ضرور درج ہوتا " لیکن جبکہ " مؤلف تاریخ کمبوہان " نے خود اپنے قلم سے یہ صراحت کر دی ہے کہ " ہم نے آپ کے مزار کے " مہنت گردھاری داس جی بی۔ اے اور پنجاب لیجس لیٹو اسمبلی کے منتخبہ ممبر کی خدمت میں بابا بھومن شاہ کے حالات بہم پہنچانے کی التجا کی تھی۔ مگر انہوں نے ہماری درخواست کو شرف قبولیت نہ بخشا لہٰذا ہم کو اپنے ذرائع سے " یعنی " میاں فتح دین میراثی " سے بابا صاحب کے حالات معلوم کر کے لکھنے پڑے ہیں " تو اب ہمیں اِن اَولیاء اللہ صاحب کے متعلق کچھ بھی لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے "

مؤلف تاریخ کمبوہان کی قوم کمبوہ کے اِکلوتے آثار کی حیثیت و حقیقت

(۶) مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے اِس بیان میں " جن چند بزرگوں کو اپنی قوم کمبوہ " سے بتا کر پیش کیا ہے اُن سب کی کیفیت تو ظاہر ہو چکی ہے " اب ہمیں اُن کی " قوم کمبوہ " کے " ٹھاکر دوارے چورمور والا " کے متعلق جسے انہوں نے ایک ۳

۲۱ بیس برس قبل کا تعمیر شدہ بتایا ہے" صرف اِس قدر کہنا ہے کہ "اتنی بڑی اور کثیر التعداد قوم کمبوہ" کے "آثار قدیمہ" مؤلف موصوف سوائے ایک معمولی مندر کے "یہاں اور کوئی بھی دوسرا آثار نہیں بتا سکے ہیں" اور اِس آثار کی بھی جو حیثیت ہے وہ ظاہر ہے"

باب بست و یکم ۲۱

مؤلف تاریخ کمبوہان کی "زبیری کنبوہی خاندان" سے اپنی قوم کمبوہ کو چپکا دینے کی کوشش

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "زبیری کمبوؤں کا قبولِ اسلام" کی سرخی دے کر صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۴ پر لکھا ہے کہ۔

"قراین سے پایا جاتا ہے کہ "ملتان ہی کے قرب و جوار میں" اِن خاندانوں نے اِسلام قبول کیا" جو اِن دنوں اپنے تئیں "حضرت زبیر رضؓ سے منسوب کر کے "زبیری" کہلایا جانا زیادہ پسند کرتے ہیں" اور خود کو "قریشی النسل" اور "عرب" تصور کرتے ہیں" اور اغلباً "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کی اَولاد میں سے کسی بزرگ نے۔ اِن کمبوؤں میں "تبلیغ اِسلام کی مقدس خدمت انجام دی" اور پھر "اُوچ (ریاست بہاولپور") اور "شیر گڈھ" (ضلع منٹگمری)، کے پیروں" اور "صوفیوں" و درویشوں نے "مسلمان کمبوؤں" کے بزرگوں کو حلقۂ اِسلام میں داخل کرنے کا فرض سرانجام دیا ہو" جن کے جانشین اب بھی۔ پنجابی مسلم کمبوؤں کے پیر" اور "رُوحانی پیشوا" کہلاتے ہیں"

"اِس بیان سے حاشا وکلاّ" ہمارا یہ منشا قطعاً نہیں ہے" کہ ہم صوبۂ متحدہ کے بھائیوں کے اِس دعوے کا "کہ وہ قریشی" اور "عربی النسل ہیں" تخلیہ کر کے اُن کو آزردہ کریں" خصوصاً ایسی حالت میں" کہ سابق الاسلام ہونے کے سبب" اور نیز دُنیوی وجاہت کے لحاظ سے" ان کو ہم لوگوں پر "خصوصیت سے افضلیت" اور بَرتری حاصل ہے" اور اگر ہماری تحریر میں اس کے امکان کا شائبہ بھی ہو" تو ہم کو اِس کا افسوس ہوگا"

بلکہ ہمارا یہ مقصود ہے کہ "کسی روایت یا دعوے پر" تاریخی اُصول درایت کے لحاظ سے "تنقید و نکتہ چینی کریں" اور جن دلایل کی رُو سے" اپنے زُعم میں ہم اُسے صحیح نہیں سمجھتے" اُن کی تفصیل بیان کر کے۔ اس کا بطلان کریں" پھر ان کو اپنے بھائیوں کے سامنے رکھ دیں" اُنہیں اختیار ہے۔ کہ ہمارے نتیجہ کو صحیح سمجھیں" یا ہمارے دلایل کی تغلیط کر کے ان کو باطل تصور کریں" ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہم کو "کذب و اِفتراء" "بہتان اور آزردنِ" دلِ دوستاں سے محفوظ رکھے"

خیر یہ فقرات تو بطور جملہ معترضہ تھے" اب ہم پھر اپنے اصل مطلب کی طرف رُجوع ہوتے ہیں" اِس رائے کے اِظہار میں "کہ کسی زبیری بزرگ کی تبلیغ سے" بعض کمبوہ خاندان "مشرف بہ اِسلام ہوئے" اور پھر وہ اُنہیں بزرگ سے منسوب ہو کر "زبیری" مشہور ہوئے"

، ہم تنہا ہی نہیں ہیں بلکہ ، پروفیسر ٹی آرنلڈ ، پرنسپل علیگڈھ کالج ، جیسے محقق و مصنف بھی ، اس قسم کے واقعات کے امکان کو ، صحیح تصوّر کرنے میں ، ہمارے ہم زبان ہیں۔ چنانچہ صاحب ممدوح ، اپنی شہرۂ آفاق ، عدیم النظیر ، اور اپنے موضوع کی واحد تصنیف ، دی پریچنگ آف اسلام ہیں ، جس کا ترجمہ ، دعوتِ اسلام ، کے نام سے ہو چکا ہے ، تحریر فرماتے ہیں کہ۔

، غیر ملکوں کے اسلامی خاندان ، جو ملک ہندوستان میں ، مستقل طور پر آباد ہوئے ان کا شمار سوائے پنجاب ، اور ، پنجاب کے قُرب و جوار کے ، اور کہیں زیادہ نہیں ہے ، ہندوستان کے مسلمانوں میں ، نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں۔ جو اپنے نام کے ساتھ ، شیخ ، بیگ ، خان ، کا لفظ۔ بلکہ بعض صورتوں میں ، سیّد ، کا لقب اختیار کرتے ہیں ، اِن لوگوں کے بھی دو حصّے ہیں ، بڑا حصّہ تو وہ ہے ، جس کے ممبر نو مسلم ہیں ، یا نو مسلموں کی اولاد ہیں ، اور جن بزرگوں نے اُنہیں مسلمان کیا ، اُن کا لقب اُنہوں نے اختیار کر لیا ، یا کسی اور سبب سے ، شیخ ، مرزا ، یا خان ہو گئے ،

یہ اقتباس ، پروفیسر صاحب ممدوح نے ، جنرل رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء مؤلفہ مسٹر بینز صاحب ، سے کیا ہے ، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تحریر صداقت سے مملو ہے ،

رپورٹ مردم شماری پنجاب میں ، مسٹر میکلیگن ، مابعد سر ایڈورڈ میکلیگن صاحب بھی بتائید ، مسٹر و نیزل ایلٹس صاحب ، اسی قسم کی رائے کا اظہار فرماتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ، بجنور (صوبۂ متحدہ) کے کمبوہ ، اپنی اصلیت۔ آنزوئے دریائے سندھ ، کے ممالک سے بتلاتے ہیں ، اور ان کی یہ فیصلہ کن رائے ہے کہ ، اگرچہ کمبوہ بلاشبہ مغرب سے آئے ہیں ، مگر وہ نسلاً ، ہندوستان کے باہر کے نہیں ہیں ،

الغرض ہماری اپنی رائے بھی یہ ہی ہے کہ ، اگرچہ کمبوہ ، آنزوئے دریائے سندھ سے ، ملک ہندوستان میں داخل ہوئے ، مگر اِسی حالت میں جس طرح باقی آریہ قومیں ، ہندوستان میں فاتحانہ آئیں ، وہ آریوں کے ہم نسل ، ہم مذہب ہم زبان تھے ، انھیں کمبوہوں نے ، ابتدائے زمانۂ اسلام میں ، رسُولِ عربی صلعم ، کا مذہب قبول کیا ، مگر وہ بلاشبہ ، عربوں ، یا مسلمان فاتحین کی طرح ، غیر ہندوستانی ، یا صحیح الفاظ میں ، غیر آریہ ، نہیں تھے ،

اِن کمبوہوں کے ایک حصّہ نے جو ، ملتان ، کے قرب و جوار میں آباد تھا ، غالباً ، دوسری صدی ہجری۔ یا آٹھویں صدی میلادی مسیحی میں ، توفیق ازلی و سعادت سرمدی سے ، مذہب اسلام قبول کیا ، اور اس کے بعد اس زمانہ تک یہ سلسلہ جاری ہے ، اور ان کے اس سابق الاسلام ہونے ہی کا نتیجہ ہے ، کہ تاریخ میں ، ان ملتانی کمبوہوں کا ذکر ، بہ نسبت دیگر کمبوہ خاندانوں کے ، پہلے آتا ہے ، پھر جب مسلمان ،

"پانچویں صدی ہجری" یا "بارہویں صدی عیسوی" میں "مغربی ہند کے پہاڑوں سے" تیرہ و تار بادلوں کی طرح اُمنڈ کر "سلاطین اسلام کے ہمراہ" "ہندوستان پر چھا گئے" تو مسلمان کمبوہ بھی "ان بادلوں میں برق جیسی چمک کے ساتھ۔ درخشاں نظر آتے ہیں"

اس کے بعد "دوسرے کمبوہ خاندانوں نے بھی" رفتہ رفتہ اسی طرح اسلام قبول کر لیا "جس طرح پنجاب کی دوسری معزز قوموں مثلاً "جاٹ" "راجپوت" "گکھڑ" "کھوکھر" اور "آوان" وغیرہ نے "شریعت اسلام کو پسند کر لیا" اور اب حالت یہ ہے کہ "مذہب کے لحاظ سے پنجاب" میں اس وقت قریباً اٹھاون فی صدی آبادی مسلمان ہے" اور گویا "پنجاب" "ہندوستان کا ایک اسلامی صوبہ ہے"

زُبیری کنبوئی خاندان کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان کی رائے زنی کی حیثیت

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے بیان میں پروفیسر آرنلڈ کی کتاب کا جو اقتباس پیش کیا ہے اُس میں زُبیری کنبوئی خاندان کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے" مؤلف موصوف کا فرض تھا کہ وہ کوئی ایسی سند پیش کرتے جس کی بنا پر یقین کیا جا سکتا کہ یہ خاندان بھی انہیں میں سے ہے جنہوں نے عرب بزرگوں کے ہاتھوں پر اسلام لانے کے بعد "شیخ" "سیّد" "مرزا" اور "خان" کے لقب اختیار کر لئے ہیں" انہیں چاہئے تھا کہ وہ حقائق سے بحث کرتے مگر انہوں نے تو تاریخی اُصول درایت کے لحاظ سے تنقید و نکتہ چینی کرنے کا اِدّعا کر کے بھی صرف قیاس کی بنا پر اپنے قلم کا زور صرف کر دیا ہے" فنِ تاریخ اور قیاسات دو مختلف شاہراہیں ہیں جن کو کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملایا جا سکتا" اِن دونوں کو ملا دینے کے معنی یہ ہیں کہ تاریخ کو کہانی بنا دیا جاوے" بلا کسی تاریخی سند کے محض قیاس کی بنا پر رائے زنی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور ایسے بیانات ہرگز قابلِ قبول نہیں ہیں" اور نہ اس طرح اصول درایت پر کسی بات کو پرکھا جا سکتا ہے"

بہت اقوام و خاندان مثل تُرکی قبیلہ شیبانی اور عربی قبیلہ شیبانی" افغان قبیلہ سُوری اور ہندو خاندان سُوری" بھٹان کے منگولی بھوٹانی" اور افغانی سرحدی قبیلہ بھٹانی" اور برہمن خاندان نہرو" راجپوت خاندان نہرا" سیّد خاندان نہری کے" یا افریقہ کی قوم کمبیا" دکن کی قوم کمبا" نیپال کی قوم کھمبو" راجپوتانہ کا خاندان کھوبو" عراق کا سیّد خاندان کمّون" دکن کی قوم کمبھار" نیز مؤلف تاریخ کمبوہان کی قوم کمبوہ کے" یکساں اور مماثل نام رکھتی ہیں مگر ان کی نسلیں علیحدہ ہیں۔ اور کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو ان یکساں اور مماثل رکھنے والی اقوام کو ایک نسل ثابت کر سکے"

مؤلف تاریخ کمبوہان جنہوں نے زبیری کنبوئی خاندان کے سکنی لقب کو اپنی کتاب میں کسی جگہ بھی ظاہر نہ ہونے دینے کا خاص اہتمام رکھا ہے اور کنبو کو بھی کمبو کی شکل میں لکھا ہے" اگر اس دُودمان کی شان و شوکت و اقتدار اور علم و فضل کے حالات کو تاریخوں میں پڑھ کر اور اپنے زمانے میں اُن کی حیثیت کو خود مشاہدہ کر کے نیز اپنی قوم کی پست حالت کو دیکھ کر "فخر و امتیاز حاصل کرنے کے لئے اپنے زُبیری کنبوئی خاندان سے چسپاں کر دینا ضروری سمجھتے ہیں اور اپنی قوم کا جُز بادر کرنے کے لئے بے چین و بیتاب ہیں تو محض قیاس و من مانی آراء سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی" انہیں اپنے مقصد کے حصول کے لئے تاریخی شہادتیں پیش کرنی چاہئیں"

باب بست و دوم (۲۲)

زبیری کنبوی خاندان کے اناسی بزرگوں کو مؤلف تاریخ کمبوہان کی اپنی قوم کمبوہ سے باور کرانے کی جسارت

مؤلف تاریخ کمبوہان رتن کی قوم کمبوہ کی تعداد اُن کے بیان مندرجہ صفحہ ۲۵۲ کے مطابق ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رُو سے "پنجاب میں" دو لاکھ اُنتالیس ہزار تین سو پچاسی ہے" اپنی کثیر التعداد قوم میں سے تلاش بسیار اور کوشش و کاوش بے پایاں کے بعد کُل چار افراد (۱) شیخ جہان چادر المشہور بہ حضرت دیوان شیخ چادلی مشائخ" (۲) رائے بھنی داس" امیر دربار اکبری" (۳) متھرا داس مصنف کتاب انشاء ہر کرن" اور (۴) بابا بھومن شاہ ہندو صوفی و درویش کو اپنا ہم قوم کمبوہ ظاہر کر کے اپنی کتاب میں رُو شناس کرا سکے ہیں" جن کے متعلق ہم وضاحت سے دکھا آئے ہیں کہ ۱ کے حالات تو مَن گھڑت کہانی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے" اور ۲ و ۳ بھی مؤلف موصوف کے ہم قوم نہیں تھے" باقی رہے نمبر ۴ بابا بھومن شاہ" اُن کا حال یہ ہے کہ "اُن کا ذکر بھی کسی کتاب" رسالے" اور نوشتہ میں موجود نہیں ہے" فتح دین میراثی" نے اُن کے متعلق جو کچھ بیان کیا" مؤلف تاریخ کمبوہان نے اُسی کو غنیمت سمجھ کر اپنی اِس محققانہ کتاب میں درج کر دیا ہے" ایک تاریخی تحقیقات میں "میراثی" کا بیان خاص طور سے توجہ طلب ہے" اور ان کمبو بزرگ کا ذکر کسی بھی کتاب میں نہ ہونے سے خود اُن کی بھی حیثیت ظاہر ہے" پھر انہوں نے "تاریخ ہند کا اسلامی عہد" مسلمان کمبوؤں کا عروج" کی سُرخی دے کر "حضرت دیوان چادلی مشائخ" اور "رائے بھنی داس کے حالات کے ساتھ صفحہ ۱۸۷ تا ۲۲۵ پر اس تمہید کے ساتھ کہ

"زبیری کمبوؤں کے قبولِ اسلام کا ذکر بھی۔ سابقہ باب میں ہو چکا ہے"

زبیری کنبوی خاندان کے "مشائخ طریقت" علمائے شریعت" اُمراء" شعراء" حکماء" میں سے اناسی بزرگوں کے حالات "ہمارے والد ماجد مرحوم و مغفور صاحب المشاہیر" کی کتاب سے لے کر نقل کر دیئے ہیں" جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں"

"(۱) حضرت مخدوم سماء الدین علیہ الرحمۃ" (ولادت ۸۰۰ھ ہجری وفات ۹۰۱ھ ہجری)"

(۲) حضرت پیر عبد اللہ شاہ بیابانی" (ولادت ۸۴۵ھ ہجری۔ وفات ۹۱۷ھ ہجری)

(۳) شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین دہلوی" (ولادت ۸۶۴ھ ہجری وفات ۹۳۸ھ ہجری)

(۴) مفتی جمال خاں دہلوی" (ولادت ۹۰۰ھ ہجری وفات ۹۸۴ھ ہجری) مفتی دہلی" بزمانہ "ابراہیم لودھی" بابر و ہمایوں" و "شیر شاہ سوری")

(۵) مخدوم شیخ اسحٰق برادر شیخ سماء الدین قدس سرہٗ) (۶) شیخ یحییٰ پسر مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ"

(۷) محمد سعید خاں شہید جاگیر دار کول (علیگڈھ) و سپہ سالار افواج شاہی" (شاہجہاں)

(۸) منظفر خاں صوبہ دار کشمیر و نایب صوبہ دار آگرہ" (۹) شاہ روح اللہ" المتوفی ۱۱۷۳ھ"

(۱۰) رنگ علی شاہ سجادہ نشین حضرت شاہ محمد حنیف کنبوی"

(۱۱) حکیم مقرب حسین ممبر میونسپل بورڈ (میرٹھ)"

(۱۲) حافظ حامد حسین میونسپل کمشنر و آنریری مجسٹریٹ میرٹھ"

(۱۳) شیخ ہاشم خاں نبیرہ مفتی جمال خاں"

(۱۴) نواب عمادالملک محمدؐ اعظم خاں نبیرہ شیخ ہاشم خاں دہلوی" چیف جج لاہور و گورنر لاہور و ملتان (بزمانہ شاہ عالم بہادر شاہ اوّل)

(۱۵) مفتی ابوالبرکات قاضی (جج) دہلی و شریک تدوین فتاوائے عالمگیری " (۱۶) شیخ محمدؐ اکرم مفتی سلطنت عالمگیر"

(۱۷) عمدۃ الملک شہر اللہ نواب نظام الدین شہباز خاں ۔ گورنر و سپہ سالار سلطنت اکبر"

(۱۸) علامہ شیخ جمالیؒ استاد سلطان سکندر لودی " (۱۹) شیخ عبدالحیٔ حیاتی ۔ ندیم سلطان شیر شاہ سوری پسر شیخ جمالیؒ "

(۲۰) شیخ عبدالصمد المعروف شیخ گدائی پسر شیخ جمالیؒ " صدر الصدور سلطنت (ابراہیم لودھی و بابر و ہمایوں و شہنشاہ اکبر)

(۲۱) شیخ جان محمدؐ پسر شیخ گدائی " (۲۲) محتشم خاں امیر و منصبدار "

(۲۳) شیخ عبدالعزیز مدارالمہام سلطنت سلطان ابراہیم لودھی "

(۲۴) میاں چمن حجاب خاص سلطان بہلول و سکندر لودھی "

(۲۵) عماد الملک میر عدل سلطان بہلول و سکندر لودھی " (۲۶) تاج الدین از اُمرائے سکندر لودھی "

(۲۷) مجاہد خاں از اُمرائے سکندر لودھی " (۲۸) نواب اعتماد الملک وزیر اعظم سلطان شیر شاہ سوری "

(۲۹) شریف خاں صدر الصدور سلطنت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر"

(۳۰) محمدؐ صالح پیشکار صدارت و پسر شریف خاں " (۳۱) شیخ عبدالمومن دیوان تن شہنشاہ شاہجہاں "

(۳۲) نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین خاں سیکرٹری علیگڑھ کالج "

(۳۳) شیخ عنایت اللہ میر منشی شاہجہاں بادشاہ و مصنّف کتاب بہار دانش "

(۳۴) شیخ محمدؐ صالح مصنّف شاہجہاں نامہ " (۳۵) خواجہ حسن ملتانی (جاگیردار و حاکم و چودھری و قانونگو مارہرہ)" بزمانہ شیر شاہ)

(۳۶) چودھری عنایت الٰہی دسویں پُشت میں خواجہ حسن کی اولاد "

(۳۷) محمدؐ خاں خواجہ حسن کے پَڑپوتے " حاکم مارہرہ و داماد نواب شہباز خاں اکبری "

(۳۸) شیخ عبدالجلیل ڈپٹی کلکٹر " مارہروی " (۳۹) شیخ تاج الدین داروغہ گذر مراد آباد "

(۴۰) ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمدؐ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی " پرو وائس چانسلر مُسلم یونیورسٹی علیگڈھ "

(۴۱) محمدؐ بشیر الدین " اخبار البشیر اٹاوہ کے مالک و ایڈیٹر۔ اور مُسلم ہائی اسکول اٹاوہ کے بانی و مینجر "

(۴۲) نواب ابو محمدؐ خاں از اُمرائے جہانگیر و شاہجہاں "

(۴۳) نواب بہادر خاں از اُمرائے جہانگیر و شاہجہاں و فاتح بندر ہگلی "

(۴۴) شیخ لاڈلی رئیس میرٹھ " بزمانۂ اکبر و ہمایوں " و بانی لالہ کا بازار "

(۴۵) منشی رضا حسین ایم۔ اے۔ لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کے میر منشی "

(۴۶) نواب خیر اندیش خاں اوّل " از اُمرائے عالمگیر " (۴۷) نواب مجبت خاں پدر نواب خیر اندیش خاں اوّل "

(۴۸) محمدؐ مسیح نواب خیر اندیش خاں ثانی از اُمرائے عالمگیر و بہادر شاہ اوّل و فرخ سیر "

(۴۹) نیک اندیش خاں جاگیردار " (۵۰) نواب خیریت اندیش خاں ثالث گورنر کشمیر "

(۵۱) احسان علی خاں المخاطب خیر اندیش خاں ثالث صوبیدار کشمیر "

(۵۲) نواب مبارک علی خاں آنریری مجسٹریٹ میرٹھ و عہدہ دار محکمہ پرمٹ و مصنّف رسالہ مبارک " و کمالات عزیزی وغیرہ "

(۵۳) نواب احمد اللہ خاں عہدہ دار پرمٹ و آنریری اسپیشل مجسٹریٹ میرٹھ "

(۵۴) نواب اسد اللہ خاں عہدہ دار پرمٹ و آنریری اسپیشل مجسٹریٹ وغیرہ میرٹھ "

(۵۵) نواب اسلام اللہ خاں " پہلے ہندوستانی سپرنٹنڈنٹ پولیس صوبہ متحدہ "

(۵۶) نواب میت اللہ خاں " ڈپٹی کلکٹر "

(۵۷) انعام اللہ خاں نواسہ نواب مبارک علی خاں ـ مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کے ممبر اور معتمد و پبلک جماعتوں کے شرکردہ عہدہ دار " (۵۸) نواب صواب اندلیش خاں از اُمرائے شاہی "

(۵۹) فتح علی خاں نبیرہ نواب صواب اندلیش خاں " (۶۰) حاجی ممتاز علی خاں " آپ نے شاہ اودھ واجد علی شاہ کی طرف سے دربار گورنر جنرل کلکتہ میں خدمات انجام دیں اور آسپیشل مجسٹریٹ اٹاوے کے رہے "

(۶۱) خان بہادر محمد صدیق ڈپٹی مجسٹریٹ و اسسٹنٹ انجینئر محکمۂ انہار صوبہ متحدہ و صدر مہتمم تعمیرات مملکت آصفیہ دکن "

(۶۲) خان بہادر محمد ذبیح اللہ خاں واقف جائداد و بانیٔ مدرسہ قومی میرٹھ وائس پریسیڈنٹ میونسپل و آنریری مجسٹریٹ شہر اٹاوہ " (۶۳) شیخ محمد دہلوی " از علماء و عابد شہر قاضی دہلی بزمانۂ شہنشاہ اکبر "

(۶۴) حکیم الملک امام الدین پانچصدی منصبداری بزمانۂ عالمگیر ثانی "

(۶۵) حکیم الملک قوام الدین خاں " مہتمم و انسپکٹر جنرل دار الشفاء (ہسپتال) بزمانۂ محمد شاہ بادشاہ "

(۶۶) حکیم رمضان علی خاں منصبدار ہزاری ذات و دو سو سوار بزمانہ شاہ عالم ثانی "

(۶۷) خان بہادر آغا علی خاں آنریری مجسٹریٹ کانپور "

(۶۸) خان بہادر الطاف حسین خاں آنریری مجسٹریٹ کانپور "

(۶۹) حکیم غلام علی خاں خلف امام الدین خاں منصبدار پانچصدی ذات و پانچسو سوار بزمانہ محمد شاہ و شاہ عالم ثانی "

(۷۰) حکیم بو علی خاں امروہوی ـ تحصیلدار و وکیل و مصنف رسائل "

(۷۱) امجد علی خاں امروہوی ڈپٹی کلکٹر " مسٹر حامد علی خاں امروہوی بیرسٹر "

(۷۲) حکیم دائم خاں " برادر دیوان عاقل خاں بزمانہ محمد شاہ)

(۷۳) حکیم حضور علی خاں " نواب اودھ آصف الدولہ طبیب خاص و جاگیردار "

(۷۴) شیخ انور علی نانا نواب وقار الملک بہادر "

(۷۵) مولوی مظہر اللہ صاحب امروہوی اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری مملکت آصفیہ دکن و مترجم رسائل "

(۷۶) حکیم عنایت حسین مارہروی ولادت ۱۱۹۲ھ ہجری وفات ۱۲۶۵ھ ہجری مصنف کاشف الاخبار " آثار احمدی " سلسلۂ عالیہ " ریاض احمدی "

(۷۷) شیخ فیض احمد سب انسپکٹر محکمہ پرمٹ و مؤلف کتاب المشاہیر " (۷۸) الطاف علی خاں بریلی کے نامور رئیس "

(۷۹) حکیم سلامت علی حذاقت خاں بزمانۂ شاہ عالم ثانی " طبیب کامل تھے ـ بادشاہ نے حذاقت خاں کا خطاب دیا تھا " ۱۸۰۳ء میں بادشاہ کے وظیفہ خوار رہ جانے پر بنارس کے قاضی و مفتی (جج) ہو گئے "

زبیری کنبوہی خاندان کی تاریخ سے مؤلف تاریخ کمبوہان کی ناواقفیت اور بزرگوں کے حالات کی نقل تک میں ان کی تحریفیں اور غلطیاں

مؤلف تاریخ کمبوہان نے زیر عنوان متذکرہ صدر " زبیری کنبوہی " خاندان کے حالات میں جو باتیں لکھی ہیں اُن میں سے تین خاص طور پر توجہ طلب ہیں "

اول یہ کہ صفحہ ۱۰۵ پر اُن کا یہ لکھنا کہ "زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں میں سے سب سے پہلے جن بزرگ کا کتب تواریخ میں ذکر آتا ہے وہ "حضرت مخدوم شیخ سماء الدین کنبو رحمتہ اللہ علیہ ہیں"

قطعاً غلط ہے" اور اُن کے معلومات تاریخی نہ رکھنے کا بین ثبوت ہے" اُن کے اس بیان کے بطلان کے لئے یہاں اسی قدر بتا دینا کافی ہے کہ "حضرت مخدوم شیخ سماء الدین" جن کا ذکر "لودیوں" کے زمانہ کی تاریخوں میں اول اول آیا ہے" اُن سے پہلے "سیدوں" کی سلطنت کے زمانہ کی تاریخوں میں "غازی الملک" ملک میاں چمن" کا ذکر بوضاحت موجود ہے" ملک میاں چمن" کے دادا ملک فیروز خاں" اور "نانا" "خان جہاں" "سیدوں" سے پہلے "تغلقوں" کے زمانہ میں اراکین سلطنت سے تھے" "جمال الدین ولد حسام الدین" اُن تین شخصوں میں سے ایک ہیں جو "حضرت امیر خسرو" (المتوفی ۷۲۵ھ) کی وفات کے بعد "فارسی شاعری کے رکن رکین مانے جاتے تھے" ان کا زمانہ "خلجیوں" اور "محمد تغلق" کا زمانہ ہے" اور ان کے پدر بزرگوار "حسام الدین صاحب" کا زمانہ "ترکوں اور خلجیوں" کا زمانہ ہے" ان ہی ترکوں کے پہلے بادشاہ "سلطان قطب الدین ایبک" نے "دہلی" کو اسلامی تخت گاہ بنایا تھا"

ماسوائے اِن کے اس خاندان کے اور بزرگوں کے حالات "مخدوم صاحب" کے زمانہ سے پہلے کی اکثر کتب تواریخ و سیر اور مشائخ عظام کے تذکروں میں جا بجا ملتے ہیں" اس بحث پر کیونکہ ہم جلد اول میں جس میں "مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" کی تحقیقات کا تجزیہ کیا ہے لکھ چکے ہیں" اس لئے یہاں بس اتنا اور بتا دینا چاہتے ہیں کہ "مولانا غلام علی آزاد بلگرامی" نے اپنی کتاب تذکرہ "خزانہ عامرہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

"ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے "اس خاندان کے حضرات" خدمات شرعیہ پر مامور رہے" اور اب بھی ہیں"

اور کتاب "سلسلۂ عالیہ" کے صفحہ ۲ پر "جس کا مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور اس کے حوالے بھی کہیں کہیں پیش کئے ہیں" لکھا ہے کہ "چنانچہ در دہلی" قدامت اقامت ایں گروہ مشہور است" مؤلف تاریخ کمبوہان کے اوپر افسوس ہے کہ انہوں نے سلسلۂ عالیہ کی یہ عبارت دیکھنے کے بعد بھی کہیں اس بات کے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی" اور صرف "المشاہیر" میں سب سے پہلے "مشائخ طریقت کا ذکر ہونے" اور اُن میں "مخدوم صاحب" کا تذکرہ اول لکھے جانے کو دیکھ کر" اپنا قیاس دوڑا لیا ہے کہ "یہی بزرگ ہیں جن کا سب سے پہلے کتب تاریخ میں ذکر آتا ہے" مؤلف موصوف کے اس لکھنے سے صاف طور سے معلوم ہو گیا ہے کہ "تاریخی واقعات میں اُن کی واقفیت کچھ بھی نہیں ہے"

دوم یہ کہ مؤلف تاریخ کمبوہان نے اس مثل کو بھی کہ "نقل را چہ عقل" جھوٹا ثابت کر دیا ہے" اُن کی تاریخی تحقیقات کا تو وہ حال ہے جو اوپر بیان ہوا" نقل کرنے میں جو غلطیاں انہوں نے کی ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ۔

"(۱) صفحہ ۱۹۱ پر انہوں نے لکھا ہے کہ "شیخ اسحٰق دہلوی کے فرزند "شیخ یحییٰ" کو شاہ وقت کی طرف سے "ریاست کول (علیگڈھ) کی حکومت عطا ہوئی" جو مدت تک اُن کے اخلاف کے قبضہ میں رہی"

مگر "المشاہیر" کے صفحہ ۵۳ پر ہے کہ "شیخ یحییٰ ملقب بندگی شیخ ابھن دہلوی" مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز" کے فرزند رشید" ولی مادر زاد" اور صاحب نعمت خداداد" تھے۔ فضائل و کمالات اُن کے مستغنی عن البیان ہیں" تمام عمر "دار الخلافہ دہلی میں "بیاد الٰہی" "زاویۂ اطاعت میں نہایت عظمت و برکت کے ساتھ "بسر کی" اور خلق اللہ کو ارشاد و ہدایت فرماتے رہے" حضرت کے فرزند ارجمند "شیخ بڈھ" بھی اکابر روزگار سے تھے" لیکن طریقہ سجادگی اختیار نہیں کیا" مسلک "دل بیدار"

"دوست بکار" پسند فرماکر، مصاحبتِ سلطانِ عہد کو پردۂ روئے کار بنایا" اور "عَلمِ عظمت و اشتہار" بڑھایا" ریاست کول حاصل کی" اور سندِ حکومت لے کر "دہلی" سے "کول" آئے" وہیں توطن کیا" عمرِ گرامی بجمعیتِ خاطرِ ظاہر و تقدیسِ باطن" اُسی جگہ بسر کی"

(۲) مؤلف موصوف نے اسی صفحہ ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ۔

"چنانچہ محمد سعید خاں" جاگیر دار کول" عہدِ شاہ جہاں بادشاہ میں سپہ سالار افواج شاہی تھے" مہم جنگل لکھی میں" متصل چھکور" مابین دو آبہ ستلج و جمنا" ایک لڑائی میں شہید ہوئے" اِن کے صاحبزادے "مظفر خاں" کچھ عرصہ "صوبہ کشمیر" اور پھر اکبر آباد (آگرہ) کے نایب گورنر رہے"

مگر المشاہیر کے صفحہ ۱۴۲ پر تحریر ہے کہ "محمد سعید خاں ابنِ محمود خاں" باشندہ کول (علیگڈھ) حضرت مخدوم شیخ اسحٰق دہلوی قدس سرہ العزیز سے "پانچویں پشت میں ان کا سلسلہ ملتا ہے" عہدِ شاہجہاں بادشاہ میں" ایک شجیع و بہادر سپہ سالار" اور صاحب اعتبار و اقتدار سردار تھے" وحسب اسم خود" صلاح و تقویٰ سے آراستہ" ہمیشہ دل بیار" دوست بکار" رہتے" اکثر معرکوں میں بادشاہ کے ساتھ رہ کر دادِ شجاعت دی" بالآخر "مہم لکھی جنگل" مرکارِ "دیپالپور" متعلق صوبہ ملتان میں" معہ اپنے لڑکے محمد علی" کے دیگر جماعت غازیوں کے ساتھ "مردانہ جام شہادت پیا" اور داخلِ سلکِ" احیاءٌ عند ربہم یرزقون" ہوئے"

"مظفر خاں ابنِ سعید خاں دہلوی" مشاہیر عہد" اور عمدہ ملازمانِ شاہی سے تھے" ایک مدت تک "صوبۂ کشمیر و اکبر آباد" کی نیابت پر حکمران رہے" اُنہوں نے دو لایق فرزند چھوڑے "عبد الرحمٰن و عبد اللہ" یہ دونوں بھائی "امیر" صاحبِ ثروت" اور نواسہ محمد سعید خاں شہید کولوی کے تھے"

(۳) اسی صفحہ ۱۹۰ پر مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ۔

"رنگ علی شاہ کمبو" سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ محمد حنیف میرٹھی" (انور) میں تھے اُن کی اولاد میں سے "بعہدِ سلطنتِ انگلشیہ" حکیم مقرب حسین" ممبر میونسپل بورڈ رہے" بوستانِ خیال" کی بعض جلدوں کا اُردو ترجمہ کیا" اخبار عالم" اور "پولیس نیوز" کے مالک تھے" ان کے عزیزوں میں سے "حافظ محمد حسین خاں" "میونسپل کمشنر" و آنریری مجسٹریٹ میرٹھ رہے)

مگر المشاہیر کے صفحہ ۶۳ و ۶۴ پر لکھا ہے کہ "رنگ علی شاہ کنبو باشندہ میرٹھ" جانشین ہوئے" ان کا اصلی نام "رکن الدین" اور باپ کا نام "غلام زین العابدین تھا" مولوی شاہ محمد حنیف" کے حقیقی بھتیجے تھے" شاہ غلام حسین" مولوی شاہ محمد حنیف" کے چھوٹے بھائی" باشندہ میرٹھ تھے"...... تمام عمر "انور" میں گذاری" قریب سو برس کے عمر پائی" ان کی نسل "میرٹھ" میں موجود ہے" ان کے پوتے "اشفاق حسین" خوش صحبت" نیک سیرت تھے" اُن کی انشاء پردازی و حسنِ اخلاق کی تعریف کی جاتی ہے" ایک وقت میں "سلطنت لکھنؤ" کی طرف سے "دربار گورنری میں" اُن کو "سفیرانہ تعلق ہو گیا تھا" اب اُن کے بیٹے حکیم مقرب حسین" ممبر میونسپل بورڈ میرٹھ" با وجاہت شخص ہیں" بوستانِ خیال کی بعض جلدوں کا انہوں نے ترجمہ کیا ہے" اخبار عالم" اور "پولیس نیوز" کے مالک ہیں" شاہ غلام حسین کے تیسرے بھائی "محمد صادق" کی اولاد میں "محمد صادق" سے چوتھی پشت میں"

"حافظ حامد حسین" معززین میرٹھ میں ہیں" گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے" آنریری مجسٹریٹ وممبر میونسپل بورڈ کا" اعزاز حاصل ہے" سادہ مزاج" بے تکلف" خوش اخلاق ہیں"

(۴) مؤلف موصوف نے صـ ۱۹۶ پر لکھا ہے کہ۔

"زین العابدین" داماد شہباز خاں" بھی" اکبری اُمرا میں شامل تھے"

یہ "زین العابدین" نام صحیح نہیں ہے" آپ کا نام "زین الدین" تھا"

(۵) مؤلف موصوف نے "عمدۃ الملک شہر اللہ نواب نظام الدین شہباز خاں" کے حال میں صـ ۱۹۷ پر لکھا ہے کہ

"علاوہ بریں تمام اُمرائے اکبری" اِن سے ناراض تھے" اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی "خان خاناں نواب بیرم خاں" کی مانند "غالی شیعہ تھے"

اِتنی بڑی جھوٹی بات کا "نواب شہباز خاں" سے منسوب کردینا" مؤلف تاریخ کمبوہان" کا ہی کام ہے" طبقات اکبری" اکبر نامہ" آئینِ اکبری" منتخب التواریخ" تاریخ فرشتہ" سلسلۂ عالیہ" المشاہیر" "ماثر الامراء" وغیرہ وغیرہ" کسی تاریخ سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ "نواب شہباز خاں" شیعہ مسلک کے پیرو تھے" بلکہ وہ "غالی سنی حنفی تھے" اپنے اِس بیان میں مؤلف موصوف بھی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دے سکے ہیں" یہ کہانی محض اُن کی طبع زاد اور ذہن گھڑت ہے" تاریخ فرشتہ جلد چہارم کے صـ ۲۹۹ و ۳۰۰ پر تحریر ہے کہ "دوسرے دن "شاہزادہ (مراد)" اور "میرزا شاہ رُخ" خان خاناں" شہباز خاں" محمد صادق" سید مرتضیٰ سبزواری" اور "راجہ علی خاں" وغیرہ نے قلعہ کے گرد قیام کیا اور حصار کا محاصرہ کرکے باہم مورچل تقسیم کرلئے" ماہ مذکور (جمادی الآخر ۱۰۰۴ ہجری) کی ستائیس تاریخ کو شہباز خاں کنبوہ جو ستمگری میں مشہور تھا" سیر و شکار کے بہانہ سے سوار ہوا اور اُس بے دردنے امیر و فقیر سبھوں کو تاراج کرنے کا حکم دیا غرضکہ ایک ہی لمحہ میں "احمد نگر" کے تمام مکان غارت وتباہ ہوگئے" چونکہ شہباز خاں" سُنی المذہب" تھا اُس نے شیعوں کی مقدس عمارت کو جو "لنگر دروازہ امام کے نام سے مشہور تھا" غارت وتباہ کرکے" اہلِ عمارت کو قتل کیا"

اَب مؤلف تاریخ کمبوہان جنہیں اپنی تاریخ دانی کا بڑا دعوٰی ہے" اور تاریخ فرشتہ سے جنہوں نے جابجا حوالے اپنی کتاب میں دیئے ہیں بتائیں کہ "نواب شہباز خاں" غالی شیعہ تھے" یا سُنی مسلک کے پیرو تھے" آخر انہوں نے نواب شہباز خاں" کے متعلق کس مصلحت سے یہ جھوٹ تراشا ہے کہ وہ غالی شیعہ تھے"

(۶) صـ ۲۱۲ پر مؤلف موصوف نے "ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمدؒ" ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ" کے چچا "مولانا محمد بشیر الدین" مالک و ایڈیٹر "البشیر اخبار اِٹاوہ" وبانی و منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کو "ڈاکٹر صاحب کا بھائی لکھدیا ہے" جو غلط ہے"

المشاہیر میں جس سے انہوں نے نقل کیا ہے "مولوی بشیر الدین صاحب کو ڈاکٹر صاحب کا بھائی" نہیں لکھا ہے" اور یہ بھی موصوف کی ایجاد ہے" غرضکہ یہ حال جب اُن کی نقل کا ہے تو تاریخی تحقیقاتیں ان کی جیسی ہوسکتی ہیں" اُن کا اندازہ لگالینا کچھ مشکل نہیں ہے" مؤلف تاریخ کو جاننا چاہیے کہ مولوی بشیر الدین صاحب "ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب" کے "بھائی نہیں" بلکہ "چچا ہیں"

(۷) یہ چند مثالیں اُن کی نقلوں میں اختراعات کی دکھاکر اَب ہم یہ بات بھی معلوم کرادینی مناسب وضروری سمجھتے ہیں کہ "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے قریباً متذکرہ صدر ہر ز بیری کنبوہی" بزرگ کے نام کے سامنے "کمبوہ" لکھا ہے" مگر کتب

تواریخ میں "اُن کے ناموں کے سامنے "کنبوی" اور "کنبوہ" لکھا ہے" جنہیں بدل کر مؤلف موصوف نے "کمبوہ" لکھ دینا مناسب خیال کیا ہے" ہم آگے چل کر اس موقع پر جہاں مؤلف تاریخ کمبوہان نے تاریخوں میں "اس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے "کنبوہی" لکھے جانے سے انکار کیا ہے" اُن ہی کتابوں میں سے جن کے مؤلف موصوف نے اپنی کتاب میں حوالے دیئے ہیں" اور دیگر کتب تواریخ سے بھی اپنی اس مندرجہ بیان کے ثبوت کافی سے بھی زیادہ پیش کریں گے"

شیخ عنایت اللہ زبیری کنبوی مصنف بہار دانش کے غلط حالات لکھ کر مؤلف تاریخ کمبوہان کی انہیں اپنا جدِ امجد بنا لینے کی جسارت

۳ سوم یہ ہے کہ | لفظ "کنبوی" اور "کنبوہ" کو مؤلف تاریخ کمبوہان نے لفظ "کمبوہ" سے بدلنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے" بلکہ اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر انہوں نے "زبیری کنبوی" خاندان کے ایک بزرگ "شیخ عنایت اللہ" میر منشی شاہجہاں بادشاہ اور مصنف کتاب بہار دانش کو اپنا جدِ امجد بھی بنا لیا ہے" چنانچہ اُن کے حالات میں صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷ پر مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ "۱۶۶۳ء مطابق ۱۰۷۴ھ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی" لاہور میں مدفون ہوئے" اُن کی

اولاد ذکور میں سے کوئی باپ جیسا قابل نہ تھا" اور جیسا کہ آئندہ اوراق میں ذکر ہوگا "ان کے داماد "شیخ محمد صالح نے" (شیخ محمد صالح مشہور مصنف "عمل صالح" یعنی بادشاہ نامہ شاہجہاں بادشاہ" اح الف) مدفن پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا" جو تا حال "لاہور میں" موجود ہے"

جیسا کہ آبائی روایات سے معلوم ہوتا ہے" اُن کی وفات کے وقت "دو گاؤں" (۱) موضع بھجرہ" من محال قصور" اور (۲) موضع کمبوہ" من محال سلطان ونڈ" (حال متصل امرتسر) ان کے خاندان کے تصرف میں موجود تھے" لیکن اولاد ذکور میں سے" کوئی صاحب اقبال ایسا نہ تھا جس میں اسلاف کی خوبیاں "موجود ہوں" اس لئے ان میں سے کسی نے تاریخ میں" اپنا نام نیک نہ چھوڑا"

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی وفات ۱۷۰۷ء کے بعد "پنجاب میں" مرکزی حکومت کا تسلط کمزور ہونا شروع ہوا" سکھوں نے "تاخت و تاراج شروع کر دی" نادر شاہ افشار" اور احمد شاہ ابدالی کے" حملوں نے حکومت کی بنیادیں اور بھی متزلزل کر دیں" پنجاب میں" سکھوں کے "بارہ غارت گر گروہ قائم ہو گئے" جنہوں نے "مسلمان جاگیر داروں" اور مالکان اراضی کو حتی الامکان بیدخل کر دیا" اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں" بھنگی سکھوں" نے "بھجرہ شیخ عنایت اللہ کی اولاد سے چھین لیا" اور مثل کا ایک ماتحت سردار" گور بخش سنگھ نام" قلعہ بھجرہ پر" قابض ہو گیا" طوائف الملوکی کے سبب "موضع کمبوہ" پر بھی قبضہ کا قیام محال ہو گیا" اور "بھجرہ" کے مسلمان کمبوؤں کی" حالت خراب ہو گئی"

انیسویں صدی کے شروع میں "مہاراجہ رنجیت سنگھ" کا ستارۂ اقبال طلوع ہوا۔

ان کے عہد میں گوربخش سنگھ کا پسر ونا سنگھ نہ صرف ہجرہ پر بلکہ محی الدین پور اور فیروز والہ پر بھی قابض تھا۔ سن [illegible] میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک دستہ فوج بسر کردگی کنور کھڑک سنگھ مامور کر کے یہ مواضعات ونا سنگھ سے چھین لئے اگرچہ اس نے بابا صاحب سنگھ بیدی سے سفارش بھی کرائی مگر مہاراجہ نے پروانہ کی۔ اور ان مواضعات کے استحکامات جو قلعہ نما تھے تباہ کروا دیئے۔

یہ سب واقعات ہوئے مگر ہجرہ کے مسلمان کمبوؤں کو اس دار و گیر سے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ ہجرہ پر سکھ زمینداروں کا قبضہ رہا۔ اس لئے وہ وہاں سے نقل مکان کر کے دوسرے گاؤں کمبوہ میں پہنچے یہ گاؤں بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سالباسال سے دہنش برہمنوں کو جاگیر میں دے دیا تھا۔ شیخ عنایت اللہ کی اولاد دونوں مواضعات سے محروم ہو کر معمولی زمیندار رہ گئی۔

الحاق پنجاب کے بعد جب امرتسر میں نقد لگان کی تشخیص کے لئے بندوبست شروع ہوا تو بزرگان موصوف پھر ہجرہ چلے گئے لیکن ہجرہ میں دخل میسر نہ ہو سکا۔ ناچار ۲۸ اگست ۱۸۵۱ء کو ان میں کچھ افراد خاندان موضع کمبوہ میں واپس آگئے جسے حکومت انگریزی نے برہمنوں کو محروم کر کے ضبط کر لیا تھا اس نقل مکان میں خاندان کی حالت اور بھی سقیم ہو گئی (از بیاض والد مصنف تاریخ کمبوہان)

اب اس خاندان کے افراد ہردو مواضعات میں معمولی زمیندار و کسان ہیں۔ راقم الحروف بدنام کنندۂ نکو نام اسلاف بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہے جو پنجاب پولیس سے سب انسپکٹر کے عہدہ پر پنشن یاب ہوا۔ دوسرا بھائی چودھری منظفر الدین کمبوہ رایل انڈین آرمی سروس کور میں ایک کمیشن یافتہ فوجی افسر جمعدار ہے۔

شیخ عنایت اللہ کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانیوں کی تردید تواریخی شواہد سے

مؤلف تاریخ کمبوہان کا یہ بیان جس میں انہوں نے زبیری کنبوی خاندان کے ایک بزرگ شیخ عنایت اللہ میر منشی شاہجہان بادشاہ اور مصنف بہار دانش وغیرہ کو اپنا جدِ امجد بنا لیا ہے بالکل غلط ہے اور پایۂ تحقیق سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تحقیقات چشتی مصنفہ مولوی نور احمد چشتی لاہوری مطبوعہ سن [illegible] ہجری در مطبع کوہ نور لاہور جیسی کوئی کتاب ملی ہے جس کے صفحہ [illegible] پر بلا کسی تحقیقات و سند کے لکھ دیا گیا ہے کہ:

"حضرت علی رنگریز کی خانقاہ کے شمال رویہ۔ بہت نزدیک ایک ٹیلہ پر گنبد کنبوؤں کا مشہور ہے اب اس میں مسٹر منور صاحب نے کوٹھی بنائی ہے ۔۔۔۔۔ گنبد کنبوؤں والی میں دو قبریں ہیں ایک محمد صالح کنبو کی جس کی مسجد مبینہ مسجد چینیا نوالی اندرون موچی دروازہ کے موجود ہے ۔۔۔۔۔ دوسری قبر شیخ عنایت اللہ کی جو اس کا داماد تھا۔

اور" کتاب بہار دانش" مصنفہ اُس کی" مشہور و معروف ہے" اور گنبد ہذا بیتہ" اسی
" شیخ عنایت اللہ کا ہے" سُنا جاتا ہے کہ" محمد صالح" بعد تعمیر مسجد اندرون موچی دروازہ
سنہ ۱۰۸۵ ہجری میں فوت ہوا" اس وقت شیخ عنایت اللہ نے" یہ گنبد بنوایا" بعد اس کے
سنہ ۱۰۸۸ ہجری میں" شیخ عنایت اللہ" مصنف کتاب بہار دانش" بھی راہی ملکِ عدم ہو کر"
اسی مقبرہ میں دفن کیا گیا"

اس کتاب کے بیان میں اور" مؤلف تاریخ کمبوہان کے متذکرہ صدر بیان میں" اس قدر اختلاف ہے کہ" مؤلف موصوف نے تو" شیخ عنایت اللہ" کی وفات کا" سنہ ۱۰۸۰ ہجری میں محمد صالح" سے پہلے ہونا ظاہر کیا ہے" اور محمد صالح" کو" شیخ عنایت اللہ کا داماد" اور اُن کے مقبرے کا بنانے والا بتایا ہے" اور" مصنف تحقیقات چشتی" نے" شیخ عنایت اللہ" کو" محمد صالح" کا داماد لکھا ہے" اور سنہ ۱۰۸۰ ہجری میں" محمد صالح" کے وفات پانے اور" شیخ عنایت اللہ" کے اُن کا مقبرہ بنوانے کو ظاہر کیا ہے" اور" شیخ عنایت اللہ" کی تاریخ وفات سنہ ۱۰۸۸ ہجری بتائی ہے" مگر یہ دونوں" شیخ عنایت اللہ" کے" لاہور" میں اور اس گنبد میں" دفن ہونے پر متفق ہیں"

لیکن مؤلف تاریخ کمبوہان" اور مصنف تحقیقات چشتی" دونوں کے بیانات از سرتاپا غلط ہیں" ان میں صداقت کا شائبہ تک موجود نہیں ہے" نہ تو شیخ محمد صالح" اور" شیخ عنایت اللہ" ایک دوسرے کے داماد تھے" نہ ان دونوں کے متذکرہ صدر سنین وفات صحیح ہیں" نہ ہی" شیخ عنایت اللہ مصنف بہار دانش" کا مولد و مدفن لاہور ہے" جبکہ شیخ عنایت اللہ جیسے مشہور و معروف" اور تاریخی بزرگ کے حالات پر" مؤلف موصوف کو" ذرا سا بھی عبور حاصل نہیں ہے" تو اُن کا بلا کسی سند اور دستاویز و ثبوت کے" شیخ عنایت اللہ" مصنف بہار دانش" کو آبائی روایت سے معلوم ہوتا ہے لکھ کر" اپنا جدِ امجد بنا لینا" اور اُن کی اولاد بن بیٹھنا" ایسی بڑی جسارت ہے جس کی نظیر نہیں ہے"

اب ہم مؤلف موصوف کو" شیخ عنایت اللہ مصنف بہار دانش" و" تاریخ دلکشا" وغیرہ کا صحیح حال بتاتے ہیں" رسالہ معارف اعظم گڑھ نمبر ۲ جلد ۴۷ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء کے صفحہ ۱۴۳ پر" شاہ جہان" کے ہمعصر مؤرخین" کی سُرخی کے تحت لکھا ہے کہ" تاریخ دلکشا" مصنفہ شیخ عنایت اللہ کنبوہ" اس میں" شاہ جہاں" اور اُس کے ماقبل کی تاریخ ہے" مؤلف" برہانپور" (خاندیس) میں پیدا ہوا" محمد صالح" مصنف عمل صالح" کا بڑا بھائی" اور اُستاد تھا" کچھ دنوں تک اُس نے" شاہ جہاں" کی خدمت کی" اُس کے بعد دُنیا کو چھوڑ کر" دہلی" میں" حضرت بختیار کاکی" کے روضہ پر زندگی گزار دی" سنہ ۱۰۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۶۷۱ء میں پینسٹھ ۶۵ برس کے سن میں انتقال کیا" مشہور و مقبول کتاب بہار دانش" بھی اسی کی تالیف ہے"

اور" اسلامک کلچر حیدر آباد دکن بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کے صفحہ ۱۵۹ پر ٹیپو سلطان" بادشاہ میسور" کے کتب خانہ کے ذکر میں" بہار دانش منظوم" کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ۔

Bahar Danish Munzum.........	بہار دانش..........
...... The Author of the original	.... اس کے اصلی مصنف
works is Shaik Inayat-Ullah Kanbu	شیخ عنایت اللہ کنبوہ" ہیں" جن کی وفات
Died in A.H. 1082, A.D. 1671. The	۱۰۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۶۷۱ عیسوی میں ہوئی"
Preface of this works is by the Author's.	کتاب کا مقدمہ" اُن کے چھوٹے بھائی

صالح کنبوہ " نے لکھا ہے " وہ
صالح " کے مصنف ہیں " جو شاہجہاں
کومت کی ایک بسیط تاریخ ہے " جس
ان کے بزرگوں کے حالات بھی دیئے
ہیں " ....

Younger Brather, Mohd Salih
Kanbu Author of Amal-i-Salih which
a detaild history of Shahjahan's Reign
together with an Account of his
Ancestors. ....

" عمل صالح " مصنفہ " محمد صالح کنبو لاہوری " جلد سوم بہ تصحیح مولوی غلام یزدانی صاحب "
ناظم ... مملکت آصفیہ " دباہتمام رایل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال " طبع در مطبع بیپٹسٹ مشن کلکتہ کے صفحہ ۳۹۰ پر تحریر ہے کہ۔

استاد و برادر کلاں راقم الحروف " و سر حلقہ
... کشان و فروغ بخش دلہائے ایشاں " در آئین سخنوری
... طراز است ......

راقم الحروف کے اُستاد اور بڑے بھائی " اور سر حلقہ
صفا کشان اور فروغ بخشنے والے اُن کے دلوں کے " آئین سخنوری
میں صاحب طراز ہیں " ......

بتوفیق الٰہی " وقائع ایام خلافت " آبائے کرام "
... عظام " حضرت صاحبقران ثانی شاہ جہاں بادشاہ
... " از زمان آدم علیہ السلام تا انتہائے عہد آں سلطان "
... صاحب تمکین " مفصل و منقح بقلم آورد " بتاریخ دلکشا
... ساختہ " و تمامی مطالب را بعبارات بے آہو نگاشتہ "
... و بہار دانش " نیز از چمنستان طبع آں ....
... سخنوری بگل کردہ " سواد خط از عبارات ہائے رنگین "
... ارم گردیدہ " ....

توفیق الٰہی سے " وقائع ایام خلافت " آبائے کرام اور اجداد
عظام " حضرت صاحبقران ثانی شاہ جہاں بادشاہ غازی "
آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اُس سلطان کے عہد کے ختم تک "
بادشاہوں صاحب قدر کے مفصل اور سچے تحریر کئے اور اُس کا نام
" تاریخ دلکشا " رکھا " اور تمام مطالب کو بے زور عایت جملہ سے لکھا "
..... اور " بہار دانش " بھی اُن کے چمنستان طبع سے
ہے " ... بہارِ گلشنِ سخنوری کو پھول بنایا اور اس کے حوالی نواحی
کو عبارت ہائے رنگین سے نمونہ حوالی ارم کیا ہے "

... صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۲ پر تحریر ہے کہ۔

اور صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۲ پر تحریر ہے کہ

" عارف کامل حقایق آگاہ " بیدار دل " معنی پناہ
... عنایت اللہ " اصل طینت فرشتہ سرشتش کہ ہمانا از گوہر
... است چوں جوہر فیض۔ از ارض مقدس لاہور است
... مبارکش " بلدہ دار السرور برہانپور " در آغاز امر
... در زمرہ ارباب مناصب داخل بودہ " عاقبت
... اہل دنیا بیوند " مرضی خاطر عاطرش نیامد " بلکہ
... فضل عالم بالا " بوادی ترک و تجرید رہا دی گشتہ "
... نسبت بہ مبادی عالیہ " و ملاء اعلیٰ گردانید " اگرچہ
... ابواب علوم ظاہری پرداختہ۔ طرفی از علوم اندوختہ
... ضروری " و معالم دینی " از بعضے بزرگان دین۔ اخذ
... اکتساب معالم فن توحید نمود " اما چوں گنج کہ در خرابہ

" عارف کامل " حقایق آگاہ " بیدار دل " معنی پناہ "
شیخ عنایت اللہ کی اصل طینت اور فرشتہ صفاتی جس طرح
گوہر آب و خاک سے ہے مثل جوہر فیض کے " ارض مقدس لاہور سے
ہے " اور اُن کی جائے پیدائش " بلدہ دار السرور برہانپور ہے "
کام کے شروع اور آغاز شباب میں منصبداروں کے زمرہ میں داخل
ہوئے " بعد میں کیونکہ دنیاداروں کے ساتھ راہ و رسم طبیعت کو پسند
نہ ہوئی۔ بلکہ عالم بالا کی رہنمائی سے ترک دنیا اور تجرد کی ہدایت پائی
اور مبادی عالیہ اور ملاء اعلیٰ کی راہ کے سالک بن گئے " اگرچہ
چند دنوں تک علوم ظاہری کے سیکھنے میں مشغول رہے۔ اور کچھ علم
حاصل کرلیا " اور بعضے بزرگانِ دین سے ضروری مطالب اور دینی
علوم سیکھ کر فن توحید کو حاصل کرلیا " لیکن وہ خزانہ جو عشق کے

خرابات خانۂ عشق مخزون و مدفون است۔ از گنج کاوئ معمورۂ عقل
پیدا نشود۔ و آنچہ در خانقاہ نہادہ اند۔ در مدرسہ بدست نیاید۔
چہ پیداست کہ تشنہ با شرابِ میراب نسازد۔ و گلاب از گلِ کاغذی
بر نیاید۔ لاجرم بے اختیار از مدرسہ۔ رو بہ خانقاہ آوردہ۔
بخدمت خادمان حضرت سلطان الاولیاء۔ خواجہ خواجہائے
بزرگوار۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ پیوست۔
و بہ استمداد روحِ پُرفتوح۔ و توجہ ارشاد۔ آں حضرت والا
مرتبت۔ باوجود کثرت اسباب تعلق قوی پیوند۔ از
علاقۂ زن و فرزند۔ و ما یتعلق بہا قطع علایق بہ دل نمودہ۔
و کوہ کوہ موانع۔ و عوائق را برابر کاہی سنگ راہی نساختہ
با تمکین سلطنت۔ فقر مسند نشینی۔ تختۂ پوست گردید۔
و در زاویۂ ویرانۂ مسکنت چوں گنج مخفی بکنج اختفا جا
گرفتہ۔ و در خلوت۔ بر روئے دوست و دشمن دامدوشد
آشنا و بیگانہ بستہ۔ چشم بدریچۂ مبدائے فیض کشادہ۔ و از
بیدار دلی شبہا سر بخواب۔ فرو نیاوردہ۔ شمع کردار از روشنیٔ
فطرت شب زندہ می داشت۔ و مرآت الصفائے دلِ
صفوت منزل را بصقل مکاشفات روحانی۔ و مجاہدات
نفسانی جلا دادہ۔ و دیدۂ مراقبہ بر راہ ورود واردات
غیبی۔ و شہود مشاہدات قلبی نہادہ۔ از شام تا صبح نماز۔
و از صبح تا شام۔ بتلاوت قرآن مجید۔ و دیگر اذکار۔ قیام
مے نماید۔ نفیٔ چنانچہ باصدق ماسوا از سیمائی فرخندہ
لقائیش چہرہ نما است۔ و معنیٔ ترک دنیا۔ از صورت
سراپا انوارش پیدا۔ مجملاً آں مجمع کمالات انسانی۔ کہ
مربّی و ولی نعمتِ صوری و معنوی ایں بندہ بود۔ و در
سخن سرائی۔ و معنی پیرائی۔ یدِ بیضا می نمود۔ از عہد
طفولیت تا الیوم۔ توجہ والا۔ بتربیت ایں ذرۂ بے مقدار
مصروف داشتہ۔ ہمہ وقت چہرۂ شاہد کلامم را بغازۂ اصلاح
می آراست۔ و صورت معنی از آئینۂ سخنم باحسن وجہ نمودار می ساخت۔

بحسب نصیب و تقدیر۔ پیش از آنکہ۔ ایں کتاب
مستطاب۔ بنظر اصلاحش رسیدہ۔ از پرتو نظر فیض اثرش
عبارت را رتبہ و معنی را بکمال حاصل آید۔

گھر کے خرابات کے کھنڈر میں پوشیدہ اور دفن ہے۔ وہ عقل کی
تلاش سے دستیاب نہیں ہوتا ہے۔ اور جو چیز خانقاہ میں ہوتی
ہے وہ مدرسہ میں ہاتھ نہیں آتی ہے۔ کیونکہ مسلّم ہے کہ شراب سے
پیاسے کی پیاس نہیں بجھتی ہے۔ اور کاغذی پھول سے گلاب
نہیں بنتا ہے۔ مجبوراً ناگزیر مدرسہ سے خانقاہ کا رخ کیا اور حضرت
سلطان الاولیاء و خواجہ خواجہائے بزرگوار۔ خواجہ قطب الدین
بختیار کاکی۔ کے خادموں کی خدمت میں شامل ہو گئے۔
روحِ پُرفتوح کی امداد سے اور اُن حضرت والا مرتبت کے ارشاد کی
توجہ سے باوجود اسباب تعلق قوی کی کثرت کے بیوی بچوں اور ان
سے تعلق رکھنے والوں سے تہ دل سے رشتہ منقطع کر لیا۔ اور پہا
جیسے موانع اور دشواریوں کو کبھی سنگ راہ نہ بنایا۔ اور فقیری کی
کی مسند نشینی حاصل کرنے کے بعد تختۂ پوست ہو گئے اور مسکینی کے ویرا
کونے میں جب پوشیدہ خزانہ کی طرح چھپے رہنے کی جگہ پائی اور خلو
میں دوست و دشمن اور آشنا و بیگانہ کی آمد و رفت بند کر
مبدائے فیض کی کھڑکی میں جھانکنے لگے۔ اور راتوں میں دل کی بیدار
سر کو آغوش خواب کے سپرد نہیں کرتے تھے۔ بلکہ فطرت کی روشنی سے
کردار کی شمع کو راتوں کو بیدار رکھتے تھے۔ اور دل صفوت منزل کے
آئینہ کو روحانی مکاشفوں اور نفسانی مجاہدوں کے صیقل سے جلا دیتے
تھے۔ اور واردات غیبی و شہود کے راستہ میں مشاہدات قلبی پر آنکھ لگا دی
شام سے صبح تک نماز پڑھا کرتے اور صبح سے شام تک قرآن مجید کی تلاوت
اور دوسرے اذکار میں قیام فرماتے۔ چنانچہ صدق ماسوا اُن کی مبارک پیشانی
سے ہویدا ہے۔ اور اُن کے سراپا روشن چہرے سے ترک دنیا ظاہر ہے۔
مختصر یہ کہ کمالات انسانی کا وہ مجموعہ جو میرے ظاہری و معنوی مربی اور
ولی نعمت بھی ہیں۔ سخن سرائی اور معنی پیرائی میں ید بیضا رکھتے تھے
بچپن سے آج تک مجھ حقیر و ذلیل کی تربیت پر متوجہ رہے۔ ہر وقت
میرے کلام ... اصلاح سے آرائش میں مصروف
اور میر ... معنی پیدا کرتے رہے۔

اپنے نصیبے اور تقدیر کی خوبی سے قبل اس کے کہ یہ عمدہ کتاب ان
کی نظر اصلاح میں پہنچتی اُن ... نظر فیض اثر کے پرتو سے میں جو کچھ
اُس میں پختگی حاصل ہو چکی تھی۔

روز پنجشنبہ نوزدہم جمادی الاول سال ہزار و
ہشتاد و دو در ۱۰۸۲ھ ہجری) کہ تاریخ تولد مبارکش نیز ہمیں بود۔
بہ سن شصت و پنج ۶۵ "سال قمری" رحلت براقامت گزیدہ
متوجہ خلد بریں گشت" و بریں سوختۂ آتشِ غم۔ زندگانی وبال
ساختہ" ہزاروں نشتر جفا۔ در دلِ سوگوار شکست" ......
...... آں آمادۂ نزول مغفرت را۔ کہ بہمہ جہت
منظور نظر قبول الٰہی بود" متصل مزار فیض آثار" حضرت
قطب الاقطاب خواجہ قطب الدنیا والدین" در خانقاہ
ساختہ خود" بلطف ایزدی" و مرحمت سرمدی" سپردند"

پنجشنبہ کے دن انیس ۱۹ جمادی الاول ۱۰۸۲ھ ہجری ایک ہزار بیاسی
ہجری کو کہ جو اُن کی پیدائش کی تاریخ بھی تھی" پینسٹھ ۶۵ سال قمری کی
عمر میں دُنیا سے خلد بریں تشریف لے گئے" اور اس غم نصیب کی
زندگی آتشِ غم سے وبالِ جان بنادی" اور دلِ سوگوار میں
ہزاروں نشترِ جفا چبھو دیئے......

اور اس ذات مبارک کو جو نزول مغفرت کی ہر طرح مستحق
تھی اور ہر طرح بارگاہِ الٰہی میں منظور نظر تھی اُس خانقاہ میں جسے
خود آپ نے حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدنیا
والدین کے مزار فیض آثار کے قریب تعمیر کیا تھا "لطف ایزدی اور
مرحمت سرمدی کے سپرد کر دیا گیا"

"شاہ جہاں نامہ یا عمل صالح" مصنفہ "شیخ محمد صالح" جس سے لے کر یہ اقتباس ہم نے پیش کیا ہے" کوئی غیر معروف کتاب نہیں رہی ہے" خانگی و سرکاری کتب خانوں میں جابجا اس کے قلمی اور مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔ اور آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں" مؤلف تاریخ کمبوہان بھی اس سے واقف ہیں" چنانچہ انہوں نے "شیخ عنایت اللہ" کا حال لکھنے کے بعد "شیخ محمد صالح لاہوری" مصنف "شاہ جہاں نامہ" کی سُرخی دے کر اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۱ پر "محمد صالح موصوف" کا حال تحریر کیا ہے" جس میں لکھا ہے کہ "شیخ محمد صالح" "شیخ عنایت اللہ" کے بھانجے اور داماد "عہد شاہ جہاں بادشاہ" میں صوبہ لاہور کے دیوان تھے" کتاب "اشرف الصحائف" کے مؤلف اور "شاہ جہاں نامہ" کے مصنف تھے" اس بیان کے لئے انہوں نے کسی سند کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہے" اور آگے "تاریخ لاہور لالہ کنہیا لال صاحب لاہوری" دے کر انہوں نے لکھا ہے کہ "سنہ ۱۶۵۹ء مطابق سنہ ۱۰۷۰ ہجری" میں شہر لاہور میں "شیخ محمد صالح" نے ایک مسجد بنوائی۔ جو اب تک "مسجد محمد صالح" کے نام سے "اندرون موچی دروازہ لاہور" موجود ہے"

پھر آگے چل کر تحریر کر دیا ہے کہ "شیخ محمد صالح" کی تیار کردہ ایک دوسری عمارت کی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ اور یہ "شیخ عنایت اللہ" (متذکرہ صفحہ سابق) کا مقبرہ ہے۔ جس میں "شیخ محمد صالح" خود بھی اپنی وفات کے وقت سنہ ۱۶۶۹ء مطابق سنہ ۱۰۸۰ ہجری میں مدفون ہوا"

اب سوال یہ ہے کہ جب "مؤلف تاریخ کمبوہان" "شیخ محمد صالح لاہوری" اور اُن کی تصنیفات سے بخوبی واقف تھے" تو انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اُن کے ہم قوم ہیں" یعنی اُن کے نام نہاد جدِ اعلیٰ "شیخ عنایت اللہ" مصنف بہار دانش کے خواہر زادہ اور ہم نسب ہیں" تو انہوں نے "شیخ محمد صالح" کی تصنیفات سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی" اور "شیخ عنایت اللہ" کے حالات جو اُن کی کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ تحریر ہیں" اُن کو پیش کرنے سے کیوں احتراز کیا ہے"
اس کی وجہ معلوم کرانے کے لئے ہم زیادہ انتظار نہیں کرانا چاہتے" اُن کے اس احتراز کی وجہ ظاہر ہے کہ "شیخ محمد صالح" رحمۃ اللہ علیہ نے "اپنی کتاب میں اپنے نسب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے" اور اپنے آپ کو "آلِ محمد" بتایا ہے" اور "شیخ عنایت اللہ" کو اپنا بڑا بھائی لکھنے کے ساتھ اُن کا مولد "برہانپور" اور "مدفن پرانی دہلی" "قریب مہرولی" ظاہر کیا ہے" اب اگر مؤلف موصوف "عمل صالح" سے لے کر "شیخ عنایت اللہ" کا حال لکھتے" تو اُن کی وہ عمارت جو انہوں نے اپنی قوم کمبو کے شہنشاہ کا بھوجیا کی اولاد اور آرین چھتری ہونے کی کھڑی کی ہے منہدم ہو جاتی اور پھر وہ شیخ عنایت اللہ کی کسی طرح بھی اپنا

جو اُمجد نہیں بنا سکتے تھے۔"

شیخ عنایت اللہ کی جاگیر

رہا شیخ عنایت اللہ کی جاگیر کا معاملہ تو اُس کے متعلق یہ ہے کہ "سہ سالہ مبارک" تالیف ۱۸۴۹ء مطا
۱۲۶۵ھ ہجری میں خود مؤلف تاریخ کمبوہان نے یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "شیخ عنایت اللہ کنبو مصنف
کتاب بہار دانش۔ دیوان عہد شاہ جہان بادشاہ تھے۔ متوطن موضع ٹیکری کہ میرٹھ سے آٹھ میل ہے" مزید برآں
تاریخ کمبوہان کو یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ شیخ عنایت اللہ کی اولاد بفضلہ تعالیٰ میرٹھ اور مارہرہ میں موجود ہے" اور موضع ٹیکر
بھی جو انہیں جاگیر میں ملا تھا اب تک موجود ہے" مگر اُن کی اولاد نے دوسروں کے ہاتھ اُسے فروخت کر دیا ہے" اور شیخ عنایت اللہ
کے والد بزرگوار کا اسم گرامی خواجہ ولی تھا۔"

تھان سنگھ ولد کندن لال لکھتے ہیں کہ۔

شیخ عنایت اللہ کے باشندہ میرٹھ ہونے کی مزید شہادت

نسخہ بہار دانش من تصنیف افضل الفصحاء "شیخ عنایت اللہ کنبو میرٹھی قدس اللہ سرہٗ" کاتب الحروف اضعف العباد تھان سنگھ ولد کندن لال ابن ٹوڈرمل کایستھ سکسینہ
ساکن سنبھل اندرون قلعہ بدروازہ بدایوں" بپاس خاطر میاں جیو"
مشفق مہربان "شفیع اللہ ولد شیخ نصیر الدین ساکن الذن عملہ پرگنہ سرادہ
معنان صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بتاریخ دوم شہر شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ہجری
روز چہار شنبہ در ماہ اسوج سُدی چوتھ ۱۲۱۴ھ فصلی بوقت چاشت مطابق ۴۹ سنہ
جلوس عالم شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ در قصبہ گڑھ مکتیشر قیام میداشت
تحریر یافت" الٰہی عاقبت بخیر باد۔

من نوشتم صرف کردم روزگار — من نمانم ایں بماند یادگار
ہر کہ خواند دُعا طمع دارم — زانکہ من بندۂ گنہگارم

(نقل کتاب بہار دانش قلمی تھان سنگھ ص ۲۶۵)

(یہ کتاب کوٹھی جنت نشان شہر میرٹھ میں موجود ہے")

ایک حدیث نبوی صلعم اور ہمارا خطاب مؤلف تاریخ کمبوہان سے

ہمیں مؤلف تاریخ کمبوہان کی اس ناکامی پر افسوس ہے کہ "جس طرح انہوں نے شہنشاہ کامبوجیا" اور سورج بنسی راجہ رامچندر جی" کی اولاد بننے کے شوق میں سیکڑوں صفحہ رنگ ڈالے اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو ان بادشاہوں کی اولاد ہونا ثابت نہیں کر سکے" اسی طرح انہیں کئی صفحہ رنگ ڈالتے پر اب شیخ عنایت اللہ مصنف بہار دانش کی اولاد بننے سے بھی محروم ہو جانا پڑا" مؤلف موصوف کی اس من گھڑت کہانی اور جھوٹ کی قلعی کھول چکنے کے بعد اب ہم اُن کی توجہ "ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی ۱۳۲۲ھ ہجری کے ص۱۲۶ کی حدیث ۶۱۶ کی طرف معطوف کراتے اور توقع رکھتے ہیں کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے وہ اسے آئندہ ضرور پیش نظر رکھکر کبھی ایسی جرأت نہیں کریں گے" جیسی انہوں نے "شہنشاہ کامبوجیا" اور راجہ رامچندر جی اور شیخ عنایت اللہ مصنف بہار دانش" کی اولاد اپنے آپ کو ظاہر کرنے اور جتانے میں اپنی تاریخ کمبوہان میں دکھائی ہے" حدیث یہ ہے کہ "حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہا" سے روایت ہے کہ

اُنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ "جو شخص اپنے کو اپنے باپ کے سوا۔ اور کسی کی طرف منسوب کرے۔ اور وہ اُس کو جانتا ہو تو وہ خدا کے ساتھ کفر کرتا ہے" اور جو شخص کسی ایسی قوم میں ہونے کا دعویٰ کرے جس میں اُس کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے" یہ حدیث حضرت سعد بن وقاصؓ سے بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں مروّی ہے"

باب بست و سوم (۲۳)

مؤلف تاریخ کمبوہان کی بحث زبیری کنبوی خاندان کے نسب پر

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "کمبوہ اولادِ ابنِ زبیرؓ نہیں ہیں" کی سُرخی دے کر صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۹ پر لکھا ہے کہ۔

"سب سے پہلے ہم اِس روایت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس میں "کمبوہوں کو" اَولاد حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ" ظاہر کیا گیا ہے" صوبہ متحدہ کے برادران قوم جن کی حالت وہاں بہت اعلیٰ ہے۔ اور جو علم و فضل کے لحاظ سے بھی اُونچا درجہ رکھتے ہیں" اِس روایت پر نہایت شدت سے اعتقاد رکھتے ہیں" اس لئے ہماری خواہش ہے کہ۔ اِس روایت پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے"

" صوبہ متحدہ میں کمبوؤں کے حسب و نسب کی نسبت " فیصلہ کن روایت یا ثبوت کوئی نہیں ہے" چند مختلف روائتیں ہیں" اور اُن کے ساتھ " شجرہ ہائے نسب کا پیوند ہے" روائتیں بغیر کسی سند کے ہیں" جن کی صحت میں بوجوہات ذیل ہم کو کلام ہے"

عالی جناب قبلہ " نواب محمد مبارک علی خاں بہادر میرٹھی" اپنی کتاب " رسالہ مبارک" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "کمبوہ" پوداح اِبنِ عبد اللہ ابنِ زبیرؓ" کی اَولاد ہیں" رسالہ مذکور میں وہ ایک نسب نامہ بھی "نواب نظام الدین شہباز خاں" کا تحریر فرماتے ہیں" جس کو "حضرت ابن زبیرؓ" پر منتہی کیا گیا ہے"

نواب صاحب ممدوح "تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حالات ایک کتاب "رسالہ نواب شہباز خاں" سے جو عہد اکبری میں تالیف ہوئی تھی" اخذ کئے گئے ہیں" اور یہ کتاب اب معدُوم ہے"

سوائے سماعی بیانات کے اَور کوئی شہادت اِس روایت کی تائید میں رسالہ مبارک میں درج نہیں ہے" اور معیار تنقید پر۔ پرکھنے سے یہ روایت اور اُس کا اِدّعا غلط پایا جاتا ہے"

جناب نواب صاحب ممدوح "کمبوہ" نام کی وجہ تسمیہ اور اُن کے حسب و نسب کی تصریح جس طرز پر کرتے ہیں۔ ہم اُن کو "اپنے لفظوں میں درج کرتے ہیں۔

شہنشاہ اکبر اعظم نے "علامہ ابو الفضل" و شیخ فیضی" کی انگیخت سے "نواب شہباز خاں کمبوہ" کے حسب و نسب کی تحقیقات کے لئے "پنجشنبہ گیارہ شعبان ۹۸۱ھ کو ایک کمیشن مقرر کیا" علامہ ابوالفضل" و شیخ فیضی کو" نواب صاحب ممدوح سے "حسد

تعقب تھا" کیونکہ شہباز خاں "آزاد طبع" "تیز طبیعت" "پکا مسلمان" اور "بے خوف امیر تھا" شہنشاہ مذکور" بہ نفسِ نفیس صدر تھا" مباحثہ کے دوران میں "راجہ مان سنگھ" "رائے رایان ٹوڈرمل" "رائے بیربر داس" نے "متفق اللفظ بیان کیا کہ ہم نے ہندوستان کی تاریخوں میں اِس قوم کی نسبت۔ اِس قدر حال مطالعہ کیا ہے کہ "ہندوستان" کے مہاراجوں میں "کمبوج نام" ایک حکمران "ملتان کا راجہ تھا" استیلاءِ غلبہ اہلِ اسلام کے وقت۔ اُس کی اَولاد "ملتان میں" مغلوب ہوکر" حلقہ بگوشِ اِسلام ہو گئی" مسلم اور غیر مسلم" اَولاد راجہ کمبوج ہیں" بباعثِ تبدیلِ مذہب باہمی خصومت پیدا ہوگئی۔ جس کے سبب سے دونوں فریقوں کو منتشر ہونا پڑا" اور وہ مختلف قریہ جات اور شہروں میں علیحدہ علیحدہ ہوکر آباد ہو گئے" اور اپنے بزرگ راجہ کمبوج" کے نام سے "کمبوجی اور بعد میں کمبو" کہلانے لگے"

شہنشاہ اکبر نے "یہ حالات سُن کر فرمایا کہ اگر "کمبوہوں کا حسب و نسب یہ ہی ہے تو اِس حالت میں بھی۔ اِنہیں دیگر اقوام و ملل پر وجہ ترجیح حاصل ہے کہ یہ لوگ ایک مہاراجہ کی اَولاد" دلیر" صاحب السیف" صاحب تدبیر" صائبُ الرائے ہیں"

اِس کے بعد" نقیب خاں مورخ" حکیم ابو الفتح گیلانی" خان خاناں نواب عبدالرحیم خاں نے عرض کیا کہ ہم نے "عرب و عجم کی تواریخ میں دیکھا ہے" نیز ایک مورخ رُومی جہاندیدہ نے" کہ وہ بھی اِس وقت حاضر تھا" اِن اُمراء کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے علاوہ کتب تواریخ کے" کبیر سن ساکنانِ ملک شام سے" زبانی بھی سُنا ہے کہ "حضرت عمر خطاب خلیفہ دوئم کے عہد خلافت میں جب لشکرِ اسلام "ممالکِ خراسان و فارس کی تسخیر کے لئے زیر کمان پسر کلاں حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ مامور ہوا تو "حضرت علی کرم اللہ وجہ نے" با سوار و با پیادہ ہائے بے شمار" پسر مذکور کو "ولایت فارس کے فتح کرنے کا حکم دیا"

روایت میں "اِن صاحبزادے کا اسم مُبارک" رواح ابنِ عبداللہ ابنِ زبیرؓ" ظاہر کیا جاتا ہے" حضرت رواح نے" ایک دریائے عظیم کے کنارے" جو اِس سرزمین اور "ملک عرب" کے درمیان حایل تھا" چھاؤنی ڈالی" اور اکثر باشندگان سرزمین مذکور کو مشرف بہ اسلام کیا" حضرت رواح" اور اُن کے ہمراہی" زبان فارسی سے ناواقف تھے" اور باشندگانِ ملک فارس "زبان عربی سے" نابلد تھے" اِس لئے "اہلِ فارس" اُن کے وعظ و نصایح کے فہم سے عاجز رہتے تھے" اور اکثر مجلس سے یہ کہہ کر اُٹھ جایا کرتے تھے کہ ہم اِس مجلس "کمگویان" سے بہرہ نہیں رکھتے" ایک سردار نے ایک ترجمان کے ذریعہ ان سے فیض حاصل کیا" اور اِن بزرگوں کو "خطاب کمگویان" سے مخاطب کیا" جب اِس خطاب کو شہرت ہوئی اور "حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ کو" اِس سے آگاہی ہوئی تو آپ نے کمگویان کے معانی سے واقف ہوکر اِسے پسند فرمایا" اور اپنی اَولاد کو اِس لقب کے استعمال کی

اجازت عطا فرمائی "

اس کے بعد "کمگو کا لفظ" حضرت زبیر رض کی اولاد کا لقب مقرر ہوگیا۔ انہوں نے "دریائے مذکور پر" قصبے اور قریہ جات آباد کئے" اطراف و جوانب سے لوگ وہاں آکر آباد ہوگئے" اور علاوہ مسلمانوں کے" دیگر مذاہب کے غیر مسلم اصحاب بھی" اسی لقب سے مشہور ہوگئے" پھر بباعثِ تغیّر و تبدّل حکام" قریہ جات و قصبہ جات" تباہ و ویران ہوگئے" جہاں کسی کے سینگ سمائے وہیں جاکر آباد ہوا" مگر "کمگو" کا نام بدستور باقی رہا" جو بمرور زمانہ "کمبو" رہ گیا"

انہیں مسلمان کمبوؤں سے بعض خاندان "سلطان محمود غزنوی رح" کے ہمراہ ہندوستان چلے آئے" کوئی ملتان" کوئی دہلی میں آباد ہوا" اس کے بعد جب "ترکان تاتار کا فتنہ اٹھا" تو غیر مسلم کمبوہ بھی" جو جزیہ دیتے تھے" ہندوستان میں چلے آئے۔ اور اطوار و عقاید ان کے "مثل کفارِ ہنود" ہوکر وہ بھی "ہندو کمبو" کے نام سے مشہور ہوگئے"

یہ حالات سن کر "شہنشاہ اکبر اعظم نے حکم دیا کہ "شہباز خاں کے حسب و نسب کی یہ کیفیت" اکبر نامہ میں درج کی جائے" تاکہ آئندہ کسی وقت "نواب صاحب موصوف کے حسب و نسب کے متعلق کسی کو مجال قیل و قال نہ رہے"

چنانچہ "نواب شہباز خاں" کا شجرۂ نسب حسب ذیل بیان کیا جاتا ہے"

"شہباز خاں بن صدرالدین بن بہاؤالدین بن حاجی جمال الدین بن کمال الدین بن برہان الدین بن معزالدین صدر جہاں" بن شہاب الدین بن عبدالملک زاہد بن احمدؒ پارساؒ بن معروف متوکل" بن ادہم بن یعقوب بن سلیمان بن دانیال بن ادریس محمدؒ بن محمود" بن داؤد" بن تبارک اللہ بن عبداللہ بن فضل اللہ بن خطاب بن زید" بن ریاح" بن فوط" بن رواح" بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "رسالہ مبارک سے لے کر" اپنے خود کے الفاظ میں یہ بیان دینے کے بعد لکھا ہے کہ "اس تحریر سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں"

(۱) بعض کمبوہ "اولاد حضرت عبداللہ ابن زبیر رض ہیں" اور یہی اصلی "کمبو" ہیں جو "سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ داخل ہندوستان ہوئے"

(۲) بعض ان لوگوں کی اولاد ہیں" جو مندرجۂ بالا اصلی کمبوؤں کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ اور ان اصلی کمبوؤں کی ہم نشینی اور ہمسائیگی کے سبب "کمبوہ" کے نام سے منسوب ہوئے" اور فتنۂ تاتار کے وقت میں نقل مکان کرکے آئے" مذہب اسلام سے غیر مانوس ہونے کے سبب "رسم و رواج و عقاید میں "ہنود" کی مانند ہوگئے"

(۳) وہ کمبو "جو اولاد راجہ کمبوج والئے ملتان تھے۔ اور راجہ موصوف سے اپنے نسب کا تعلق رکھنے کی وجہ سے "کمبوجی" مشہور ہوئے" اور بعد میں "کمبو" کہلانے لگے"

ان ہر سہ نتائج میں سے آخری نتیجہ ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے" اس پر تنقید بھی

ہم علیحدہ کریں گے۔ پہلا اور دوسرا نتیجہ باہم قریب المخرج ہیں اس لئے ہم اِن ہر دو نتائج کی جانچ پڑتال کرنی چاہتے ہیں۔

(الف) مؤلف تاریخ کمبوہان کی اس جانچ پڑتال کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمر خطاب ۶۳۴ء مطابق ۱۳ھ ہجری میں مسند آرائے خلافت ہوئے اور ساڑھے دس برس کی خلافت وحکومت کے بعد ۶۴۴ء مطابق ۲۳ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ آپ کے زمانہ میں آخری لڑائی نہاوند پر ہوئی۔ جس میں شہنشاہ ایران مغلوب ہو کر فرار۔ اور بعد میں عدم پتہ ہوا۔ جنگ نہاوند کا واقعہ ۶۴۲ء مطابق ۲۲ھ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ سنہ ۱ھ ہجری میں بمقام مدینہ پیدا ہوئے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ اٹھارہ برس کی عمر میں حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ کے ہاں سب سے بڑا لڑکا پیدا ہوا۔ تو اس وقت حضرت رواح بن عبداللہؓ کی عمر تین سال کی ہوگی۔ اور اگر اپنے والد بزرگوار کی سولہ یا چودہ برس کی عمر میں وہ پیدا ہوئے ہوں گے تو اُن کی عمر پانچ اور سات سال کی ہوگی۔ اور یہ تینوں عمریں اِس قابل نہیں ہیں کہ اتنی عمر کے بچے کو جسے اپنے آپ کا بھی ہوش نہیں۔ ایک فوج گراں کا کمانڈنگ آفیسر بنا کر کسی ملک کو فتح کرنے کے لئے بھیجا جا سکے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اِس افسانے کو وضع کرنے یا کہانی گھڑتے وقت راوی نے اِن نقایص کا خیال نہیں کیا۔ اور یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ راوی کو کتب تواریخ و سیر و رجال پر پُورا عبور اور حالات تسخیر ممالک کا کافی علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ وہ اِس روایت کو بہ تغیرِ الفاظ روایت کرتا۔

حضرت عبداللہ ابن زُبیرؓ کے پسر کلاں کے بجائے خود حضرت زُبیرؓ یا حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ کا نام روایت میں پیش کیا جاتا تو ہم کو اُس کی کامیاب تردید میں بجائے چند سطور کے چند اَوراق تحریر کرنے پڑتے۔ مگر غنیمت ہے کہ راوی کی اِس غلطی نے ہمارا بہت سا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اگرچہ حضرت زُبیرؓ بھی ولایت ایران کی طرف تشریف فرما نہیں ہوئے۔

(ب) ہم نے اِس روایت کی بنا پر شعبان ۹۷۱ھ ہجری کے واقعات کی اکبر نامہ میں تلاش کی۔ ہم کو کسی جگہ بھی نواب شہباز خاں کے حسب و نسب کے متعلق ایک فقرہ بھی اکبر نامہ میں تلاش پر دستیاب نہ ہوا۔ اکبر نامہ کے دیگر متفرق مقامات پر بھی جہاں جہاں نواب شہباز خاں یا دیگر کمبوہ اُمراء کا ذکر آیا ہے دُرِ مقصود کی تلاش کے لئے جد و جہد کی مگر ناکامی ہوئی۔

(ج) بعض کمبوہ بزرگ بجائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اپنا سلسلۂ نسب حضرت مصعب بن زُبیرؓ تک پہنچاتے ہیں۔ مگر حضرت مصعبؓ ان سے بھی چھوٹے تھے۔ اور یہ روایت ان پر بھی چسپاں نہیں ہوتی۔ حضرت مصعبؓ

"حضرت علی رضؓ" کے داماد بھی تھے" اور اگرچہ انہوں نے ۶۸۶ھ ہجری میں "مختار بن عبیدہ ثقفی" کو "کوفہ میں شکست دی تھی" جبکہ "عبدالملک اُموی کے عہد میں" حضرت عبداللہ ابن زبیر رضؓ" نے مکہ میں "متوازی خلافت قایم کی تھی" تاہم کوفہ" عرب کی سرزمین تھی" وہاں کی زبان عربی تھی" اور اس علاقہ کی رہایش" ان کی اولاد کو "کمگو" کا خطاب نہیں دلوا سکتی تھی"

(د) پھر بیان کیا جاتا ہے کہ "حضرت ردواح کی اَولاد" سلطان محمود غزنوی" ۹۹۷ء تا ۱۰۳۰ء اور حادثہ تاتار ۱۲۵۸ء تا ۱۲۵۹ء کے وقت ہندوستان میں داخل ہوئی" حالانکہ "کمبوؤں کا ذکر" ہندوستان کی کتب قدیم میں اس سے پہلے آچکا ہے"

پس اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ روایت "کُلیتاً غلط" اور خلاف واقعہ ہے" نہ تو حضرت عبداللہ ابن زبیر رضؓ" کے "فرزند کلاں" ولایت فارس کی تسخیر کے لئے مامور ہوئے" اور نہ کوئی اُن کے صاحبزادے اِس قابل ہی تھے" کہ اِن ایام میں "ایسا اہتمم بالشان کام" ان کے سپرد کیا جاتا" نہ ان کا نام "کمگو" ہوا" نہ ہی وہ کمبوؤں کے نام کی یہ وجہ تسمیہ ہے" روایت کا پہلا حصہ "مردود ہونے سے" دوسرا حصہ بھی" خود بخود غلط ہو جاتا ہے" اور اِس پر کچھ مزید اضافہ کی ضرورت نہیں رہتی"

زُبیری خاندان کے سکنی لقب میں التباس ڈالنے کی کوشش

مؤلف تاریخ کمبوہان کے بیان میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ "وہ بحث تو زُبیری کنبوی خاندان" کے نسب پر کر رہے ہیں مگر جا بجا اُسے کمبو لکھ رہے ہیں جو اُن کی اپنی قوم کا نام ہے" زبیری خاندان کا سکنی لقب کنبوی اِس خاندان کے بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ اُن کتابوں میں بھی تحریر ہے۔ جن سے لے کر مؤلف موصوف نے اپنی کتاب میں اقتباس پیش کئے ہیں اور لفظ کنبوی کو چھپا لینے کا انہوں نے ایسا اہتمام رکھا ہے کہ کہیں بھی ساری کتاب میں اُسے ظاہر نہیں ہونے دیا ہے" مگر کاتبوں کی غلطیوں سے اِس لفظ کی "ی" کے چھوٹ جانے سے کسی جگہ جو "کنبو" لکھ گیا ہے اُسے بڑے چاؤ سے لے کر انہوں نے اپنے ناظرین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ کنبو اور کمبو دونوں ایک ہیں" آگے چل کر جہاں وہ زبیری بزرگوں کے متعلق اِس بات کا یقین دلائیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ ہر کتاب میں ہر جگہ کنبوی" نہیں کنبو بھی نہیں صرف کمبو" لکھا ہوا ہے" وہاں ہم تاریخوں کی روشنی میں دکھائیں گے کہ یہ بیان اُن کا قطعی جھوٹ اور سراسر دھوکا ہے"

صاحب رسالہ مُبارک کے بیان میں تحریفیں اور غلط بیانیاں

مؤلف موصوف کے دوسرے نقرے کے متعلق جس میں انہوں نے صاحب رسالہ مبارک کا بیان "رسالہ نواب شہباز خاں" کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

"یہ کتاب اب معدوم ہے" اور اپنی رائے اِس طرح دی ہے کہ "وہ سوائے سماعی بیانات

کے اور کوئی شہادت اِس روایت کی تائید میں "رسالہ مبارک" میں درج نہیں ہے" جو چند مختلف روایتیں ہیں۔ اُن کے ساتھ "شجرۂ نسب کا پیوند ہے" اور روایتیں بغیر کسی سند کے ہیں" جن کی صحت میں ہمیں کلام ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اِس بیان میں بھی اپنی عادت کے مطابق غلط بیانی سے کام لیا ہے" صاحب رسالہ مبارک نے کہیں بھی نہیں لکھا کہ یہ کتاب اب معدوم ہے" بلکہ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

"جو از روئے تحقیق رسالہ نواب شہباز خاں امیر عہد جلال الدین اکبر بادشاہ میں لکھا ہے وہ یہ ہے"

مؤلف موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ "رسالہ نواب شہباز خاں" معدوم نہیں ہے" ہمارے کتب خانہ ہی میں موجود ہے" اور دیکھا جا سکتا ہے" اِس رسالہ کے علاوہ مختلف زمانوں کی تاریخوں میں "زبیری کنبوہی" خاندان کے علوئے نسب پر کافی سے زیادہ روشنی موجود ہے" بلکہ اُن تاریخوں میں بھی اِس خاندان کے نسبی شرف اور قریشی النسل ہونے کی اسناد موجود ہیں" جو مؤلف موصوف کے مطالعہ میں رہ چکی ہیں" اور جن کے انہوں نے اپنی کتاب میں اقتباسات پیش کئے ہیں" یہ دوسری بات ہے کہ انہیں پیش کرنا اپنے مقصد کے منافی سمجھ کر معرض خفا میں رکھنا ہی مناسب خیال کیا ہے" جس طرح لفظ "کنبوہی" کو ظاہر نہیں کیا ہے" اسی طرح اِس بات کو بھی چھپا لیا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "رسالہ مبارک" کے نوشتہ پر جو تین نتائج ۱ و ۲ و ۳ مستنبط کئے ہیں" اُن میں بھی "حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ" کی اولاد کو "کمبوہ" لکھا ہے" حالانکہ اُن کی اولاد کے ناموں کے ساتھ "کمکو" اور "کمگو" اور "کنبوہی" کے الفاظ تاریخوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں" لیکن مؤلف موصوف کو سوائے "کمبوہ" کے کوئی لفظ کسی دوسری شکل میں لکھا ہوا نظر ہی نہیں آتا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ملتان و نواحِ ملتان پر کمبوج قوم یا راجہ کی حکومت کی من گھڑت کہانی اور اُسکی حقیقت

"۳" کے متعلق نتیجہ کو ایک علیحدہ حیثیت دے کر مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ اُس پر علیحدہ تنقید کریں گے" ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُن کی وہ تنقید دکھا کر اسی جگہ اُس کی حقیقت بھی معلوم کرا دیں" تاکہ ایک ہی جگہ اُس کا حال بھی جان لیا جائے اور انتظار کی زحمت نہ اُٹھانی پڑے" مؤلف تاریخ کمبوہان نے صفحہ ۳ پر لکھا ہے کہ۔

"اب باقی رہی یہ بات کہ "مہاراجہ کمبوج" والئی ملتان" کے سبب اُس کی اولاد کا نام کمبوج" ہوا" جہاں تک معلومات و حقائق" ہم کو اب تک معلوم ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ" "کمبوہ قوم کے" چند راجے" ملتان" اور گردو نواحی علاقے پر" ضرور حکمران رہے ہیں" جو "چھوٹے کمبوہوں سے" متعلق تھے" مثل راجہ ہی پال" یا" مہاراجہ سیدہ پال کمبوج" وغیرہ کے" مگر وہ تو خود "کمبوج" کہلاتے تھے" اور اس وقت اُن کی قوم "اِسی کمبوہ" کے نام سے موجود تھی" جس کا ذکر ہم "سابقہ ابواب کتاب ہذا میں کر آئے ہیں" پس یہ کہنا درست نہیں ہو سکتا کہ کسی ملتانی راجے کے نام سے منسوب ہو کر قوم کا نام "کمبوج" ہوا" بلکہ صحیح طور پر اس کے بجائے یہ دعویٰ زیادہ موزوں ہوگا کہ "کمبوج قوم کا" ایک فرد ہونے کی وجہ سے وہ راجے "کمبوج" کہلاتے تھے"

مؤلّف موصوف کے بیان پر ہمیں یہاں صرف اِسی قدر کہنا ہے کہ اُنہوں نے "ہندوستان" پر پہلا اسلامی حملہ "کمبوؤں" کی "محمد بن قاسم" کے مقابلہ میں شمولیت" کی سُرخی کے تحت" جو ان متذکرہ راجوں کے متعلق خامہ فرسائی کی ہے" اُس کی ہم اُوپر بخوبی تردید کر چکے ہیں" اور بتا چکے ہیں کہ "ملتان" اور گردو نواحی علاقہ پر "کمبوج قوم" کے راجوں کی حکومت کا ذکر کسی بھی "ہندوانی" "انگریزی" "اسلامی" تاریخ میں نہیں ہے" مؤلّف تاریخ کمبوہان کا خود کا بیان ہے کہ "ڈھوٹے گوت" کے ایک "کمبو خاندان" کے ہاں ایک تحریری یاد داشت موجود ہے جس کا نام "جہان گنج رتن جیون" ہے - اور صرف اِسی یادداشت میں اِن کمبوج قوم کے راجوں کا حال لکھا ہوا ہے" ظاہر ہے کہ کسی ایسی خانگی تحریر کی جس کی تائید دُوسری تاریخیں نہ کرتی ہوں" اور مؤلّف تاریخ کمبوہان نے خود بھی جگہ جگہ اُس کے بیانات کو غلط بتایا ہو" کوئی وقعت نہیں ہے"

کمبوج قوم کے راجوں کی "ملتان" وگردو نواحی علاقہ پر حکومت کے قِصّہ کی حیثیت "من گھڑت" کہانی سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے" اور مؤلّف موصوف کی اِس رائے کو کہ۔

"بالغرور حکمراں رہے ہیں" اور "یہ دعویٰ زیادہ موزوں ہوگا کہ "کمبوج قوم" کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے" وہ راجے "کمبوج" کہلاتے تھے"

کوئی سند نہیں قرار دیا جا سکتا" کمبوج قوم کے راجوں کی ملتان اور اُس کے گردو نواحی علاقہ پر حکومت کرنے کی حیثیت مَن گھڑت کہانی سے زیادہ نہیں ہے" اِس کہانی کی حقیقت معلوم کرا چکنے کے بعد اب ہم "مؤلّف تاریخ کمبوہان کے" اُن اعتراضات کو جانچتے ہیں جو انہوں نے "رسالہ مُبارک" کے نوشتہ پر پیش کئے ہیں"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے کے فارس کو بھیجے جانے کے شواہد

فقرہ الف میں "مؤلّف تاریخ کمبوہان نے "رسالہ مُبارک" میں جو یہ لکھا ہونا ظاہر کیا ہے کہ۔

"حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے بڑے صاحبزادے" ایک فوج گراں کے کمانڈنگ آفیسر بنا کر" کسی ملک کو فتح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے" یہ بھی صحیح نہیں ہے"

ملاحظہ ہو منشی عبداللہ بن سولا کمبو کا بیان جو مؤلّف موصوف کے ایک ہم قوم بزرگ اور رسالہ سفینۂ مالیری کے مصنّف ہیں اور جن کی تعریف و شکر گذاری میں "مؤلّف تاریخ کمبوہان" کی زبان لال ہے" انہوں نے سفینۂ مالیری کے صٓ ۲۷ پر "رسالہ مبارک" کا بیان ان الفاظ میں تحریر کیا ہے"

"حضرت عمرؓ" کی خلافت کے زمانہ میں "لشکر اسلام" ملک فارس" اور "ترکستان" کی تسخیر کے لئے متعین ہوا تھا" اور سردارانِ اِسلام" اِس امر کے اِنصرام کے واسطے ہر ایک طرف مقرر ہوئے"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ" (جن کی شادی حضرت اُمِّ سلمہ" دختر سیّد الشہداءُ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ" سے ہوئی تھی - اور "عبداللہ بن زُبیرؓ کے" پانچ فرزند پیدا ہوئے تھے") حضرت امیر المؤمنین علی مُرتضیٰ کرم اللہ وجہہ" نے "پسرِ کلاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کو بہت سے سوار و پیادوں کے ساتھ "ولایت فارس" کی طرف تعین فرمایا"

اس بیان میں" اور "مؤلّف تاریخ کمبوہان کے بیان میں بیّن فرق ہے"

مؤلّف تاریخ کمبوہان نے تو یہ ظاہر کیا ہے کہ" یہ صاحبزادے حضرت عمرؓ" کے زمانۂ خلافت میں بھیجے گئے تھے" مگر

مصنف "سفینۂ مالیری" نے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ" کے زمانہ میں لشکرِ اسلام "ملک فارس و ترکستان" کی فتح کے لیے متعین ہوا تھا" اور صاحبزادے مذکور کو "حضرت علی رضؓ" نے روانہ کیا تھا" جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے صاحبزادے کو "حضرت علی رضؓ" نے اپنی خلافت کے زمانہ میں روانہ فرمایا تھا"

اور رسالہ نواب شہباز خاں" میں تحریر ہے کہ۔

حضرت عبداللہ را پنج پسر بودند۔ پسر کلاں را با سوار و پیادہ بجانب ولایت تعین فرمودہ"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پانچ لڑکے تھے" آپ نے بڑے بیٹے کو معہ سوار و پیادوں کے ولایت کی جانب مقرر فرمایا"

"سفینۂ مالیری" اور "رسالہ نواب شہباز خاں" کے بیانات میں سے جس بیان کو بھی لے لیا جائے" اس سے مؤلف تاریخ کمبوہان کا وہ اعتراض بالکل رفع ہو جاتا ہے" جس میں انہوں نے "حضرت عمر و رضؓ" کے زمانہ خلافت میں "حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کے بڑے صاحبزادے کے "کم عمر ہونے کی وجہ سے" کسی مہم کا سردار بنا کر بھیجا جانا" ناممکن بتایا ہے"

حضرت علی رضؓ کی خلافت کا زمانہ "پانچ سال سے کم ہے" اور اُن کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی عمر اکتالیس سال کی تھی" اور آپ کی کئی بیویاں تھیں" حضرت علی رضؓ" کی خلافت میں آپ کے پانچ صاحبزادوں کا ہونا" اور بڑے صاحبزادے کا کسی مہم پر بھیجا جانا" قطعی طور سے ممکن ہے" مؤرخین نے اس بات کو بھی صاف طور سے اور کھول کر بیان کیا ہے کہ "حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کے اکثر صاحبزادے" اپنے چچاؤں سے عمر میں خاصے بڑے تھے"

ان شواہد کی روشنی سے "مؤلف تاریخ کمبوہان کے مندرجہ بالا اعتراض کے رد ہو جانے کے علاوہ اُن کے "رسالہ مبارک" کے بیان کو "افسانہ" یا "من گھڑت کہانی" ظاہر کرنے کی بھی بخوبی تردید ہو گئی ہے" نیز اُن کا یہ بیان بھی کہ "راوی کو" کتب تواریخ و سیر و رجال پر "پورا عبور" اور حالات تسخیر ممالک کا "کافی علم حاصل نہ تھا" قطعاً غلط ثابت ہو گیا ہے"

بلکہ انہوں نے یہ لکھ کر کہ "حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" کے پسر کلاں کے بجائے "خود حضرت زبیر رضؓ" یا حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" کا نام "روایت میں پیش کیا جاتا تو ہم کو اُس کی کامیاب تردید میں" بجائے چند سطور کے" چند اوراق" تحریر کرنے پڑتے" مگر غنیمت ہے کہ "راوی کی اِس غلطی نے" ہمارا بہت سا بوجھ ہلکا کر دیا" اگرچہ حضرت زبیرؓ" بھی ولایت ایران کی طرف "تشریف فرما نہیں ہوئے" خود اپنی تاریخ سے بہرہ نہ رکھنے کا ایک اور ثبوت اِسی جگہ پر بہم پہنچا دیا ہے" ہم انہیں بتاتے ہیں کہ اُن کا یہ بیان بھی قطعاً غلط ہے"

حضرت زبیرؓ کی شرکت ایران کی لڑائی میں

(١) طبقات ابنِ سعد جلد چہارم کے صـ٦٩ـ پر تحریر ہے کہ "زید بن وہب" فرماتے ہیں کہ "ہم حضرت فاروق اعظمؓ" کے زمانے میں "آذربیجان" والوں سے لڑے تھے" ہمارے ساتھ اُس وقت "حضرت زبیر بن العوام رضؓ" بھی تھے"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شرکت ایران کی لڑائی میں

(٢) ترجمہ تاریخ ابنِ خلدون۔ کتاب ثانی جلد چہارم کے صـ٢٠٦ و ٢٠٧ پر تحریر ہے کہ "سنہ ٣٠ ہجری میں "سعید بن العاص" (عامل کوفہ) نے "طبرستان" پر فوج کشی کی" اس سے پیشتر مسلمانوں میں سے کسی نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا" ان کے ہمراہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا ایک گروہ تھا" جس میں "حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" حسنؓ" حسینؓ" ابنِ عباس رضؓ" ابن عمر رضؓ" اور "حذیفہ بن الیمان رضؓ" تھے" (یہ زمانہ حضرت عثمان غنی رضؓ" کی خلافت کا تھا")

ہندوستان پر حملہ بزمانہ خلافت حضرت عمر فاروقؓ

فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے صـ١٧٦ و ١٧٧ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ میں ہے کہ "(بزمانہ حضرت عمرؓ) جس وقت "مغیرہ" دیبل"

(اس جگہ اب کراچی آباد ہے) پر حملہ آور تھے" اس وقت اُن کے دوسرے بھائی "حکم" "عثمان بن ابی ثقفی" (عامل) کے حکم سے "سندھ" سے بھی آگے بڑھ گئے" اور "گجرات" کے شہر "بروص" (بھڑوچ) پر حملہ آور ہوئے" دشمن کا مقابلہ کیا" اور اس پر غالب ہوئے"

حملہ بزمانۂ خلافت حضرت عثمان غنیؓ

تاریخ سندھ جلد اوّل کے صفحہ ۹۵ پر "تاریخ کامل ابن اثیر" سے لے کر تحریر ہے کہ "کوہ زور سے فراغت پاکر حضرت ابن سمرہ رضؓ نے "کابل و زابلستان" کو ...ی فتح کیا" "سیستان" کے ماتحت ضلع "غزنہ" (غزنی) تھا اُسے اور سارے مُلک "سیستان" کو از سر نو فتح کر کے اور ...ر شہر و گاؤں پر اپنا تسلط کر کے "حضرت ابن سمرہ رضؓ" "زرنج" میں آکر مقیم ہو گئے"

حملہ بزمانۂ خلافت حضرت علیؓ

ترجمہ فتوح البلدان کے صفحہ ۱۷۷ و ۱۷۸ اور چچ نامہ کے صفحہ ۷۷ و ۷۸ پر ہے کہ "اسی عہد میں" "سندھ" پر ایک اور مستقل حملہ کیا گیا" حدود ہند پر" فوج کشی کرنے کے لئے "تغار بن صغیر" مامور کئے گئے" اس فوج نے ۳۸ھ ہجری کے آخر میں "بہرج" اور "کوہ پایہ" کی طرف کوچ کیا۔ اور بڑھ کر "کوہستان قیقان" پر حملہ آور ہوئے اور قیقانیوں کو شکست دی" رعایائے ہند میں سے بہت سوں کو انہوں نے گرفتار کر لیا"

حملہ بزمانۂ خلافت حضرت امیر معاویہؓ

فتوح البلدان کے صفحہ ۱۸۱ اور کامل ابن اثیر جلد سوم کے صفحہ ۲۵ پر تحریر ہے کہ "۴۴ھ ہجری میں" "مہلب بن ابی صفرہ" نے "حدود سندھ" پر حملہ کیا" اور "بنہ" "اہواز تک" اور لاہور تک پہنچ گیا" "تاریخ سندھ" حصہ اوّل کے صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷ پر ہے کہ "حضرت امیر معاویہؓ" کے آخری عہد ۵۹ھ ہجری ابن زیاد کے بیٹے عباد نے براہ سیستان سواحل سندھ" پر جہاد کیا"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ کی فوجوں کے حملے اور فتوحات سندھ و ہند میں

تاریخ سندھ حصہ اوّل مؤلفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے صفحہ ۱۱۱ پر تحریر ہے کہ "ایلیٹ ہسٹری" میں ہے کہ کرنل ٹاڈ" اپنی تاریخ راجستان میں لکھتے ہیں کہ "عبدالملک بن مروان" کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال "یعنی ۶۵ھ ہجری میں" مسلمانوں نے براہ سندھ" ایک چڑھائی ملک راجپوتانہ پر کی" جس میں "اجمیر کا راجہ" "مانک راؤ" اپنے راج کنور" کے ساتھ نذر اجل ہوا" یہ حملہ "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی فوجوں نے کیا تھا" کیونکہ ۱۴ صفر ۶۴ھ ہجری کو "یزید" کے مرتے ہی" تمام عالم اسلام نے اپنی آزاد رائے سے امیر المؤمنین حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا" ۶۵ھ ہجری میں عامۃ المسلمین کی مرضی کے خلاف" دھوکے اور جبر سے "بنی اُمیہ" نے "شام اور مصر" پر قبضہ کر لیا تھا" اور حضرت مصعب بن زبیرؓ کی ۷۲ھ ہجری میں شہادت ہو جانے کے زمانہ تک" جو اپنے برادر بزرگ کی طرف سے "عراقین" "جزیرہ" "آرمینیہ" "ایران" "خراسان" "ترکستان" اور "سندھ و ہند" کے ...برائے تھے) سوائے مصر و شام کے تمام اسلامی ممالک "امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی خلافت میں شامل تھے" اور عبدالملک کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا")

فتوح البلدان بلاذری جزء دوم کے صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲ پر تحریر ہے کہ "ابن الزبیرؓ" کے زمانے میں "القباع" یعنی "حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی" "گورنر امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ) کی جانب سے "عبدالعزیز بن عبداللہ بن عامر" "سجستان" (مشرقی افغانستان و زابلستان) پر والی ہوا" لوگ اس کے ساتھ "زرنج" میں داخل ہوئے"

نوٹ (۱) (زرنج موجودہ صوبہ سندھ میں نہیں ہے" بلکہ بلوچستان کے شمالی مغربی حدود پر واقع ہے" اس وقت سارا بلوچستان "سندھ" میں شمار کیا جاتا تھا" اور راجہ سندھ کے قبضہ میں تھا" اُس وقت کے جغرافیہ میں کوئی ملک "بلوچستان" کے نام سے مشہور نہیں تھا"

"رتبیل (بادشاہ کابل) سے لڑے" "ابو عفراء عمیر المازنی" نے "رتبیل" کو قتل کیا، مشرک منہزم ہوئے اور بھاگ نکلے،

کامل ابن اثیر جلد چہارم کے ص۳۴۶ پر اور تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد پنجم کے ص۱۶ پر ہے کہ "عطیہ خارجی"

عمان واپس گیا، وہ جب اُس پر قبضہ نہ کر سکا۔ تو سمندر کے راستہ سے "کرمان" چلا گیا، اُس نے وہاں "درہم" بنائے، جن کا

نام "عطیہ" رکھا، جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو "امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ" کے افسر فوج اور عامل "مہلب

بن ابی صفرہ" نے اُس کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی "عطیہ" "کرمان" سے بھاگ کر "سجستان" اور پھر سندھ چلا گیا،

مہلب کے سواروں نے اُسے "قندابیل" میں جا کر پکڑا" اور قتل کر دیا"

حمزہ بن امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا تقرر گورنری بصرہ پر

فتوح البلدان میں ہے کہ "مجھ سے "ابو مسعود" نے کہا" اور

اُس سے "عوانہ" نے کہ "حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ" نے

حمزہ بن عبد اللہ بن الزبیرؓ" کو بصرہ کا والی کیا" وہ الاہواز

(علاقہ فارس) کی طرف گئے" اور اُس کے پہاڑ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو "قیقان" (مکہ معظمہ کا پہاڑ") کا سا ہے"

الشوری کہتا ہے کہ "فارسی" میں "الاہواز" کا نام "ہوز میز" تھا "عربوں" نے "الاخواز" بنایا

اور مرور ایام سے "الاہواز" ہو گیا"

ترجمہ تاریخ طبری جلد دوم حصہ سوم کے ص۳۶و۳۷ پر تحریر ہے کہ "۶۷ھ ہجری میں "حمزہ" کے والد بزرگوار حضرت

عبد اللہ بن زبیرؓ نے اپنے بھائی "مصعبؓ" کو گورنر عراقین و فارس و خراسان وغیرہ کی حکومت سے "جبکہ"

مختار" کے استیصال کے بعد ایک سال "کوفہ" میں مقیم رہے تھے" "بصرہ" کو نکال کر انہیں اُس کا حاکم بنا دیا تھا۔۔۔۔۔

ایک دن حمزہ "اہواز" گئے" اور اُس کے پہاڑ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ "مکہ کے" "کوہ قیقان" کے مشابہ ہے" اس پہاڑ

پر اس کا نام بھی "قیقان" رکھ دیا گیا"

حمزہ نے مردان شاہ کو اپنے وکیل کے ذریعہ خراج ادا کرنے کا حکم دیا" مردان شاہ نے اُس میں کچھ تساہل کیا

حمزہ نے اُسے تلوار کے ایک ہی ہاتھ میں قتل کر ڈالا" اس پر "سلیط حنیف" نے کہا کہ "امیر کی تلوار کس قدر تیز ہے"

اِن اقتباسات سے جو ہم نے ابھی پیش کئے ہیں "مؤلف تاریخ کمبوہان کی تاریخدانی" اور اس بیان کی

حقیقت بخوبی کھل گئی ہے کہ "حضرت زبیرؓ" "حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ" اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ

کے کوئی صاحبزادے "ملک ایران" میں تشریف نہیں لے گئے تھے اور اس ملک سے انہیں کوئی تعلق نہیں رہا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی ناواقفیت تاریخی حالات سے

"نقرہ ج میں" مؤلف تاریخ کمبوہان نے "شعبان ۹۷۱ھ ہجری کے

واقعات میں" اور اکبر نامہ کے متفرق مقامات پر بھی "نواب شہباز خان"

کے حسب و نسب کا حال دیکھنے اور نہ ملنے کا جو ذکر کیا ہے" اُس کے متعلق بھی اب ہم اُن کی تاریخی حالات سے ناواقفیت دکھاتے ہیں

مؤلف موصوف نے "اکبر نامہ" "آئین اکبری" اور "منتخب التواریخ" کو بہ نظر امعان پڑھا ہے" ان میں سے اول الذکر دو کتابوں

کے اقتباسات تو انہوں نے اپنی کتاب کے ص۲۹۸ پر دیئے ہیں" اور مؤخر الذکر کا اقتباس ص۳۰۱ پر دیا ہے" اِن کتابوں میں انہوں

نے پڑھا ہے کہ "(۱) خان خاناں نواب عبد الرحیم خاں" (پسر بیرام خاں خانخاناں") کی عمر ۹۸۱ھ ہجری میں چند

یا سات برس کی تھی" (۲) ابو الفضل" اُس وقت تیرہ برس کے" اور (۳) فیضی" سترہ برس کے تھے" "ابو الفضل" اور

"ملا عبد القادر بدایونی" ۹۸۱ھ ہجری میں حاضر دربار ہو کر سلک ملازمت شاہی میں منسلک ہوئے۔ اور فیضی" بیس برس

کی عمر میں پہلی بار "شہنشاہ اکبر" کی خدمت میں پیش ہوا تھا"

تو جب "مؤلف موصوف" اِن کتابوں سے یہ باتیں جان چکے تھے۔ اور انہیں رسالہ مُبارک سے معلوم ہو گیا تھا کہ "یہ سارا شاخسانہ "فیضی اور ابوالفضل" نے کھڑا کیا تھا" اور نواب عبدالرحیم خان خانخاناں" جلسہ میں شریک تھے۔ تو ۹۷۱ھ ہجری کے واقعات میں۔ یعنی ابوالفضل اور فیضی کے طالب علمی کے زمانے میں "اکبر نامہ" میں اُن کے اِن واقعات کو تلاش کرنے سے" اور اس ۹۷۱ھ ہجری کی غلطی کو نہ پہچاننے سے کیا یہ بات ظاہر نہیں ہوتی ہے کہ اُن کا حافظہ اِس قدر خراب ہے کہ کتابوں کا بار بار مطالعہ کرنے پر بھی اُن کے ذہن میں کوئی بات نہیں سماتی۔ اگر وہ ذرا بھی اِن امور پر غور کرنے اور واقعات تاریخی کو ذہن میں رکھنے کی قابلیت رکھتے تو ۹۷۱ھ ہجری کے "رسالہ مبارک" میں لکھے جانے کو کاتب کی غلطی پر محمول کر کے اکبر نامہ میں اِس سنہ کے واقعات کی ورق گردانی سے یقیناً بچ جاتے" اور اگر وہ منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۷۳، ۲۷۴ کے اِس نوشتہ ہی کو کہ۔

در شعبان ۹۸۶ھ ہجری قرار دارند کہ "کلمہ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" علانیہ تکلیف نمایند"........ در باب "ترک تقلید دین مبین" "قطب الدین محمد خان" و "شہباز خاں" و امثالِ ایشاں را ترغیب کردند".. .... و "شہباز خاں" نیز تیز و تند۔ دریں وادی در آمدہ" "بیربر سگ جہنمی را کہ طعن صریح در دین میکرد" دشنام صریح دادہ گفت کہ اے کافر ملعون" حالا تو ہم ایں چنیں سخنان میگوئی" "ما از عہدہ تو میتوانیم برآمد" و کار بے مزگی کشید"

در شعبان ۹۸۶ھ ہجری میں قرار دیا کہ "کلمہ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" کی علانیہ تبلیغ کی جائے۔۔ تقلید دین مُبین (ارکان احکامات اسلام) کے چھوڑ دینے کے بارے میں قطب الدین محمد خاں اور شہباز خاں اور انہیں کی طرح عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو ترغیب دی۔۔۔۔۔ اور شہباز خاں اِس وادی میں تیز و تندی سے در آئے" "جہنم کے کتے بیربر کو جس نے دین اسلام میں کھلم کھلا طعن کیا سخت گالی دے کر کہا" کہ اے کافر ملعون تو بھی ایسی باتیں کہتا ہے" "ہم تجھے تیرے مرتبہ سے گرا سکتے ہیں" اور صحبت بد مزہ ہو گئی"

ذہن میں رکھتے" تو پھر انہیں "اکبر نامہ" میں "نواب شہباز خاں" کے نسب و حسب کو دیکھنے کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوتی" یہی واقعہ تھا جس کا بدلہ لینے کے لئے بالکل اِسی طرح جیسے کہ کوئی شخص اپنے حریف سے مار کھا کر مگر انتقام لینے پر قادر نہ ہونے سے" عاجز و لاچار ہو کر اُس میں بُرائیاں نکالتا پھرتا اور اُس کے خلاف سازشیں کرنے لگتا ہے" ۹۹۱ھ ہجری میں جبکہ نواب شہباز خاں کا تقرر گورنری بنگال پر ہونے والا تھا اُس سے انہیں محروم کرنے کے لئے ابوالفضل اور فیضی نے جو "دین الٰہی اکبر شاہی کی وحی پہنچانے والے دو فرشتے تھے" نواب شہباز خاں زبیری رحمۃ اللہ علیہ" کے خاندانی یا صفاتی لقب "کمگو" اور سکنی لقب "کنبوہی" میں اسی طرح التباس ڈالنے کی کوشش کی جس طرح مؤلف تاریخ کمبوہان شروع سے کمبوج و کمبو اور لفظ کنبوہی کو چھپا کر اور اُسے کنبو ظاہر کر کے کنبو اور کمبو میں ڈالتے چلے آ رہے ہیں" اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ ان کی طبع زاد کہانیوں" سے وہ کون سے" غرض جس طرح بن پڑے اپنے ناظرین کو اِس مغالطہ میں ڈال دیں کہ کنبو اور کمبو ایک ہیں"

شہنشاہ بھی دین الٰہی کی توہین کی وجہ سے متاثر تھے مگر کیونکہ نواب شہباز خاں کی تخت سے وفاداری مسلمہ تھی اور توسیع مملکت اُن ہی کی تلوار اور فتوحات کی رہینِ منت تھی" اِس لئے اُن کے خلاف اور کوئی چارہ نہ دیکھ کر یہ شاخسانہ کھڑا کیا کہ ایک جلسہ کرا دیا تاکہ نواب صاحب کے مقامی و سکنی لقب اور قوم کمبو کے نام میں التباس ڈال کر انہیں مشتبہ کیا جا سکے۔ اِن دونوں بھائیوں کا خیال تھا کہ اُن کے ذاتی اثر اور شہنشاہ کی صدارت کے اثر سے لوگ اُن کے ہمنوا ہو جائیں گے تو وہ "نواب شہباز خاں" کو نیچا دکھا سکیں گے۔ لیکن انہیں اپنی کارروائی میں اسی طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جس طرح مؤلف تاریخ کمبوہان کو شہنشاہ کا مبجیا اور راجہ رامچندر جی کی مخرج بنسی اولاد بننے اور زبیری کنبوہی خاندان سے اپنی قوم کمبو کو چپکا دینے میں ناکامی ہوئی ہے"

اِن واقعات سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ "شہنشاہ اکبر" اپنے واقعات کے ضمن میں خصوصاً اُس گفتگو کے بعد جو دینِ الٰہی اکبر شاہی کی تلقین کے وقت نواب شہباز خاں نے تیز و تند لہجہ میں اُن سے کی تھی "اِس کیفیت کا واقعہ اکبرنامہ میں درج کیے جانے کو کسی طرح بھی پسند نہیں کر سکتے تھے" اور "ابوالفضل" تو اپنی اِس شکست فاش کی ذلت کو کسی نہج بھی منظرِ عام پر نہیں لا سکتا تھا"

اکبرنامہ میں اِس واقعہ کے نہ لکھے جانے کی وجہ کو ہم نے یہاں مجمل طور سے دکھا دیا ہے۔ کیونکہ پوری تفصیل "رسالہ نواب شہباز خاں" سے لے کر اِسی کتاب کی جلد اوّل میں صفحہ ۳۱ تا ۳۵ پر لکھ چکے ہیں "اِس لیے طوالت کے مدِ نظر یہاں اُس کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے" البتہ اس جگہ اِتنا پھر بھی بتائے دیتے ہیں کہ "اکبرنامہ" میں "ابوالفضل" کو "نواب شہباز خاں" کے نسب کے متعلق ایک لفظ تک لکھنے کی ہمت نہیں پڑی" اور اُن کے بارے میں اُسے اکبرنامہ جلد سوم کے صفحہ ۵۲۸ پر صرف اِن الفاظ میں اپنے جلے پھپھولے پھوڑ کر خاموش ہو جانا پڑا ہے کہ۔

"در ہر گونہ پرستاری" و "سربراہی سپاہ" کم ہمتا بود "اگر تقلید پرستی داشتے" "تعصب داشتے" "و در بعضے نسخہ بداشتے" "و زبان را" "بہ ہنجار بر کشودے" "طراز فرو ہیدگی" "بر گرفتے"

"ہر طرح خدمت اور سربراہی سپاہ میں بے نظیر تھے" "اگر تقلید پرستی (قیام بر اسلام) نہ رکھتے۔ اور زبان کو بُرا بھلا کہنے سے باز رکھتے تو اور زیادہ مرتبہ پاتے"

ظاہر ہے کہ اگر "نواب شہباز خاں" کے نسب میں کچھ بھی کھوٹ ہوتا تو اُن کے متعلق ایسے جلے کٹے فقرے لکھنے والا یہ "ابوالفضل" اُس کے ظاہر کرنے میں ہرگز چپ نہ رہتا بلکہ اور اُسے اُجاگر کر دکھاتا"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانیاں نواب شہباز خاں کے شجرے اور دیگر حالات میں

اب ہمیں صرف اِتنا اور بتانا ہے کہ اپنے بیان میں "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے جو شجرہ "نواب شہباز خاں" کا درج کیا ہے اُس میں دو نام "عبداللہ" اور "خطاب" کم ہیں "اور "رواج" نام زیادہ ہے"۔ جب "سلسلۂ عالیہ" "المشاہیر" اور "رسالہ مبارک" یہ سب کتابیں "مؤلف تاریخ کمبوہان" کے پاس موجود ہیں اور انہوں نے ان کے اقتباس بھی جا بجا پیش کیے ہیں تو اُن کے "نواب شہباز خاں" کے شجرے میں غلطی کرنے اور "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے صاحبزادے کا نام "رواج" لکھ کر "اس پر بحث کرنے کو" اُن کی تحقیقات تاریخی کا ایک عجوبہ سمجھنا چاہیے۔ مزید برآں مؤلف تاریخ کمبوہان نے رسالہ نواب شہباز خاں سے ماخوذ بتا کر رسالہ مبارک میں یہ لکھا ہوا جو ظاہر کیا ہے کہ "مباحثہ میں راجہ مان سنگھ" "رائے ٹوڈرمل" "رائے تمبر داس" نے متفق اللفظ کہا کہ کمبوج نام ملتان کا ایک حکمران راجہ تھا اُس کی نسل اور غیر مسلم اولاد راجہ کمبوج کے نام سے کمبوج اور بعد میں کمبوہ کہلانے لگی۔ یہ بیان بھی قطعاً غلط ہے اور اسی قبیل کا ہے جیسے کہ شہنشاہ کامبوجیا اور ملتان کے کمبو راجاؤں اور سوراشٹر کے سُوریہ بنسی راجاؤں اور شیخ عنایت اللہ میر منشی شاہجہاں اور مصنف بہارِ دانش کی اولاد قوم کمبوہ دہلی کو بنا دینے کے متعلق مؤلف موصوف کے دوسرے بیانات ہیں۔ رسالہ نواب شہباز خاں میں نہ اِن ہندو اُمراء کے نام ہیں۔ نہ اُن کا کوئی بیان ہے نہ کسی کمبوج راجہ کا ذکر ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانی حضرت مصعبؓ کی شادی کے بارے میں

فقرہ نمبر ۹ میں بھی "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے ایسی فاش غلطیاں کی ہیں جن پر تاریخی اسلامی کا ابتدائی کلاس کا طالبِ علم بھی ہنسنے سے باز نہیں رہ سکتا"

(۱) انہوں نے جو "حضرت مصعب بن زبیرؓ" کو "حضرت علیؓ" کا داماد تحریر کیا ہے" یہ قطعاً غلط ہے حضرت

مصعب بن زبیر رضؓ کو "حضرت علی رضؓ" کا داماد تحریر کیا ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے "حضرت مصعب رضؓ" "سکینہ بنت حسین رضؓ بن حضرت علی رضؓ" کے شوہر تھے "اور اس طرح "حضرت علی رضؓ" کے نہیں بلکہ اُن کے صاحبزادے "حضرت حسین رضؓ" کے داماد تھے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانی امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کی خلافت کے بارے میں

(۲) مؤلف موصوف نے جو یہ لکھا ہے کہ "عبد الملک اُموی" کے عہد میں "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" نے "مکہ" میں متوازی خلافت قایم کی تھی" اُن کا یہ بیان بھی قطعاً غلط ہے "متوازی خلافت قایم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ "عبد الملک" کی خلافت قایم تھی" اُس کے بالمقابل "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" نے اپنی خلافت قایم کرلی تھی" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ "حضرت امیر معاویہ رضؓ" کی ٦٠ھ ہجری میں وفات کے بعد "یزید" کے تخت نشین ہونے کے چند ہی دنوں بعد "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" یزید کی بیعت سے انکار کر کے مکہ معظمہ" تشریف لے آئے تھے" اور وہاں پہنچتے ہی آپ نے مکہ معظمہ کی حکومت" اپنے ہاتھ میں لے لی تھی" یزید نے کئی بار اُن پر فوج بھیجی" لیکن کامیاب نہ ہوا" بالآخر صفر ٦٤ھ ہجری میں وہ مرگیا" اور اس کے مرتے ہی تمام عالم اسلام نے اپنی دلی خواہش و رضا سے "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا" اس دَوران میں "عبد الملک" اور اُس کا باپ مروان" دونوں "مدینہ منورہ" میں "امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کے حکم سے نظر بند رہے۔ جبکہ یہ حالت تھی تو اِن باپ بیٹوں کو" خلافت کا کبھی خواب تک نظر نہیں آیا تھا" کچھ عرصہ بعد انہیں رہا کر دیا گیا تو وہ ملک شام چلے گئے" تھوڑے دنوں وہاں رہ کر ٦٥ھ ہجری میں "عبد الملک" کا باپ مروان "شام" سے مع اپنے بیٹے عبد الملک کے امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کی بیعت کرنے کے واسطے مکہ معظمہ آرہا تھا کہ "ابن زیاد" حاکم عراق" جسے وہاں کے لوگوں نے نکال کر "امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کی بیعت کرلی تھی" وہاں پہنچ گیا" اور اُس نے مروان کو امیر المؤمنین رضؓ کے پاس جانے سے روک دیا" اب امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کی خلافت کے خلاف "ملک شام" میں سازش شروع ہوئی" اور دھوکے سے غافل کر کے امیر المؤمنین رضؓ کے سپہ سالار شام کے لشکر پر" مروان نے" شب خون مار دیا" جس میں اُسے کامیابی ہوئی" اِس طرح وہ شام" اور "مصر" پر قابض ہوگیا" مگر ایک سال کے اندر جب اُسے "یزید" کی بیوی نے" جس سے اُس نے نکاح کرلیا تھا۔ مار ڈالا" اُس وقت اُس کا بیٹا "عبد الملک" اپنے باپ کا قایم مقام ہوا" اور ٧٢ھ ہجری تک اپنے مقبوضہ علاقوں شام و مصر سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکا" اِن علاقوں کے سوائے" تمام عرب و عراق و عجم و جزیرہ و آرمینیہ خراسان و ہند و سندھ و ترکستان وغیرہ پر برابر" امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کی خلافت قایم رہی اور ٧٣ھ ہجری میں جب آپ کی شہادت وقوع میں آئی تو اس کے بھی کئی برس بعد تک آپ کے ایران وغیرہ کے گورنر عبد الملک سے لڑتے رہے" یہ حالات ایسے ظاہر و باہر ہیں کہ ان کے لئے ہم کسی تاریخی حوالہ کے دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے "طبری" ابن اثیر و ابن خلدون وغیرہ ہر کتاب میں موجود ہیں" مگر مؤلف تاریخ کمبوہان" جنہیں اپنی تاریخ دانی کا بڑا زعم ہے" اور کتب سیر و رجال پر بھی کامل عبور رکھنے کا ادعا ہے" یہ لکھ رہے ہیں کہ "عبد الملک اُموی" کے عہد میں امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ نے مکہ میں "متوازی خلافت قایم کی تھی" ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ" تاریخی واقعات کو غلط طور سے پیش کر کے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دینا" کیا یہی وہ تاریخدانی اور دیانت ہے جس کا اُن کو ادعا اور فخر ہے" جب اُن کو تاریخ اسلامی کے ایسے اہم واقعات کا بھی علم نہیں ہے" تو اور باتوں کا جس قدر علم ہو سکتا ہے" اُس کی حقیقت ظاہر ہے"

حضرت زبیرؓ کی اَولاد کے "صفاتی لقب کمگو" کی مزید شہادتیں

حضرت مُصعب بن زُبیرؓ کا کمگو یعنی شیر خوار بچہ "گورنر اصفہان"

(۳) اور مؤلف تاریخ کمبوہان نے یہ جو لکھا ہے کہ۔

"حضرت مصعبؓ (آپ اپنے برادر بزرگ امیرالمؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ "کی طرف سے "عراقین" جزیرہ" "آرمینہ" "ایران" خراسان" "ترکستان" "سندھ و ہند کے علاقہ جات کے "وائسرائے تھے")، جن کا صدر مقام "کوفہ" تھا" تاہم "کوفہ" عرب کی سرزمین تھی" وہاں کی زبان عربی تھی۔ اور اِس علاقہ کی رہایش "اُن کی اَولاد کو "کمگو" کا لقب نہیں دِلوا سکتی تھی"

مؤلف موصوف کے اِس بیان کا بطلان ثابت کرنے کے لئے تاریخ طبری جلد دوم حصّہ دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن کے صـ۲۲ کا یہ ایک بیان ہی کافی ہے جس میں ۶۸ھ ہجری کے حالات میں لکھا ہے کہ۔ "اصفہان۔ اسمٰعیل بن طلحہ بن مصعب بن حضرت زبیرؓ" کی جاگیر میں تھا اور "عتاب" اُس کے حاکم تھے" (یعنی اِس شیر خوار بچے کی طرف سے" جسے اُس کے دادا "حضرت مصعبؓ" نے یہ ملک جاگیر میں دیا تھا" عتاب" بطور نایب کے حاکم تھے") طبری کے اِس نوشتہ سے امیرالمؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" اور "حضرت مصعبؓ" ہی کے زمانہ میں حضرت مصعبؓ" کے پوتے "اسمٰعیل" کے اُس قوی تعلق کا حال بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔ جو اُسے ایران اور ایران والوں سے تھا" ایرانی یا فارسی)" اپنے اِس شیرخوار حاکم یا گورنر کو "اگر کمگو" کہتے تھے" تو اِس سے اِنکار کرنے کی کوئی بھی صورت نہیں پیدا کی جا سکتی"

مُصعب بن حضرت زبیرؓ کی اَولاد کا توطن ایران میں

علاوہ اِس تعلق کے "حضرت مُصعبؓ کی اَولاد نے" ایران میں توطن بھی اختیار کر لیا تھا" چنانچہ "صاحب تاریخ گزیدہ" نے صـ۸۲۶ پر اپنے وطن قزوین" کے مشہور و معروف صلحا اور علماء کے خاندانوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ۔

("از نسل مُصعب بن زبیر بن العوام اند" در ایشان "عُلماء و صلحاء" بُودہ اند")

زُبیری خاندان کے صِفاتی لقب "کمگو" اور سکنی لقب "کَنبوہ ی" ہونے کی شہادتیں "شہنشاہ اکبر" اور جہانگیر کے زمانوں کے مؤرخین کے نوشتوں سے

(۱) شجرۂ مُہر ورد" مصنفہ احمد خاں اکبر شاہی قلمی" موجود شاہی کُتب خانہ ریاست رامپور کے صـ۱۳ پر تحریر ہے کہ

"چوں بے شائبۂ ریا" و رسم سوابق اعتقاد" و لوازم اتحاد" جمیع کم گویان" کہ بغلط عام "کنبوہ" شہرت یافتہ" بدیں خاندان عالی شان" اِستحکام پذیر است" و از غایت کرم" در ہمہ اوان" و از ہا نواع رعایت" و اصناف تربیت" مخصوص و ممتاز بُودہ اند" خصوصاً آباؤ اجداد بندہ"

"اِس میں کسی ریاکاری اور رسم کا شائبہ نہیں ہے کہ "تمام کمگو" جو عوام میں غلطی سے کنبو کے نام سے شہرت پکڑ گئے ہیں" عقیدتمندی اور اتحاد رکھنے کی ضرورت اور لزوم خدمت کا جذبہ اِس خاندان عالی شان سے اِستحکام پذیر ہے اور بغایت کرم سے یہ ہر زمانے میں اور آج بھی انواع رعایت اور ہر قسم کی تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہے ہیں" خاصکر میرے آباؤ اجداد"

غرضکہ اِن شواہد کی موجودگی میں "مؤلف موصوف" کا یہ لکھنا بھی کہ۔

"کوفہ کی رہائش" حضرت مصعبؓ کی اولاد کو "کمگو" کا خطاب نہیں دلوا سکتی تھی"

بالکل غلط ثابت ہوگیا ہے" اور اُس کی کوئی اصلیت نہیں ہے"

(۲) اور تاریخ خان جہانی مخزنِ افغانی قلمی" مصنفہ نعمت اللہ ہروی بزمانہ شہنشاہ جہانگیر در سنہ ۱۰۲۰ ہجری موجود کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن کے ورق "" پر لکھا ہے کہ۔

"سلطان بہلول" درگذشت" و سلطان سکندر رابہ جہد سلطنت طلب داشتن در ملازمت "حضرت قطب الاقطاب "شیخ سماؤ الدین" کم کوئی" المشتہر بہ کنبوی دہلوی" رفت وگفت"......

"سلطان بہلول" نے انتقال کیا۔ اور سلطان سکندر برائے کوشش حصولِ سلطنت خدمت میں حضرت قطب الاقطاب "شیخ سماؤ الدین" کم کوئی المشتہر بہ "کنبوی دہلوی" گیا اور عرض کیا......

امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی اولاد میں رواح نام کی عدم موجودگی

فقرہ (۲۸) میں "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے جو یہ لکھا ہے کہ۔

"پھر بیان کیا جاتا ہے کہ "حضرت رواح کی اولاد" "سلطان محمود غزنوی سنہ ۹۹۷ء تا سنہ ۱۰۳۰ء" اور حادثہ تاتار سنہ ۱۲۵۸ء تا سنہ ۱۲۵۹ء کے وقت ہندوستان میں داخل ہوئی" حالانکہ "کمبوؤں" کا ذکر "ہندوستان کی کتب قدیم میں اس سے پہلے آچکا ہے"

اِس کے متعلق ہمیں صرف اِس قدر کہنا ہے کہ "(۱) رواح" امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے کسی صاحبزادے کا نام نہیں تھا" مؤلف موصوف نے "رواح" کو حضرت عبداللہ" کا بیٹا" نواب شہباز خاں" کے شجرے میں غلط لکھدیا ہے" جس کا اظہار ہم اُوپر کر چکے ہیں"

(۲) اب رہا سلطان محمود غزنوی" اور "حادثہ تاتار" کے وقت "ہندوستان" میں آنے کا ذکر تو وہ "زُبیری" کمگو" کنبوی" خاندان سے متعلق ہے" اور "قوم کمبوہ" سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے"

"زُبیری" کمگو" کنبوی" خاندان کے ہندوستان خاص میں آنے کے متعلق صاحب سلسلۂ عالیہ کا بیان

"سلسلۂ عالیہ" مصنفہ مسیح زماں حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی" المتوفی سنہ ۱۲۶۵ ہجری کے صہ ۶ پر اس خاندان قریشی زُبیری کمگو کنبوی کے متعلق تحریر ہے کہ۔

مگر احوال ایں طائفہ "مثل شیخ صدر الدین" صدر جل" و شیخ عبد الطیف" کہ اینہا از عابدینُ مجاہدین بُودہ" قریب زماں" محمود غزنوی" ندائے جاہد الکفار زدہ مضبوط است" پس بہمبرین نوع ایں فریق از ملتان واں حدود" پیش وپس" سایرہ و دائرہ" دریں دیار رسیدہ" در بلاد مختلفہ مثل "دہلی وکول و میرٹھ وسنبھل" و دھولپور وگوالیار و جیور و بدایوں و مارہرہ" وغیرہ قرار اقامت گرفتہ" کوس ریاست زدند"

مگر احوال اس گروہ کا "مثل شیخ صدر الدین" صدر جل و شیخ عبد الطیف" کہ یہ عابدین اور مجاہدین سے تھے۔ محمود غزنوی کے زمانہ کے قریب ان کا کفار پر جہاد کرنا یقینی ہے" پس اسی طرح اِس فرقہ نے ملتان اور اُس کے حدود سے آگے پیچھے چل کر اور اس دیار میں پہنچکر مختلف شہروں "مثل" دہلی اور کول اور میرٹھ اور سنبھل اور دھولپور اور گوالیار اور جیور اور بدایوں اور مارہرہ" وغیرہ میں اقامت اختیار کر کے ریاست کا نقارہ بجایا"

چنانچہ ”در دہلی“ قدامت اقامت ”ایں گروہ مشہور است“ وعلیٰ ہٰذا القیاس“

چنانچہ دہلی میں قدامت اقامت اس گروہ کی مشہور ہے“ وعلیٰ ہٰذا القیاس“

اور مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی کتاب ”تذکرہ خزانہ عامرہ“ میں اسی خاندان کے متعلق تحریر ہے کہ۔

”ہندوستان میں اِبتدائے عملداری مسلمانان سے اِس خاندان کے افراد ”خدمات شرعیہ پر ماُمور رہے“ اور اَب بھی ہیں“

مؤلف تاریخ کمبوہان کی قوم کمبو کے حالات میں تاریخوں کی خاموشی

(۳) اب رہا ”مؤلف تاریخ کمبوہان“ کا اِس موقع پر یہ باور کرانا کہ قوم کمبو کا ذکر ”ہندوستان“ کی کتب قدیم میں اس سے پہلے آچکا ہے“ تو اُن کا یہ بیان بھی غلط ہے“ اور سراسر دھوکے میں ڈالنے والا ہے“ جہاں جہاں بھی اُنہوں نے اپنی کتاب میں تاریخوں کے اقتباس دیئے ہیں“ اُن میں ”قوم کمبو“ کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اُس گروہ کا ذکر ہے جو ”کمبوج“ کہلاتا تھا“ جسے مؤلف موصوف نے اپنی طبیعت سے اپنے مقصد کے لئے ”کمبو“ قرار دیدیا ہے“ جیساکہ اُن کی خود کی تحریرات سے ظاہر ہو چکا ہے“ کسی اِسلامی تاریخ میں بھی ”مؤلف موصوف کی ”قوم کمبو“ کے کسی ایک فرد کا کوئی ذکر نہیں ہے“ البتہ اِن اسلامی تاریخوں میں جس خاندان کے بزرگوں کا کثرت سے اور مسلسل ذکر آیا ہے وہ ”زُبیری لمگو کنبوی“ خاندان ہے“ جسے ”قوم کمبو“ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے“

”رسالہ مُبارک“ کی تحریر پر ”مؤلف موصوف“ نے اپنی رائے سے جو غلط نتائج اخذ کئے تھے اور اُس میں ردو بدل کئے ہیں“ ہم نے تواریخی شواہد سے اُن کا بطلان بخوبی ثابت کر دیا ہے“ اِس لئے اب دیکھتے ہیں کہ آگے انہوں نے اور کیا گُل کھلائے ہیں“

باب بست و چہارم [۲۴]

”المشاہیر و سلسلۂ عالیہ کے بیانات“ اور ”زُبیری خاندان کے سکنی لقب کنبوی میں“ ”مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحریفیں“ مغالطے“ اور غلط بیانیاں“

مؤلف تاریخ کمبوہان نے صفحہ ۲۹۶ تا ۳۰۲ پر لکھا ہے کہ۔

”مکرمی منشی فیض احمد صاحب کمبوہ“ مصنف المشاہیر“ نے ”نواب محمد مبارک علی خاں بہادر قبلہ“ کی رائے کو ترک فرماکر ”لفظ کمبوہ کی“ وجہ تسمیہ“ اور ہی بیان فرمائی ہے“ چنانچہ جناب ممدوح فرماتے ہیں کہ ”لفظ کمبوہ“ لقب مکانی ہے“ ذاتی“ صفاتی“ یا نسبی“ نہیں ہے“ وہ ”مولانا شیخ زین العابدین“ (المتوفی ۹۲۵ھ و مطابق ۹۳۲ھ) کی رائے کو وزن قرار دے کر“ لکھتے ہیں کہ۔

(۱) ”لفظ کمبوہ“ میں ”واؤ نسبتی ہے“ منسوب بہ کنب“ ”کنب“ ایک قصبہ ہے“ متصل غزنی“ جس کی سکونت کی وجہ سے ”اِس قوم کا“ یہ نام مشہور ہوا“

(۲) پھر لکھتے ہیں کہ شاید ”کنہام“ ایک دریا ہے“ اِس کے کنارے کے کچھ

حصّہ کو بھی "کنّباہ" کہا جاتا ہے" قدما" عرب و بغداد سے آکر وہاں آباد ہوئے" پھر ہندوستان میں آئے" اور" لقب کمبوہ" اپنے ساتھ لائے"

(۳) حاشیہ مذکور پر" اس سے بھی اختلاف کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ" مجھ کو ایک سیّاح کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ" سمرقند کے شمال کی طرف" کنّباہ" (بضم کاف) ایک دریا ہے۔ اسی دریا کی وادی میں" قیام کرنے کے سبب سے" اس قوم کا نام" کمبوہ" مشہور ہو گیا"

(۴) مؤلف سلسلۂ عالیہ" کہ وہ بھی" زبیری کمبوؤں" میں سے ایک بزرگ ہیں" فرماتے ہیں کہ" عرب کے مسلمانوں نے" سندھ" پر غلبہ پا کر" کنّباہ" (گجرات کاٹھیاواڑ") میں سکونت اختیار کی" جس کی وجہ سے وہ بھی" ہندوؤں کی طرح" کمبوہ" نام سے مشہور ہو گئے" ورنہ ان میں باہمی کوئی تعلق نہیں ہے" نہ وہ دوسرے" کمبوؤں" سے" شادی ناطہ کرتے ہیں"

(۵) پھر فرماتے ہیں کہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ" ہرات" (افغانستان)" کے مضافات میں ایک مقام" درہ کمبوہ" کے نام سے موسوم ہے" احتمال ہے کہ" اس قوم کے بزرگ" اسی مقام پر آکر سکونت پذیر ہوئے" اور چنگیزی مظالم کے باعث وہاں سے جلا وطن ہوئے" مگر اپنا لقب" مکانی" ساتھ لائے"

(الف) "الغرض" صوبۂ متحدہ کے" کمبوہوں" میں اپنے حسب و نسب کے متعلق" اس قسم کی مختلف روایات مشہور ہیں" جو باہم ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں" مگر ان سب کا ملخص یہ ہی ہے کہ" صوبۂ متحدہ کے دولتمند" امیر ابنِ امیر" اور" صاحبِ عزت و وجاہت" خطاب یافتہ" کمبوہ خاندان" اپنے غیر مسلم" اور" مسلم" مگر مفلس" کمبوہ بھائیوں سے" نسل اور ذات میں" بالکل علیحدہ" اور ایک غیر قوم ہیں" وہ اپنے غریب برادرانِ قوم کو" پستی کی سطح سے۔ بلند تو نہیں کر سکتے" لیکن ان سے کسی قسم کا تعلق رکھنا" اپنی توہین" تصوّر کرتے ہیں" اور انہیں ہم قوم ماننے سے شرماتے ہیں" حالانکہ اسلام میں" نسل" ذات" اور قبیلے پر فخر کوئی چیز نہیں ہے" اس وقت موجودہ زمانہ میں" مزدور" اور سپاہی" بادشاہ بن رہے ہیں" اور شہنشاہوں کی اولاد گھاس چھیلتی نظر آ رہی ہے" پھر ان لوگوں کا خود بھی" حسب و نسب کی تلاش میں" اندھیرے میں ہاتھ پھیلانا" ایسا ہی ہے" جیسے ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا لیتا ہے"

(ب) ایک بات اور غور طلب ہے" متذکرہ سابقہ روایت میں" (رسالۂ مبارک کی روایت میں) راجہ ٹوڈرمل" مہاراجہ بھگوان سنگھ" تو" شہباز خاں" کے نسب کے متعلق رائے زنی کرتے ہیں" کوئی ان کو" ہندو راجوں کی اولاد بتاتا ہے" کوئی قریشی ظاہر کرتا ہے" مگر نواب صاحب مغفور کی نسبت درج نہیں ہے کہ"

"انہوں نے اپنے حسب و نسب کے متعلق کیا دعویٰ کیا ہے" اور کیا ان کو بھی "اپنے بزرگوں کے متعلق" کوئی قطعی حالات معلوم تھے یا نہیں" اور کیا یہ سب باتیں "مدعی سست گواہ چست" کے مصداق تو نہ تھیں"

(ج) "اِن جملہ دعاوی میں سے کسی کی نسبت" کوئی معتبر ثبوت درج نہیں کیا گیا" سوائے بعض معاصر بزرگوں کی آرا کے" جو اِس بارے میں درج کی گئی ہیں" حالانکہ وہ رائیں خود بھی "محتاجِ ثبوت ہیں" اور منطق کے مشہور مسئلے کے مطابق "بناء فاسد علی الفاسد" ہیں"

(د) "کسی اِسم کی نسبت دینے میں عموماً" یائے معروف" استعمال ہوتی ہے" یائے" کے الحاق کا" فارسی علم ادب میں "عام طور پر یہ قاعدہ ہے کہ "اگر اِسم کے آخر میں "حروفِ علت" الف" یائے" واؤ" ہائے ہوز" میں سے کوئی ایک حرف ہو تو "یائے" کے پہلے "واؤ" ایزاد کر لی جاتی ہے" ورنہ صرف "یائے" کا الحاق" کافی ہوتا ہے۔ مثلاً "دہلی" لکھنؤ" امروہہ" سے منسوب کرتے وقت "دہلوی" لکھنوی" امروہوی" پکارا جائے گا" اور "پنجاب" کشمیر" سے "پنجابی" کشمیری" وقس علیٰ ہذا"

پس اگر "کسی قصبہ کے" یا دریا کے" نام سے "کمبوؤں کو" منسوب تصور کیا جائے" (جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے" تو ان کا نام "کنبی (منسوب بہ کنب) یا "کنبوی" (منسوب بہ کنباہ) ہونا چاہئے" نہ کہ کمبوہ" حالانکہ "اکبر نامہ" اور "تاریخ فرشتہ" اور "آئین اکبری" وغیرہ کتابوں میں "کمبوہ اُمراء کے نام کے بعد" صاف صاف طور پر "لفظ کنبوہ" لکھا ہوا ہے" جیسے "شہباز خاں کمبوہ" شیخ گدائی کمبوہ" شیخ جمالی کمبوہ" غرضیکہ جس امیر کا ذکر اِن کتابوں میں آیا ہے" اس کے ساتھ "بجائے کمبوی" کے "صریحاً کمبوہ تحریر ہے"

تواریخ کی جن کتابوں میں "کمبوہ" بزرگوں کا ذکر آیا ہے۔ ان میں یہ تینوں کتابیں پرانی ہیں" اور قریب قریب اِسی زمانہ کی تصنیف شدہ ہیں" جس زمانہ میں "کمبوؤں نے" اوّل اوّل اُبھر کر ترقی کے زینہ پر چڑھنا شروع کیا تھا"

(س) پھر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ "مشرق میں" اِشاعتِ اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے" اور فتوحات اسلامی کی تفصیل میں" تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی ریاست" کوئی شہر" وغیرہ "کمبوہ" نام کا موجود تھا"

اور نہ جزیرہ نمائے "کمبوج" کے سوائے" کوئی قطعہ ملک" اِس نام سے اس وقت تک موسُوم ہے" اور ظاہر ہے کہ "اِسلام" اور مسلمانوں کو "جزیرہ نمائے کمبوج" سے تا حال کوئی تعلق پیدا نہیں ہوا"

ہم صرف دعوؤں کو تسلیم نہیں کر سکتے" ثبوت درکار ہے" پس اِن حالات میں

کیا باعث تھا جس سے "عربوں" اور "سادات قریش" کا نام "کمبو" مشہور ہو گیا" اور کون سی وجہ تھی کہ "سادات قریش" نے "قریش کے لقب کا پُر فخر" طرۂ امتیاز" سر سے اُتار کر "کمبو نام کی" کھدر کی ٹوپی پہننی گوارا کی"

ہم نے "کمبو نام کو" کھدر کی ٹوپی سے تشبیہ دی ہے" اور یہ التزام ہم نے "صوبہ متحدہ کے" کمبوؤں" کے پاسِ خاطر سے ادا کیا ہے" کیونکہ وہ شاید اس کو اچھے لئے "موجب فخر خیال نہیں کرتے" اور غالباً اِسی وجہ سے انھوں نے اپنے تئیں "کمبو" لکھنے کے بجائے "زبیری" لکھنا اور کہلانا شروع کر دیا ہے"

اگرچہ ہم بذاتہٖ اُن لوگوں میں سے ہیں جو "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" کے مصداق۔ فخر آبا کے قائل نہیں" اور انسان کے ذاتی کیریکٹر و فضائل اکتسابی کو قابلِ امتیاز تصور کرتے ہیں" تاہم یہ صحیح ہے کہ "حضرت ابن زبیرؓ" کی اولاد سے ہونا جو اسلام کے چھٹے خلیفہ تھے" نفسِ انسانی کے لئے مُوجب فخر و مباہات ضرور ہے" لیکن مصیبت یہ ہے کہ "علم تاریخ میں" دعوے کے بطلان پر اصرار ہو رہا ہے" اور ہم خود بھی" ایسے فخر کو" ذریعہ اعزاز قرار دینا گوارا نہیں کر سکتے" جس کا مستحق ہم اور ہماری قوم ثابت نہیں ہوتی"

اس مقام پر ہم کو ایک لطیفہ یاد آیا" ایک دن ہم اپنے ایک عزیز دوست کے ساتھ اِسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے" ہم نے ان سے اظہار تحیر کیا" اور کہا" کہ ہماری سمجھ میں مُطلق نہیں آتا" کہ "کمبو ہوں" کے" ہندی الاصل" اور "راجپوت" ہونے میں کیا قباحت ہے"

کہ جس کی تغلیط کی کوشش کر کے اس کے اِدعا سے گریز کیا جاتا ہے" اور کیا وجہ ہے کہ "کمبوؤں کا ایک خاص طبقہ" زُبیری" اور "قریشی النسل" سے منسُوب ہو گیا" ہمارے اِس عزیز دوست نے "پریچنگ آف اسلام" مرتبہ مسٹر آرنلڈ مرحوم" پرنسپل علیگڈھ (کالج) کے ترجمہ کی مندرجۂ ذیل عبارت کی طرف ہماری توجہ دلائی"

"غیر ملکوں کے اسلامی خاندان۔ جو ہندوستان میں" مستقل طور پر آباد ہیں۔ ان کا شمار سوائے پنجاب" اور پنجاب کے قُرب و جوار کے اور کہیں زیادہ نہیں ہے" ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں۔ جو اپنے نام کے ساتھ "شیخ" بیگ" یا خان" کا لفظ" بلکہ بعض صورتوں میں "سیّد" کا لقب اختیار کرتے ہیں" اِن لوگوں کے بھی دو حصے ہیں" بڑا حصّہ تو وہ ہے۔ جس کے لوگ نَو مُسلم ہیں۔ یا نو مسلموں کی نسل سے ہیں" اور جن بزرگوں نے ان کو مُسلمان کیا۔ ان کا لقب انھوں نے اختیار کر لیا" یا کسی اور سبب سے "شیخ" مرزا" یا خان" ہو گئے۔۔۔" الخ)

ہم نہیں کہہ سکتے" کہ اِس قیاس کو" کس حد تک صحیح تصور کیا جا سکتا ہے" لیکن

اس میں ذرہ شبہ نہیں کہ زمانہ حال کے "یورپین مؤرخ" مثل پر سر صاحب وغیرہم"
"مسلمان کمبوؤں" کے اس دعوے کے قایل نہیں ہیں کہ وہ ہندوستان سے باہر سے
آنے والی قوم ہیں" بلکہ وہ انہیں "ہندوستان کے باشندے" اور نومسلم تصور کرتے
ہیں" اور یہ قیاس" نہ صرف زمانہ حال ہی کے مؤرخوں کا اختراع کردہ ہے" بلکہ ہر زمانے
میں یہ خیال صحت کے قریب تصور کیا جاتا رہا ہے"

بعض کتب تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "مسلمان کمبوہوں" نے آسودہ
حال ہو کر" اکبر کے عہد میں بھی اپنے آپ کو "ہندو اور غیر ہندو" مگر غریب کمبوہوں"
سے الگ کرنا شروع کر دیا تھا" اگرچہ ان کے اِدعا کو قبول نہیں کیا جاتا تھا" اور اُن کا یہ
دعویٰ کہ وہ عربی النسل ہیں۔ اس وقت بھی مشکوک تصور کیا جاتا تھا"

مُلا عبد القادر بدایونی" مؤلف منتخب التواریخ" جو شہنشاہ اکبر و "نواب
شہباز خاں کمبوہ" کے ہم عصر تھے" شیخ گدائی کمبوہ" کے حالات تحریر کرتے ہوئے" دبی
زبان" سے ان کے نسب کو مشکوک" بیان کرتے ہیں" اور غالباً" ان کے اثر و رسوخ
کی وجہ سے جو ان کو دربار میں حاصل تھا" صاف صاف نہیں لکھ سکے" وہ کہتے ہیں" کہ
"شیخ گدائی" کے معراج سے" جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہیں سمجھتے تھے" سب
اکابر گھبرا گئے"

مسٹر روز صاحب "اپنی تاریخ" اقوام پنجاب میں" "کمبوؤں" کو ہندی النسل"
یقین کرتے ہیں" اور ان کے اس دعوے کو کہ وہ ایک غیر ملکی قوم ہیں" صحیح خیال نہیں
کرتے" پھر وہ ایک فقرہ اس مفہوم کا آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ "نواب شہباز خاں"
کے کارناموں اور اُولوالعزمیوں نے" ان کے نام لیواؤں کو شاید۔ اس امر کی ترغیب
دی ہے کہ وہ اس کی نیشنل پوزیشن (نسلی درجہ) کو زیادہ اعلیٰ بنا کر پیش کریں"

(ل) قصہ مختصر "مسلم کمبوہوں" کے اس دعوے کے برخلاف کہ وہ عربی النسل
قوم ہیں" اس قدر زبردست اعتراضات ہیں کہ کم از کم "ہم تو اس دعوے کی تائید
کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتے" باوجود ان سب باتوں کے "صوبہ متحدہ"
کے دُنیوی وجاہت و عزت رکھنے والے "کمبوہ خاندان" اپنے آپ کو "غریب
کمبوہوں" کے ہم نسل" تصور کئے جانے کے خوف سے۔ اس روایت کے شدت
سے معتقد ہیں۔ اور اس کی صحت ان کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہے۔
کہ وہ اس کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے" اور یہ حالت اُس وقت تک قایم رہے گی۔
کہ ان کے ذہن سے "عربی تفوق کا خیال" رفع ہو۔ اور وہ خود ہی "انصاف سے
کام لے کر" احقاق حق و ابطال کی کوشش کریں"

جو کچھ ہم نے اس موضوع پر لکھا ہے" اگرچہ وہ ناکافی ہے" تاہم اس سے
اصلی راستہ کی طرف "بلاشبہ رہنمائی ہوتی ہے" اور اگر اس سے "ہمارے ہم قوم

برادران صوبۂ متحدہ کو ”ایک صحیح رائے قایم کرنے میں امداد مل سکے“ تو ہم کو کمال مسرت ہوگی“ اور ہم سمجھیں گے کہ ہم کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی“ لیکن باوجود اس کے ہم کو کوئی حق حاصل نہیں کہ ہم اِن اصحاب کو جنہیں ”دُنیوی وجاہت“ اعزازِ ظاہری“ ”تموّل“ اور ”اصابت رائے“ کے لحاظ سے ہم پر فوقیت حاصل ہے“ اپنی ذاتی رائے کے پیچھے ڈھکیلنے کی کوشش کریں“ اگر ان کو اِس مسئلہ میں ہم سے اختلاف ہے“ اور وہ اپنے خیالات کی ترمیم پر آمادہ نہیں ہیں“ تو ہمیں اختیار ہے“ ہم اِس وقت تک اصرار نہیں کریں گے“ جب تک وہ خود اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوجائیں“

”صاحبِ رسالہ مُبارک اور المشاہیر کے متعلق مؤلّف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانی کی عُریانی“

مؤلّف تاریخ کمبوہان نے ”رسالہ مُبارک“ مؤلفہ نواب مُبارک علی خاںؒ“ کے نوشتہ پر (جو ”رسالہ نواب شہباز خاں“ سے ماخوذ ہے) تنقید اور رائے زنی کرنے میں اپنی جس نا واقفیت یا تاریخی حالات پر کافی عبور نہ رکھنے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے اُسے ہم ابھی دکھا چکے ہیں۔ نواب صاحبؒ کے اِس نوشتہ میں ”زبیری خاندان“ کے صرف ”صفاتی لقب لمگو“ کا ذکر ہے“ جیسا کہ ظاہر ہو چکا ہے“ اور منشی فیض احمد صاحبؒ“ صاحب المشاہیر“ نے اِسی خاندان کے ”سکنی لقب ”کنبوی“ اور ”کنبو“ کی وجہ تسمیہ ظاہر فرمائی ہے“ اور یہ دونوں بزرگ نیز صاحب سلسلۂ عالیہ بھی اِس خاندان کے ”حضرت زُبیرؓ کی اولاد ہونے پر متفق ہیں“ اِن میں کوئی اختلاف نہیں ہے“ اور یہ کہ جو دوسری تویں ”کنبیاہ“ کی مناسبت سے موسوم ہوئیں۔ وہ کنبوی کہلائیں نہ کہ کمبو اور قوم کمبو“ جیسا کہ ہم ”انشاء ہرکرن“ کے مصنف کے نام کے ساتھ کنبوی لکھا ہوا پہلے دکھا آئے ہیں“ اِن تینوں کتابوں میں ”سلسلۂ عالیہ ڈیڑھ سو برس قبل کی تصنیف ہے“ رسالۂ مُبارک اور المشاہیر“ سنہ اور پچاس برس پہلے کی تصنیفات ہیں“

مؤلّف تاریخ کمبوہان کی اپنی قوم کمبوہ کو۔ زُبیری خاندان سے چپکا دینے کی کوشش

مؤلّف موصوف کے اِس نوشتہ میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ ”انہوں نے شیخ عنایت اللہ زُبیری کنبوی“ ”مصنف بہار دانش“ کو جس طرح اپنا جدِ امجد بنا لیا ہے“ یہاں پھر اس خاندانِ زُبیری“ سے اپنے آپ کو چپکا لینے کے شوق میں اُس کے سکنی لقب کو جگہ جگہ اپنے قومی نام ”کمبوہ“ ہی سے لکھا ہونا ظاہر کیا ہے“ حالانکہ ”المشاہیر“ ”سلسلۂ عالیہ“ میں جس کے نوشتوں پر اب انہوں نے قلم اُٹھایا ہے“ کہیں بھی ”کمبوہ“ تحریر نہیں ہے“ اِتنا بتا کر اَب ہم مؤلّف المشاہیر اور صاحب سلسلۂ عالیہ کے بیانات کو پیش کرتے ہیں اور مؤلّف تاریخ کمبوہان نے اُن میں جو تحریفیں کی ہیں اور مغالطے دیئے ہیں اُن کو بھی دکھاتے ہیں“

صاحب المشاہیر کا بیان

المشاہیر کے ۱۸۹۱ء مقدمہ لفظ کنبو کی تحقیق میں تحریر ہے کہ ”.... بجلات قدیم“ و بزرگانِ پیشین“ و معتبر اشخاص کی کتابت“ و پُرانی کتابوں میں یہ لفظ ”کنبو“ و کنبوہ“ و ”کنبوی“ اِن صورتوں میں لکھا پایا جاتا ہے“ بعض کم استعداد“ شاذ“ ”کمبوہ“ لکھ دیتے ہیں“ اور اس کے اصل میں ”اقوال مختلف“ غیر مستند“ بیان کئے گئے ہیں“ کسی نے ”کم انبوہ“ کہا ہے“ کسی نے ”کیانول“ میں جا ملایا ہے“ اور ”کئے انبوہ“ بتایا ہے“ مگر یہ سب طبعی باتیں ہیں“ حقیقتاً جس پر ثقات کا اِتفاق اور مقرون بصواب ہے“ یہ ہے کہ

"لقب مکانی" ہے "ذاتی" "صفاتی" یا "نسبی" خطاب نہیں" مولانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن" (المتوفی ۹۳۲ھ ہجری) جدِ مادری شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے اپنی کتاب "مصباح العارفین" میں لکھا ہے کہ "لفظ کنبو" میں واؤ نسبت کا ہے" جیسا کہ ہندو میں" یعنی منسوب بہ "کنب" اور "کنب" ایک شہر ہے" قریب غزنیں" جس طرح "سادات بنی فاطمہ" "علوی" یا شیوخ آمدہ عرب" اور جو لوگ باشندگانِ قوم کشمیر" میں سے مسلمان ہو گئے" یا جو اب تک اپنے قدیم مذہب پر قائم ہیں۔ وہ سب بہ لحاظ سکونت کشمیر" کشمیری" کہلاتے ہیں" علیٰ ہذا" ساکنانِ کنب"

"شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی" دربارِ اکبری" میں بضمن حالات "شیخ گدائی" لکھتے ہیں کہ "اُن کے والد شیخ جمالی" سکندر لودی" کے عہد میں "شعراء باکمال میں شمار ہوتے تھے" اور "شیخ جمالی دہلوی کنبوہ" کہلاتے تھے"

ایک مؤرخ کا قول ہے کہ "کنباہ" ایک دریا ہے۔ اُس کے کنارے کی آبادی کو بھی بااسم محل "کنباہ" کہتے ہیں" (جس طرح "ضلع جہلم" دریائے جہلم" کے نام سے مشہور ہے) قدماء عرب و بغداد" سے وہاں آکر آباد ہوئے پھر ہندوستان آئے" اور یہ لقب ساتھ لائے"

صاحب المشاہیر کا نوٹ کنباہ کے متعلق

بعض اہلِ شکوک بوجہ ناواقفیت "وجہ کنباہ" میں متردد ہو جاتے تھے۔ بندہ ناچیز جامع مختصر ہذا کو ایک سیاح معقول و معتبر "بغدادی الاصل" اولادِ امجاد حضرت غوث پاکؒ" سے ملنے کا اتفاق ہوا" باثناء ہمزبانی اپنی سیاحت کے تذکرہ میں بیان کیا کہ سمرقند سے شمال کی طرف چھ سات منزل کے فاصلہ پر "کنباہ" بضم کاف ایک دریا ہے" اُس کا پانی نہایت سرد و شیریں" اور خوشگوار ہے۔ اُس کے کنارے پر" ایک قصبہ اُسی نام سے مشہور ہے" پہاڑی ملک ہے" آب و ہوا نہایت صحت بخش" "میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں" باشندے وہاں کے "شجیع" خلیق" انتہا درجہ کے مہمان نواز ہیں" اُن کا جی ہرگز نہیں چاہتا کہ مہمان سے اُن کا مکان خالی رہے" میں چند روز بکمال آسائش اُس قصبہ میں مقیم رہا ہوں)

یہ بات ظاہر ہے کہ "کسی مناسبت سے کسی افرادِ انسانی کا نام رکھدیا جاتا ہے" کبھی اُس کو ایسی قبولیت و عام شہرت ہو جاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ" اُسی نام سے شہرت پذیر ہو کر "ایک قوم" بن جاتی ہے" کوئی قوم" اپنے بزرگ کے نام سے" کوئی بااسم محل" اور کوئی بااسم صفت" موسوم ہو گئی ہے" ہذا اس فرقہ کا بھی "بااسم محل موسوم ہو جانا نئی بات نہیں"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحریفیں صاحب المشاہیر کے بیان میں

ہم نے یہاں "صاحب المشاہیر" کا پورا بیان تحریر کر دیا ہے" اس بیان اور "مؤلف تاریخ کمبوہان" کے "المشاہیر" ہی سے پیش کردہ بیان میں جو اختلاف ہے اُسے اب دکھاتے ہیں"

(۱) المشاہیر میں بھی "کمبو" کہیں لکھا ہوا نہیں ہے" لیکن مؤلف موصوف نے ہر جگہ "کمبو" لکھا ہے"

(۲) المشاہیر میں لکھا ہے کہ "ایک مؤرخ کا قول ہے کہ "کنباہ" ایک دریا ہے" اُس کے کنارے کی آبادی کو بھی "بااسم محل کنباہ" کہا جاتا ہے" لیکن مؤلف موصوف نے اس بیان کو اس طرح بدل کر لکھا ہے کہ۔ "شاید "کنباہ" ایک دریا ہے" اُس کے کنارے کے کچھ حصہ کو بھی "کنباہ" کہا جاتا ہے"

ایک مؤرخ کا قول ہے کی جگہ ”شاید“ کنثباہ ”کہا جاتا ہے“ لکھنے میں بھی بڑا فرق ہے“

(۳) المشاہیر میں لکھا ہے کہ ”بعض اہلِ شکوک“ بوجہ ناواقفیت ”وجود کنثباہ“ میں متردد ہو جاتے تھے“ سمرقند کے شمال کی طرف چھ سات منزل کے فاصلہ پر ”کنثباہ“ بضم فارسی ایک دریا ہے“ .... اس کے کنارے پر ایک قصبہ اسی نام سے آباد ہے ......

مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ۔

”حاشیہ مذکور پر اس سے بھی اختلاف کر کے تحریر فرماتے ہیں“ کہ مجھ کو ایک سیاح کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ ”سمرقند کے شمال کی طرف ”کنثباہ“ بضم کاف ایک دریا ہے“ اسی دریا کی وادی میں قیام کرنے کے سبب سے ”اس قوم کا نام ”کمبوہ“ مشہور ہو گیا“

اس اقتباس میں مؤلف موصوف نے ”قصبہ کنثباہ“ کی جگہ ”دریا کی وادی“ لکھا ہے“ اور قیام کرنے کے سبب سے ”اس قوم کا نام ”کمبوہ“ مشہور ہو گیا“ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے“

ان تحریروں سے ظاہر ہے کہ صاحب المشاہیر کے تینوں بیانات میں کوئی اختلاف کسی طرح کا نہیں ہے“ پہلا بیان تو دوسرے بیان کی تصدیق کر رہا ہے“ تیسرے بیان کے صرف یہ معنی ہیں کہ ”جس طرح ایک ہی نام کے متعدد ”شہر“ اور علاقے“ ایک ہی ملک کے مختلف صوبوں“ یا ایک ہی صوبہ کے مختلف علاقوں“ اور مختلف ملکوں میں موجود ہیں“ اسی طرح ایک دریا“ اور ”قصبہ“ کنثباہ“ نام کا سمرقند کے علاقہ میں بھی موجود ہے“

مؤلف تاریخ کمبوہان کی نافہمی یعنی صاحب المشاہیر اور سلسلۂ عالیہ کے نوشتوں میں ان کا تمیز نہ کر سکنا“

صاحب المشاہیر کے مندرجۂ بالا بیان دینے کے بعد ”مؤلف تاریخ کمبوہان“ نے جو اور دو بیانات ص۱۴ و ۱۵ مؤلف صاحب سلسلۂ عالیہ سے منسوب کر کے پیش کئے ہیں“ اُن کے بارے میں ہم اُنہیں بتاتے ہیں کہ ۱۴ کا بیان تو بے شک ”مؤلف صاحب سلسلۂ عالیہ“ کا ہے“ لیکن ۱۵ کا بیان جس میں ”ہرات“ (افغانستان) کے مضافات میں ایک مقام ”درہ کمبو“ کے نام سے موسوم ہونے کو دکھایا ہے“ وہ مؤلف صاحب سلسلہ عالیہ کا بیان ہرگز ہرگز نہیں ہے“ بلکہ وہ بھی ”صاحب المشاہیر“ کا بیان ہے“ جسے انہوں نے سلسلہ عالیہ کو طبع کراتے وقت اس کتاب کے خاتمہ پر ”اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے“ اور اپنے اس شامل کردہ بیان کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے کہ۔

میگویم ”مؤلف علیہ الرحمتہ۔ مردہ قوم را۔ زندۂ جاوید ساختہ است و موجودہ نسل را“ شربت حیات ابدی چشانده“ مساعی جمیلہ اش را چند آنکہ قدر و قیمت نہند۔ اندک است“ و محقق بودہ کہ ایں جماعۂ گرامی۔ از اہل عرب ”و شیوخ قریشی است“ سلسلۂ نسب ایشاں“ بہ صدر الآفاق قریش“ و حضرت عبداللہ بن زبیرؓ و دیگر اکابر ما تقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہم“ می پیوندد۔ و از زمانِ سلف“ الی یومنا ہذا“ بوجاہت دنیاہت“ صوری و معنوی“ ممتاز و مخصوص بودہ“ شما ورزمان پاستان

میں کہتا ہوں کہ ”مؤلف علیہ الرحمتہ نے مردہ قوم کو زندۂ جاوید بنا دیا“ اور موجودہ نسل کو شربت حیات ابدی چکھایا ہے“ اُن کی مساعی جمیلہ کی جس قدر بھی قدر و قیمت کی جائے کم ہے“ اور ثابت ہو گیا ہے کہ یہ گرامی جماعت اہلِ عرب اور شیوخ قریشی سے ہے“ اس کا سلسلۂ نسب صدر الآفاق قریش اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور دوسرے اکابر ما تقدم رضہ سے ملتا ہے“ اور زمانۂ سلف سے اس وقت تک وجاہت و نباہت“ ظاہری و باطنی سے ممتاز اور مخصوص ہی ہے“ نشان تمردری اگلے زمانہ میں اس خاندان کا جبکہ

کہ سلاطین عظام تحقیق وتدقیق شرافت ونجابت مردم اہتمامے وافی وانتظامی کافی مبذول داشتند وخذف وشبہ را از جواہر جلائی انگاشتند .....

سلاطین عظام تحقیق وتدقیق شرافت ونجابت میں لوگوں کی اہتمام وافی اور انتظام کافی رکھتے تھے اور سنگریزے کو جواہر جلا کر لیتے تھے اس بات پر شاہد عادل ہے .....

غرضکہ سلسلۂ عالیہ میں اپنے اسی بیان میں آگے چل کر صاحب المشاہیر نے دڑہ کھبو کا ہرات میں ہونا بتایا ہے بالکل اسی طرح اور اسی خیال کے مدنظر جس طرح کہ سمرقند کے قریب ایک اور دریا اور قصبہ کنباہ کا ہونا تحریر فرمایا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے لیکن مؤلف تاریخ کمبوہان کا صاحب المشاہیر کے اس بیان کو مؤلف صاحب سلسلہ عالیہ سے منسوب کر دینا تعجب خیز بات ہے یا تو انہوں نے جان بوجھکر ایسا کیا ہے اور یا وہ عدم استعداد فارسی کی وجہ سے سمجھ ہی نہیں سکے کہ یہ بیان کس کا ہے

صاحب سلسلہ عالیہ کا بیان قولہ کے نیچے تحریر ہے اور صاحب المشاہیر نے جو حالات اپنی طرف سے سلسلہ عالیہ میں بڑھائے ہیں وہ اقوال کے ماتحت تحریر فرمائے ہیں۔ اور اس بات کو سلسلہ عالیہ میں انہوں نے ظاہر بھی فرما دیا ہے

صاحب سلسلہ عالیہ کا اصلی بیان

مؤلف صاحب سلسلہ عالیہ نے ص ۶۵ پر تحریر فرمایا ہے کہ

در اثبات نسب ایں فریق مردم - از روئے تجاہل اقوال مختلف - کہ با دلایل بے اصل - فرا داختہ اصلا ازاں - اصلی وحقیقی ندارد اما آنچہ از روئے روایات اصحاب کتب وبمصداق مقالات ارباب تحقیق وتدقیق بہ ثبوت وصحت رسیدہ وجمہور اہل دانش وحقیقت برآں قرار دادہ بدایں گونہ است - کہ ایں گروہ از قبیلہ خاص رؤسا قریش است سلسلۂ نسب ایشاں بہ صدر الآفاق قریش کہ از ثقات تابعین بودے پیوندد ومناقب وفضایل او زیادہ از احصی است واولا اعقاب بسیار معقب بودہ - ازاں جملہ ابو المحامد شیخ فرید کہ در علم وورع فرید دہر ووحید عصر بود در بغداد رحل اقامت افگند اخلاف او بیشتر باکناف عالم منتشر شدند چنانچہ گروہے ازاں رو بسوئے ہند آوردہ بناحیت ملتان کہ آنجا بلاد متعددہ معروف بہ کنباہ بود - بار اقامت کشادند وکنباہ کہ در اصل نام دریائے است واقعہ آنروئے ملتان وسکنائے آں حدود از ہر فریق بلقب مکانی اشتہار داشتند مثل پنجابی وکشمیری وغیرہا ایں گروہ نیز بہ تبع آں ہماں لقب مشتہر شدند

اس فرقہ کے اثبات نسب میں اپنی جہالت سے لوگ مختلف باتیں دلایل بے اصل سے کہتے ہیں لیکن ان کی کچھ بھی اصل وحقیقت نہیں ہے جو از روئے روایات اصحاب کتب اور ارباب تحقیق وتدقیق کے اقوال سے صحیح طور پر ثابت ہوا ہے اور سب اہل دانش وحقیقت نے جس پر اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ جماعت قبیلہ خاص رؤسائے قریش سے ہے سلسلۂ نسب اس کا صدر الآفاق قریش سے۔ جو ثقات تابعین سے تھے ملتا ہے ان کے فضایل اور مناقب حد سے زیادہ ہیں ان کی اولاد ان کی بعد بہت باقی رہی جن کے منجملہ ابو المحامد شیخ فرید تھے جو علم وورع میں فرید دہر اور وحید عصر تھے انہوں نے بغداد میں رحل اقامت ڈالا ان کے اخلاف بہت سے اکناف عالم میں منتشر ہو گئے چنانچہ ایک جماعت نے ان میں سے ہندوستان آکر ملتان کے علاقہ میں کہ اس جگہ متعدد شہر کنباہ کے نام سے معروف تھے بار اقامت کھولا اور کنباہ اصل میں نام دریا کا ہے - واقعہ آنروے ملتان اور رہنے والے ان حدود کے ہر فرقہ کے اس لقب مکانی سے اشتہار رکھتے ہیں جیسے پنجابی اور کشمیری وغیرہ یہ جماعت بھی اسی طرح اس لقب سے مشہور ہو گئی

صاحب سلسلۂ عالیہ کے بیان میں مؤلف تاریخ کمبوہان کے مغالطے اور تحریفیں

مؤلف صاحب سلسلۂ عالیہ کا اصلی بیان اب سامنے موجود ہے۔ اور مؤلف تاریخ کمبوہان نے جو تحریفیں اس میں کی ہیں وہ یہ ہیں کہ۔

(۱) کمبوہ کا لفظ صاحب سلسلہ عالیہ نے اپنے بیان میں کہیں بھی نہیں لکھا ہے۔ مگر مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے سلسلہ عالیہ سے پیش کردہ بیان میں اپنی طرف سے اس لفظ کا لکھنا ضروری خیال کیا ہے۔

(۲) صاحب سلسلۂ عالیہ کے بیان میں "ہندوؤں کی طرح "کمبوہ" نام سے مشہور ہو گئے" کہیں بھی لکھا ہوا نہیں ہے۔ مؤلف تاریخ کمبوہان نے "اسے لکھنا ضروری خیال کیا ہے۔"

(۳) صاحب سلسلہ عالیہ نے دوسرے "کمبوؤں" سے رشتہ ناطہ نہ کرنے کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن مؤلف تاریخ کمبوہان نے یہ بات اپنی طرف سے ایجاد کر لی ہے۔

(۴) صاحب سلسلہ عالیہ نے

"بناحیت ملتان کہ آنجا بلاد متعددہ "معروف بہ کنباہ بود" و "کنباہ" کہ در اصل نام دریائے است واقعہ آنزوئے ملتان"

ملتان کے علاقہ میں کہ اس جگہ متعدد شہر "کنباہ" کے نام سے معروف تھے" اور "کنباہ" اصل میں نام دریا کا ہے واقعہ آنزوئے ملتان"

لکھا ہے۔ مگر "ملتان" کا نام حذف کر کے مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی طرف سے گجرات کاٹھیاواڑ لکھ دینا مناسب خیال کیا ہے۔ کیا ہم ان سے دریافت کر سکتے ہیں کہ "جب المشاہیر و سلسلۂ عالیہ" دونوں کتابیں ان کے پاس موجود ہیں تو انہوں نے ان کی اصلی عبارتیں کیوں نہیں لکھیں" اور یہ تحریفیں کس خیال کے مدنظر کی ہیں۔

مؤلف تاریخ کمبوہان کا غصہ زبیری کنبوی خاندان پر اور اس کے ناجائز ہونے کا ثبوت ایک حدیث نبوی صلعم اور دیگر واقعات کی روشنی میں

(فقرہ الف) مؤلف تاریخ کمبوہان نے "زبیری کنبوی خاندان سے اس بنا پر اپنے رنج و محن" اور غم و غصہ کا اظہار کیا ہے کہ "یہ خاندان ان کی "قوم کمبوہ" کو علیحدہ اور غیر قوم" کیوں سمجھتا ہے" تو اس کی وجہ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ "حدیث شریف میں ہے کہ۔

"آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے کو اپنے باپ کے سوا۔ اور کسی کی طرف منسوب کرے اور وہ اس کو جانتا ہو۔ تو وہ خدا کے ساتھ کفر کرتا ہے" اور جو شخص کسی ایسی قوم میں ہونے کا دعویٰ کرے۔ جس میں اس کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے"

صحیح بخاری کی "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ" کی بیان کردہ اس حدیث کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ یہ "زبیری کنبوی خاندان" مؤلف تاریخ کمبوہان کی "قوم کمبوہ" سے نسل اور ذات میں جدا ہونے کی وجہ سے "ان کی اس خواہش و تمنا کی طرف خیال بھی نہیں کر سکتا" مگر جب اسلام نے "زبیری

کنبوی خاندان" اور اُن کی قوم کمبو کے مسلمان حصّہ کو دینی بھائی بنا دیا ہے۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ انہیں مضطرب ہونے کی کیا وجہ ہے۔ "مسلمان قوم" میں تو دونوں ہی شامل ہیں" مؤلف تاریخ کمبوہان کا یہ لکھنا بھی کہ۔

"زبیری کنبوی خاندان نے" قوم کمبوہ کو" پستی کی سطح سے بلند کرنے کی کوشش نہیں کی اور اُس سے کوئی تعلق رکھنا اُسے گوارا نہیں ہے"

قطعاً غلط ہے" اور مؤلف موصوف کا یہ لکھنا بھی اُن کی حالات سے ناواقفیت کی دلیل ہے" زبیری کنبوی خاندان" ہر زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سینہ سپر اور اُن کی خدمت میں سرگرم رہا ہے" اس زمانے میں بھی وہ اپنے اُسی جادہ پر قایم ہے" جن باتوں میں تمام مسلمانوں کی بہبودی دیکھتا ہے" اُس کے حصول کی کوشش کرتا۔ اور اُن کی ترقی کے وسایل پیدا کرتا رہتا ہے"

(۱) نواب وقار الملک بہادر رحمۃ اللہ علیہ" سرسیدؒ کے دست راست و جانشین" (۲) خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب زبیری کنبوی مالک و ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ" اور بانی و مینجر اسلامیہ انٹر میڈیٹ کالج اٹاوہ" اور (۳) مولوی سعید احمد صاحب زبیری کنبوی بانی و مینجر شعیبیہ ہائی اسکول آگرہ" و مدرسہ اللہ مو آگرہ اور انجمن محمدیہ آگرہ" و مصنف کتب متعددہ" (۴) لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد زبیری کنبوی ڈی۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی" سی۔ آئی۔ ای۔ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و ممبر مجلس مقننہ د کونسل وائسرائے ہندوستان اور (۵) مفتی دیوبند حاجی اعزاز علی صاحب" (۶) مولوی عاشق الٰہی صاحب اور منشی انوار احمد صاحب" کی" خدمات عامۃ المسلمین سے" ملک میں کون ہے جو واقف نہیں ہے" ان کے علاوہ زبیری کنبوی خاندان" کے اور افراد بھی ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر مسلمانوں کی ترقی کے کاموں میں منہمک ہیں" اور اُن کے کام یا خدمات کیونکہ تمام مسلمانوں پر محیط ہیں" اس لئے" قوم کمبوہ" کی بہبودی کے کام بھی اُن میں شامل ہیں" یعنی زبیری کنبوی خاندان کی کوششوں اور تحریکوں سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مؤلف موصوف کی قوم کمبوہ" بھی فیضیاب ہوتی رہی ہے" جب ایسی صورت ہے تو مؤلف تاریخ کمبوہان کا یہ لکھنا کہ" خاندان زبیری کنبوی نے اُن کی قوم کے اُبھار کا کوئی کام نہیں کیا" صداقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا"

نواب شہباز خاں سپہ سالار و گورنر و اتالیق شاہزادگان شہنشاہ اکبر کا اپنے نسب کے متعلق بیان

(فقرہ ج) مؤلف تاریخ کمبوہان نے جو یہ لکھا ہے کہ۔

" رسالہ مبارک" کی روایت میں" راجہ ٹوڈرمل" مہاراجہ بھگوان سنگھ" اور دوسرے لوگ تو" شہباز خاں" کے نسب کے متعلق رائے زنی کرتے ہیں" کوئی اُن کو ہندو مہاراجوں" کی اولاد بتلاتا ہے" کوئی قریشی" ظاہر کرتا ہے" مگر نواب صاحب مغفور" کی نسبت درج نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے حسب و نسب کے متعلق کیا دعویٰ کیا ہے" اور آیا ان کو بھی اپنے بزرگوں کے متعلق" کوئی قطعی حالات معلوم تھے۔ یا نہیں۔ اور کیا یہ سب باتیں" مدعی سُست" گواہ چُست" کے مصداق تو نہیں"

اس کے جواب میں ہم موصوف کو بتاتے ہیں کہ" رسالہ نواب شہباز خاں" میں تحریر ہے کہ۔

بادشاہ عالم پناہ (شہنشاہ اکبر) فرمودہ کہ وجہ تسمیہ — بادشاہ عالم پناہ (شاہنشاہ اکبر) نے فرمایا کہ۔

وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں از مؤرخان عربی و عجمی
چنیں بوقوع پیوستہ کہ شہباز خاں داخل اہل قریش است
زیرا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باصحابہ خود قریشی بودند
درآں میاں نقیب خاں و شیخ محمد فتح اللہ
و حکیم خاں مؤرخان بعرض رسانیدند کہ در قریش نسب نامہ
آباؤ اجداد شہباز خاں بحضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ و
حضرت حمزہ رضؓ مے پیوندد کہ داخل عشرہ مبشرہ است
دریں میاں شہباز خاں بحضور بادشاہ و امرایان ایں چند
ابیات برخواند

ناخلف را مگو کہ فائدہ نیست
پسر نوح گرز جہل نشد
خود کشد رنج ورنہ در آبے

میاں نقیب خاں مؤرخ و شیخ فیضی و حکیم ابو الفتح
و خان خاناں عبد الرحیم خاں بحضور بادشاہ عالی جاہ
التماس نمود کہ اے شہباز خاں عسکر ایں خطبہ بجا آرند
کہ وجہ تسمیہ قوم من بحضور بادشاہ سلیمان جاہ بہ ثبوت رسیدہ
بر صفحۂ روزگار یادگار خواہد ماند کہ حقیقت آباؤ اجداد خود
اکنوں بعرض عالی رسانی کہ بچہ طریق در ہندوستان آمدہ
نشو و نما یافتند و کدام سرزمین وطن داشتند و بچہ حرفت
مشغول بودند

شہباز خاں دیندار بہ آں امرایان نامدار گفت کہ
حقیقت آباؤ اجداد بندہ در ہندوستان نیست کہ جد من
(جد ششم) (دیکھو مآثر الامرا) حاجی جمال الدین بن کمال الدین
نام بشرف حج مشرف شدہ و بہ سند احادیث از میر حسین محدث
حاصل کردند و ہمسفر میر علی بحری سیر ایران و توران کردہ
چوں بقصبہ جال کہ در سمت کوہ جودی واقع است
آنجا رسیدہ مشتاق ماندہ کہ ناگہاں بہ ہندوستان رسیدن
چوں بدار السرور ملتان رسیدن بشرف ملازمت حضرت مخدوم
بہاؤ الدین ذکریا رحؒ مشرف شدند بہ ارادت صادق

وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں بقول مؤرخان عرب و عجم
اس طرح پر ہے کہ شہباز خاں اہل قریش سے ہے
کیونکہ محمد عربی صلعم مع اپنے صحابہ کے قریشی تھے
اس اثناء میں نقیب خاں و شیخ فتح اللہ خاں
و حکیم خاں مؤرخان نے عرض کیا کہ قریش میں شہباز خاں
کا شجرہ نسب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ اور حضرت
حمزہ رضؓ سے ملتا ہے جو کہ داخل عشرہ مبشرہ ہیں
اس اثنا میں شہباز خاں نے بادشاہ کے سامنے یہ چند
شعر پڑھے

کہ بود آدمی حقی باشد
تابع نوح نوح راچہ جزا
ہیچ نیکی نمی رسد نہ بلا

میاں نقیب خاں مؤرخ شیخ فیضی حکیم ابو الفتح اور
خان خاناں عبد الرحیم خاں نے بادشاہ کے سامنے
التماس کیا کہ اے شہباز خاں اس کا شکریہ ادا کرو کہ میری قوم
کی وجہ تسمیہ بادشاہ سلیمان جاہ کے حضور میں ثابت
ہو گئی اور صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گی اب حقیقت اپنے
آباؤ اجداد کی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرو کہ کس طرح ہندوستان
آکر انہوں نے نشو و نما پائی اور کونسی سرزمین کو وطن بنایا اور
کن پیشوں میں مشغول رہے

شہباز خاں دیندار نے ان امیران نامدار سے کہا کہ میرے
باپ دادوں کی حقیقت ہندوستان میں یہ ہے کہ میرے دادا
(جد ششم) (دیکھو مآثر الامرا) حاجی جمال الدین بن کمال الدین
نام نے حج سے مشرف ہو کر سند احادیث میر حسین محدث سے
حاصل کی اور میر علی بحری کے ساتھ ایران و توران کی سیر کی
جب قصبہ جال میں جو کوہ جودی کی سمت میں واقع ہے پہنچے
تو مشتاق ہو کر ہندوستان جانے کا ارادہ کر دیا جب
ملتان پہنچے شرف ملازمت سے حضرت مخدوم بہاؤ الدین
ذکریا رحؒ سے مشرف ہو کر ارادت صادق اور مطلب واثق

نوٹ ۱ حضرت زبیر رضؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت حمزہ رضؓ حضرت زبیر رضؓ کے حقیقی ماموں ہیں

و مطلب واثق، بدرجۂ خرقۂ خلافت ممتاز گشت۔ حضرت شیخ میر علی، بطرف لاہور، متوجہ شدہ، متوطن گشتہ۔ القصہ جمال الدین بحکم بہاؤ الدین ذکریا رح۔ (المتوفی ۶۶۶ھ ہجری) ملتان را وطن ساختند۔ عیال و اطفال بہم رسانیدند۔ و اوقات شریف، بہ درس احادیث متصرف مے نمودند۔ و انساب کسب و کمالات با مردم مشغول بودند۔ تا بدرجۂ شیخی رسیدہ۔ اشتہار یافت۔ دراں اثنائے جناب از برج عبادت۔ بر اوج سعادت نقل فرمودن۔ بسجادگی حضرت شیخ صدر الدین علیہ الرحمۃ (المتوفی ۶۸۹ھ ہجری) قرار یافت ایشاں ہر یکے خلفائے نامدار را۔ بہ ہر جانب تعین کردند۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری را بطرف کعبۂ معظمہ رخصت فرمودن۔ و حاجی جمال الدین را جہتے متعین کردند۔ اکثر اعیان آندیار، بار ارادت آوردن۔ و سرداران اطراف و جوانب آن ملک معتقد شدند۔ و فرزندانش تحصیل کسب جمیع علوم مقید شدند۔ و در سایۂ پدر خود تربیت یافتند۔ عمر شریفش حاجی۔ تا یک صد و سیزدہ سالہ رسیدہ بود۔ اگر حقیقت حال ہر یکے از آبا و اجداد خود۔ بعرض قبلہ دو جہان نمودہ آید بغایت طولے دراز نقشے است۔۔۔۔

نسب نامہ شہباز خاں دیندار بدیں تفصیل تحریر نمودہ باشد کہ۔ شہباز خاں بن شیخ صدر الدین بن بہاؤ الدین۔۔۔۔ بن ریاح بن فوطہ بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ۔

سے خرقۂ خلافت سے ممتاز ہوئے۔ حضرت شیخ میر علی نے لاہور کی طرف جاکر توطن اختیار کرلیا۔ القصہ جمال الدین نے بہاؤ الدین ذکریاؒ کے فرمانے سے ملتان کی سکونت اختیار کی اور عیال و اطفال بہم پہنچائے۔ آپ اپنے اوقات شریف کو درس حدیث میں مصروف فرمانے لگے اور کسب و کمالات حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ درجۂ شیخی کو پہنچکر مشہور ہوگئے۔ اسی اثناء میں حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریاؒ نے وفات پائی اُن کے سجادے پر حضرت شیخ صدر الدینؒ بیٹھے۔ انہوں نے ہر خلفائے نامدار کو مختلف جگہوں پر تعین کیا۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری کو کعبہ معظمہ کی طرف رخصت فرمایا۔ اور حاجی جمال الدین کو ایک جگہ متعین کیا۔ اس علاقہ کے اکثر امراء کو اُن سے ارادت ہوگئی۔ اور اس ملک کے اطراف و جوانب کے سردار اُن کے معتقد ہوگئے۔ اُن کے صاحبزادوں نے اپنے والد بزرگوار کے سایہ میں تربیت پائی اور جمیع علوم کی تحصیل کی۔ حاجی صاحب کی عمر شریف ایک سو تیرہ ۱۱۳ برس کو پہنچ گئی تھی۔ اگر اپنے آباؤ اجداد میں سے ہر ایک کی حقیقت حال بادشاہ کو سناؤں تو وہ بہت طویل ہیں۔۔۔۔۔

نسب نامہ شہباز خاں دیندار کا اس طرح سے تحریر ہوا ہے کہ۔ شہباز خاں بن شیخ صدر الدین بن بہاؤ الدین۔۔۔ بن ریاح بن فوطہ بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ۔

اس کتاب کی جلد اول میں ہم نے ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں صرف اسی قدر حصہ کا جواب رسالہ نواب شہباز خاں سے لے کر تحریر کیا ہے۔ جس کی مؤلف تاریخ کمبوہان کو خواہش ہے۔ اس بیان سے انہیں واقفیت ہوئی ہوگی کہ نواب شہباز خاں کو اپنے بزرگوں کے متعلق حالات تفصیل سے معلوم تھے اور یہ باتیں جو صاحب رسالہ مبارک نے تحریر فرمائی ہیں۔ مدعی سست اور گواہ چست کے مصداق ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ صداقت سے مملو ہیں۔ اور حقیقت پر مبنی ہیں۔

مؤلف تاریخ کمبوہان کی منطق اور تاریخ سے ناواقفیت کی عریانی

(فقرہ ج) مؤلف تاریخ کمبوہان نے جو یہ لکھا ہے کہ ان جملہ دعاوی میں سے کسی کی نسبت کوئی معتبر ثبوت درج نہیں کیا گیا۔ سوائے بعض معاصر بزرگوں کی آراء کے جو درج

(نوٹ ۱) آپ کا مزار اوچ میں ہے) نوٹ ۲ حاجی جمال الدین کا مزار بدایوں میں مرجع خلایق ہے دیکھو فوائد الفواد ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاؒ اور کتاب تذکرۃ الواصلین یعنی حالات بزرگان بدایوں۔

کی گئی ہیں " حالانکہ وہ رائیں خود بھی " محتاج ثبوت ہیں " اور منطق کے مشہور مسئلہ کے مطابق بناء فاسد علی الفاسد " ہیں "

مؤلف موصوف کے اِس بیان کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں ہے کہ ہم نے اُن کے مطلوبہ ہر دعوی کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے " اور کوئی بات اُن کے لئے تشنہ نہیں رکھی ہے " نیز اُن کی تاریخ دانی کی حقیقت بھی اچھی طرح دکھادی ہے " اس لئے اُن کی منطق اب بالکل بیکار ہوگئی ہے " اور اُن کے واقعات کو اخفا کر لینے اور اُن میں ردو بدل کرنے کا اب تک جس قدر حال معلوم ہو چکا ہے " اُس پہ ابھی آگے اور اضافہ ہونے والا ہے "

مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانی اور زُبیری خاندان کے سکنی لقب کنبوہی سے گھبراہٹ و پریشانی

(فقرہ ۵) مؤلف تاریخ کمبوہان نے جو یہ لکھا ہے کہ۔

" کسی اسم کی نسبت دینے میں۔ عموماً " یائے معروف " استعمال ہوتی ہے " یائے " کے الحاق کا " فارسی علم ادب میں " عام طور پر یہ قاعدہ ہے کہ " اگر اسم کے آخر میں " حروف علت " الف " یائے " واؤ " ہائے ہوز " میں سے " کوئی ایک حرف ہو تو " یائے " کے پہلے " واؤ " ایزاد کرلی جاتی ہے " ورنہ صرف " یائے " کا الحاق " کافی ہوتا ہے " مثلاً " دہلی " لکھنؤ " امروہہ " سے منسوب کرنے وقت " دہلوی " لکھنوی " امروہوی " پکارا جائے گا " اور " پنجاب " کشمیر " سے " پنجابی " کشمیری " وقس علی ہذا "

پس اگر " کسی قصبہ کے " یا دریا کے " نام " " کمبوؤں کو " منسوب تصور کیا جائے " جیساکہ دعوی کیا جاتا ہے " تو ان کا نام " کنبی " منسوب بہ کنبہ " یا " کنبوی " منسوب بہ کنبواہ " ہونا چاہیئے " نہ کہ کمبوہ " حالانکہ " اکبر نامہ " اور " تاریخ فرشتہ " اور " آئین اکبری " وغیرہ کتابوں میں " کمبوہ اُمراء کے ناموں کے بعد " صاف صاف طور پر " لفظ کمبوہ " لکھا ہوا ہے " جیسے " شہباز خاں کمبوہ " شیخ گدائی کمبوہ " شیخ جمالی کمبوہ " غرضکہ جس امیر کا ذکر ان کتابوں میں آیا ہے " اس کے ساتھ " بجائے " کنبوی " کے صریحاً " کمبوہ " تحریر ہے " تواریخ کی جن کتابوں میں " کمبوہ " بزرگوں کا ذکر آیا ہے " ان میں یہ تینوں کتابیں پرانی ہیں " اور قریب قریب اُسی زمانہ کی تصنیف شدہ ہیں " جس زمانے میں " کمبوؤں نے " اوّل اوّل اُبھر کر " ترقی کے زینہ پر چڑھنا شروع کیا تھا "

مؤلف موصوف کا یہ بیان بھی سراسر دھوکے اور غلط بیانیوں سے پُر ہے " ہم ستاسد سمجھتے ہیں کہ " قدیم و جدید کتابوں میں جن تین زُبیری بزرگوں کے ناموں کے ساتھ مؤلف موصوف نے کمبوہ لکھا ہوا ظاہر کیا ہے اُن ناموں کے ساتھ اور دوسرے بہت بزرگوں کے ناموں کے ساتھ بھی اُن کا سکنی لقب " کنبوہی " لکھا ہوا دکھانے سے پہلے " مؤلف موصوف کی " اُن " چالاکیوں " غلط بیانیوں " اور تحریفوں کو دکھا دیں جن کا انہوں نے اپنے اس بیان میں استعمال کیا ہے "

مؤلف موصوف نے اپنے بیان میں " ابوالفضل " کی دو کتابوں " آکبرنامہ " اور " آئین اکبری " اور محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ کی " تاریخ فرشتہ " یعنی صرف دو مصنفین کی تین کتابوں کے نام دکھلا کر اپنے ناظرین کو جو باور

کرانے کی کوشش کی ہے کہ۔

"تواریخ کی جن کتابوں میں "کمبوہ" بزرگوں کا ذکر آیا ہے" ان میں یہ تینوں کتابیں پرانی ہیں" اور اسی زمانے کی تصنیف ہیں" جس زمانے میں "کمبوؤں" نے اوّل اوّل اُبھر کر" ترقی کے زینہ پر چڑھنا شروع کیا تھا" اس میں بھی صداقت نہیں ہے"

(۱) "قوم کمبو" کے کسی فرد بشر کا نام" کسی تاریخ میں موجود نہیں ہے" تاریخوں میں "کنبُوِی" خاندان کے بزرگوں کے نام اور کارنامے البتہ کثرت سے مذکور ہیں" جو زبیری النسل" ہیں"

اکبر نامہ اور آئین اکبری یہ دونوں کتابیں شہنشاہ اکبر کے زمانے میں لکھی گئی ہیں" اور "تاریخ فرشتہ" شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی کے ایک سال بعد ۱۰۱۵ھ ہجری کی تالیف ہے" اور ان تینوں کتابوں میں بھی کہیں کسی جگہ "کمبو" میم" سے لکھا ہوا نہیں ہے" لفظ کنبوی" جو ناقلوں اور کاتبوں کی غلطیوں کی وجہ سے "کنبو" لکھا گیا ہے" اسی کو بدل کر" مؤلف تاریخ کمبوان" اپنی طرف سے "کمبو" اس لئے لکھتے چلے آتے ہیں کہ اپنی "قوم کمبو" کو اس تحریف سے" خاندان زبیری کنبوِی کے ساتھ چپکا دیں" اور اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈال کر ان دونوں مختلف النسل قبائل کو ایک باور کرا دیں" تاریخ فرشتہ جلد چہارم کے صـ۳۰ پر ہے کہ شہباز خاں کنبو جو ستمگری میں مشہور تھا" سیر و شکار کے بہانہ سوار ہوا" اور اس بیدرد نے امیر و فقیر سبھوں کو تاراج کرنے کا حکم دیا" آئین اکبری میں لکھا ہے کہ "ایمان سلطنت شہباز خاں کنبو صدر الصدور۔ مولانا شیخ گدائی پسر شیخ جمالی کنبو" علمائے منقول "میاں جمال خاں کنبو" اکبر نامہ جلد دوم کے صـ۲ پر ہے کہ" شیخ گدائی کنبوہ" غرضکہ ان تینوں کتابوں میں کسی ایک جگہ بھی "کنبو" کو میم کی املا سے کمبو کی شکل میں نہیں لکھا ہے" اور کہیں خالی نام ہی لکھے ہیں اُن کے ساتھ کنبو بھی نہیں لکھا ہے"

ناقلوں اور کاتبوں کی غلطیوں کی ایک مثال

ناقلوں اور کاتبوں کی غلطیوں کی ایک مثال "تاریخ فرشتہ ہی میں یہ بھی ہے کہ" جہاں جہاں اس میں "شیخ احمد کھٹو رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں اُنہیں ہر جگہ بجائے "کھٹو" کے "کنبو" لکھا ہے" چنانچہ تاریخ فرشتہ جلد چہارم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

(نوٹ ۱) یہ "شیخ احمد کھٹو" "شیخ اسحٰق مغربی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے" "خزینۃ الاصفیا جلد دوم مطبوعہ نول کشور لکھنؤ کے صـ۳۱۹ تا ۳۲۰ پر ہے کہ "شیخ احمد کھٹو" از کبرائے خلفائے بابا اسحٰق مغربی است"

چوں در قصبہ "کھٹو" نشو و نما یافتہ بود" بہ "شیخ احمد کھٹو" اشتہار یافت

..... ولادت شیخ احمد کھٹو در سال ہفتصد و سی و ہشت و عمر یک صد و یازدہ ۱۱۱" و وفات قبل از زوال روز پنجشنبہ دہم ماہ شوال سنہ ہشتصد و چہل و نہ ۸۴۹ در زمان سلطنت سلطان محمد بن سلطان احمد بادشاہ گجرات است" مرقد شیخ در موضع سرکھیج کہ بفاصلہ یک فرسنگ از "احمد آباد" است بجانب قبلہ واقع شدہ"

..... شیخ احمد کھٹو کی پیدائش ۷۳۸ھ ہجری سات سو اڑتیس میں ہوئی اور عمر آپ نے ایک سو گیارہ ۱۱۱ برس کی پائی" اور وفات زوال سے پہلے بروز جمعرات دسویں ماہ شوال ۸۴۹ھ ہجری آٹھ سو انچاس میں سلطان محمد بن سلطان احمد بادشاہ گجرات کی سلطنت کے زمانہ میں ہوئی "شیخ کا مزار موضع سرکھیج میں جس کا فاصلہ احمد آباد سے ایک فرسنگ ہے" قبلہ کی طرف واقع ہے"

آئین اکبری جلد دوم حصہ اوّل مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن کے صـ۹۳ پر ہے کہ" تین کوس کے فاصلہ پر موضع سرکھیج آباد ہے" اس موضع میں حضرت "شیخ احمد کھٹو" و سلطان احمد" جن کے نام پر "احمد آباد" شہر آباد ہے" اور نیٹل کالج میگزین لاہور بابتہ ماہ اگست ۱۹۳۶ء مطبوعہ گیلانی الیکٹرک پریس کے صـ۴۹ تا ۵۰ پر پروفیسر محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ "کھٹو" کا ذکر راسا میں کثرت سے ملتا ہے"

حیدر آباد دکن کے صفحہ ۳۰۸ پر تحریر ہے کہ "- ایک خواجہ سرائے حضرت شیخ (احمد) کنبوہؒ کی زیارت کو جا رہا تھا۔ اُس نے برہان الملک کو پہچانا اور گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں لے آیا۔" سلطان محمود (گجراتی) کے حکم سے ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے پامال کرایا گیا۔" اور صفحہ ۳۰۶ پر ہے کہ " احمد شاہ (گجراتی) کامیاب اور بامراد " احمد آباد " واپس آیا۔ اور حضرت شیخ (احمد) کنبوہ رحمۃ اللہ علیہ کی جنہوں نے اس فتح کی بشارت دی تھی بیحد عزت و توقیر کی۔" اہلِ گجرات " پیشتر سے زیادہ " حضرت شیخ " کے معتقد ہوئے۔" (واقعات ۸۲۶ھ ہجری)

اور صفحہ ۳۱۵ پر ہے کہ " ۸۱۵ھ ہجری کے آخر میں بادشاہ نے " شیخ احمد کنبوہ رحمۃ اللہ علیہ " کے مشورہ سے دریائے سابرمتی کے کنارے ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی۔ اور اُسے " احمد آباد " کے نام سے موسوم کیا۔"

(۲) اب رہی یہ بات کہ زبیری کنبوہی خاندان نے اول اول اکبر کے زمانے میں ترقی کے زینہ پر قدم رکھا تو جہاں مؤلف موصوف نے یہ لکھا ہے کہ "

" سب سے پہلے جن بزرگ کا " کتب تواریخ میں ذکر آتا ہے وہ " حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں "

وہیں اُن کے اس بیان کی بھی ہم بخوبی تردید کر آئے ہیں اور دکھا چکے ہیں کہ زبیری کنبوہی خاندان کے بزرگوں کے اذکار " ان متذکرہ بالا تین تاریخوں سے صدہا برس پہلے کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس لئے اب اس امر پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اتنا جان لینا چاہئے کہ حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ العزیز شہنشاہ اکبر کی پیدائش سے پچاس برس پیشتر ۹۰۱ھ ہجری میں انتقال فرما چکے تھے اور آپ کی پیدائش [illegible]ھ ہجری میں اکبر کی پیدائش سے قریباً ڈیڑھ سو برس پہلے ہوئی تھی۔"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی پُر فریب بحث کی پردہ کشائی

(۳) مؤلف تاریخ کمبوہان نے جو یہ لکھا ہے کہ " پس اگر اسی قصبہ کے " یا دریا " کے نام سے "

(بقیہ نوٹ ۱۲ صفحہ ۲۱۲) وہ پرتھی راج کی چہیتی شکارگاہ معلوم ہوتی ہے۔" کھٹو " تمام ریگستانی علاقہ ہے۔ یہ موضع ایک پہاڑ کے ضلع میں جو تین میل لمبا ہے " آباد ہے۔" ..... " کھٹو " نام کے دو موضع ہیں جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔" ایک کو دوسرے سے تمیز کرنے کے لئے مغربی قصبہ کو " بڑی کھاٹو " اور مشرقی قصبہ کو " چھوٹی کھاٹو " کہتے ہیں۔" راسا کا مصنف صرف ایک قصبہ سے واقف ہے جو اس کے نزدیک کھٹو ہے۔" کھٹو " اس میں شک نہیں قدیم تلفظ ہے " اور کھاٹو جدید۔" راقم نے اس قصبہ کے متعلق جس قدر پرانے فرامین اور کتبے دیکھے ہیں اُن پر بصورت " کھٹو " نام ملتا ہے " کھٹو کلاں " قدیم الایام میں نہایت اہم مقام ہوگا۔ وہاں کا سب سے قدیمی کتبہ جو سابق میں کسی تالاب پر واقع تھا " شمس الدین التمش متوفی ۱۲۳۵ء مطابق ۶۳۳ھ ہجری کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔" اسی عہد کی ایک جامع مسجد بھی موجود ہے۔" کھٹو " میں " شیرانیوں کا قبیلہ نہایت قدیم زمانہ سے آباد معلوم ہوتا ہے۔" ..... کھٹو کی شہرت " سوالہ کے چھتری " اور بابا اسحٰق مغربی کے مزار " نیز اُن کے مرید " شیخ احمد کھٹو " کی بنا پر ہے۔ جن کا مزار " سرکھیج " احمد آباد میں ہے۔" کھٹو " پرگنہ ناگور " میں شامل ہے " اور بڑی کھاٹو " کے نام سے ریلوے اسٹیشن بھی ہے جو " ڈیگانہ " اور " سجان گڑھ " لائن پر آتا ہے۔" محمد شاہی عہد سے یہ تمام علاقہ " ریاست جودھپور " کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔" تب سے " موضع کھٹو " چانپاوت " راجپوتوں کی جاگیر میں ہے۔"

''کمبوؤں کو منسوب تصوّر کیا جائے'' جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ تو اُن کا نام ''کنبی'' (منسوب بہ کنب) یا ''کنبوی'' (منسوب بہ کنباہ) ہونا چاہئے'' نہ کہ ''کمبوہ'' حالانکہ ہر کمبوہ امیر کے نام کے بعد ''صاف صاف طور پر لفظ کمبوہ'' لکھا ہے۔ جیسے ''شہباز خاں کمبوہ'' ''شیخ گدائی کمبوہ'' ''شیخ جمالی کمبوہ''

اُن کا یہ بیان بھی سراسر دھوکا ہے اور سچائی سے کوسوں دُور ہے'' ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ ہی کو دیکھئے۔ یہ کتاب مؤلف تاریخ کمبویان کے مطالعہ میں رہی ہے'' اور انہوں نے اسے بہ نظر امعان دیکھا ہے۔ اور اپنی اِسی کتاب کے ص۲۰۳ پر اس کا حوالہ بھی دیا ہے'' یہ کتاب حالات پیشین کی حد تک تو نظام الدین احمد بخشی کی تاریخ ''طبقات اکبری'' سے ماخوذ ہے'' اور اپنے زمانے کے حالات ''ملّا صاحب'' نے معہ امراء و علماء وغیرہ کے حالات کے خود تحریر کئے ہیں'' صاحب منتخب التواریخ'' نے جس سال یعنی سنہ۱۰۰۴ہجری میں اپنی کتاب کی تکمیل کی۔ اسی سال اُن کا انتقال بھی ہو گیا''

''ابو الفضل'' مؤلف ''اکبر نامہ'' اور ''آئین اکبری'' جب سنہ۱۰۱۱ہجری میں قتل کیا گیا تو اُس وقت تک ''اکبر نامہ'' کی تکمیل نہیں ہوئی تھی'' جسے بعد میں ''عنایت اللہ'' نے تکمیل کو پہنچایا'' (دیکھو مجلّہ طلسامین شمارہ پنجم ص۳۱ حیدرآباد کے کتب خانوں میں تاریخ ہند کے فارسی مخطوطات تکملہ اکبر نامہ'' فہرست ظفر حسن صاحب ص۲۵ نمبر ۲۰۸)

غرضکہ ''ملّا صاحب'' کی کتاب کو ''ابو الفضل'' کی کتابوں پر اوّلیت کا درجہ حاصل ہے'' اور ملّا صاحب'' ابو الفضل'' سے عمر میں بھی نو دس برس بڑے تھے'' تو اب سوال یہ ہے کہ ''منتخب التواریخ'' جو اُن کی پیش کردہ کتابوں سے پرانی ہے اور مؤلف تاریخ کمبویان کے مطالعہ میں بھی رہی ہے'' اس میں جگہ زبیری بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کنبوی لکھا ہوا دیکھنے پر مؤلف موصوف نے کس خیال کی بنا پر اس کو مخفی رکھا ہے۔ اور اپنے ناظرین کو کس مقصد کے مدِ نظر انہوں نے ایسی غلط باتیں باور کرائی ہیں جن سے اُن کا اعتبار جاتا رہا۔ اور عزت خطرے میں پڑ گئی ہے'' ہم محو حیرت ہیں کہ جب مؤلف تاریخ کمبوہان نے ''منتخب التواریخ'' میں جگہ جگہ ''شہباز خاں کنبوی'' ''شیخ جمالی کنبوی اور شیخ گدائی کنبوی'' لکھا ہوا دیکھا ہے تو ایسی غلط باتیں باور کرانے کی انہیں جرأت کیسے ہوئی جس کا انہوں نے اپنے بیان میں اظہار کیا ہے'' اب ہم دکھاتے ہیں کہ مؤلف موصوف نے اپنے ناظرین کو جو دھوکے دیئے ہیں تاریخیں اُن کے بیان پر کس طرح خندۂ دنداں نما کر رہی ہیں''

زُبیری بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ کنبوہؔی لکھے ہونے کی شہادتیں

شیخ سماؤالدین کنبوہؔی دہلوی و شیخ جمالی کنبوہؔی دہلوی

منتخب التواریخ جلد اوّل مطبوعہ کالج پریس کلکتہ کے ص۳۲۵ و ۳۲۶ پر ہے کہ۔

از جملہ شعرائے عصر سکندری ''شیخ جمالی کنبوی دہلوی'' مذکور است کہ سلطان سکندر (لودہی) اشعار خویش بروے گذرانیدے و تذکرہ نوشتہ در بیان مقامات بلند از مشائخ ہند ''سیر العارفین'' در ابتداء از ''حضرت خواجہ بزرگوار معین الحق والدین اجمیری'' و اختتام بر پیر خود ''شیخ سماؤالدین کنبوی دہلوی'' کردہ

از جملہ شعرائے عصر سکندری ''شیخ جمالی کنبوی دہلوی'' مذکور ہے کہ ''سلطان سکندر لودہی'' اپنے اشعار اُن سے اصلاح لیتا تھا'' اور مشائخ ہند کے بیان مقامات بلند میں ''تذکرہ سیر العارفین'' لکھا ہے کہ ''حضرت خواجہ بزرگ معین الحق والدین اجمیری'' کے حال سے شروع کیا ہے۔ اور اختتام اُس کا اپنے پیر ''شیخ سماؤالدین کنبوی دہلوی'' پر کیا ہے''

اور اسی کتاب کے ص۳۲۷ پر ہے کہ۔

«دریں سال «جمالی کنبوی دہلوی» از عالم فنا بملکِ بقا رسید «وخسرو ہند بوده» تاریخش یافتند»

«اور اس سال میں «جمالی کنبوی دہلوی» عالم فنا سے عالم بقا کو پہنچے اور «خسرو ہند تھے» تاریخ اُن کی ہوئی»

شیخ شہر اللہ کنبوی لاہوری (یعنی نواب شہباز خاں)

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ١٢٣ پر ہے کہ۔

دریں سال (٩٨١ھ) «شہر اللہ کنبوی لاہوری» را «خطاب شہباز خانی داده» «میر بخشی ساختند»

اس سال (٩٨١ ہجری) میں شہر اللہ کنبوی لاہوری کو «خطاب شہباز خاں» دے کر «میر بخشی» بنایا۔

شہباز خاں کنبوی دہلوی

منتخب التواریخ ترجمہ اُردو مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ میں ہے کہ «بعد ازاں شہباز خاں کنبوی دہلوی» نے چند روز میں اس قلعہ (سیوانہ) کو فتح کرلیا۔ .... شہباز خاں کنبوی دہلوی نے جو میر بخشی تھا «رسم داغ و محلہ» کی جو ضابطہ «سلطان علاؤ الدین خلجی» کا ہے اور بعد ازاں شیر شاہ کے زمانے میں بھی یہی طریقہ جاری ہوا تھا۔ از سر نو جاری کیا۔

شیخ گدائی پسر جمالی کنبوی دہلوی

منتخب التواریخ جلد دوم مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ بنگال کے صفحہ ٢٩ پر ہے کہ۔

«شیخ گدائی کنبوه» پسر جمالی کنبوی شاعر دہلوی به تقریب آشنائی خان خاناں که بعد از شکست ثانی ہند «در ایام غربت» در گجرات به او امداد بہم رسیده بود»

«شیخ گدائی کنبوه» پسر جمالی کنبوی شاعر دہلوی نے بتقریب آشنائی خانخاناں (بیرام خاں) کو ہندوستانی میں دوسری شکست کے بعد اُس کے مصیبت کے دنوں میں گجرات میں امداد بہم پہنچائی تھی»

شیخ گدائی کنبوی دہلوی

اور اسی کتاب منتخب التواریخ کے صفحہ ١١٩ پر سنہ ٩٧٦ ہجری کے واقعات میں ملا صاحب نے لکھا ہے کہ۔

دریں سال «شیخ گدائی کنبوی دہلوی» که حکم شحنه معزول داشت «واز طنابل مقابل ایام دراین پندار و غرور» از جملہ اصنام بود درگذشت «ومرده خوک کلاں» تاریخ یافتند»

اس سال میں «شیخ گدائی کنبوی دہلوی» جو حکم کوتوال معزول کا رکھتا تھا اور از طنابل مقابل ایام غرور و پندار سے (اپنے «جملہ بتوں میں سے تھا») مر گیا «اور مُردہ خوک کلاں (بڑا سور مر گیا) میں نے تاریخ نکالی»

شیخ عبد الحئی ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی

منتخب التواریخ جلد اول کے صفحہ ٤١٢ پر ہے کہ۔

«ہمیں سال (سنہ ٩٥٩ ہجری) شیخ عبد الحئی ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی» که به فضائلِ علمی و شعری آراستہ و صاحب سجاده «وندیم و مصاحب خاص الخاص اسلیم شاه بود» ودیعت حیات سپرد»

«اس سال (سنہ ٩٥٩ ہجری) شیخ عبد الحئی ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی» نے جو فضائل علمی و شعری سے آراستہ اور صاحب سجادہ اور ندیم و مصاحب خاص الخاص اسلیم شاہ کے تھے۔ انتقال کیا»

شیخ جمالی کنبوی دہلوی

«تاریخ خان جہانی مخزن افغانی» تصنیف سنہ ١٠٢٠ ہجری کے ورق صفحہ ٢١٢ پر ہے کہ۔

«مشیخت دستگاه معارف آگاه» شیخ راجو ولد شیخ

بہ مشیخت دستگاہ معارف آگاہ «شیخ راجو ولد

"محمد زماں" خود مرجع خاص و عام بود۔ در ابتدائے طلب ملازمت معرفت پناہ "شیخ جمالی کنبوی دہلوی" مُرید شد۔ و چند اربعین برآوردہ و بمرتبہ قطبیت رسید۔ و یمن توجہ پیر خود تکمیل کمال مکمل شد"

"شیخ محمد زماں" خود مرجع خاص و عام تھے۔ شروع طلب میں معرفت پناہ "شیخ جمالی کنبوی دہلوی" کی ملازمت میں مُرید ہوئے" اور چند چلّوں میں قطبیت کے مرتبہ کو پہنچ گئے" اپنے پیر کی توجہ سے اُن کی تکمیل کمال ہوئی"

قطب الاقطاب شیخ سماءُ الدین کمکوئے المشتہر بہ کنبوی دہلوی

"مخزنِ افغانی تاریخ خان جہانی قلمی" موجودہ در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن" مصنفہ خواجہ نعمت اللہ ہروی" کے ورق ۳۹ پر تحریر ہے کہ۔

سُلطان بہلول درگذشت۔ سلطان سکندر را بجہد سلطنت طلب داشتن و ملازمت "قطب الاقطاب شیخ سماءُ الدین کم کوئی المشتہر بہ کنبوی دہلوی" رفت و گفت"

سُلطان بہلول کا انتقال ہوگیا اور سُلطان سکندر حصُول سلطنت کی کوشش کے لئے "حضرت قطب الاقطاب شیخ سماءُ الدین کم کوئی المشتہر بہ کنبوی دہلوی" کی خدمت میں گیا اور عرض کیا"

شیخ لالہ کنبوی

"بحر الابرار قلمی" (موجود در کتب خانہ محراب اوراق حسین احمد زبیری کنبوی پسر دوم صاحب المشاہیر) جو حضرت شاہ العالمین شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی قدس سرہٗ المتوفی سنہ ۹۴۹ ہجری کے کشف و کرامات کے حال میں ضخیم کتاب ہے اور جسے جمال محمد نے سنہ ۱۰۲۲ ہجری کو شروع کرکے سنہ ۱۰۳۷ ہجری میں ختم کیا ہے۔ اُس کے صفحہ ۲۱۲ و ۲۱۳ پر حضرت شاہ العالمین قدس سرہٗ کے اوّلین مُرید "شیخ لالہ" کے حالات میں جن کے نام سے اس وقت تک شہر میرٹھ میں لالہ کا بازار مشہور ہے" تحریر ہے کہ۔

"دو خانۂ ہندو تا آں زماں سوختہ کہ از متاع دنیوی ہیچ نماند۔ و وکیل ایں حال ملاحظہ میکرد و عقیدۂ باطن رائے بالالہ کنبوی متضاعف میساخت"

"اور ہندو کا گھر اُس وقت تک جلتا رہا کہ متاع دنیوی سے کچھ نہ رہا۔ اور وکیل نے اس حال کو دیکھا اور اس کا عقیدہ باطن "لالہ کنبوی" سے بہت زیادہ ہوگیا"

خانۂ کنبویاں

اور صفحہ ۲۷۷ و ۲۷۸ پر ہے کہ۔

"چوں نزدیک پیر غیب کہ دروازہ لساڑی (شہر میرٹھ) متصل "کنبویاں" نزدیک رسیدند حضرت شاہ العالمین فرمودند کہ شیخ ننھن امروز بندگی شیخ حمزہ کہ در موضع دھرسُو ے بودند ازیں عالم انتقال کردہ اند"

"کہ جب قریب دروازہ لساڑی (شہر میرٹھ) کنبویوں کے مکانوں کے پاس پہنچے تو حضرت شاہ العالمین نے فرمایا کہ شیخ ننھن آج بندگی شیخ حمزہ جو موضع دھرسُو میں رہتے ہیں اِس دُنیا سے انتقال کر گئے ہیں"

(نوٹ ۱) حضرت شاہ العالمین کے انتقال کے وقت ملا عبد القادر صاحب منتخب التواریخ کی عمر کُل نو سال کی تھی اور ابو الفضل کے پیدا ہونے میں آٹھ نو سال باقی تھے"

(نوٹ ۲) محلہ کنبویان ——— ہمارے پاس کثیر کاغذات ہیں جن میں زُبیری کنبوی خاندان کے آباد کردہ رہائشی محلّوں کے نام "محلہ کنبویان" تحریر ہیں" اور بزرگوں کے ناموں کے ساتھ بھی کنبوی لکھا ہے" اگر ہم ان سب کاغذات کی نقلیں پیش کریں تو اُن ہی سے ایک ضخیم کتاب بن جائیگی اس لئے انہیں نظر انداز کر دیا ہے"

قبیلۂ کنبوٗیان اور اسی کتاب بحر الابرار کے صث ۲۹۸ و ۲۹۹ پر تحریر ہے کہ۔

"در قبیلۂ کنبویان" زنِ غیر کفو را و فرزندانِ اُو را عزت نمی باشد"...... بعد از اں مرورِ ایام ہم چناں بوقوع آمد..... کہ منکوحہ الٰہی بخش وفات یافت عنقریب زنِ دیگرے" از قبیلۂ کنبوٗیان" در نکاح آوُرد از دے پنج پسر و سہ دختر متولد شُدند.....

قبیلۂ کنبوٗیان میں غیر کفو کی عورت اور اُس کی اولاد کی عزت نہیں ہوتی ہے...... اس کے بعد دن گذرنے پر ایسا ہی وقوع میں آیا...... کہ منکوحہ الٰہی بخش نے وفات پائی "عنقریب قبیلۂ کنبوٗیان سے دوسری عورت نکاح میں لایا اُس سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں.....

کنبوٗیانِ دہلی "تاریخ داؤدی جو سلطنت افغانان دہلی کے حالات میں مُستند و مشہور کتاب ہے اور شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ کی تصنیف ہے۔ اُس کے ورق ۹۵ پر تحریر ہے کہ۔

قلعہ علائی را کہ در نہایت رفعت و استحکام بُود بر تقریب بعضے نقصانات نفسانی یا بواسطۂ رفاہیت انسانی ویران کردہ برکنارۂ دریائے جوٗن" میانہ فیروز آباد و کیلوکھڑی" و قریہ اندرپت" بہ مسافت دو سہ کروہ از شہر قدیم شہر بود کہ الآن آباد ان ساخت مسجد عالی طرح انداخت بسُرعت اتمام رسانید و نام ایں قلعہ را "شیر گڑھ" نہاد۔ و قلعہ در نہایت طویل و عرض و رفعت طرح انداخت" بہرت قصر مسرّت و دولتش با تمام بنا فت و درون قلعہ کوشک مختصر نا تمام رسید۔ بنا شیر منزل نام کرد در اثنائے آں حال کہ دہلی برکنار جون آباد ساخت دزدان" پالی و پاکل" کہ قوم گوجر اند" در نہایت شدت دست اندازی نودن گرفتند" شیر شاہ خود بجانب کوہ پائے آں گروہ سواری نمودہ نابود مطلق ساخت و حکم اخراج آں مرد نمود و اثرے از آبادانی نگذاشت" در آں ہنگام کہ فتح کوہ نمودہ" یکے "کنبوٗیانِ دہلی" بہ شیر شاہ ملازمت نمودہ مصرع بدیہہ خواند " مبارک بادشاہا کوہ مستان"

شیر شاہ در جواب گفت ع

" توہم اے شیخ یک لک تنگہ لبستان"

ہماں ساعت یک لک تنگہ کہ شیخ مذکور نقد در کنار دامنش بفگندند"

قلعہ علائی کو جو نہایت رفعت اور استحکام رکھتا تھا بتقریب بعضے نقصانات نفسانی یا رفاہیتِ انسانی کے واسطے ویران دریائے جمنا کے کنارے پر درمیان فیروز آباد کیلوکھڑی اندرپت کے گاؤں میں دو تین کوس پر شہر قدیم سے شہر تھا" آباد کیا اور مسجد عالی کی بنیاد ڈالی اور جلدی اتمام کو پہنچا کر نام اِس قلعہ کا "شیر گڑھ رکھا" اور قلعہ نہایت لمبا چوڑا اور بُلند بنایا اور اپنی دولت کے لئے قصر مسرت کو اتمام کو نہ پہنچا سکا اور قلعہ میں کوشک مختصر نا تمام رہی۔ اُس کا نام شیر منزل رکھا اُس زمانے میں جبکہ جمنا کے کنارے دہلی آباد کی پاکل اور پالی کے چوروں نے جو قوم گوجر سے تھے نہایت شدت سے دست اندازی کی" شیر شاہ اُس گروہ کے پہاڑ کی جانب خود گئے" اور اُن کو نابود کر دیا اور وہاں سے اُن کو نکال کر آبادانی کا وہاں اثر نہ چھوڑا اس وقت کہ پہاڑ فتح ہوا "کنبوٗیان دہلی" میں سے ایک صاحب نے "شیر شاہ" کے پاس آکر فی البدیہہ یہ مصرع پڑھا" ع

" مُبارک بادشاہا کوہ مستان"

شیر شاہ نے جواب میں کہا ع

" توہم اے شیخ یک لک تنگہ بستان"

اُسی وقت ایک لاکھ تنگہ شیخ مذکور کے دامن میں ڈال دیا گیا" (یعنی اُنہیں دیدیا گیا")

رؤسائے کنبوٗیانِ دہلی و ساعت کنبوٗیانِ دہلی سلسلۂ عالیہ مؤلفہ حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی" پیدائش ۱۱۹۱ھ ہجری کے صث ۱۱۹۱ پر تحریر ہے کہ۔

محمد ہمت خاں و عبد الوہاب خاں

محمد ہمت خاں و عبد الوہاب خاں جو دو سالے

از رؤسائے "کنبوہانِ دہلی" و عمدہ امیران والا شاہی
محمد شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ و مشاہیر عہد یگانہ زمانہ
بود" در ہنگام حدوث فتنہ نادر شاہ و زوالِ دولتِ قاہرہ"
"جماعت کنبوہانِ دہلی" از دست جفائے روزگار و
کجروی ناہنجار مانند بنات النعش متفرق گردیدہ محمل ارادت
بہ زمین مشرق بربست"

"کنبوہانِ دہلی" سے اور عمدہ ایران والا شاہی محمد شاہ
بادشاہ انار اللہ برہانہ و مشاہیر عہد سے یگانہ زمانہ تھے
فتنہ نادر شاہ کے حادث ہونے کے زمانہ میں اور زوال
دولت قاہرہ میں "جماعت کنبوہانِ دہلی" جفائے
روزگار اور کجروی ناہنجار کے ہاتھ سے بکھرے دانوں کے طرح
سے متفرق ہو گئے اور ملک مشرق کی طرف تشریف لے گئے

شیخ جمالی کنبوی دہلوی اور شیخ عبدالحئی ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی

"دربار اکبری" مؤلفہ شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی" المتوفی سنہ ۱۹۱۰ء سابق پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور کے صفحہ ... پر تحریر ہے کہ "شیخ جمالی کنبوی دہلوی" کہلاتے تھے اور صفحہ ۱۷۱ و ۲۱۷ پر تحریر ہے کہ "ملا صاحب لکھتے ہیں کہ "شیخ عبدالحئی ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی" کہ فضائل علمی و شعری سے آراستہ اور صاحب سجادہ اور ندیم خاص سلیم شاہ کے تھے اس سال میں (سنہ ۹۵۹ ہجری میں) امانت حیات سپرد کی۔

شیخ احسان علی کنبوی

"گذشتہ لکھنؤ" مؤلفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے صفحہ ۵۶ پر تحریر ہے کہ "فوج کی اصلاح کی طرف بھی شجاع الدولہ کی توجہ تھی۔ دیگر سرداران فوج "شیخ احسان علی کنبوی" "گرجی بیگ خاں" "گوپال راؤ مرہٹہ" "میر جملہ کے داماد نواب جمال الدین خاں مظفر الدولہ" "بہادر حسین بخشی" "ابو البرکات خاں ساکن کاکوری" اور "محمد معز الدین خاں لکھنؤ" کے ایک شہزادے ...... اس جگہ تنگی کی وجہ سے "نواب مرتضیٰ خاں بڑیچ" "میر احمد بانس والا" "میر ابو البرکات" اور "شیخ احسان علی کنبوی" اجودھیا اور فیض آباد کے درمیان خیموں میں رہتے تھے"

مولوی امتیاز علی صاحب عرشی ناظم کتب خانہ شاہی ریاست رامپور نے "استدراکات" کی سرخی کے تحت اورنٹیل کالج میگزین لاہور (حصہ اول) بابتہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء میں تحریر فرمایا ہے کہ "اورنٹیل کالج میگزین (حصہ اول) بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۳۴ء میں "یٰسین خاں صاحب نیازی۔ ایم۔ اے۔ کا ایک مضمون بعنوان "شیخ گدائی کنبوہ" شائع ہوا ہے" مجھے اس سلسلہ میں چند امور قابل ذکر معلوم ہوتے ہیں"

شیخ گدائی بن شیخ جمالی کنبوی دہلوی

گدائی کا نام عبدالرحمٰن (صحیح عبدالصمد ہے رح الف) تھا" محمد حارثی بدخشی آئینہ محمدی جلد دوم میں سنہ ۹۷۶ ہجری کے ماتحت لکھتا ہے کہ "

"شیخ گدائی بن شیخ جمالی کنبوی دہلوی" مدتے صدر
اکبر بادشاہ بود" عبدالرحمٰن نام و بہ گدائی شہرت
داشت و بہ اکثر علوم عالم بود"

"شیخ گدائی بن شیخ جمالی کنبوی دہلوی" ایک مدت
تک اکبر بادشاہ کے صدر رہے" عبدالرحمٰن نام تھا اور
گدائی سے شہرت رکھتے اور اکثر علوم کے عالم تھے"

شیخ عبدالحئی بن شیخ جمالی کنبوی مشہور شاعر دہلوی

جمالی کی تاریخ وفات "محمد حارثی" کے بیان کے مطابق سنہ ۹۵۹ھ ہے چنانچہ وہ سال مذکور ذیل میں لکھتا ہے۔

شیخ عبدالحئی بن شیخ جمالی کنبوی مشہور شاعر دہلوی
متخلص بہ حیاتی" در بفقر و آزادگی و حسن خلق متصف بود
عمرش چھتیس ۳۶ سال و پیدائش در سنہ ۹۴۲ ہجری گذشت"

شیخ عبدالحئی بن شیخ جمالی کنبوی مشہور شاعر دہلوی
متخلص بہ حیاتی" وہ فقر و آزادگی اور حسن خلق سے متصف تھے
چھتیس ۳۶ برس کی عمر پائی ان کے والد کا انتقال سنہ ۹۴۲ ہجری میں

چونکہ محمد حارثی کے نزدیک وصیجاتی نے چھتیس ۳۶ سال کی عمر میں وفات پائی اس لئے سال پیدائش ۹۲۳ھ ہجری رہتا ہے۔ یہی تاریخ وفات "صاحب اخبار الاخیار" نے لکھی ہے۔ چونکہ مضمون مذکور میں اخبار الاخیار کا حوالہ موجود ہے اس لئے یقین ہے کہ کاتب نے غلطی سے ۹۵۹ھ ہجری کے بجائے ۹۹۰ھ ہجری لکھدیا ہے۔

شیخ جمالی کنبوی دہلوی

محمد حارثی لکھتا ہے کہ۔ "شیخ جمالی کنبوی دہلوی شاعر مشہور از مشائخ طریقت دہم ذیقعدہ در گجرات فوت گشت و بہ دہلی نقل کردند"

"شیخ جمالی کنبوی دہلوی" شاعر مشہور مشائخ طریقت سے تھے۔ دس ذیقعدہ کو گجرات میں فوت ہوئے اور دہلی لائے گئے۔

شیخ کی (شیخ جمالی کی) تصنیفات میں سے "سیر العارفین اور مراۃ المعانی نادر ہیں" لیکن "دیوان جمالی" کمیاب اور مثنوی مہر و ماہ نایاب ضرور ہیں "مثنوی مہر و ماہ کے کسی نسخہ کا پتہ نہیں چلتا"

کمگویان

احمد خاں اکبر شاہی نے ۱۲۹۰ء کے بعد "شجرۂ مہر ورد" ایک تذکرہ لکھا ہے اس تذکرہ میں وہ "جمالی کو" جدی کہتا ہے اور دیباچہ میں "مثنوی مہر و ماہ کے چند اشعار نقل کرتا ہے" وہ کہتا ہے کہ۔

"جمیع کمگویان کہ بغلط عام کنبو شہرت یافتہ" از عنایت کرم در ہمہ اوان و ہر زمان بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند علی الخصوص آباؤ اجداد بندہ"....

سارے کم گو جو بغلط عام کنبو شہرت پاگئے ہیں خدا کے عنایت کرم سے ہمیشہ اور ہر زمانے میں ہر طرح کی رعایت اور ہر قسم کی تربیت سے ممتاز رہے ہیں خاصکر میرے آباؤ اجداد"

میاں جمال خاں کنبوی مفتی دہلی

اور بعد ازاں اپنی ارادت "میاں جمال خاں کنبوی مفتی دہلی" سے ظاہر کر کے ان کا حال اور تفصیل کے ساتھ ان کے دادا شیخ سماؤ الدین اور شیخ جمالی کا حال لکھتا ہے "خاندان کنبوہ" کے حالات لکھنے والے کو اس کتاب کا (شجرۂ مہر ورد کا) مطالعہ لازم ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کی شپرہ چشمی

ہم اوپر یہ بتا چکے ہیں کہ "اکبر نامہ" "آئین اکبری" اور "تاریخ فرشتہ" میں کہیں کسی جگہ بھی "کنبو" کے سوا "کمبو" لکھا ہوا نہیں ہے "یہاں ہم نے ان کتابوں سے پہلے کی کتابوں اور ان کے زمانے کی کتابوں سے" نیز اپنے وقت تک کی کتابوں میں "نواب شہباز خاں" "شیخ گدائی" "شیخ جمالی" نیز ان کے اسلاف و اخلاف کے ناموں کے بعد مسلسل کنبوی لکھا ہوا دکھلا دیا ہے "ہم ان کے علاوہ اور بہت نام ایسے دکھا سکتے ہیں جن کے ساتھ "کنبوی" لکھا ہے" مگر اختصار کے مدنظر صرف اسی قدر کو کافی سمجھکر باقیوں کو چھوڑ دیا ہے "مؤلف تاریخ کمبوہان" نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰ پر جہاں سے "منتخب التواریخ" اور "دربار اکبری" کے حوالے دیئے ہیں" وہیں پر "لفظ کنبوی" بھی ان دونو کتابوں میں "شیخ گدائی" وغیرہ کے ناموں کے ساتھ لکھا ہوا ہے" مگر جب انہیں ہر جگہ "لفظ کنبوی" ان کے قومی نام کمبو کی شکل میں ہی نظر آیا ہے" تو ہم سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(نوٹ ۱) "آپ حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ العزیز کمگوئی المشتہر بہ کنبوی" کے پوتے تھے ۹۰۶ھ ہجری میں بعمر چھیاسی سال انتقال فرمایا سلطان سکندر لودھی کے اوائل سلطنت ۸۲۰ھ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی تھی"

مؤلف تاریخ کمبوہان کا تواریخی اثری شہادتوں کو چھوڑ کر نسبی تحقیقات میں قباحت ہونے و نہ ہونے کے سوال کا تجزیہ

(فقرہ س) اسی باب بست و چہارم میں اپنی رائے کے ساتھ جو اور باتیں مؤلف تاریخ کمبوہان نے لکھی ہیں اب ہم ان کی حیثیت و حقیقت دکھاتے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ۔

"(۱) حضرت ابنِ زبیر رضؓ کی اولاد سے ہونا جو اسلام کے چھٹے خلیفہ تھے " نفس انسانی کے لئے " موجب فخر و مباہات ضرور ہے " لیکن مصیبت یہ ہے کہ " علم تاریخ میں " دعوے کے بطلان پر اصرار ہو رہا ہے " اور ہم خود بھی ایسے فخر کو ذریعہ اعزاز قرار دینا گوارا نہیں کر سکتے " جس کا متحق ہم اور ہمارا قوم ثابت نہیں ہوتی " ہماری سمجھ میں مُطلق نہیں آیا کہ " کمبو ہوں " کے " ہندی الاصل " اور " راجپوت " ہونے میں کیا قباحت ہے "

ہمیں مؤلف موصوف کے اس بیان کے متعلق صرف اسی قدر کہنا ہے کہ " اُن کی قوم " کمبو " کے ہندی النسل ہونے میں ہم کو بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے " اب رہی یہ بات کہ " کمبو قوم " کے " راجپوت " (جن میں مُلک کی قدیم اقوام " گونڈ " بھیل " وغیرہ " اور بیرونی حملہ آور " تاتاری و مغلی " نسلیں شامل ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بوضاحت ثابت کر آئے ہیں ") ہونے میں کیا قباحت ہے۔ تو اس کے متعلق یہ ہے کہ " تحقیقات قومی و نسلی میں " قباحت کا سوال نہیں کیا جاتا " بلکہ ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ اگر ثبوت بہم پہنچانا ضروری نہ ہوتا " تو پھر اس کتاب کے لکھنے کی بھی مطلق ضرورت نہ پیش آتی " جس کے لئے " مؤلف تاریخ کمبوہان کو اس قدر زحمت اٹھانی پڑی ہے " دنیا ثبوت کے بغیر کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے " اور اس بارے میں پسند ناپسند کی اُس کے پاس کوئی وقعت نہیں ہے " اگر وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ " اُن کی قوم کمبو " راجپوتوں " کے فلاں جرگہ سے متعلق ہے " تب تو اُن کی بات قابلِ قبول ہو سکتی ہے " ورنہ اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور جب مؤلف تاریخ کمبوہان کے دعووں کا پردہ چاک ہو کر یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ " زبیری خاندان " کا " قوم کمبو " سے کوئی نسلی تعلق نہیں ہے " تاریخوں میں " لفظ کمبو " اِس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کہیں بھی نہیں لکھا ہے " بلکہ اُن کے سکنی مقام " کنباہ " کی مناسبت سے " کنبوِی " لکھا گیا ہے " تو پھر وہ کون سی صورت ہو سکتی ہے جس کی بنا پر " یہ خاندان دنیا کو اپنا " ہندی الاصل " اور " راجپوت " ہونا باور کرا سکتا ہے "

مؤلف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ " مسٹر آرنلڈ کے بیان کی بے تعلقی " زبیری کنبوِی خاندان سے

(۲) مؤلف تاریخ کمبوہان نے " مسٹر آرنلڈ " کی کتاب سے جو یہ اقتباس دیا ہے کہ۔

(نوٹ ۱) پروفیسر آرنلڈ علیگڈھ کالج میں دس برس رہکر فروری ۱۸۹۸ء میں علیگڈھ سے لاہور گورنمنٹ کالج میں فلسفہ کے پروفیسر ہو گئے " وہیں انہوں نے عربی لغت میں " سواء السبیل فی معرفۃ المعرب و الدخیل " لکھی " لاہور کے قیام میں ان کے سب سے لایق شاگرد " ڈاکٹر اقبال ہوئے " مسٹر آرنلڈ لاہور سے ۱۹۰۴ء میں انگلستان واپس گئے " انگلستان میں وہ انڈیا آفس میں اسسٹنٹ لائبریرین مقرر ہوئے " اور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک وہ انگلستان میں ہندوستانی طالب علموں کے سرکاری مشیر ہوئے اور ۱۹۲۱ء سے آخر تک وہ لندن یونیورسٹی کے اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے " وہ ۱۹۳۰ء میں مصر کے جامعہ مصریہ میں مسلمانوں کے فنون لطیفہ پر لیکچر دینے مصر گئے تھے " یہاں سے واپس جاکر ۹ جون ۱۹۳۰ء کو اچانک انتقال کیا " انہوں نے پریچنگ آف اسلام " تصنیف کی اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی ترتیب میں شرکت کی۔ (حیات شبلی صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲)

"ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے ناموں کے ساتھ "شیخ" "بیگ" یا "خان" کا لفظ" بلکہ بعض صورتوں میں "سید" کا لقب اختیار کرتے ہیں" ان کا بڑا حصّہ تو مسلم یا نو مسلموں کی اولاد ہے" اور جن بزرگوں نے ان کو مسلمان کیا۔ اُن کا لقب انہوں نے اختیار کر لیا" یا کسی اور سبب سے "شیخ" "مرزا" یا "خان" ہو گئے"

اِس بیان کا تفصیلی جواب ہم پہلے دے آئے ہیں "زبیری کنبوی" خاندان کی بحث میں اس بیان کو مؤلف تاریخ کمبوہان نے کس وجہ سے لکھا ہے" اسے وہ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس میں زبیری کنبوی خاندان کی طرف کوئی اشارہ تک موجود نہیں ہے" اِس لئے ایک بے تعلق بیان پر ہمیں کچھ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں ہے"

"مسٹر ہربرٹ رسلے وغیرہم کی تحقیقات اور مؤلف تاریخ کمبوہان کی دو مختلف رائیں"

(۳) مؤلف تاریخ کمبوہان کا بیان ہے کہ۔

"یورپین مورخ" مثل "ہربرٹ رسلے" صاحب وغیرہم" مسلمان کمبوؤں کے اِس دعوے کے قایل نہیں ہیں۔ کہ وہ ہندوستان سے باہر سے آنے والی قوم ہیں" بلکہ وہ انہیں ہندوستان کے باشندے۔ اور نو مسلم تصور کرتے ہیں" اور یہ قیاس نہ صرف زمانہ حال ہی کے مؤرخوں کا اختراع ہے" بلکہ ہر زمانہ میں یہ خیال صحت کے قریب تصور کیا جاتا رہا ہے"

مسٹر ہربرٹ رسلے صاحب وغیرہم کی یہ تحقیقات قوم کمبو کے متعلق ہے" اور صحیح ہے" ہم بھی اُن کی اِس تحقیقات سے متفق ہیں" مگر "زبیری کنبوی خاندان" سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ تحقیقات جس کی مؤلف موصوف نے بھی یہاں تصدیق کی ہے اُن کے اِس بیان کی بخوبی تردید کرتی ہے" جس میں انہوں نے اپنی قوم کو "باہر سے آئی ہوئی اور "شہنشاہ کامبوجیہ" کی اولاد باور کرانے میں اپنی کتاب کے سیکڑوں صفحات رنگ ڈالے ہیں"

شیخ گدائی زبیری کنبوی کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان کے دو بیان

(۴) مؤلف تاریخ کمبوہان نے لکھا ہے کہ

"بعض کتب تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "مسلمان کمبوہوں نے" آسودہ حال ہو کر "اکبر کے عہد میں بھی" اپنے آپ کو "ہندو" اور "غیر ہندو" مگر غریب کمبوہوں سے" الگ کرنا شروع کر دیا تھا" اگرچہ اُن کے اِدّعا کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ اور اُن کا یہ دعویٰ" کہ وہ عربی النسل ہیں" اُس وقت بھی مشکوک تصوّر کیا جاتا تھا" ملا عبدالقادر بدایونی مؤلف منتخب التواریخ" جو شہنشاہ اکبر و نواب شہباز خاں کمبوہ" کے ہمعصر تھے" "شیخ گدائی کمبو" کے حالات تحریر کرتے ہوئے" دبی زبان سے" اُن کے نسب کو "مشکوک" بیان کرتے ہیں" اور غالباً اُن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے" جو اُن کو دربار میں حاصل تھا" صاف صاف نہیں لکھ سکے" وہ کہتے ہیں کہ "شیخ گدائی کی معراج "حیں کے نسب کو بھی" لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے" سب اکابر گھبرا گئے" اور "شمس العلماء محمد حسین آزاد دہلوی مصنف دربار اکبری" انہیں بزرگ کے حالات تحریر

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مجھے اب تک نہیں کھلا کہ "شیخ گدائی کی "ذات یا صفات"
میں "کیا قدح تھا" ہر صاحب تاریخ "اُن کے باب میں "گول گول بات کہتا ہے"
مگر کھول کر نہیں لکھتا"

شیخ گدائی کے متعلق مُلّا صاحب کے بیان کو مؤلّف تاریخ کمبوہان کے پیش نہ کر سکنے کی وجہ

مؤلّف تاریخ کمبوہان نے شیخ گدائی کے متعلق بیان میں مُلّا عبد القادر بدایونی مؤلّف منتخب التواریخ کا حوالہ تو دیدیا ہے لیکن اُن کی تحریر کا ذرا سا بھی ٹکڑا اپنے بیان کی سند میں پیش کرنے سے گریز کیا ہے" کیونکہ انہیں اُس کے پیش کرنے کی جُراءت نہیں ہوئی۔ یہ سوال بہت اہم ہے اِس لئے آگے بڑھنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اول اِسی مسئلہ کو حل کر دیں جس کی وجہ سے مؤلّف موصوف کے لئے مُلّا صاحب کے بیان کو پیش کرنا ناممکن ہو گیا" ہم اِس بات کو بوضاحت ظاہر کر آئے ہیں "زبیری خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے تاریخوں میں ان کا نسبتی لقب کنبوِی لکھا ہوا ہے کسی جگہ کتابت کی غلطی سے لفظ کنبوِی کی ی کی شکل بگڑ کر ہ کی صورت میں لکھ گئی ہے اور کہیں ی چھوٹ بھی گئی ہے" لیکن کنبوِی کی ی کے کتابت میں چھوٹ جانے سے جو لفظ کنبو بنا اُسے بھی ان صداقت مآب مؤلّف تاریخ کمبوہان نے کمبو لکھا ہونا باور کرایا ہے اور نت نئے طریقوں نیز ڈھکوں سے کام لے کر اپنی قوم کمبو کو زبیری کنبوِی خاندان سے چپکا دینے کی جان توڑ کوشش کرتے آئے ہیں۔

لیکن یہاں مؤلّف تاریخ کمبوہان نے مُلّا صاحب کے جس بیان کی طرف اِشارہ کیا ہے اُس میں کنبوہ اور کنبوِی" دونوں موجود ہیں۔ کیونکہ لفظ کنبوِی کے ظاہر کئے بغیر وہ مُلّا صاحب کے بیان کو پیش نہیں کر سکتے تھے" اِس لئے انہوں نے اپنی خیریت اِسی میں سمجھی کہ اُن کے اصلی بیان کو بالکل چھپا لیں اور اپنی طرف سے شیخ گدائی کے نام کے سامنے اپنا قومی نام کمبو لکھ کر اُس کی طرف صرف اِشارہ کر دیں" مگر مُلّا صاحب کے بیان سے مؤلّف موصوف اُس جال میں جو اُن کے جی کا جنجال ہو رہا تھا اور جس سے طرح طرح کے حیلوں سے اپنی جان چھڑاتے چلے آرہے تھے اور اپنے ناظرین کو باور کرا رہے تھے کہ اگر شہر کنبایت سے زبیری خاندان کا تعلق رہا ہوتا تو اس کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے ضرور کنبوِی لکھا ہوتا لیکن تاریخوں میں ہر نام کے سامنے صرف کمبو لکھا ہوا ہے" اب یہاں ایسے پھنس گئے ہیں کہ اُس سے مفر کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے" یعنی جو تانا بانا انہوں نے پھیلا رکھا تھا اس کا ہر تار ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے" اب ہم مُلّا صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں جس کی طرف مؤلّف تاریخ کمبوہان نے اِشارہ کیا ہے"

مُلّا صاحب کا بیان

منتخب التواریخ مؤلّفہ مُلّا عبد القادر بدایونی کی جلد دوم کے صـ۲۹ و ۳۰ پر تحریر ہے کہ۔

و شیخ گدائی کنبوہ" پسر جمالی کنبوِی" شاعر دہلوی" را بتقریب آشنائی" خان خاناں" (بیرام خاں) کہ بعد از شکست ثانی در ایام غربت" در گجرات" با او بہم رسیدہ بود" بر جمیع اکابر ہندوستان و خراسان" تقدیم دادہ منصب رفیع القدر" صدارت" برو مُسلّم داشتند" و خانخاناں بلکہ شاہنشاہ" نیز اکثر اوقات در منزلِ او" بمجلس سماع کہ از ان سراسر تکلف بے بارید" دُکانِ تزویر ساختہ بودند۔

اور شیخ گدائی کنبوہ" پسر جمالی کنبوِی" شاعر دہلوی" کو خان خاناں کی دوستی کی وجہ سے جو شکست ثانی ہند کے بعد خان خاناں کے ایام غربت میں گجرات میں اُسے ہو گئی تھی تمام اکابر ہندوستان و خراسان پر ترجیح دے کر منصب رفیع القدر صدارت پر فائز کر دیا" اور خانخاناں" بلکہ شاہنشاہ بھی اکثر اوقات اُن کے مکان پر مجلس سماع میں کہ اس سے سراسر تکلف معلوم ہوتا تھا اور دُکان مکر و فریب

...ضر میشدند"......

"......اکابر امم۔ از ین معراج شیخ گدائی کہ در علوئے
...ب او ہم سخن داشتند" و خانہ بخانہ در ماتمے عظیم افتادند" و سر
...رنی موت الکبرا او" آشکار شد" ؎

در تنگنائے حیرتم از نخوت رقیب

...و (شیخ گدائی) قلم نسخ بر اراضی مدد معاش و اوقات خانزاد
...ئے قدیم کشیدہ" ہر کس را کہ رذالت و ہبار او میکشید" سیورغال
...بداد۔ و الّا فلا و باوجود نظر بہ ایں زمان کہ سخن در پنج جریب
...مین" انعام مدد معاش میرود۔ بلکہ کمتر" او را عالم بخش تواں
...لت و اعیان و اشراف ولایت ہم کہ مے آمدند۔ از ممر ترفع و
...م و تصدر بے موقع او نیز بودند" و بعضے خود را بایں تسلی
...بدادند کہ ؎

گر فرو تر نشست خاقانی

مے نہ بینی کہ سورۂ اخلاص

و میر سیّد نعمت رسول کہ مذکور شد" قطعہ گفتہ در
...امع و صوامع شہرت داد۔ و خبث ہا آنرا در مسجد و دیوان خانہ
...شیخ گدائی" نوشتند" تا خواندند و محو ساختند" اما فائدہ
...فت و ایں بیت از اں جملہ است" ؎

نام گدائی مبر۔ نان گدائی مخور

و از بعضے آثار بے اخلاصی و بے رائی و بدراہی" نسبت بہ
...ندگانِ شاہی" ظاہر شد کہ بجائے خود مذکور شود"

اور اسی کتاب کے صفحہ 119 پر لکھا ہے کہ

"در ین سال (۹۷۶ھ ہجری) شیخ گدائی کنبوہی دہلوی"
...حکم شحنہ معزول داشت" و از طنابل مقابل ایام در یں پندار
...و از جملہ اصنام بود۔ در گذشت و یک مردہ خوک کلاں" تاریخ
...یافتند"

کی بنائی تھی حاضر ہوتے تھے"......

"...... بڑے بڑے ذی وجاہت لوگ شیخ گدائی کے اس عروج
سے جس کی عالی نسبی میں بھی وہ شک کرتے تھے" ہر گھر میں بہت
رونا پیٹنا پڑ گیا اور ستر کبریٰ نی موت الکبریٰ ظاہر ہوا"

یا رب مباد آنکہ گدا معتبر شود

شیخ گدائی نے اراضی مدد معاش اور اوقات خانزادہ ہائے
قدیم کو واپس لے لیا" جو کوئی ان کی دربارداری کی ذلّت
گوارا کرتا تھا اُسے مدد معاش دیتے تھے" ورنہ نہیں" لیکن جب ہم
اس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں کہ چند جریب زمین دینے میں بھی چون و
چرا کی جاتی ہے بلکہ کمتر دی جاتی ہے تو اُن کو عالم بخش کہا جا سکتا ہے
اعیان و اشراف جو ولایت سے آتے تھے وہ اپنی حاجتوں کیلئے اُن کے
غرور و تکبر و تحکم و تصدر بے موقع کو اٹھاتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو یہ تسلی دیتے ہیں ؎

نے اورا عیب و نے ترا ادب است

زیر تبت یدا ابی لہب است

اور میر سید نعمت رسول نے قطعہ کہکر سب لوگوں اور
صومعوں میں شہرت دی اور اُن کے خبث کو مسجد اور دیوان خانہ پر
شیخ گدائی نے لکھدیا" انہوں نے پڑھا اور مٹا دیا" اس سے کچھ
فائدہ نہ ہوا" اس قطعہ کی ایک بیت یہ ہے ؎

زانکہ گدائی مبر نان گدائی مخور

اور اُن سے بعض آثار بے اخلاصی اور بے رائی اور بدراہی کے بادشاہ
کی نسبت ظاہر ہوئے جن کا اپنی جگہ پر ذکر ہو چکا ہے"

اس سال (۹۷۶ ہجری) میں شیخ گدائی کنبوہی دہلوی"
جو حکم کوتوال معزول کا رکھتا تھا اور اپنی نخوت و غرور کی وجہ سے
بتوں میں سے ایک بت تھا۔ گردش زمانہ سے مر گیا" اور بڑا
سؤر مر گیا" میں نے تاریخ نکالی"

ملّا صاحب کے بیانات کو من و عن پیش کر چکنے اور اس میں شیخ گدائی اور اُن کے والد بزرگوار کے ناموں کے سامنے لفظ کنبوہی" دکھا چکنے کے بعد اب ہم اُن ائمہ اور اکابر کی حالت و حیثیت کا بھی کچھ حال لکھتے ہیں جن کے شیخ گدائی پر سب و شتم ...نے کو ملّا صاحب نے ظاہر کیا ہے" اس کے بعد ہم ملّا صاحب کی طینت و خصلت پر بھی کچھ روشنی ڈالیں گے"

صاحب منتخب کے بیان کردہ اکابر و ائمہ کی حیثیت " اور اُن کی شیخ گدائی سے مخالفت کی وجہ "

صاحب منتخب التواریخ " ملا عبدالقادر کے اس بیان سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ " جو لوگ منصب صدارت کیلئے منہ پسارے بیٹھے تھے " جب انہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی " اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ " شہنشاہ اکبر " اور خان خاناں بیرام خاں نائب السلطنت دونوں " شیخ گدائی " کے مکان پر بھی جانے اور اُن کی مجالس میں شریک ہونے لگے۔ تو ان لوگوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی تھی " اور حسد کی آگ میں وہ ایسے جل بھن گئے تھے کہ اُن کے دلوں پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے تھے " اور اِس سوزش سے بے قابو ہو کر گھروں میں بیٹھے ہوئے " شیخ گدائی " کو گالیاں اور کوسنے دے دے کر اپنے اِن جلے ہوئے پھپولوں کو پھوڑا کرتے تھے " کسی زمانے میں دُنیا حاسد اور بدطینت لوگوں سے خالی نہیں رہی ہے " اور اِس زمانے میں بھی ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ " جب دو شخص کسی میونسپلٹی " یا گورنر یا وائسرائے کی کونسل کی ممبری کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے پر سب و شتم کرنے سے باز نہیں رہتے۔ پھر یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اِن دونوں اور اُن کے طرفداروں میں مدت ہائے دراز کے لئے شکر رنجی " باقی رہتی ہے " اور ایک فریق دوسرے کی بُرائی کرتا رہتا ہے " یا کسی شخص کو کوئی افسر " رشوت لینے " چوری کرنے " اور فرائض منصبی میں غفلت ولاپرواہی برتنے " یا ظلم و جور کرنے کی وجہ سے اگر کسی قسم کی سزا دیدیتا ہے تو وہ خود اور اُس کے ہوا خواہ " اُس افسر کی بدگوئی کرنے میں کوئی کور کسر اُٹھا نہیں رکھتے ہیں " یعنی اُس کی عیب چینی کرنے میں حد سے گذر جاتے ہیں " یہی حال " شیخ گدائی " کے بارے میں اُن لوگوں کا بھی تھا " جنھوں نے ناجائز طور پر زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا " یا مشروط الخدمت جاگیروں پر قابض تھے " مگر خدمتیں انجام نہیں دیتے تھے " اور جب اُن سے باز پرس کی جاتی تھی " یا اُن سے زمین لے کر حقداروں کو دیدی جاتی تھیں۔ تو یہ لوگ بھی اپنے کرتوتوں سے صرفِ نظر کر کے انہیں گالیاں دیتے پھرتے اور اُن کے متعلق اَول فَول بکتے پھرتے تھے "

یہی لوگ تھے جن کی بکواس کے ایک فقرے کو " صاحب منتخب " کے مندرجہ بالا نوشتہ سے لے کر " مؤلف تاریخ کمبوہان " نے اپنے بیان میں پیش کیا ہے " اور باقی اُن کے سارے بیان کا اخفا کر لینا ضروری خیال کیا ہے " ان حالات کے ظاہر ہو جانے کے بعد " اب جو حیثیت اِس فقرے کی رہ گئی ہے " وہ ظاہر ہے "

مُلا صاحب کی طینت کا حال صاحب دربار اکبری کے قلم سے

مُلا صاحب کے جوہر فضیلت اور شرافت نفس کا حال تو اُن کے " شیخ گدائی " کی تاریخ وفات مُردہ خوک کلاں " نکالنے سے ظاہر ہو گیا ہے۔ مگر مزید واقفیت کے لئے اُن کی طینت کا کچھ اور حال بھی یہاں دکھاتے ہیں " دربار اکبری کے صفحہ ۴۱۹ پر ہے کہ " اُمرائے دربار سے اُن کا اس قدر بگاڑ نہ ہوتا۔ مگر اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے مُلائی کے دائرے سے قدم نکالنا چاہا۔ اور اُسی کو دین کی دولت اور دُنیا کا فخر سمجھا " انہیں کبھی تو بے علم۔ کم لیاقت لوگ مراتب عالی پر نظر آئے۔ اور یہ ناگوار گذرا " اکثر چھوٹے تھے کہ آنکھوں کے سامنے بڑے ہوئے۔ یا برابر سے آگے بڑھ گئے " کبھی باہر سے آئے اور مختلف خدمات کی سنہری مسندوں پر بیٹھ کر صاحب جاہ و جلال ہو گئے " اور یہ مُلا کے مُلا ہی رہے " . . . . . اِدھر ان کی طبیعت چاہتی ہو گی کہ میرا ادب پیش نگاہ رکھیں " اُدھر دولت و حکومت کو اتنا دماغ کہاں . . . . . یہ بھی جہاں موقع پاتے ہیں " اپنے گھیسے ہوئے قلم سے وہ زخم دیتے ہیں۔ کہ قیامت تک نہیں بھرتے " اور صفحہ ۴۲۰ و ۴۲۱ پر ہے کہ " جو کم نصیبی اُن کی ترقی میں سدِ راہ ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ زمانے کے مزاج سے اپنا مزاج نہ ملا سکتے تھے " جس بات کو خود بُرا سمجھتے تھے اُسے چاہتے تھے کہ سب بُرا کہیں اور اُسے

عمل میں نہ لائیں" "جس بات کو اچھا سمجھتے تھے اُسے چاہتے تھے کہ اسی طرح ہو جائے" . . . . قباحت یہ تھی کہ جس طرح طبیعت میں جوش تھا۔ اسی طرح زبان میں زور تھا" "اس واسطے ایسے موقع پر کسی دربار یا کسی جلسہ میں بغیر بولے نہ رہا جاتا" "اس عادت نے ان کے لئے بھی بہت سے دشمن بہم پہنچائے تھے" . . . . . .

اُس نے اوّل اوّل ترقی کے خوب قدم بڑھائے" "یہ نوجوان عالم" (صاحب منتخب) اپنے علم کے جوش اور ترقی کی اُمنگ میں تھا" "بڈھے ملاّؤں اور اُن کی مذہبی تعلیم کو توڑ توڑ کر" "اکبر کو خوش کیا" "مگر یہ دیکھا کہ اُصول میرے اور بڈھوں کے ایک ہیں" "اور اب زمانے نے نیا مزاج پکڑا ہے" "انہیں توڑوں گا تو ساتھ ہی آپ بھی ٹوٹ جاؤں گا" "غرض کچھ تو اس سبب سے کہ اُس نے پُرانی تہذیب کے دامن میں پرورش پائی تھی" "اور کچھ اُس کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی تھی" "اس لئے وہ نئے زمانے میں پُرانے مسایل کو واجب العمل سمجھتا تھا" "یہی سبب تھا کہ مخالفت شروع ہوئی" "چونکہ ابوالفضل وفیضی بھی نئے خیالات نہ رکھتے تھے بلکہ زمانے کا مزاج بدلا ہوا تھا" "اس لئے اس کے مزاج نے کسی سے موافقت نہ کھائی" "اس کی تصنیفات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک زمانے سے لڑائی کی باندھے بیٹھا ہے"

اور صـ۲۲۶ پر تحریر ہے کہ" یہی سبب ہے کہ" کوئی مشہور عالم" یا نامی عارف" نہیں جو اُس کی شمشیر قلم سے زخمی نہ ہوا ہو" "جس کسی بات پر خفا ہوتا ہے۔ تو وہیں صلواتیں سُنانے لگتا ہے"

اور صـ۲۳۳،۲۳۴ پر ہے کہ" (ملاّ صاحب) خود فرماتے ہیں کہ سنہ ۹۸۱ ہجری میں" "حسین خاں سے ٹوٹ کر" بداؤں" سے آگرہ میں آیا" جمال خاں قورچی" اور مرحوم جالینوس حکیم عین الملک" کے وسیلہ سے ملازمت شاہی میں داخل ہو گیا"

یہاں تک کہ جو علماء تبحر کے نقارے بجاتے تھے۔ اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ بادشاہ نے اُن سے لڑا دیا خود بات کو پرکھتے تھے" "خدا کی عنایت اور قوت طبع اور تیزیٔ فہم اور دل کی دلیری سے (کہ عالم جوانی کا لازمہ ہے) بہتوں کو زیر کیا" "پہلی ہی ملازمت میں فرمایا کہ یہ بداؤنی" "حاجی ابراہیم سرہندی" کا سرکوب ہے" "چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح زک پائے" "میں نے بھی اُسے خوب خوب الزام دیئے" اور بادشاہ بہت خوش ہوئے"

. . . ملاّ صاحب اس فتحیابی پر ناحق خوش ہوئے" "انہیں خبر نہ تھی کہ یہ فتح اپنی فوج کی شکست ہوئی ہے" "کیونکہ آہستہ آہستہ بادشاہ۔ تمام علماء سے بے اعتقاد ہو گیا" "اور ساتھ ہی یہ بھی نظروں سے گر گئے" . . . . . .

تھوڑی دور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ" بادشاہ نے" ملاّیانِ فرعون صفت" کے کان ملنے کے لئے (جس کی مجھے اُمید نہ رہی تھی) انہیں (ابوالفضل کو) خاطر خواہ پایا" وغیرہ وغیرہ۔

ان کے اور ابوالفضل دونوں کے حالات پڑھ کر معلوم ہو جائے گا کہ اکبر کی نظر توجہ" جوان کی طرف تھی۔ وہ اُدھر پھر گئی" اُس کی قسمت کا زور کہو" خواہ اُس کی مزاج شناسی سمجھو" اور یہی رشک تھا جو ہمیشہ تیزاب" بلکہ زہریلے الفاظ بن کر اُن کے قلم سے ٹپکتا تھا"

اور صـ۶۶۲ پر ہے کہ جو شخص ملاّ صاحب کی تاریخ پڑھے گا بلکہ دربار اکبری میں ان کی باتیں سُنے گا سمجھ جائے گا کہ ان کی طبیعت کا کیا حال ہے" "کسی کو ترقی کرتے دیکھا نہ جاتا تھا" "جس کو عزت کے کپڑے پہنے دیکھے ضرور نوچ لئے" "اہلِ علم کی زیادہ کہ ہم پیشہ تھے" ان میں اگر شیعہ ہے تو کیا کہنا شکار ہاتھ آیا" "بھلا تمام دُنیا کے لوگ کیسے اہلِ معرفت اور اہلُ اللہ بن جائیں"

ملاّ صاحب کے تعصّب کا حال خود اُنہیں کے قلم سے

ملاّ صاحب کے تعصّب کا حال جان لینے کے لئے خود اُن کا یہ بیان جو منتخب التواریخ جلد دوم کے صـ۶۳،۶۴ پر لکھا ہے

کافی ہے کہ۔

"در زمانے کہ جامع این منتخب" "در آگرہ" "بہ تحصیل علم رسمی اشتغال داشت" "و شیخ" "(محمد غوث گوالیاری) باکرّوفرِّ تمام" "و جاہے مالا کلام" "در لباس فقر آمد" "و غلغلۂ او زمین و زماں را گرفت" "خواست کہ رفتہ ملازمت نماید" "امّا چوں شنید کہ بہ تعظیم ہندوان" "قیام میکند" "دل از آں ہوس برخاست و محروم ماند"

اُس زمانے میں کہ اِس منتخب کا جامع "آگرہ میں تحصیل علم میں مشغول تھا" اور "شیخ (محمد غوث گوالیاری) باکرّوفرِ تمام اور جاہے مالا کلام" "فقیری کے لباس میں آیا۔ اور اس کی شہرت زمین و زمان میں پھیل گئی" "میں نے چاہا کہ اُس سے ملوں" "لیکن جب یہ سُنا کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو اُس ارادے کو دل سے نکال دیا اور نہیں ملا"

اور صؔ ۳۹۸ و ۳۹۹ پر سنہ ۱۰۰۳ ہجری کے واقعات میں ملّا صاحب لکھتے ہیں کہ "(شہنشاہ نے")

"از بالائے جھروکہ" "کہ فقیر را پیش طلبیدند" "و خطاب بہ شیخ (ابو الفضل) فرمودند کہ ما فلانے را کہ عبارت از فقیر باشد جوانے صوفی مشربے" "خیال میکردیم" "امّا او خود چناں فقیہِ متعصب ظاہر شد" "کہ ہیچ شمشیرے رگِ گردنِ تعصّب او را نتواند برید"

"بالائے جھروکہ سے فقیر کو اپنے سامنے بلایا اور شیخ (ابو الفضل) سے فرمایا کہ میں فلاں کو جس سے مراد میں فقیر تھا" "صوفی مشرب سمجھتا تھا" "لیکن وہ تو ایسا متعصب فقیہ ظاہر ہوا کہ کوئی تلوار اُس کی گردن کی تعصّب کی رگ کو نہیں کاٹ سکتی"

شیخ گدائی کے اثر و رُسوخ کی وجہ سے مُلّا صاحب کے صاف صاف نہ لکھ سکنے کے بیان کی تردیدی شواہد

مؤلّف تاریخ کمبوہان کی خصلت اور ملّا صاحب کی طبیعت کا شمّہ حال ظاہر کرنے کے بعد اب ہم مؤلّف موصوف کی ایک اور غلط بیانی کا پردہ چاک کرتے ہیں جسے انہوں نے اِن الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ۔

("غالباً اُن کے (شیخ گدائی کے اثر و رسُوخ کی وجہ سے جو اُن کو دربار میں حاصل تھا" صاحب منتخب التواریخ صاف نہیں لکھ سکے")

اُن کے اِس بیان کی بھی ذرہ برابر اصلیت نہیں ہے" ملّا صاحب سنہ ۹۴۷ ہجری میں پیدا ہوئے سنہ ۹۶۸ ہجری میں شیخ گدائی حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے صدارت کا عہدہ چھوڑ کر سلطنت کی حدود سے باہر جیسلمیر کے پہاڑوں میں مسکن گزیں ہو گئے تھے۔ وہاں عرصہ تک مقیم رہے اور حج بیت اللہ کو بھی تشریف لے گئے۔ پھر دہلی تشریف لائے مگر کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا۔ شہنشاہ نے اُن کا بیش قرار وظیفہ مقرر فرمایا" اور باقی ایام زندگی با فراغت بسر کر کے سنہ ۹۷۶ ہجری میں وفات پا گئے" سنہ ۹۶۸ ہجری میں جب آپ عہدہ سے کنارہ کش ہوئے تو ملّا صاحب کی عمر بیس برس کی تھی۔ وہ طالب علمی کرتے تھے" شیخ گدائی کے انتقال کے چھ برس بعد سنہ ۹۸۱ ہجری میں انہوں نے شاہی ملازمت اختیار کی تھی اور اپنی کتاب ملازمت کے کئی برس بعد شروع کی تھی جو سنہ ۱۰۰۴ ہجری میں اُن کے انتقال کے سال اتمام کو پہنچی" یہ حالات منتخب التواریخ اور دربار اکبری دونوں میں بالوضاحت تحریر ہیں" جبکہ یہ دونوں کتابیں مؤلّف موصوف کے مطالعہ میں رہی ہیں اور وہ اِن حالات سے بخوبی واقف تھے تو کیا یہ اُن کی سراسر بددیانتی نہیں ہے۔ جو انہوں نے ملّا صاحب کے صاف نہ لکھنے کو شیخ گدائی کے اثر و رسُوخ کی وجہ سے ظاہر کیا ہے" مگر وہ اپنی خصلت سے مجبور ہیں جو انہیں ہمیشہ غلط بیانیوں پر آمادہ رکھتی ہے"

شیخ گدائی کے عالی نسب ہونے کی شہادت خود ملا صاحب کے قلم سے

مؤلف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ صاحب دربار اکبری کے بیان میں جب خود یہ فقرہ موجود ہے کہ "مجھے اب تک نہیں کھلا کہ شیخ گدائی کی ذات با صفات میں کیا قدح تھا، تو ہمیں کسی دوسری شہادت کی ضرورت مطلق باقی نہیں رہی تھی" کیونکہ اسی فقرہ نے شیخ گدائی کی عالی نسبی کا ایسا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مگر ہم مؤلف موصوف کی مزید تسکین کے واسطے خود ملا صاحب ہی کے بیان کو پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے شیخ گدائی کی عالی نسبی کو ایسے زوردار الفاظ میں تحریر کیا ہے جو اپنی آپ نظیر ہیں۔ ملا صاحب نے منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۴۵ پر تحریر فرمایا ہے کہ شیخ محمد کنبو

"در علوئے حسب ونسب" وفضایل مکتسبی موروثی "یگانۂ زمانہ بود" بعد از آشنائی غریبانۂ چندیں سالہ "فقیر" (ملا صاحب) راباو بساولی کہ لشکر منصور بعزم تسخیر قلعۂ چتوڑ" متوجہ بود اتفاقاً در نواحی "قصبہ باری" صحبت افتاد۔ وبنابر تنگیٔ وقت۔ آں مجالست ومکالمت "باچنداں شوق۔ بیک ساعت نہ کشیدہ" ایشاں بہ آں جانب ومن بہ ایں جانب افتادم" ودر اول وہلہ احوال خجستہ او مجملاً معلوم گشت" اگرچہ نسبت ایشان او۔ ذکرش در ذیل شعر الطافتے نداشت اما چوں گاہے بہ نظم مے پرداخت" ایں مطلع او بیادگار ثبت افتادہ" ؎

"علوئے حسب اور نسب" اور فضایل مکتسبی اور موروثی میں یکتائے زمانہ تھے" بعد آشنائی غریبانہ چند سالہ کے" جس سال شاہی لشکر قلعہ چتوڑ" کی فتح کی طرف متوجہ تھا اور فقیر اس میں تھا۔ اتفاقاً "قصبہ باری" میں میری ان سے ملاقات ہو گئی" وقت بہت تنگ تھا ایک ساعت بھی یکجائی اور ہم کلامی کا موقع نہ ملا۔ وہ اس طرف اور میں اس جانب چلے گئے اور اول وہلہ میں ان کے احوال خجستہ مجملاً معلوم ہوئے" اگرچہ بہ نظر عظم وشان اور جامعیت فضایل شعراء کی ذیل میں ان کا ذکر کرنا مناسب نہ تھا" لیکن کبھی کبھی نظم فرماتے تھے" لہٰذا یہ مطلع ان کا بطور یادگار لکھا گیا"

اگر بروز غمت صبر اختیار کنم
چو اختیار نماند بگو چہ کار کنم

مؤلف تاریخ کمبوہان کو معلوم ہونا چاہئے کہ "ملا صاحب نے اپنے اس بیان میں جن شیخ محمدؒ کے متعلق لکھا ہے کہ "علوئے حسب ونسب میں اور فضایل مکتسبی وموروثی میں یگانۂ زمانہ تھے" وہ شیخ گدائیؒ "صدر الصدور یا شیخ الاسلام سلطان ابراہیم لودھی وشہنشاہ بابر وہمایوں واکبر ابن شیخ حامد اللہ المشتہر مخدوم شیخ جمالیؒ ابن شیخ فضل اللہ ابن شیخ فتح اللہ کے ہم جد تھے اور ماموں زاد بھائی کے بیٹے بھی تھے" ان دونوں کا سلسلۂ نسب اس طرح شیخ فتح اللہ پر مل جاتا ہے کہ "شیخ محمد بن شیخ عبد الغفور المشتہر بہ میاں لاڈنؒ ابن شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ ابن حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ العزیز ابن شیخ فخر الدین ابن شیخ فتح اللہ" تو جو نسب شیخ محمدؒ کا ہے وہ ہی شیخ گدائیؒ کا بھی ہے مزید براں ملا صاحب نے شیخ گدائی کے بھتیجے اور ہم نسب شیخ محمدؒ کے فضایل مکتسبی، موروثی اور عالی نسبی و والاحسبی کا حال بتانے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ آگے چل کر شیخ گدائیؒ کی تعریف میں اپنے قلم کی زبان کو لال کر دیا ہے۔ انہوں نے منتخب التواریخ کی تیسری اور آخری جلد کے صفحہ ۷۶،۷۷ پر شیخ گدائیؒ کا حال ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

"خلف شیخ جمالی شاعر مشہور دہلی است" کسب کمالات صوری نمودہ وصحبت افاضل روزگار دریافتہ" وبرکات آں بروزگار او عابد شدہ" وبوسیلۂ حق وصداقت" کہ با بیرم خان داشتہ" منصب صدارت ہند" بہ او مفوض شدہ"

"صاحبزادے شیخ جمالی مشہور شاعر دہلی کے ہیں" انہوں نے کمالات صوری حاصل کئے اور فاضلان روزگار کی صحبت پائی۔ اور ان کی برکتوں سے اپنے زمانے کے عابد لوگوں میں سے ہوئے اور حق صحبت وصداقت کی وجہ سے جو باہم بیرام خاں اور

وچند سال مرجع اکابر و افاضل ہندوستان و خراسان و ماوراءالنہر و عراق بود "و طبع نظم داشتہ" و نقش و صوت ہندی مے بست و میگفت۔ و بہ آں وادی مشغول و مالوف و چوں از صحبت خان خاناں بیرم خاں" از نواحی بیکانیر جدا شدہ" بدہلی آمد" آنجا ہم معزز و مکرم بود" در مزارات مشایخ دہلی قدس اللہ ارواحہم۔ در ایام عرس حاضر میشد" و مجالس عالی را بہ حشمت و کر و فر تمام ترتیب میداد" در سنہ نہصد و ہفتاد و شش۔ (سنہ ۹۷۶ ہجری) یا بعالم آخر شتافت"

اُن میں تھا منصب صدارت ہند انہیں سپرد ہوا" اور چند برس مرجع اکابر اور فاضلان ہندوستان اور خراسان اور ماوراءالنہر اور عراق کے تھے" شعر گوئی سے انہیں مناسبت تھی" ہندی زبان جانتے اور پڑھتے بھی اچھا تھے اور اس وادی میں بھی مشغول و مالوف رہتے تھے" اور جب نواحی بیکانیر میں خانخاناں بیرام خاں کی صحبت سے جدا ہو کر دہلی آئے تو اس وقت بھی معزز و مکرم تھے" مزاروں مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم پر عرس کے دنوں میں حاضر ہوتے اور مجلسوں عالی کو بہت حشمت اور کر و فر سے ترتیب دیتے تھے" سنہ ۹۷۶ ہجری میں انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا"

اب رہی یہ بات کہ ملا صاحب کی شیخ گدائی کے متعلق دو تحریروں میں تضاد کیوں ہے۔ یعنی ایک جگہ تو وہ جلالی صورت میں نظر آتے ہیں اور دوسری جگہ جمالی صورت میں آ گئے ہیں" تو اس کے جاننے کے لئے ہم ان کی طینت کا کچھ حال اوپر ظاہر کر آئے ہیں" جب ملا صاحب اکبر اور اس کے حواریوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے تو اُن کا رنگ دوسرا تھا اور جب راندۂ درگاہ کر دیئے گئے تب ان کو ہوش آ گیا" یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی نہایت ضروری ہے کہ اگر شیخ گدائی عربی الاصل اور زبیری النسل نہ ہوتے تو ملا صاحب ہرگز ہرگز اُن کے بھتیجے کو عالی نسبی میں یگانۂ زمانہ نہ بتاتے" کیونکہ جو شخص ایسا متعصب ہو کہ اپنی دلی خواہش پر بھی صرف اس وجہ سے ایک بزرگ کی ملاقات سے پرہیز کرے کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کو کھڑا ہو جاتا ہے تو ایسے متعصب شخص کا کسی غیر عربی النسل فرد کو عالی نسب لکھنا قطعی ناممکن ہے"

ہم نے اُس وقت کی درباری سازشوں" حاسدوں کی ریشہ دوانیوں اور ملا صاحب کے اُن میں حصہ لینے اور پھر راندۂ درگاہ ہو جانے اور شیخ گدائیؒ کے حالات کو اس کتاب کی پہلی جلد میں صفحہ ۳۹ تا ۱۰۰ پر ایسی تفصیل سے لکھا ہے کہ کوئی بات چھوٹنے نہیں پائی ہے" یہاں جو تھوڑی سی جھلک ڈال دی ہے اس سے بھی مؤلف تاریخ کمبوہان کے پیش کردہ شیخ گدائی کے نسب کے متعلق بیان کی بخوبی تردید ہو گئی ہے اور مؤلف موصوف کی طبیعت و طینت پر بھی قدرے اور روشنی پڑ گئی ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کا پیش کردہ مسٹر رُڈ کا بیان اور اُس کی حقیقت

(۵) مؤلف تاریخ کمبوہان نے یہ جو لکھا ہے کہ۔

"مسٹر رُڈ صاحب" اپنی تاریخ اقوام پنجاب میں" کمبوہوں کو" ہندی النسل" یقین کرتے ہیں" اور اُن کے اس دعوے کو۔ کہ وہ ایک غیر ملکی قوم ہیں" صحیح نہیں خیال کرتے"

پھر وہ ایک فقرہ اس مضمون کا آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ" نواب شہباز خاں" کے کارناموں اور اولوالعزمیوں نے اُن کے نام لیواؤں کو شاید اس امر کی ترغیب دی ہے کہ" وہ اُس کی نیشنل پوزیشن (نسلی درجہ) کو زیادہ اعلیٰ بنا کر پیش کریں" اس پر مسٹر رُڈ کے پہلے فقرہ کے متعلق ہمیں صرف اسی قدر کہنا ہے کہ مؤلف موصوف کیونکہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے پر بھی اپنی" قوم کمبو" کو شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد اور باہر سے آنے والی قوم ثابت نہیں کر سکے ہیں" اس لئے" مسٹر رُڈ" کی اس بات سے کہ" قوم کمبو" غیر ملکی قوم ہرگز نہیں ہے" بلکہ یقینی طور سے ہندی النسل ہے" ہم اُن سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں پاتے"

اپنے دوسرے فقرہ میں جو رائے "مسٹر رُو" نے ظاہر کی ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے "کہ وہ نواب شہباز خاں کے سکنی لقب کنبوہی کی مسخ شدہ صورت "کنبوہ" اور "قوم کمبوہ" میں کوئی امتیاز نہیں کر سکے" اور کیونکہ انہیں "نواب شہباز خاں" کے خاندان کے اُن بزرگوں کا بھی علم نہیں تھا" جو صدیوں پہلے سے اور نواب شہباز خاں کے زمانہ میں بھی اُن سے بہت ارفع و اعلیٰ مدارج رکھتے تھے" اس لئے انہوں نے عدم واقفیت کی وجہ سے ایسی بات لکھدی ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے"

(۶) مؤلف تاریخ کمبوہان نے "زبیری کنبوہی خاندان" کی قومیت پر جس قدر بھی اعتراض کئے ہیں" اور جن جن طریقوں سے اپنی قوم کمبوہ کو اِس دُودمان عالیشان سے چپکا دینے کی کوششیں کی ہیں" اُن سب کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد اب اُن کے صرف ایک سوال کا جواب ہمیں دینا باقی رہ گیا ہے" جسے انہوں نے اِن الفاظ میں پیش کیا ہے کہ۔

"مشرق میں اشاعتِ اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے" اور فتوحاتِ اسلامی کی تفصیل میں" تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کوئی ریاست" یا کوئی شہر وغیرہ "کمبوہ" نام کا موجود تھا" اور "نہ جزیرہ نمائے کمبوج" کے سوائے "کوئی قطعۂ ملک" اِس نام سے اِس وقت مُوسُوم ہے" ہم صرف دعوؤں کو تسلیم نہیں کرتے" ثبوت درکار ہے"

پس اِن حالات میں کیا باعث تھا" جس سے عربوں" اور "سادات قریش کا نام "کمبوہ" مشہور ہو گیا" اور کونسی وجہ تھی کہ "سادات قریش کے لقب کا" پُر فخر طرۂ امتیاز" سَر سے اُتار کر "کمبوہ" نام کی" کھدّر کی ٹوپی" پہننی گوارا کی" ہم نے کمبوہ نام کو "کھدّر کی ٹوپی سے" تشبیہ دی ہے" اور یہ التزام ہم نے صوبۂ متحدہ کے کمبوؤں کے پاسِ خاطر سے روا رکھا ہے" (مؤلف موصوف کی مُراد یہاں "صوبہ متحدہ کے زُبیری کنبوہی خاندان سے ہے") کیونکہ وہ شاید اس کو اپنے لئے موجبِ فخر خیال نہیں کرتے" اور غالباً اِسی وجہ سے انہوں نے اپنے تئیں "کمبوہ" لکھنے کے بجائے "زُبیری" لکھنا" اور کہلانا شروع کر دیا ہے"

مؤلف موصوف نے اِس بیان میں بھی اپنی ناواقفیت تاریخی وجغرافی کا ایک اور ثبوت بہم پہنچا دیا ہے" انہیں سوائے اپنی قوم کے نام کمبوہ کے کسی تاریخ میں "لفظ کنبوہی" جسے ہم متعدد تاریخوں میں لکھا ہوا ابھی ابھی دکھا چکے ہیں نظر نہیں آیا ہے" اب وہ اِس یقین واثق کے ساتھ "کسی تاریخ سے" کوئی مقام" سوائے جزیرہ نمائے کمبوج کے اس نام کا پیش نہیں کیا جا سکتا" جس کی مناسبت سے "زبیری خاندان" کا سکنی لقب" مثل پنجابی" "کشمیری" "بنگالی" "گجراتی" "سندھی" "ماوراء النہری" "مصری" "ایرانی" "یا مشہدی" "واسطی" "کرمانی" "سمعانی" "بخاری" "طحاوی" "ترمذی" "نسائی" "بلخی" "کابلی" "دہلوی" "امروہوی" "لکھنوی" "وغیرہ کے" "کنبوہی" "ہو سکتا ہے" یہاں ثبوت طلب کر رہے ہیں"

اس لئے اب ہمارے لئے انہیں "شہر کنباہ" "علاقہ کنباہ" اور "شہر کنبب" دکھانا لازمی ہو گیا ہے" اِن کے علاوہ ہم "گمبوج" اور "کمبوہ" اور ان کے مماثل ناموں کے بھی اتنے "شہروں" "مقاموں" "اشخاص واقوام وغیرہ وغیرہ سے بھی اُن کا تعارف کرائیں گے" جن کی فہرست پڑھ کر اُن کا سَر چکرانے لگے گا" اور آنکھوں کے نیچے اندھیرا آ جائے گا۔ اور اُن پر یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ "کنباہ" ایسا مشہور و معروف شہر تھا جس کا ذکر فتوحات

اسلامی کے وقت تاریخوں میں مسلسل آتا رہا ہے"

"شہر کنباہ" دریائے کنباہ" اور شہر کنب" کے وجود کی شہادتیں"

شہر کنباہ کا بانی اور اُس کے آباد ہونے کا زمانہ تاریخ فرشتہ کا بیان

اسی کتاب کے باب چہارم میں تاریخ فرشتہ کے بیان سے یہ بات دکھلائی جا چکی ہے کہ "نہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوحؑ" کے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام "بروچ" "کنباج" اور "مالراج" ہیں۔ "نہروال کے ان بیٹوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے" اس بیان سے ظاہر ہے کہ "شہر کنباہ" کا بانی حام بن حضرت نوحؑ کا پڑپوتا "کنباج تھا"

شہر کنباہ کے متعلق علامہ مسعودی کا بیان

علامہ مسعودی کی سیاحت کا زمانہ ۳۰۳ھ ہجری ہے۔ آپ نے اپنی کتاب مروج الذہب و معدن الجواہر کے صفحہ ۲۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ "سب سے پہلا سمندر جو بصرہ سے ملحق ہے "الابلتہ اور بحرین ہے اس کے بعد بحر لاروی" اور اُس پر بلاد صیمور اور سوبارہ اور تابتہ اور سندان اور کنبایہ وغیرہ وغیرہ ہند و سندھ میں سے ہیں" ...... اور صفحہ ۳۴۹ و ۳۵۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ "اور میں نے دیکھے بہت سے لوگ جو بلاد صغد کو نوشادر کے پہاڑ پر گئے" تبت اور چین میں اور بلاد خراسان و ہند تک جو ملا ہوا ہے بلاد خراسان اور سندھ سے جس کے بعد منصورہ ہے اور ابلستان ہے اور یہ ملے ہوئے چلے گئے ہیں۔ سندھ سے خراسان تک اور اسی طرح ہندوستان تک یہاں تک کہ مل گئے ہیں یہ ممالک ابلستان یعنی زابلستان تک..... اور صفحہ ۳۷۲ پر ہے کہ "قندھار کا بادشاہ ملوک سندھ میں سے ہے اور اس کے پہاڑ صحیح کہلاتے ہیں یہ نام جو ہے زیادہ مشہور ہے اور صفحہ ۳۷۳ پر ہے کہ "کشمیر ایک ملک ہے سندھ کے ملکوں میں ایک اور اس کے پہاڑ ایک بڑی سلطنت ہیں جس میں بہت سے شہر واقع ہیں"

ابن حوقل کا بیان

آپ کی سیاحت کا زمانہ ۳۵۰ھ ہجری کے قریب ہے اپنی کتاب المسالک والممالک کے صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۶ پر باب بلاد السندھ و مایصاقبھا کے تحت سندھ اور اس کے اطراف کے علاقوں کے حالات لکھے ہیں۔" اُن میں ہے کہ "یہ سمندر (بحر فارس) مشرق میں صیمور سے لے کر مکران تک سیدھا چلا گیا ہے اور اس کے بعد مکران کے بیابان کے پاس ٹیڑھا ہو گیا ہے اور اس نے ممالک کرمان اور فارس پر جا کر کمان کی شکل اختیار کر لی ہے"....

اور ہند کے حسب ذیل شہر ہیں "قامہل" "کنبایہ" اور سوبارہ" اس کے اطراف بہت خوشنما ہیں" اساول" "جناول" سندان" "صیمور" "بنی تین" "جندرور" "سندرور" وہ شہر ہیں جن کا علم مجھ کو حاصل ہوا"......... اور کنبایہ اور صیمور کے درمیان ایک شہر ہے جس کا نام "مہلرا" ہے"........

شہر منصورہ

اور شہر منصورہ طول و عرض میں تقریباً ایک میل ہے۔" شہر مہران" دریائے سندھ کی ایک خلیج نے اس کو احاطہ کر رکھا ہے اور یہ شہر دیکھنے میں ایک جزیرہ کی طرح معلوم ہوتا ہے یہاں کے باشندے مسلمان ہیں اور ایک قریشی آدمی جو "ہبار بن اسود (حضرت زبیرؓ کے چچا زاد بھائی) کی اولاد میں سے ہے وہاں کا حکمران ہے"

(نوٹ نمبر ۱) چند کتابیں جن میں فتوحات اسلامی اور اُس کے بعد ہندوستان کا ذکر کیا گیا ہے یہ ہیں:۔ (۱) فتوح البلدان المتوفی ۲۷۹ھ ہجری (۲) ابن خردابہ (سنہ ۲۵۰ ہجری) نے "کتاب المسالک والممالک" میں ہندوستان کا جغرافیہ بیان کیا۔ (۳) ابوالفضل مہلہل ینبوعی (سنہ ۳۳۰ ہجری) (۴) بزرگ بن شہریار (سنہ ۳۰۰ ہجری) (۵) مسعودی (سنہ ۳۰۳ ہجری) (۶) اصطخری (سنہ ۳۴۰ ہجری) (۷) ابن حوقل (سنہ ۳۵۱ ہجری کے قریب (۸) بشاری مقدسی سنہ ۳۷۵ھ (۹) البیرونی (سنہ ۴۲۰ ہجری) اور (۱۰) ابن بطوطہ (سنہ ۷۳۴ مطابق سنہ ۱۳۴۰ ہجری) نے اپنی کتابوں میں ہندوستان کا ذکر کیا ہے" اس سے ظاہر ہے کہ عربوں کو ہندوستان سے ہمیشہ تعلق رہا ہے"

اس کے آباؤ اجداد نے اِس ملک پر قبضہ جما کر اپنی بہترین سیاست کی بدولت رعیّت کو اُس کا مطیع بنا رکھا تھا۔"

مُلتان بھی منصُورہ کی برابر ایک شہر ہے جس کو "فرج بیت الذّہب" کہتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بُت ہے۔ ہندو اس کی تعظیم کرتے ہیں ....

بانیہ ایک چھوٹا شہر ہے۔ "عمر بن عبدالعزیز ہبّاری قریشی" جو عراق میں بزرگی اور بہادری کی وجہ سے مشہور رہے۔ "بانیہ کا رہنے والا تھا۔" منصورہ اور اُن کے اطراف پر غالب آنے والوں کا جدِ امجد ہے۔"

کنبایہ .... قاہل "سندان" "صیمور" اور "کنبایہ" میں بہت سی مسجدیں اور جامع مسجدیں موجود ہیں۔ "اِن علاقوں میں مُسلمانوں کے احکام غالب ہیں۔ بہت سرسبز اور شاداب علاقے ہیں اور بہت کشادہ بھی ہیں۔ اِن علاقوں میں ناریل پائے جاتے ہیں۔ لوگ اس سے ہرکہ اور شراب بناتے ہیں۔ جس سے اُن کو نشہ ہوتا ہے۔ اور گیہوں کے نچوڑ کو اہلِ شہر نبیذ رکھتے ہیں ملا کر پیتے ہیں۔" مگر بخدا نہ میں نے اسے دیکھا اور نہ اس کا مجھے علم ہے اور نہ مجھے اس کی نسبت معلوم ہے۔ وہ اکثر چاول کی ہی زراعت کرتے ہیں اور وہاں شہد بہت پایا جاتا ہے اور کھجور کا درخت بھی اس علاقہ میں ہے۔"

.... بانیہ اور قاہل" کے درمیان بیابان ہے۔ اور قاہل سے کنبایہ تک بھی میدان ہے اس کے بعد کنبایہ سے لے کر صیمور تک متصل گاؤں ہیں اور اہلِ ہند کی وسیع آبادی ہے۔ وہاں مُسلمان اور کفّار کا ایک ہی لباس ہے۔ اور دونوں بال لمبے چھوڑتے ہیں۔" یہاں کے لوگ اِزار باندھتے ہیں۔ بوجہ سخت گرمی کے۔ ایسے ہی مُلتان کے باشندے بھی اِزار باندھتے ہیں کیونکہ یہاں سخت گرمی پڑتی ہے .... منصورہ" "ملتان" اور اس کے اطراف کے لوگ عربی اور سندھی زبان بولتے ہیں سا اکثر لوگ کرتے استعمال کرتے ہیں۔ مگر سوداگر لوگ قمیص اور چادر پہنتے ہیں سا اہلِ عراق و فارس کی طرح .... قاہل سے کنبایہ تک چار منزل ہے اور کنبایہ دریا سے ایک فرسخ ہے" .... "بانیہ" منصورہ" اور قاہل کے درمیان واقع ہے۔ اور منصورہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے اور قاہل" منصورہ" سے دو منزل ہے" ....

الاصطخری کا بیان الاصطخری جو ابن حوقل سے چند برس پہلے تشریف لائے تھے اُن کا بیان بھی یہی ہے جو ابن حوقل کا ہے۔"

علامہ بشاری المقدسی کا بیان "علامہ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی المعروف بالبشاری" نے ۳۸۰ھ ہجری کے قریب اپنی کتاب "احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم" مطبوعہ مطبع بریل شہر لیدن واقع یورپ ۱۹۰۶ء میں "اقلیم السندھ" کی سُرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ .... سندھ" بہت بڑا ملک ہے" اُس کے ماتحت بکثرت اضلاع اور قصبات ہیں" انسان وہاں سلامتی و عافیت سے زندگی بسر کر سکتا ہے" سمندر بازو (یعنی ایک جانب) واقع ہے" دریا اُس کے بیچ میں سے گذرتا ہے" اطراف نخلستان ہے" سندھ میں چٹیل میدان بھی ہیں" ایسی زمینیں بھی ہیں جو آبِ باراں سے سیراب ہوتی ہیں"

.... ہم اس کی تقسیم پانچ حصّوں میں کرتے ہیں" مکران" کو ہم نے اس میں شامل کیا ہے" کہ بالکل اس کے قریب واقع ہے" (۱) پہلا حصّہ از جانب "کرمان" "مکران" پھر "طوران" پھر "سند" پھر "ویہند" پھر "قنوج" پھر ملتان" ملتان کو بوجہ قربت اسی میں شامل کر لیا ہے" اس کے بعد ہم "تخوم و خراسان" کی طرف لوٹے اور تمام "عجمی" ممالک کا دورہ کیا۔ اور اسلامی ممالک کا کوئی حصہ ہم سے نہیں چھوٹا" تخوم" اور اس کے قرب وجوار کا حال معلوم کیا" اور اُن کے نام بھی دریافت کئے، لیکن پھر بھی وہاں کا حال کما حقہٗ بیان نہیں کر سکتا" البتہ بڑے شہروں کا

حال بیان کروں گا۔ اِس لئے کہ حدیث " کفی بالمرء اِثمًا ان یُحدّث بکل ما سمع لیس الخبر کالمعاینہ " ہر سُنی بات کو بیان کرنے سے مانع ہے " بہر حال اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا تو ضرور کچھ نہ کچھ بیان کرتا " اس کی شکل و صورت کا بیان اس میں بھی میں نے ایسے حضرات سے سنا ہے جن کو کافی معرفت حاصل تھی " تاہم میں نے ہر بیان کو اُس کے راوی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابراہیم بن محمد الفارسی جن کو " کرخی " (کرخ " بغداد کے ایک محلہ کا نام تھا) کہا جاتا ہے اِس باب میں موصوف کا بیان میں نے زیادہ تر نقل کیا ہے " اس کے بعد " علامہ بشاری مقدسی " نے " مکران و طوران " کے شہروں کے نام اور حالات بیان کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ۔

منصورہ کے شہر

سندھ کے قصبات میں " منصورہ " شامل ہے " اور اُس کے شہر حسب ذیل ہیں " دیبل " (اس کی جگہ اب شہر کراچی آباد ہے) " زندریج " کدار " مایل " تبلی " فارسی کا بیان ہے کہ۔ " البیرون " قالری " آنری " بلری " المواہی " الہبرج " بانیہ " مناتری " سدوسان " الرور " سوبارہ " کنباص " صیمور " بھی شامل ہیں "

فارسی نے " ویہند " کو ہند کے نام سے پکارا ہے " اور کہا فارسی نے کہ " ہند کے شہر یہ ہیں "

" قامہل " کنبایہ " سوبارہ " سندان " صیمور " ملتان " جندرور " اور بسمد " پھر کہا کہ یہ شہر اس ملک کے ہیں " بشاری فرماتے ہیں کہ " میں نے ایک عالم سے پوچھا جس کو لوگ صاحب زہد و تقویٰ خیال کرتے تھے " اور وہ ہمیشہ لوگوں کو نصیحت کیا کرتا تھا اور ایک زمانہ سے اِس ملک میں آباد تھا " کہ یہاں کے اضلاع اور قریوں کا کچھ حال بیان کیجئے تاکہ میں اپنی تصنیف میں اُن کا بیان لکھ سکوں " لیکن بیان ایسا ہو کہ جیسے میں خود اُن مقامات کو دیکھ رہا ہوں "

" ابوالہیثم النیشاپوری " کے دوستوں میں سے بھی ایک فقیہ سے ملاقات ہوئی " وہ اِس ملک کے چپہ چپہ کا دورہ کر چکا تھا میں نے اُس سے پوچھا تو بیان کیا کہ " ویہند " ایک قصبہ ہے " شہروں کے نام حسب ذیل ہیں۔ " ذہان " بیتر " نوج " لوار " سلمان " قوج " لبکن " قنوج " وہ ایک قصبہ ہے " قنوج کے شہر حسب ذیل ہیں " قدار " ابار " کہارہ " بارد " وجنین " اورہ " زہہر " بوہیرد " اس کے سوا اور کچھ بیان نہیں کیا "

مُلتان کے شہر

" ملتان " وہ بھی ایک قصبہ ہے۔ اور اُس کے شہر حسب ذیل ہیں " براد " راماذان " وردین " بور " . . . . . . اس کے بعد علامہ بشاری مقدسی نے مکران کے قصبہ " بنجبور " اور " شہر تیز " اور " قزدار " (جو طوران کا ایک قصبہ ہے۔ اور یہ طوران موجودہ بلوچستان کا ایک حصہ ہے) اور " کیز کانان " اور " دیبل " اور " تبلی " اور " شہر ویہند " اور " قنوج " اور " شہر منصورہ " اور " شہر ملتان " کے تفصیلی حالات لکھے ہیں " پھر " جل شؤن ہذا الاقالیم " کی سُرخی دے کر " ملک سندھ کی " آب و ہوا " پیداوار " شکار " مذاہب " اور شہروں کی صنعت و تجارتی اشیاء وغیرہ کے حالات لکھے ہیں "

چچ نامہ کا بیان

فتح نامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ میں محمد بن قاسم کے فتح سندھ کے حال میں صـ۱۳ تا ۱۶ پر راجہ سی ہرس بن ساہسی کے حدود سلطنت کا حال اِس طرح تحریر ہے کہ " اُس کے ممالک و مقبوضات کی حدیں جانب مشرق کشمیر تک اور غرب کی طرف مکران کی حد تک۔ اور جنوبی حد سمندر کے کنارے اور دیبل تک اور شمال کی حد کیکانان سے کوہ کردان تک اور اپنے ممالک میں اُس نے چار صوبہ دار (گورنر) مقرر کئے تھے " . . . . (۴) اور چوتھے کا دار القرار

(نوٹ نمبر۱) یہ وہ قنوج نہیں ہے جو صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں ہے " (نوٹ نمبر۲) دیبل کا جائے وقوع موجودہ شہر کراچی ہے۔

قصبہ معظم ملتان تھا اور سکہ اور برہمپور اور کرور اور اشہار اور کنبا کشمیر کی حد تک اس کے تصرف میں چھوڑا۔"......

اور راجہ چچ کے حال میں صت ۳۷ و ۳۸ پر لکھا ہے کہ "پس جب قلعہ ملتان قبضہ میں آگیا تو "تکری" کو بطور نایب کے ملتان میں مقرر کیا اور بت خانہ نذر وی میں گیا۔ اور بت کو سجدہ کیا اور صدقہ دیا اور آگے کا ارادہ کیا۔" برہمپور اور کرور" اور اشہار کے راجے شرط خدمت بجالائے اور وہاں سے کنبا اور کشمیر کی حد تک پہنچا۔" کوئی بادشاہ اس کے مقابلہ میں نہیں آیا کہ اس کی روک ٹوک کرے جس جگہ گیا وہ قبضہ میں آگئی "کنبا" سے آگے قلعہ شاکلہا تک پہنچا جو سرحد کشمیر ہے۔".....

اور محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے حال میں صت ۱۱۸ تا ۱۲۱ پر تحریر ہے کہ "...... دو تین دن کے بعد جب مہم جس اور متعہ ختم کا انتظام کر چکے تو قلعہ سیسم کی طرف تشریف لائے اور ایک جماعت کو "بودھیہ" اور ملک سیوستان پر مقرر فرمایا اور باقی حشم کے ساتھ دریائے کنبا کے کنارے اس منزل پر جسے بدھاٹن کہتے ہیں آکر قیام کیا......

شہنشاہ جہانگیر کا بیان

اقبال نامہ جہانگیری کے صت ۵۲ و ۵۳ پر شہنشاہ کابیان کابل کے متعلق تحریر ہے کہ امیر الامراء ایسا ضعیف و بیمار تھا کہ میں نے اٹک میں اسے چھوڑا اور بخشیوں کو حکم دیا کہ کابل کی ولایت لشکر عظیم کی برداشت نہیں کرسکتی سوائے نزدیکوں اور مقربوں کے کوئی دریا سے عبور نہ کرے......

اور دریائے کامہ کے گرد فرو کش ہوا۔" یہ دریا جلال آباد کے پیچھے بہتا ہے۔" دریائے کامہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جلال آباد کے محاذی ایک قلعہ کا نام ہے وہاں دریائے کابل سے" دریائے کو نبہ ملتا ہے۔" کو نبہ ہی کو کامہ کہتے ہیں۔"......

جلال آباد سے پیشاور تک اسے کامہ کہتے ہیں۔"

روزنامہ انقلاب لاہور کا بیان

۱۱ اگست ۱۹۳۷ء کے انقلاب لاہور کے صت کالم ۲ میں "افغانستان کے بعض دریاؤں میں سیلاب۔ متعدد مویشی ہلاک ہوئے" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ۔

دریائے کنبہ صوبہ مشرقی میں زبردست سیلاب آیا جس کی وجہ سے ایک آدمی ہلاک اور اٹھارہ مویشی ہلاک ہوگئے ایک چکی اور پچاس گھر بھی ویران ہوگئے ان کا سارا مال و اسباب دریا برد ہوگیا۔" اسی طرح دریا کے کنارے کی بہت سی فصلیں تباہ ہوگئیں"

صاحب سلسلۂ عالیہ کا بیان

سلسلۂ عالیہ کے صت ۶ و ۵ پر ہے کہ "اثبات نسب میں اس فریق کے بعض لوگ اپنی جہالت سے مختلف باتیں کہتے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔"

لیکن جو بات اصحاب کتب و تصانیف اور ارباب تحقیق و تدقیق کی روائتوں اور بیانات سے ٹھیک ثبوت کو پہنچی ہے اور اہل دانش و حقیقت کے مجمع نے جسے صحیح قرار دیا ہے وہ اس طرح ہے کہ "یہ جماعت قبیلۂ خاص روسائے قریش سے ہے" اور سلسلۂ نسب اس کا صدر الآفاق قریشی سے جو ثقات تابعین میں سے تھے اور جن کے فضائل و مناقب حد شمار سے زیادہ ہیں اور جنہوں نے بہت اولاد چھوڑی تھی۔" ان میں سے ابو المحامد شیخ فرید جو علم و ورع میں یکتائے زمانہ اور ہم عصروں میں ممتاز تھے انہوں نے بغداد آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی اولاد کا زیادہ حصہ دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر ہوگیا۔" چنانچہ ان میں سے کچھ نے ہند کی طرف آکر ملتان کے نواح میں جہاں متعدد شہر معروف بہ کنبا ہ تھے اقامت اختیار کرلی۔" اور کنبا ہ اصل میں نام دریا کا ہے جو ملتان کے علاقہ میں واقع ہے۔"

شہنشاہ بابر کا بیان

شہنشاہ بابر نے اپنی تزک میں سنہ ۹۰۰ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ "...... سلطان محمود کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے بایسنقر میرزا کو امراء نے "سمرقند" کے تخت پر

(نوٹ ۱) بدھان ایک مقام تھا جو دریائے کنبا کے کنارے واقع تھا۔" وہاں کے لوگ بدھ مذہب کے پیرو اور قوم کے جاٹ تھے۔"

اٹھارہ برس کی عمر میں بٹھایا۔ اسی زمانے میں سلطان جنید برلاس اور بعض اکابر سمرقند کی تحریک سے محمود خاں نے فوج کشی کی۔ "کنبائے" کے نواح میں آگیا۔ بایسنقر میرزا نے اپنی فوج لے کر "کنبائے" کے مقام پر مقابلہ کیا اور فتح پائی....

اور ۹۰۱ھ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ "بایسنقر میرزا کے بھائی علی میرزا نے بایسنقر میرزا کو شکست دی۔ اور سمرقند کی طرف چلا۔ یہ خبر عید کے چاند کے ساتھ پہنچی۔ میں بھی سمرقند کے لئے معہ لشکر اسی راہ سے روانہ ہوا۔ سلطان مسعود میرزا بھی سمرقند لینے کے خیال سے شہر سبز میں آگیا۔ اہل سمرقند کیل کانٹے سے درست تھے۔ اس لئے میں "اندجان" پلٹ آیا۔ "شیراز" اور "کنبائے" کے نواح سے "مہدی سلطان" بھاگ کر سمرقند چلا گیا"......

شہر کنثب
علامہ بلاذری کا بیان

فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے صفحہ ۱۷۳ پر ہے کہ "......کاؤس" "اشروسنہ" کے بادشاہ کا ایک قہرمان (سردار) اس کے مزاج میں بڑا دخیل تھا۔ اس لئے "فضل بن کاؤس" سے اپنی بیٹی کی شادی کردی تھی۔ اس غرض سے کہ اُس کے دل میں فضل کی محبت بڑھے۔ "فضل کی بہت ثنا و صفت کرتا اور اُس کے دوسرے بیٹے حیدر معروف بہ آفشین کی مذمت کیا کرتا۔ حیدر کو ایک دن موقع ملا۔ اشروسنہ کے دار السلطنت "کنثب" کے دروازے پر اُسے قتل کردیا اور بھاگ کر ہاشم بن محوّر ختلی کے پاس چلا گیا جو اپنے شہر کا حاکم و مختار تھا"......

کیونکہ ہم "کنبا" "دریائے کنبا" اور "شہر کنثب" کی شہادتوں کے متعلقہ بیانات کو تفصیل سے جلد اوّل کے صفحہ ۳۲۲ تا ۳۳۴ پر لکھ آئے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف اُن کا اختصار پیش کردیا ہے۔ معلومات کی افزائش کے لئے ان تفصیلی بیانات کو بھی ضرور دیکھنا چاہیئے۔ مزید براں ہم نے جلد اوّل کے صفحہ ۳۲۸ پر ایک نقشہ بلادِ سندھ کا مطابق جغرافیہ "ابن حوقل" کرنل سر تھامس ایچ ہولڈچ کے۔ سی۔ ایم سی۔ کے۔ سی۔ آئی۔ اِی۔ سی۔ بی۔ آر۔ اِی۔ لیٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سروے آف انڈیا کی کتاب "انڈیا" مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے صفحہ ۱۹ سے لے کر بھی پیش کیا ہے۔ جس سے وادیٔ سندھ اور بلادِ سندھ کے تمام شہر اور اُن کے جائے وقوع اچھی طرح نظر کے سامنے آگئے ہیں۔ اور "ملتان والمنصورہ" اور "بانیہ وکنباہ" شہروں کے موقعوں کا حال بھی بخوبی واضح ہوگیا ہے اس لئے اس نقشہ پر دوبارہ نظر ڈالنا بھی لازمی ہے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان کی واقفیت کیلئے کنبا اور کمبو کے ہمنام و مماثل نام کے چند شہر، اشخاص و اقوام و مقام وغیرہ

کنبا اور کمبو کے مماثل ناموں کے شہر

(۱) مؤلف موصوف کی "شہر کنباہ" "دریائے کنباہ" اور "شہر کنثب" سے ناواقفیت کا حال اُوپر ظاہر ہوچکا ہے۔ اب یہاں ہم انہیں یہ اور بتاتے ہیں کہ "کنباہ" اور "کمبو" اور اُن کے مماثل ناموں کے اور بہت شہر مثل "کمبو" "کمبوآ" "کمبالوک" "کمبوہی" "کمبازو" یعنی کمبوجا" "کنبالو" "کمبونا" "کمبالا" اور "کمیو" وغیرہ وغیرہ دُنیا کے مختلف حصّوں میں موجود ہیں۔

نام اشخاص

(۲) اور اِن مقامات اور اشیاء کی طرح اکثر اشخاص کے نام بھی مثل "کنباج بن ہرداِل" "کمبار شی" "جنرل کنبو" "قنبور اغلو مصطفٰے آفندی" "مسٹر اے۔ ایس کمبارا ایئر اور این آر کمباوی" ہوئے ہیں۔ اور ہمارے زمانہ میں موجود ہیں۔

اقوام

(۳) مزید براں بہت اقوام و خاندان ہیں جو "قوم کمبا" "قوم کمبوار" "قوم کھمبو" "قوم قمبرانی" "خاندان کموں" "قوم کومی" "قوم کمبا" "قوم کمو" "خاندان کمگو" "کنبوی" "یا کنبو" کے نام رکھتی ہیں۔

دریا، پہاڑ، جزائر، علاقے، پرندے، اناج وغیرہ

(۴) اِن کے علاوہ "گھاسیں" "لکڑیاں" "اناج"

"پرند" "خطاب" "علاقے" "پہاڑیاں" "خلیجیں" "دریا" "جزائر" "گھاٹیاں" "قلعے" اور "میدان" بھی ہیں جو اس قبیل کے نام رکھتے ہیں۔ "مثلاً "کمبا" ایک حلال پرند کا نام ہے اور کمبو علاقہ مدراس میں باجرے کو کہتے ہیں"

ہم جلد اوّل کے صفحہ ۳۳۴ تا ۳۴۰ پر علیحدہ علیحدہ سرخیوں کے تحت ان سب کے حالات و اسناد پیش کر چکے ہیں یہاں طوالت سے بچنے کے لئے صرف اُن کی ایک جھلک دکھائی ہے۔ اس لئے ان کی پوری کیفیت وہیں دیکھنی چاہیئے "البتہ قوم کوہاوت" "خاندان کمبھانی" "خاندان کہوسیو اور کمپاوت" "نیز قوم کوہناوت سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ۱ تاریخ کارنامۂ راجپوتان کے صفحات ۲۴۳ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۷۱ کو علی الترتیب دیکھنا اور بلوچستان کے بروہی خاندان قمبرانی کا حال جاننے کے لئے رسالہ القریش امرتسر بابت ماہ نومبر ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۴۷ کو ملاحظہ کرنا چاہیئے" "نیز شہر کمپو کو کوریا کی لڑائی کے حال میں روزنامۂ الجمعیتہ مورخہ ۷ ار ستمبر ۱۹۵۰ء کے صفحہ ۱ کالم ۱ پر دیکھنا چاہیئے" "ان کے علاوہ بہت اقوام ہیں جو قریب المخرج اور ملتبس نام رکھتی ہیں لیکن اُن کی نسلیں جدا ہیں"

قریب المخرج اور ملتبس نام رکھنے والی اقوام اور خاندان

(۱) بھاٹ یا بھٹ "ہندوؤں کی معروف قوم ہے" (۲) بٹ "کشمیر کی نامور قوم ہے" (۳) بیٹنی یا بٹنی "افغانوں کا ایک قبیلہ ہے" (۴) بھٹی "راجپوتوں کا مشہور قبیلہ ہے" (۵) بھاٹی "صوبہ آسام کا قدیم نام ہے" جس کی نسبت سے یہ قوم مشہور ہے" (۶) بھٹانی "افغانی سرحدی قبیلہ ہے" (دیکھو روزنامۂ انقلاب لاہور ۸ ر ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۲ - (۷) بھوٹانی "ریاست بھوٹان کی رہنے والی منگول قوم بھوٹانی کہلاتی ہے" (۸) بھٹناگر "کایستوں کا مشہور قبیلہ ہے" (۹) بھٹنیری "راجپوتانہ کے علاقہ بھٹنیر سے موسوم ہے" (۱۰) بھٹیارہ "اپنے پیشے سے مشہور ہے" (۱۱) بھتہ "اسی قبیلے کی اور خاندان و اقوام بھی ہیں جو "بھٹاچارجی" "بھتہ" "بھوتہ" "بھاٹیا" "بھٹاناٹ" "بوٹانی وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں"

مزید برآں (۱) برہمن خاندان نہرو ہے جو کشمیر سے آکر دہلی میں نہر کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہو گیا ہے اور جس کے مشہور ممبر پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان ہیں"

(۲) دوسرا خاندان نہرا ہے جو راجپوت ہے" (۳) تیسرا دکن کے سادات کا مشہور خاندان نہری ہے۔ جس کے ایک بزرگ کے اورنگ آباد دکن میں نہر بنوانے کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے" ہم اس خاندان کا اور اس کے اس نام کی وجہ تسمیہ کا حال جلد اوّل میں لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح کے اور خاندان و اقوام ہیں جو "ناڑو" "ناردی" "نوہردی" "ماوراالنہری" "نہرجوری" "نہریا" "نہردانی" "نہروالہ" کے ناموں سے موسوم ہیں" ان کے علاوہ (۱) سُوری "سُوریہ" "جے سُوریہ" "سُوریانی" "اسُوری" "سُورتی" اور (۲) سندھیا "سندھی" "سوندھی" "سدھوانی" اور (۳) ذات عاربی" "قوم عربی" (۴) خاندان اکیانی" "قوم کیانی" وغیرہ وغیرہ بھی ہیں جن کے نام قریب المخرج ہیں مگر جن کی نسلیں علیحدہ ہیں اور وہ اپنے پیشہ یا سکونتی مقاموں یا دیگر وجوہ سے ان ناموں سے موسوم ہو گئی ہیں۔ ان میں ایسے خاندان بھی ہیں جو ایک ہی نام رکھتے ہیں مگر اُن میں نسلی تعلق بالکل نہیں ہے ۲ مثلاً خاندان سُوری ہے جو شیر شاہ سُوری مشہور افغان بادشاہ کے قبیلہ کا نام ہے اور ایک مشہور

(نوٹ ۱) میر عبدالجلیل بلگرامی کے جدِ اعلیٰ سید محمود کلاں کے اعقاب "بھتہ" کہلاتے ہیں ان سادات کے اس خطاب سے موسوم ہو جانے کا حال حیات میر عبدالجلیل بلگرامی حصہ دوم کے صفحہ ۱۳۵ پر دیکھنا چاہیئے" نوٹ ۲ ناڑو ایک کیڑے کا اور جزیرے کا نام بھی ہے"

ہندو خاندان بھی ہے جو اپنے سکونتی شہر کے تعلق سے سوری کہلاتا ہے " (دیکھو روزنامہ انقلاب لاہور ۱۴ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۴ کالم ۳ اور ۱۳، ۱۴ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳)

متذکرہ صدر اقوام و خاندانوں کی طرح اور بہت اقوام ہیں جو اپنے پیشوں یا سکونتی مقاموں یا دیگر وجوہ سے مشہور رہیں۔ مگر نسلی تعلق اُن میں بھی نہیں ہے "

وہ اقوام جو اپنے پیشوں یا سکونتی مقاموں یا دیگر وجوہ سے مشہور رہیں

(۱) قوم زمیندار (۲) قوم مہاجن (۳) قوم مولوی (۴) قوم عیسائی (۵) قوم جہیور (۶) ذات کھتوریہ (۷) قوم سکروال (۸) قوم ملتانی (۹) قوم چشتی (۱۰) خانوادہ چشتی (۱۱) قوم بندیلا (۱۲) ذات امیر غنی (۱۳) حاجی خاندان (۱۴) ذات بجاج (۱۵) قوم فقیر (۱۶) قوم قصاب (۱۷) قوم خواجگان (۱۸) اکیانی (۱۹) کیانی (۲۰) قوم سواتی (۲۱) خاندان بخشی (۲۲) خاندان نوگیاں (۲۳) خاندان سکیٹی (۲۴) خاندان قاضی زادگان (۲۵) خاندان دانشمندان (۲۶) خاندان بڑ بگہ (۲۷) ڈبکوری (۲۸) خاندان بارہ پوتیان (۲۹) خاندان ملقب بہ مرزا (۳۰) خاندان منافِ پوتہ (۳۱) خاندان قزلباش (۳۲) خاندان حفاظ (۳۳) خاندان مُہنے (۳۴) خاندان وکیلان (۳۵) خاندان کٹھوڑہ (۳۶) خاندان جا موٹ (۳۷) قوم سیر (۳۸) قوم ہاڑا (۳۹) ذات گوالیری (۴۰) ذات اکبر آباد (۴۱) قوم مسلمان (۴۲) قوم پردیسی (۴۳) قوم ہندوستانی (۴۴) قوم مدراسی (۴۵) مغل ہیں مگر مارواڑی کہلاتے ہیں (۴۶) پنجاب کے ہیں مگر سندھی کہلاتے ہیں (۴۷) غزنی کے ہیں مگر خیر آبادی کہلاتے ہیں (۴۸) خاندان دوباشی (۴۹) ایک مشہور جاٹ خاندان جو بھنگی کہلاتا ہے (۵۰) خاندان ہلکر (۵۱) قبیلۂ غسان (۵۲) قوم راول (۵۳) قوم قدوائی " قاضی

اِن میں سے اکثر قوموں کا ذکر تو مسٹر محمود احمد امروہوی کی کتاب " تحقیق الانساب تاریخ امروہہ " سے لے کر ہم جلد اوّل میں لکھ چکے ہیں اور کچھ کا حال اسی جلد میں عبداللہ مالیری کے رسالہ سفینۂ مالیری کے اقتباسات میں آچکا ہے " بہت سوں سے ملک کا ہر فرد و بشر واقف ہے " اور چند جو باقی رہیں اُن کے حالات بھی روزمرہ اخبارات میں مقدموں کے اشتہار و اور دیگر واقعات میں آتے رہتے ہیں " پھر بھی ہم نے اُن اخباروں " رسالوں اور کتابوں کی فہرست اِس کتاب کے آخر میں دے دی ہے جن سے اِن سب کو اخذ کیا گیا ہے " تاہم اتنا بتائے دیتے ہیں کہ (۱) مولانا عبیداللہ جو پنجاب کے رہنے والے تھے ہمیشہ سندھی کہے اور لکھے گئے ہیں " (۲) شیخ عثمان غزنی کے رہنے والے تھے مگر خیر آباد میں مسکن گزیں ہو جانے کی وجہ سے خیر آبادی کہلاتے تھے (دیکھو فوائد الفواد یعنی ملفوظات خواجگانِ چشت حصہ دوم صفحہ ۱۴۲) اور (۳) بنگال کا ایک خاندان دوباشی اِس لئے کہلاتا ہے کہ اُس کے مُورثِ اعلیٰ کو دو زبانوں یعنی بھاشاؤں سے واقفیت تھی۔ (دیکھو سفرنامہ مظہری) (۴) اور پنجاب کے مشہور و معروف بھنگی خاندان کا لقب اِس لئے بھنگی پڑ گیا کہ اُس کا مورثِ اعلیٰ بھنگ پیا کرتا تھا " اِس خاندان کا ذکر مؤلف تاریخ کمبوہان نے بھی شیخ عنایت کے حالات کے ضمن میں کیا ہے " (۵) اور عرب کے ایک مشہور قبیلہ نے جب یمن سے نکل کر ملک شام کی سرحد پر ایک چشمہ غسان نامی پر پہنچکر سکونت اختیار کی تو اس چشمہ کی وجہ سے اُس قبیلہ کا نام غسان پڑ گیا " یہ قبیلہ غسان وہی ہے جس کا بادشاہ جَبلہ بن ایہیم الغسانی حضرت عمرؓ کے دستِ مبارک پر اسلام لایا تھا " اور پھر طواف کعبہ کے وقت ایک بدوی کے تھپڑ مار دینے کی سزا کے خوف سے رُوم کے بادشاہ کے پاس بھاگ گیا تھا " (دیکھو انساب کملا وغیرہ)

(نوٹ ۲) کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۳۵ پر تحریر ہے کہ " بھاٹوں کی روایت کے بموجب سُولنکھی " قبل اس کے کہ راٹھوڑ " قنوج پر قابض ہوئے سُوروں شہر " لب دریائے گنگ کے راجہ تھے)

(۶) اور پنجاب کی مشہور قوم راول کا نام اُس راول ندی کی مناسبت سے پڑا ہے جس کے کنارے پر شہر راولپنڈی اسی طرح آباد ہے جیسے دریائے جہلم کے کنارے پر شہر جہلم آباد ہے" (دیکھو ارمغانِ ہند صـ۱۱)

اِن کے ماسوا جن کے حالات ہم اُوپر بتا آئے ہیں اور بہت خاندان و قبایل ہیں جن کے نام بالکل ایک ہیں مگر جُدا جدا قبایل سے تعلق رکھتے ہیں"

ایک ہی نام کے پانچ خاندان اور دو مختلف النسل قبایل

امام سمعانی نے اپنی کتاب الانساب میں تحریر فرمایا ہے کہ " پانچ خاندان عرب میں بنو آشد یا آسدی کہلاتے ہیں " (۱) اُن میں سے ایک " آشد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مُرہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر (یعنی قریش) ہے " (۲) دوسری نسبت " آشد بن خزیمہ بن مُدرکہ بن الیاس بن مضر کی جانب ہوتی ہے " (۳) تیسری نسبت " آشد بن ربیعہ بن نزار کی طرف ہے " (۴) چوتھی نسبت " آشد بن داؤد کی طرف ہے " (۵) پانچواں " آزد میں ایک بطن (یعنی گھرانا) ہے جنہیں بنو آشد بہ حرکت سین کہتے ہیں۔ اور وہ آشد بن شریک بن مالک بن عمرو بن مالک بن فہم ہے " ان کے علاوہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ شیبانی ہے اور ترکستان کا بھی ایک معروف قبیلہ شیبانی کے نام سے موسوم ہے "

جس طرح یہ قبایل ایک ہی نام سے موسوم ہیں اِسی طرح بہت سے دریا " اشخاص " خاندان اور قصبے بھی ہیں جو ایک ہی نام رکھتے ہیں ان میں سے بھی ہم چند سے یہاں رُوشناس کراتے ہیں "

" ایک ہی نام کے " دریا " اشخاص " خاندان " اور قصبے "

دریائے سندھ (۱) سندھ ندی۔ در راجپوتانہ۔ دیکھو تاریخ فرشتہ جلد دوم صـ۱۵۵ درحال سلطان سکندر لودی " و تاریخ کارنامہ راجپوتان صـ۲۷۷ درحال قتل راجہ بھیم راج پدر راجہ بھارامل خسر شہنشاہ اکبر " (۲) تحصیل سندھ " ضلع گورکھپور " جس کے تھانہ چوراچوری کا واقعہ مشہور ہے " (۳) سندھی نام شخص (روزنامہ انقلاب لاہور ۳۰ جولائی ۱۹۳۹ء صـ۷ کالم ۵) (۴) خاندان سندھیا " جو ریاست گوالیار پر حکمران ہے اور مرہٹہ قوم سے ہے " (۵) مسٹر سوندھی " روزنامہ انقلاب لاہور ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء صـ۴ کالم ۳ (۶) ذات سدھوانی " روزنامہ انقلاب لاہور ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء صـ۶ کالم ۳) (۷) گومتی ندی در اودھ (۸) گومتی نام کی دو ندیاں در راجپوتانہ (۹) گومتی نام کی پہاڑیاں در صوبہ سرحد (۱۰) بان گنگا در راجپوتانہ (۱۱) بین گنگا در دکن (۱۲) گنگا یا گوداوری " دریا سلطنت نظام دکن۔ (۱۳) گنگا شمال مشرق ہندوستان کا مشہور دریا " (۱۴) رام گنگا در روہیل کھنڈ صوبہ یوپی " (۱۵) کشن گنگا در کشمیر " (۱۶) دریائے گھاگرہ " ریاست بیکانیر میں " (۱۷) دریائے گھاگرہ " معاون دریائے گنگا " در ضلع گورکھپور " (۱۸) دریائے راین در فقفاز " (۱۹) دریائے راین در جرمنی " (۲۰) موضع لونی قریب پُونہ " (۲۱) موضع لونی در دکن ضلع بیدر میں " (۲۲) قصبہ لونی در ضلع میرٹھ قریب دہلی " (۲۳) جودھپور ضلع لدھیانہ پنجاب میں " (۲۴) جودھپور مشہور شہر دریاست در راجپوتانہ " (۲۵) قصبہ ہمیر پور در ضلع کانگڑہ پنجاب " (۲۶) شہر و ضلع ہمیر پور " در یوپی " (۲۷) مالوہ دریائے ستلج کا جنوب کا علاقہ جس کی وسعت دہلی اور بیکانیر تک ہے " (۲۸) دوسرا صوبہ مالوہ جو وسط ہند میں ہے " (دیکھو کتاب رولز آف انڈیا مصنفہ سر لیپل گریفن "

(مترجمہ نظیر حسین فاروقی)

باب بست و پنجم

مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کے تجزیہ کا خاتمہ اور اُن سے ہمارے تین سوال

الحمد للّٰہ اب ہم مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کے تجزیہ سے فارغ ہو گئے ہیں " اور تواریخی شواہد کی روشنی میں بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ اکثر قبایل و خاندان گو یکساں اور قریب المخرج ناموں سے بھی موسوم ہیں لیکن نسلیں اُن کی جدا ہیں اور اس بات کو بھی خوب طرح دکھا آئے ہیں کہ کسی مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھ دیا جاتا ہے " کبھی اُس کو ایسی قبولیت و عام شہرت حاصل ہو جاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ اُسی نام سے شہرت پذیر ہو کر ایک قوم بن جاتی ہے " کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے کوئی باسم محل اور کوئی بہ اِسم صفت موسوم ہو گئی ہے " مگر ان حالات سے صَرفِ نظر کر کے بدیہیات سے منہ موڑ کر اور اُنہیں معرضِ خفا میں رکھ کر ۔۔ من گھڑت کہانیاں سُنا کر اور نت نئے طریقوں سے دہوکے دے کر مؤلف تاریخ کمبوہان کا اپنے ناظرین کو یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ کمبوج اور کمبو اور زبیری کنبوی خانوادوں میں کوئی نسلی مغایرت نہیں ہے اُن کی ایسی جسارت ہے جو اُنہیں کے لئے خاص ہے "

(۱) ہم یہاں اُن سے ایک سوال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶ پر اپنی قوم کمبو کے تنسّب کی تحقیقات میں جو یہ لکھا ہے کہ "

"کسی قوم کے حسب و نسب اور اصلیت کی تحقیقات کے واسطے محققین کو لازم ہے کہ اِس فرقہ کے لوازم خانگی و بیرونی پر جو تعمیل رسُومِ آبائی و طرزِ پرستش و طریق تمدن پر مبنی ہوں ۔ اور جن کی مسلسل قدامت اور جن کی تعمیل کی شدت ۔ ہر ایک ذات کے دعوے کو ثابت کر سکتی ہے " بخوبی غور کرے ۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ فرقہ مدعی جس ذات میں شامل ہونے کا دعویدار ہے " اُس کے خصائص و رسوم ۔ اُس میں موجود ہیں یا نہیں " اور اس کے بعد اپنی قوم کے ہندوانہ رسوم و خصائص کو بتایا ہے "

تو اپنے مقرر کردہ اِن اُصولوں کے تحت زُبیری کنبوی خاندان کے نسب کو جانچنے کی انہوں نے کیوں کوشش نہیں کی " اور شہر کنبایہ کے وجود سے انکار کر کے اور اس خاندان کے سکنی لقب کنبوی کو چھپا کر اُسے کمبو ظاہر کرنے پر ہی اپنا پورا زور کیوں لگا دیا ہے " جب اُنہیں خود اقرار ہے کہ یہ خاندان اپنے آپ کو عربی الاصل اور زبیری النسل کہتا ہے ۔ اور اس بات پر ایسا قایم ہے کہ اس کے سوا وہ کوئی دوسری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے " تو یہ امر اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ مؤلف موصوف خاندان مذکور کے لوازم خانگی و بیرونی اور رسُوم آبائی ۔ اور طریقِ تمدن وغیرہ کو بھی اسی طرح وضاحت سے دکھاتے جس طرح انہوں نے قوم کمبو کے متعلق اِن باتوں کو دکھایا ہے " اگر وہ زُبیری کنبوی خاندان اور اپنی قوم کمبو کے رسوم آبائی " طریق تمدن اور لوازم خانگی و بیرونی میں ذرا بھی یکسانیت دکھا دیتے تو پھر اُنہیں ایک ایسی راہ مل جاتی جس پر وہ کچھ بحث کر سکتے تھے " لیکن اِن ضروری باتوں کو چھوڑ کر اُن کا خاموشی اختیار کر لینا کیا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ اگر وہ ایسا کرتے تو اُن کی وہ عمارت جسے بڑے جتن سے اپنا خون پسینہ ایک کر کے بناتے چلے آ رہے تھے اُس کے بنانے کا خیال بھی دل میں لانا اُن کے لئے محال ہو جاتا " بلکہ اِس عمارت کی بنیاد ہی قایم کرنے کے لئے انہیں کوئی جگہ نہ ملتی "

سب جانتے ہیں کہ ہندوستان میں جس قدر شریف ہندو قومیں مسلمان ہوئی ہیں " انہوں نے اپنی قومیت

کو نہیں بھلایا۔ اور باوجود راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے فخریہ اپنے ناموں کے ساتھ اپنی قومیت کا اظہار کرتی ہیں" اُن میں صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج تک بہت سے اُمور میں اُن کے قدیم رسم و رواج باقی ہیں" مؤلف تاریخ کمبوہان کو معلوم ہونا چاہئے کہ پنجاب کے ہندوؤں کی طرح جو شرع اسلامی کے خلاف رواج کے پابند ہو گئے ہیں اور کچھ دیگر عربی النسل خاندانوں میں بھی اسی قبیل کی باتیں آ گئی ہیں" مگر خدا کا شکر ہے کہ اِس زبیری کنبوہی خاندان میں شروع سے آج تک کسی گوت کا نشان اور کسی ہندوانہ رسم کا رواج کبھی نہیں رہا" اور لوازم خانگی و بیرونی نیز طریق تمدن میں بھی ہمیشہ سے اپنے ہی جادہ پر قایم رہتا چلا آیا ہے" اپنی ابتدائی تاریخ سے اس وقت تک یہ قریشی زبیری کنبوہی بفضلہٖ تعالےٰ علم کے علمبردار رہے ہیں۔ اور اس زمانہ میں بھی سو فیصدی تعلیم یافتہ ہیں" ان کے پاس چھ سَو برس سے زاید کی مسلسل تاریخ اور اس سے پہلے کے شجرے اور مختلف تاریخی روایات موجود ہیں"

"برخلاف اس کے چودہری وہاب الدین نے خود اپنی تاریخ کمبوہان میں اِس امر کو تسلیم کیا ہے کہ بقول طالب نہ ہمارے پاس کوئی مستند روایت ہے نہ کسی خاندان کے پاس کوئی قابلِ وقعت شجرہ ہے۔ نہ کوئی قومی تحریر اور تاریخ ہے۔ علم بھی ہمارے بھائیوں کا کم ہے۔ بلکہ صفر ہے"

اِن حالات کی روشنی میں "بقول معظمی و محترمی مولوی سعید احمد صاحب مؤلف اُمرائے ہنود و تاریخ آگرہ و فتحپور سیکری و حیات خسرو وغیرہ وغیرہ اور بانی و مینجر شعیبیہ ہائی اسکول و انجمن محمدیہ وغیرہ"

(۱) ہم مؤلف تاریخ کمبوہان سے دریافت کرتے ہیں کہ "کیا پنجاب کی جاہل اور سیکڑوں گوتوں میں منقسم اور ہندوانہ طرزِ معاشرت کی پیرو قوم کمبو کی جو صدیوں سے اب تک اِسی حالت جمود میں چلی آ رہی ہے" صوبہ متحدہ میں قدم رکھتے ہی کس مافوق العادت یا جنتر منتر کے ذریعے فوراً قلب ماہیت ہو گئی"

(۲) اور صاحب مآثر الامراء نے "اپنی تاریخ میں نواب شہباز خاں زبیری کنبوہی" کے حال میں ضد ۵۹ پر جو لکھا ہے کہ

"نسبش بہ شش واسطہ" بہ حاجی جمال میرسد" کہ مرید مخدوم بہاؤ الدین ذکریائے ملتانی بودہ" گویند درویشے بہ مخدوم سوال کرد" کہ بدوستی خدا" بنام پیغمبرے یک اشرفی بمن بدہ" مخدوم متفکر شد۔ حاجی عرض کرد۔ کہ بمن حوالہ نمایند" بخانۂ آں برد و گفت" نام ہر پیغمبرے بگیر و یک اشرفی بستان" او" دہ بست نام بردہ گفت" اشرفی گرفت و دیگر اعتراف بعجز نمود" چوں بمخدوم معلوم شد۔ دعا در حقِ او کردند" کہ خفیف العقلے" درمیان شما نباشد" چنانچہ اکثر ایں فرقہ" بجدتِ ذہن" در ہند شہرت دارند"

"اُن کا نسب چھ واسطوں سے حاجی جمال تک پہنچتا ہے" مخدوم بہاؤ الدین ذکریائے ملتانی کے مرید تھے کہتے ہیں کہ ایک درویش نے مخدوم سے یہ سوال کیا کہ خدا کی محبت میں ہر پیغمبر کے نام پر مجھے ایک اشرفی دو" مخدوم اس بات سے فکرمند ہوئے حاجی صاحب نے عرض کیا کہ اِسے میرے حوالہ کیجئے اور اُسے اپنے مکان پر لے جا کر کہا کہ نام ہر پیغمبر کا لیتے جاؤ اور ایک ایک اشرفی ہر نام پر لو" اُس نے دس بیس نام کہکر اشرفیاں لے لیں" اور دوسروں کے نام بتانے میں اپنے عجز کا اعتراف کر لیا" جب مخدوم صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو حاجی صاحب کے حق میں یہ دعا کی کہ کوئی ضعیف العقل تم میں سے نہ ہو" چنانچہ اکثر لوگ اس فرقہ کے ذہانت کی برتری میں ہندوستان میں شہرت رکھتے ہیں"

اِس واقعہ اور اِس خاندان کی جدتِ ذہن اور ہوشمندی کا حال تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامہ اکبری میں

شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے بھی صفحہ ۹۵۲ پر ۲۳ میں تحریر کیا ہے اور یہ دونوں کتابیں مؤلف تاریخ کمبوہان کے مطالعہ میں رہ چکی ہیں" تو اس بیان کی روشنی میں ہم مؤلف موصوف سے پوچھتے ہیں کہ یہ دُعا جو حضرت مخدوم صاحب نے دی "زبیری کنبوی خاندان" کے لئے ہے جو ہندوستان میں اپنی جدتِ ذہن اور ہوشمندی کے لئے شہرت رکھتا ہے" یا اُن کی قوم کمبو کے لئے ہے جس کی کند ذہنی اَلَمْ نَشْرَح ہے"

(۳) مؤلف موصوف ذرا اس بات کا بھی جواب دیں کہ "مآثر الامراء کی اسی جلد اوّل کے صفحہ ۶۰ پر یہ جو لکھا ہے کہ

(نواب شہباز خاں) بمردم کنبو آں قدر داد کہ ہیچ کس ازیں قوم در ہند پریشان و بدحال نماند"

(نواب شہباز خاں) نے کنبو لوگوں کو اس قدر دیا کہ کوئی آدمی اس قوم کا ہندوستان میں پریشان و بدحال نہ رہا"

تو اس داد و دہش کا تعلق زبیری کنبوی خاندان والوں سے ہے جو نواب شہباز خاں کے ہم نسب اور عزیز قریبی تھے۔ اور جن کے مراتب و کارناموں کے حالات جلی حرفوں سے تاریخوں میں لکھے چلے آئے ہیں۔ اور اس وقت بھی سامنے موجود ہیں" یا اُن کی قوم کمبو سے جس کی بدحالی ظاہر ہے اور جس کے متعلق مؤلف تاریخ کمبوہان نے خود لکھا ہے کہ "نہ کسی خاندان کے پاس کوئی قابلِ وقعت شجرہ ہے نہ کوئی قومی تحریر اور تاریخ ہے" علم بھی ہمارے بھائیوں کا کم ہے بلکہ صفر ہے"

اِن الزامات کے بعد اب ہم نسب کے فائدے اور نسبی و حسبی شرافت سے واقف کرا کر قریشیوں کے اوصاف و خصائل اور اُن کے فخر و امتیاز کے اسباب نیز اُن کی اصالت و نجابت سے روشناس کراتے ہیں۔ من بعد اس زبیری خاندان کے اوصاف و حالات پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈالیں گے۔ جس سے مؤلف تاریخ کمبوہان نے غلط بیانیوں اور دعووں سے کام لے کر اپنی قوم کو چپکا دینے میں اپنی لیاقت کا پورا زور صرف کر دیا ہے" تاکہ حقیقت کے سامنے آجانے سے صاف طور پر ظاہر ہو جائے کہ یہ خاندان کس درخت کا ثمر شیریں ہے"

"نَسَب کا فائدہ" "نسبی و حَسبی شرافت" "علم الانساب اور عربی النسل قبایل"

نَسَب کا فائدہ مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ نے جلد چہارم کے صفحہ ۲ تا ۴ پر لکھا ہے کہ "صلۂ رحم اور شفقت انسان کا طبعی خاصہ ہے" اتحاد نسب کا خیال" اور قرابت کا جذبہ" اقربا کی نصرت و حمایت" اور اعزا کی امداد و دستگیری پر" فطرتاً لوگوں کو آمادہ کرتا ہے" اور بلا شبہ تمدنی و معاشرتی زندگی میں اس خیال اور اس جذبہ سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں" جناب رسولِ خدا صلعم کا ارشاد مبارک ہے کہ "اپنے نسب سے واقفیت حاصل کرو۔ تاکہ اس ذریعہ سے صلۂ رحم کر سکو" اس کے ساتھ نسب کی واقفیت" اور تذکرہ آباء سے" اسلافِ کرام کے فضائل و محامد کی تقلید کا قومی جذبہ پیدا ہوتا ہے" اور حفاظت نسب کا خیال۔ انسان کو معاصی کی آلودگی سے بھی ایک حد تک محترز رکھتا ہے نیز اکابر دین۔ اور برگزیدہ ہستیوں سے انتساب" یقیناً خدائے تعالیٰ کی نعمت ہے"

نسبی شرافت مسلمانوں کے عقیدے میں تخلیق و آفرینش کے اعتبار سے سب انسان برابر ہیں۔ خدائے بزرگ نے" نوع انسان کے جو مختلف گروہ۔ اور قبیلے بنائے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر تفوق اور برتری کی خاطر نہیں" بلکہ تعارف اور شناخت کے لئے بنائے ہیں" کلامِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے"

"اے لوگوں ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ تمھارے گروہ اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔ بیشک تم میں بہتر۔ خدا کے نزدیک وہ ہے۔ جو تم میں زیادہ متقی ہے" بیشک خدا جاننے والا اور خبیر ہے"

تاہم یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ "اس کرہ ارض پر بسنے والی قومیں اور قبیلے اپنے اپنے مرز بوم اور ماحول کے اثرات - افراد قوم کے ذہنی اور دماغی نشوونما" "تمدنی اخلاقی" اور مذہبی خصوصیات کی بنا پر" ایک دوسرے سے شانِ امتیاز رکھتے ہیں" نیز یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ اُن خاندانوں اور قبیلوں کے اَخلاف کو" جن کے اجداد و اسلاف" علم و فضل" اِتقاء و پرہیزگاری" دیانت و امانت" عصمت و عصبیت" غیرت و حمیت" شجاعت و شہامت" حکومت و سلطنت" اقتدار و اقتدار" اور اسی طرح دیگر فضایل و کمالات انسانی سے متصف رہے ہوں" نہ صرف ایسے گروہوں اور قوموں کے مقابلہ میں" جن کے مُورِث اِن اَوصاف و فضائلِ انسانی سے قطعاً معرا - اور قرن ہا قرن سے تمدن و معاشرتی پستی میں گرے ہوئے ہوں تفوق اور وقار حاصل ہوتا ہے" بلکہ جیسا کہ ماہرینِ علم نفسیات نے بدلایل ثابت کیا ہے کہ اجداد کے کیرکیٹر" اَوصاف و فضایل" اور اخلاق و اطوار کا کچھ نہ کچھ حصہ" نسلاً بعد نسلٍ - اور بطناً بعد بطنٍ" بعینہٖ اِسی طرح اخلاف کو بطور وَرثہ کے پہنچتا ہے" جس طرح جسمانی ساخت" اور شکل و شمایل میں" آباؤ اجداد کی شباہت - اَولاد میں بالعموم پائی جاتی ہے" غرضکہ ایسے ممتاز" مشہور و معروف" اور حامل آثار خاندانوں اور قبیلوں سے منتسب ہونے کو "شرافت نسبی" سے تعبیر کیا جاتا ہے"

حضور سرورِ کائنات صلعم کا اِرشاد ہے" سونے اور چاندی کی طرح انسانوں کے بھی مَعادِن (کانیں) ہوتے ہیں" جو شخص (بلحاظ شرافتِ نسبی) زمانہ جاہلیت میں بہتر ہے - وہ عہدِ اسلام میں بھی بہتر ہے"

جو فرق و امتیاز" سونے کو چاندی سے" چاندی کو پیتل سے" اور پیتل کو لوہے سے ہے" بلا شبہ قبایل اور اقوام بھی" اپنی اپنی خصوصیات میں" اِسی طرح جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں"

"انبیاء علیہ السلام" اور قائدینَ مِلَل" گروہ انسانی میں" اِسی طبقہ سے پیدا ہوتے ہیں جو اپنے حالات و خصوصیات کے اعتبار سے" سونے کی کان کی مانند" ہوتا ہے" قوموں اور ملتوں کی رہنمائی بھی" حقیقتاً ایک پیغمبرانہ عمل ہے"

حَسَبی شرافت

حسب سے مراد" صفات ذاتی و خاندانی" سے ہے" اور اِس کا مدار حقیقتاً" اخلاق و اطوار" اور فضایل حمیدہ" پر ہے" نسبی شرافت کا شرَف و امتیاز" کلیتاً نہیں تو زیادہ تر حَسَب پر موقوف ہے" اگر شرافتِ حَسَبی مفقود ہو - تو شمار آبا فضول و بے سُود ہے" نسبی شرافت کی بقا کے لئے" حَسَبی شرافت لازمی ہے"

علم الانساب اور عربی النسل قبایل

اسی کتاب کے صـ۱ پر تحریر ہے کہ" تاریخ شاہد ہے کہ" تمدنی دنیا میں سب سے زیادہ نَسَب پر فخر کرنے والی قوم" قوم عرب ہے" عرب جاہلیت تو" تفاخرِ نسبی" کے دالہ و شیدا تھے" بازارِ عکاظ" اِس قسم کے خیالات کا مرکز تھا - اور کچھ شُبہ نہیں - اِس فخر سے اُن کے بڑے بڑے کام بھی نکلے - لیکن اسلام نے" تفاخرِ نسب" اور نسبی تعلیات کو" مٹا دیا" تاہم تحقیق و تعارُف کے لئے" انساب" کا علم باقی رہا - اس میں متعدد و مبسوط تصانیف مدوّن ہوئیں - نسب کی چھان بین - اور جرح و تعدیل کے لئے اُصول و قواعد بھی منضبط ہوئے" عربی النسل خاندان جس مُلک میں جاکر بسے" اپنی اِس قومی خصوصیات کو بھی ساتھ لیتے گئے" چنانچہ آج تک اُن کی نسلوں میں" انساب محفوظ رکھنے کا جذبہ" نسلاً بعد نسلٍ" موجود پایا جاتا ہے"

عالی نَسَب یعنی قریشی لوگوں کے اَوصاف و خصایل طبعی

جناب حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم العالی نے" رواۃ البخاری" سلسلہ" التبلیغ" کے متفرق سلسلہ کا پہلا وعظ" مسمی بہ" البصیر بالبشیر" مطبوعہ اشراف المطابع تھانہ بھون" کے صـ۲۹ تا ۳۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ" عالی نسب میں قلاتی طور پر" اولوالعزمی" سچائی" وفاداری" امانت" دیانت" حیا" شجاعت" حلم و کرم وغیرہ" اخلاق حمیدہ" بہت

کچھ ہوتے ہیں۔ دوسروں کو جن اخلاق کی تحصیل کے لئے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں وہ اہلِ نسب میں طبعی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ ...... تو جن مقبولانِ الٰہی کو متبوع بنایا جاتا ہے وہ عادتاً وہی لوگ ہوتے ہیں جو شریف النسب ہیں۔ اور جو مقبولانِ الٰہی کم نسب ہوتے ہیں اُن کو شانِ متبوعیت عطا نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ تابعیت کی شان میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی حدیث بخاری میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے ابوسفیانؓ سے پوچھا تھا کہ محمد صلعم کا اتباع کون لوگ زیادہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ کمزور اور کم مرتبہ لوگ زیادہ تبیع ہو رہے ہیں۔ ہرقل نے کہا وکن لک اتباع الرسل ضعفاء الناس کہ ہمیشہ رسولوں کا اتباع اول ایسے ہی لوگ کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم رتبہ اور کم نسب لوگوں میں شانِ تابعیت زیادہ ہوتی ہے۔ نیز دوسری حدیث میں ہے کہ الناس معادن کمعادن الذھب والفضة خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذ فقھوا یعنی جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں شرفا اور سردار تھے وہ ہی اسلام کے بعد بھی شرفا اور سردار ہیں جبکہ وہ فقہ اور دین کو سمجھ کر حاصل کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جاہلیت میں تابع تھے وہ اسلام کے بعد بھی تابع رہیں گے۔ کیرانہ میں ایک حاجی عبداللہ صاحب گوجر تھے وہ بہت نیک اور بزرگ آدمی تھے۔ ایک مرتبہ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو کچھ شیخ زادوں کی قوم کا تذکرہ تھا۔ میں کہنے لگا کہ شیخزادوں کی قوم بڑی چالاک اور ہوشیار ہوتی ہے۔ پھر میں نے چند واقعات اُن کی ہوشیاری اور چالاکی کے بیان کئے۔ جب مجھے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے دیر ہوگئی تو حاجی عبداللہ صاحب بولے کہ مولوی صاحب آپ نے اس قوم کے نقائص تو بیان کردیئے ان کے فضائل بھی تو بیان کردیجئے۔ میں نے کہا کہ حضرت وہ آپ بتلائیے۔ کہنے لگے کہ ایک بات تو میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت جتنے لوگوں سے مخلوق کو دین کا کامل...... نفع پہنچ رہا ہے وہ اکثر شیخزادے ہی ہیں۔ دوسری قوموں کا کوئی آدمی دین کا پیشوا اس درجہ کا نہیں دیکھا گیا۔ گو آج کل سب طرح کے لوگ علم دین حاصل کرتے ہیں مگر اُن سے دین کا نفع خلوق کو اتنا نہیں پہنچتا جتنا شیخزادوں سے پہنچ رہا ہے۔ اور اس کے بعد چند بزرگوں کے نام لئے۔ حقیقت میں یہ بات انہوں نے ایسی کہی کہ جب میں نے اس پر غور کیا تو بالکل ٹھیک معلوم ہوئی۔

اس سے معلوم ہوگیا راز اس حدیث کا الائمة من قریش کچھ عالی نسب لوگوں میں خصوصیت سے انتظام و تربیت کا مادہ دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے شانِ مقبولیت بطور متبوعیت کے ہمیشہ عالی نسب لوگوں میں ہوتی ہے۔ اور شانِ مقبولیت بطور تابعیت کے کم نسب لوگوں میں۔ مگر چونکہ مقبول دونوں میں ہوتے ہیں اس لئے حقیر سمجھنے کا کسی کو حق نہیں۔ پس یہ جتنے بھی غریب لوگ ہیں۔ اُن کو کوئی حقیر نہ سمجھے ان میں مقبولانِ الٰہی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہاں تابعیت کی شان کم نسب والوں میں زیادہ ہے۔ اور متبوعیت کی شان اصحاب نسب میں زیادہ ہے۔ اسی واسطے انبیاء علیہ السلام ہمیشہ اصحاب نسب ہوئے۔ اور اُن کو حق تعالے نے تمام امور ظاہری میں بھی اعلیٰ و افضل قرار دیا ہے۔

قریشیوں کے خصائص قومی

تاریخ امروہہ جلد اول کے صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۳ پر تحریر ہے کہ نوعِ انسانی کی مختلف شاخوں کے نسبی معاملات کا ثبوت اور اس کا صحیح اندازہ اقوام کی عادات و خصائل شکل و شمائل اور خصوصیات قومی سے بھی ہوسکتا ہے۔

اہلِ عرب کی صفائی ذہن اور فطری سرعتِ فہم دنیا میں مسلّم ہے۔ زباندانی اور فصاحت و بلاغت عرب کے ایک ایک فرد کا مخصوص جوہر تھا۔ نطق اعرابی و عدنانی فصاحت دنیا میں مشہور ہے۔ اپنے

علاوہ تمام دُنیا کو انہوں نے "عجم" (یعنی ژولیدہ بیان") کا خطاب دے رکھا تھا" عرب سے باہر جہاں گئے" اور جس ملک میں جا کر ڈیرے جمائے۔ یہ فطری جوہر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے" بازارِ عکاظ" کا سماں ہر جگہ جا رچایا" فارسی ہو یا اُردو" سندھی ہو یا ہندی" یا پنجابی" ہر زبان میں فصاحت کے دریا بہا دیئے" اِن زبانوں کے چوٹی کے شعراء کی فہرست اٹھا کر دیکھو اس میں کوئی "میر تقی میر۔ ہاشمی ہوگا" کوئی شیخ غلام ہمدانی مصحفی قریشی" اقوامِ عالم میں صرف اہلِ عرب ہی اپنی اس خصوصیت میں ممتاز و منفرد رہے" کہ ان کے جاہل سے جاہل افراد بھی اپنے انساب محفوظ رکھتے تھے" انسان تو انسان وہ اپنے جانوروں "یعنی گھوڑوں" اُونٹوں حتیٰ کہ کھجوروں تک کی نسلیں جانتے اور اَزبر رکھتے تھے" الفاروق میں ہے کہ "مثلاً انساب کا چرچا" جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام" اور اُن کے رشتے ناتے" دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا یہاں تک کہ انسانوں سے گذر کر "گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے" اہلِ عرب اور قریش "عرب سے نکل کر جہاں بھی گئے۔ اور جس ملک میں بھی جا کر بسے یہ قومی خصوصیت اپنے ساتھ لیتے گئے" ہندوستان کے اندر جو صحیح النسب نسلیں" خاندانِ قریش کی آباد ہیں" ان میں انساب کے محفوظ رکھنے کا اہتمام سلف سے برابر چلا آتا ہے" ... دو تین صدیوں پہلے ہی کا زمانہ چشمِ تصور میں لاؤ اور دیکھو" ہندوستان کے مسلمانوں میں کس طبقہ میں "زہد و تقویٰ" عصمت و عفاف" احسان و کرم" حِلم و عفو" عزم و ثبات" ایثار و لطف" غیرت و استغنا" کے نمونے ملتے ہیں"

اور سیرت النبی صلعم جلد چہارم میں لکھا ہے کہ "حق گوئی" صحت نسب" شجاع و بہادر تھے" پُرجوش تھے" عقل و دانش والے تھے" عملی تھے" ذہن و حافظ کے تیز تھے" فیاض تھے" مساوات پسند تھے"

"قریشیوں کے فخر و امتیاز کے اسباب" اور اُن کی اصالت و نجابت"

"قریشی" جو اپنی شجاعت" قوت" اور ذہانت کی وجہ سے ممتاز تھے" جب انہوں نے دوسرے ممالک میں سکونت اختیار کر لی۔ تو اپنے قومی امتیازات اور نام کو بحال رکھا"

قوم قریش کو سب سے بڑا فخر یہ حاصل ہے کہ "حضور سرورِ کائنات صلعم اُس میں مبعوث ہوئے" دوسرا امتیاز "قوم قریش کا" اقوامِ دیگر پر یہ ہے کہ "قرآن شریف میں اس کا ذکر خاص مراعات کے ساتھ آیا ہے" یعنی خدائے عزّ و جل علیٰ شانہٗ فرماتا ہے "لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ" الخ" اور سوائے قریش کے کسی کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے" اور اِن امتیازات کی وجہ سے قریشیوں کو اقوام دیگر پر شرف حاصل ہے" یہ کہنا درست نہیں ہے کہ "انسان انسان سب برابر ہیں" خدا نے جس قوم کو برگزیدہ اور پسند فرمایا اور جس نے راہِ ہدایت اختیار کر کے خدا کے احکامات کی تعمیل کی۔ وہ شریف اور بزرگ کہلایا" اُس کے افعال شریفانہ اور اعلیٰ قرار دیئے گئے" ایک ہندی مثل مشہور ہے کہ "جسے پیا چاہے وہ ہی سہاگن کہلائے" یہ تفضیل محض عوام الناس ہی میں نہیں ہے بلکہ رسولوں اور نبیوں میں بھی ہے" جیسے کہ قرآن شریف میں شروع پارہ سوم میں ہے کہ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" یعنی یہ سب رسول جو ہیں ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر ترجیح دی ہے" لہٰذا سب کل نبیوں اور رسولوں میں ہمارے نبی حضور سرورِ کائنات مفخر موجودات کو ترجیح دی ہے" جس کی تصدیق آیت ذیل سے ہے کہ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" اس کا جواب کہ بعض نبیوں کو بعض پر کیوں ترجیح دی گئی" خدا سے پوچھنا چاہیئے" کیونکہ جب ایک ہی قابلیت کے چند افراد میں سے گورنمنٹ ایک کو تو عہدہ دیتی اور باقیوں کو جواب دے دیتی ہے" تو اس کا جواب

گورنمنٹ ہی دے سکتی ہے "

مثل مشہور ہے کہ " بے عیب سنگریزے سے عیب دار الماس اچھا ہوتا ہے " یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ " شریف خواہ کسی پایہ دیانت ہی میں کیوں نہ ہو تب بھی وہ اپنے کمتر سے بہتر ہوگا " جس طرح جانوروں میں " اصیل مرغ کو " معمولی - اور دو غلے پر " اصیل کبوتر کو معمولی کبوتر پر " اور اصیل گھوڑے کو معمولی گھوڑے پر ترجیح دی جاتی ہے " اسی طرح انسانوں میں " شریف انسان کو " معمولی انسان پر ترجیح دی جا سکتی ہے " گھوڑوں کی عمدہ نسل پیدا کرنے کے لئے گورنمنٹ " عرب " " نارفاک " " ٹراٹر " وغیرہ اصیل سانڈ گھوڑے بصرف کثیر بہم پہنچاتی ہے " بلکہ اُن کے بہم پہنچانے کے لئے میلے قایم کئے جاتے ہیں - اور انعام وغیرہ گھوڑوں کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں " یہ اسی لئے کہ " شریف نسل کے گھوڑے بہم پہنچیں " اور اُن کو سانڈ بنا کر اُن کی نسلیں حاصل کی جائیں - تاکہ عمدہ ذخیرہ گھوڑوں کا بہم پہنچے " اور وقت جنگ یا دیگر اہم موقعوں پر وہ کام آئیں - جن میں معمولی درجہ کے گھوڑے کام نہیں آسکتے " اگر اصیل و رذیل میں کچھ فرق نہ ہو تو کیوں ایسا صَرف کثیر برداشت کیا جائے " یہی وجہ ہے کہ " معمولی گھوڑیوں کو ایسی عمدہ نسل کے سرکاری سانڈوں سے نہیں ملایا جاتا تاکہ نسل خراب نہ ہو - اور اس کے لئے عمدہ گھوڑیوں کی تلاش کر کے اِن پر نشان کیا جاتا ہے " کوئی معمولی گھوڑی عمدہ نسل کے سانڈ سے نہیں ملائی جاتی - تاکہ نسل خراب نہ ہو " اسی لئے " شریف النسل قبایل اپنے سے کمتر اقوام میں رشتہ ناطہ کرنے سے محترز و مجتنب رہتے ہیں " اور وہ بالکل حق بجانب ہیں "

(القریش امرتسر جلد ۱ نمبر ۹ صفحہ ۲۳ تا ۲۵ و ۲۷ و ۲۸ مضمون سجاد نبی صاحب زبیری قریشی)

(نایب تحصیلدار احمد پور)

قریشیوں کے خصائل دکھا چکنے کے بعد اب ہم زبیری کنبوی خاندان کے اوصاف اور اُس حیثیت کو پیش کرتے ہیں جو اُن کی ہندوستان میں شروع سے رہی اور اب بھی ہے -

زُبَیرِی کنبوِی خاندان کے اَوصاف

ہندوستان کی تاریخوں میں ابتدائے سلطنت اسلامیہ سے لے کر آج تک زُبَیری کنبوِی بزرگوں کے حالات مسلسل لکھے ہوئے موجود ہیں - اِن کتابوں میں اُن کے مدایح اور کارناموں نیز خصائل طبعی یعنی " حق پسندی و حق شناسی " " استقامت و پاس مذہبی " امانت و دیانت " اخلاق و تواضع " اتقاء و پرہیزگاری " تبحر علمی " حصول و ترویج حکمت " " دانش و بلاغت " فراخ حوصلگی " عزم و بصیرت " ذہانت " ارادے کے استحکام " سخاوت و شجاعت " غیرت و حمیت " بیخوفی و بیباکی اور تحفظ نسل " وغیرہ وغیرہ اَوصاف کو وضاحت سے دکھایا گیا ہے " جن سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس خاندان کے حالات و خصائل عرب اور ہندوستان میں بالکل یکساں رہے ہیں " انہوں نے ہمیشہ اپنے مورثوں کے صفات کو حرزجان بنا کر رکھا اور اب بھی بفضلہ تعالیٰ یہ خاندان اپنے اُسی جادہ پر قایم ہے "

کیونکہ ہم اُن کے اِن خصایل پر اسی کتاب کی پہلی جلد میں تھوڑی بہت روشنی ڈال چکے ہیں اس لئے یہاں اُن کے اِعادہ کی مطلق ضرورت نہ تھی تاہم زبیری کنبوِی خاندان کی چند خصوصیتوں کی جھلک اِس جگہ بھی دکھائے دیتے ہیں "

(۱) تحفظ النسل — " تحفظ النسل " اور انساب کا چرچا " اہل عرب کی خصوصیات سے ہے " الفاروق مطبوعہ نظامی دہلی کے صفحہ ۲ پر " علامہ شبلی نے تحریر فرمایا ہے کہ " اُس کی کیفیت یہ تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام " اور رشتے ناتے " دس دس " بارہ بارہ ۱۲ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا " یہاں تک کہ انسانوں سے گذر کر " گھوڑوں "

اور اُونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ زبیری کنبوی خاندان میں اِس خصوصیت کا اثر اب تک موجود ہے۔

(الف) انفرادی حالت کو چھوڑ کر ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی برادری بحیثیت مجموعی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ جس تفصیل سے چھ سو برس کے سلسلۂ انساب اِس برادری کے موجود و محفوظ ہیں اُس کی کوئی دوسری نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔

(ب) اِس عام حالت کے علاوہ اکثر خاندانوں کے پُورے شجرے حضرت زبیرؓ تک اور اُس سے اُوپر محفوظ ہیں۔

(ج) حب و نسب اور تحفظ نسل کا اس قدر خیال اِس برادری میں اب تک موجود ہے کہ کسی غیر برادری میں شادی نہیں کرتے۔ اگر کوئی مرد کسی غیر برادری کی عورت سے خواہ وہ کیسی ہی شریف النسل کیوں نہ ہو شادی کر لیتا ہے۔ تو پھر اُس کی اولاد کی شادی برادری میں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کسی ایسے ہی مخلوط النسل کنبہ میں ہوتی ہے۔ اس کا تفصیلی حال جلد اوّل کے صفحہ ۹۹ اور صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۲ پر دیکھنا چاہیے۔

(۲) ذہانت مستدرک حاکم جلد ۳ کے صفحہ ۵۴۹ اور سیر الصحابہؓ کے صفحہ ۲۹۶ پر تحریر ہے کہ امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنے ہمعصروں سے فائق تھے۔ عہد صحابہؓ میں ایسے افراد مشکل سے نکلیں گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے واقفیت رکھتے ہوں۔ لیکن یہ امتیاز حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ آپ متعدد زبانوں کے ماہر تھے اور اُن میں آسانی سے گفتگو کر سکتے تھے۔ آپ کے پاس مختلف اقوام کے غلام تھے جن کی زبانیں مختلف تھیں۔ حضرت عبد اللہؓ سب سے اُن کی مادری زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ اور تاریخ طبری جلد سوم حصہ اوّل کے صفحہ ۵۲۲ و ۵۲۳ پر ایک زبیری کی ذہانت کی سُرخی دے کر زبیری کی ذہانت کے اُس واقعہ کو لکھا ہے۔ جو خلیفہ مہدی عباسی کے سامنے ظاہر ہوا تھا۔ اور جس کا حال ہم جلد اوّل کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھ آئے ہیں۔ نواب سبحان علی خاں زبیری کنبوی کی فراست کے واقعہ کو ہم نے جلد اوّل کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا ہے۔ اور حاجی جمالؒ کی ذہانت کا واقعہ ہم ابھی دکھا چکے ہیں۔

اِس خاندان کے افراد کی ذہانت و ہوش مندی کا ملک کے لوگوں پر اس قدر اثر ہے کہ ہمارے زمانے کے سب سے زیادہ مشہور اور عام پسند ناول نیلی چھتری میں جس شخص کو بہرام کے مقابلہ میں ہیرو بنانے کے لئے منتخب کیا گیا اور جس کی فراست و دانائی سے بہرام جیسے شاطر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا وہ اِسی زبیری کنبوی خاندان کے ایک طالب علم مسعود حسن تھے۔ پھر کچھ نیلی چھتری پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ دیگر ناولوں اور رسایل میں بھی مسعود حسن کے کارنامے کی سُرخی کے تحت اُن کی ذہانت کے کارنامے شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور گو اُن کے انتقال کو کم و بیش پندرہ سولہ برس گذر چکے ہیں مگر آج بھی اکثر مجمعوں میں اُن کی فراست کے حالات مذکور ہوتے رہتے ہیں۔

غرضکہ اِس خاندان کے جن بزرگ کے حال کو اُٹھا کر دیکھا جائے گا تو اسی قسم کی ذہانت اُن میں پائی جائے گی۔ جہاں جہاں اِس خاندان کے اشخاص آباد ہیں اُن کی تاریخ نہایت شاندار اور اُن کی خداداد قابلیت اور رسائی ذہن کے واقعات ایسے روشن و درخشاں ہیں کہ مؤرخین کو لکھنا پڑا ہے کہ یہ خاندان ہندوستان میں اپنی جدتِ ذہن اور ہوش مندی میں ممتاز رہا ہے۔

(۳) اِشاعت علوم و فنون یہ خاندان ۴۲۵ھ ہجری میں سندھ آیا۔ اور کنباہ میں آباد ہوا۔ پھر وہاں سے مُلتان میں آ کر عرصہ تک رہا۔ اور ملتان سے نقل مقام کر کے دہلی اور صوبجات متحدہ کے شہروں کول (آج کا علیگڈھ) میرٹھ، مارہرہ، سنبھل، امروہہ، لکھنؤ، آگرہ اور بریلی وغیرہ میں آباد ہوا۔ قدیم زمانے سے یہ برادری تعلیم یافتہ مشہور ہے۔ طلبِ علم اور اِشاعتِ علم اس کی خصوصیات ہیں۔ جہاں جہاں اِس خاندان کے افراد

گئے۔ علم اُن کے ساتھ رہا۔ جہاں آباد ہوئے اُس کو علمی مرکز بنا دیا۔ اُن کے اکثر علمی کارنامے ہماری لاعلمی کے پردے میں ہیں۔ مگر اُن کے علم کی خدمت کے بہت حالات معلوم ہیں جن سے اوراقِ تاریخ روشن ہیں۔ اپنے علم و قابلیت سے وہ وزارت، صوبیداری، سپہ سالاری، شیخ الاسلامی، قضا، افتا، اور دیگر معزز عہدوں پر ممتاز نظر آتے ہیں۔ دہلی، مارہرہ، امروہہ، سنبھل، میرٹھ، وغیرہ اُن ہی کی بدولت مردم خیز خطے اور علمی مرکز ہو گئے۔ باوجود ملک کے متعدد انقلابات، طوائف الملوکیوں، اور تباہی و بربادیوں کے۔ اب بھی اِس خاندان کے پاس علمی سرمایہ کافی موجود ہے۔ اور اس کا شمار ملک کے ایسے تعلیم یافتہ طبقہ میں ہے جس میں ناخواندہ افراد کی تعداد بمنزلہ صفر کے ہے۔ جدید تعلیم گو اِس خاندان میں بہت دیر میں شروع ہوئی۔ مگر وہ بھی قابلِ اطمینان اور روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور اس میں گریجویٹس کا شمار بھی بہ نسبت دوسرے خاندانوں کے بہت زیادہ ہے۔

(۴) شجاعت | حضرت زبیرؓ اور آپ کی اولاد کی شجاعت و بہادری کے کارنامے ایسے ہیں جو اپنی آپ نظیر ہیں۔ جن سے تاریخ اسلام کا ہر طالبِ علم اچھی طرح واقف ہے۔

(۱) جنگِ بدر میں قریش سے حضرت زبیرؓ کے مقابلہ کا حال مولانا حفیظ جالندھری نے اپنے شاہنامۂ اسلام میں بڑے والہانہ انداز میں نظم کیا ہے۔

(۲) اور جنگ یرموک کے حال میں امام بخاری نے بخاری شریف میں ایک موٹی سرخی "حضرت زبیرؓ کے حملہ کی شان" دی ہے۔ ایسی سرخی انہوں نے کسی کے لئے کہیں نہیں دی ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ اور حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ کی شجاعت و بہادری کے متعلق مہلب بن ابی صفرہ کا قول مشہور ہے۔ جسے ہم جلد اوّل کے صفحہ ۲۹۴ پر لکھ چکے ہیں۔

(۴) اور اِن دونوں کے متعلق حضرت عبداللہ بن حضرت عمر فاروقؓ کا یہ بیان بھی تاریخوں میں جلی حرفوں سے لکھا ہوا ہے کہ دونوں ایسے بہادر تھے کہ موت کو سامنے دیکھکر بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہیں کی اور اُس کے منہ میں گھس گئے۔

(۵) حضرت امیر معاویہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیباکانہ گفتگو سے ایسے متاثر تھے کہ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے یزید کو نصیحت فرمائی تھی کہ "عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن بن ابوبکر صدیقؓ اور حسین بن علیؓ کی طرف سے تجھے زیادہ فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر عبداللہ بن زبیرؓ لومڑی کی طرح تجھے دھوکے میں ڈال دے گا اور شیر کی طرح تجھے پچھاڑ دے گا۔ اگر ابن زبیرؓ ایسا کرے اور تم اُس سے جیت جاؤ تو اُس کے بدن کے جوڑ جوڑ کاٹ دینا۔" (طبری جلد دوم حصہ اوّل صفحہ ۱۴۵ و تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۱۲۳ و الفخری صفحہ ۱۰۳)

مختصراً اتنا دکھا دینے کے بعد اب ہم ہندوستان میں زبیری کنٹوری خاندان کے چند شہیدوں سے تعارف کراتے ہیں۔ جن کی شجاعت و بہادری اور بیباکی کے کارنامے تاریخوں میں روشن حروف سے تحریر ہیں۔

(۱) نیر وز خاں شہید وزیر اعظم بزمانۂ سلطنت تغلقیہ۔

(۲) شیخ عبدالعزیز وزیر اعظم سلطان ابراہیم لودھی۔ شہید در جنگ رانا سانگا بزمانۂ شہنشاہ بابر۔

(۳) بہادر خاں شہید ابن نواب اعتماد الملک سنبھلی وزیر اعظم شیر شاہ سوری۔

(۴) شیخ مجاہد خاں افسر فوج شہنشاہ اکبر شہید در جنگ کو تمیر راجپوتانہ۔

(نوٹ علا) آپ ملک چمن کے دادا تھے۔ جن کا حال جلد اول کے صفحہ ۲۰۱ پر ہم لکھ آئے ہیں۔

(۵) زین الدین خاں افسر فوج شہنشاہ اکبر شہید در گجرات۔

(۶) شہباز خاں ثانی افسر فوج شہنشاہ شاہ جہاں شہید در جنگ قلعہ قندھار دکن۔

(۷) محمد عمر خاں ابن مدا خاں و برادر زادہ شہباز خاں ثانی افسر فوج شہنشاہ شاہجہاں شہید در جنگ قلعہ قندھار دکن۔

(۸) محمد سعید[1] خاں حاکم کول (علیگڑھ) و سپہ سالار شہنشاہ شاہجہاں شہید در لکھی جنگل من توابع سرکار دیبالپور صوبہ ملتان۔

(۹) محمد علی شہید در لکھی جنگل ہمراہ پدر خود محمد سعید خاں شہید کوئوی۔

(۱۰) دولت خاں (پڑپوتے مدا خاں) نایب گورنر لاہور شہید در بند ملکھنڈ ہمراہ دیوان بازید خاں۔

(۱۱) محمد لہر سپ خاں پسر کلاں محمد خاں ابن محمد سعید خاں شہید کوئوی۔ شہید در سنہ ۱۱۰۰ھ بزمانہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر۔

(۱۲) محمد صالح افسر فوج شہنشاہ شاہجہاں شہید در ملک آسام۔

(۱۳) عبد الوہاب از امرائے محمد شاہ بادشاہ۔ شہید در بنگال بزمانہ شاہ عالم بادشاہ۔

(۱۴) دیانت[2] اللہ شہید در گوالیار۔

(۱۵) اظہر حسین شہید در قصبہ سہاور بمقابلہ فوج انگریز در ۱۸۵۷ء۔

ان بزرگوں کے مفصل حالات اور کارناموں کو "تاریخ فیروز شاہی" "طبقات اکبری" "منتخب التواریخ" "تاریخ فرشتہ" "بادشاہ نامہ عبد الحمید لاہوری" "بادشاہ نامہ معروف بہ عمل صالح" "منتخب اللباب حصّہ اوّل" "مفاوضات عالمگیری" "سفر نامۂ برنیر مترجمہ خلیفہ محمد حسین وزیر ریاست پٹیالہ" "تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب" "سلسلۂ عالیہ اور المشاہیر و سلسلۂ نظامیہ وغیرہ کتابوں میں دیکھنا چاہیے۔"

اس خاندان کے شجاع اور بہادر افراد کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ اُن کے کارنامے تو درکنار رہے صرف ناموں ہی کی فہرست دینا یہاں ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس موقع پر ان چند ناموں سے تعارف کرا دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔"

زُبَیری کنبوی خاندان کے چند صفات کی ایک جھلک دکھا دینے کے بعد اب ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ اس خاندان کے اوصاف و کارنامے اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن کے لئے کئی ضخیم جلدیں بھی کافی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ خاندان زیر بحث کے چند بزرگوں سے تعارف کرا دیں تاکہ اُن سے واقف ہونے کے ساتھ ان تمام اوصاف پر بھی تھوڑی سی روشنی پڑ جائے جن کو ہم اُوپر بتا آئے ہیں۔"

زُبَیری کنبوی خاندان کے چند وزراء "اُمراء" اور سپہ سالاروں سے تعارف

ابو القاسم احمد[3] بن حسن خواجہ بزرگ آپ کا لقب تھا اور سلطان محمود غزنوی کے وزیر اعظم تھے۔ بعد سلطان مسعود کے بھی وزیر اعظم رہے۔ قلمدانِ وزارت ہاتھ میں لیتے ہی ملک کے دفاتر کی زبان آپ نے عربی کر دی تھی۔ فردوسی کو آپ ہی نے دربار میں پیش کیا تھا۔ جب سلطان کی بدظنی کی وجہ سے وہ صلہ سے محروم واپس گیا تو آپ ہی کی سفارش سے

(نوٹ نمبر ۱) آپ مؤلف کتاب ہٰذا کے جد ہشتم اور حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز سے پانچویں پشت میں تھے۔"

(نوٹ نمبر ۲) دیانت اللہ محمد خاں ابن سعید خاں کوئوی شہید سے پانچویں پشت میں تھے۔"

(نوٹ نمبر ۳) ابو القاسم احمد کے والد بزرگوار حسن سلطان سبکتگین کے زمانہ میں لبست کے گورنر تھے۔ اور صاحبزادے منصور عاید سلطنت سے تھے اور پردادے منصور بن سعید بن منصور بزرگان زمانہ سے بعہد ابراہیم شاہ و سلطان علاؤ الدولہ مسعود المتوفی ۵۰۸ھ ہجری تھے۔ {دیکھو مرأۃ الصفا ورق ۱۶۸ / تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۸}

سلطان نے ساٹھ ہزار اشرفیاں فردوسی کو اُس کے وطن میں روانہ فرمائیں تھیں "آپ کے محامد و اوصاف بے شمار ہیں" ۴۲۴ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا " آپ کے حالات کے لئے دیکھو آثار الوزراء " سیاست نامہ صفحہ ۲۰۶ تا ۲۰۸ آداب الملوک صفحہ ۳۶، تاریخ گزیدہ " تاریخ بیہقی " کتاب دوم تاریخ ہند مؤلفہ سید ہاشمی و میرٹھ گزیٹیر صفحہ ۲۹۲)

عبدالرزاق[۱] بن خواجہ بزرگ ابوالقاسم احمد بن حسن " آپ سلطان مودود بن سلطان مسعود کے جس کا زمانہ حکمرانی ۴۳۲ھ ہجری تا ۴۴۱ھ ہجری ہے۔ وزیر اعظم رہے۔ اس کے انتقال کے بعد آپ نے عبدالرشید بن سلطان مسعود کو تخت پر بٹھایا۔ اس کے بعد فرخ زاد بن سلطان مسعود بادشاہ ہوا آپ اس کے بھی وزیر اعظم رہے " (دیکھو مراۃ الصفا ورق ۶۸ و ۸۸ و روضۃ الصفا صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۷ و تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۵۶ و ۱۶۰ و ۱۶۳ و ۱۶۸ و ۱۷۱ و دربار آصف صفحہ ۱۶۷)

ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری[۲] آپ سلطان شمس الدین التمش کے جن کا زمانہ حکومت ۶۰۷ھ ہجری تا ۶۳۳ھ ہجری ہے، دبیر اور مشرف الممالک تھے " قلعہ گوالیار کی فتح کے وقت شعراء نے جو قصائد تہنیت میں پیش کئے اُن میں آپکی رباعی پسند خاطر سلطان ہو کر قلعہ کے دروازے پر کندہ کرائی گئی " سلطان موصوف کے انتقال کے بعد جب اُن کے صاحبزادے رکن الدین نے تخت نشین ہو کر مظالم کئے تو آپ نے چند امراء کو ساتھ لیکر رکن الدین کو گرفتار کر کے قید اور سلطان مغفور کی صاحبزادی رضیہ سلطانہ کو تخت نشین کر دیا تھا " (دیکھو طبقات ناصری " تاریخ فرشتہ دیرگز)

عمدۃ الملک ملک علاؤ الدین آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے دبیر مملکت تھے اور شروع زمانہ سلطان علاؤ الدین خلجی میں بھی دبیر مملکت رہے ہیں " (تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی صفحہ ۱۲۳)

ملک حمید الدین پسر عمدۃ الملک ملک علاؤ الدین کے متعلق تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی کے صفحہ ۲۴۸ پر تحریر ہے کہ آپ کو سلطان علاؤ الدین خلجی نے نایب وکیلدر[۳] بنایا تھا۔ اور صفحہ ۲۷۵ پر لکھا ہے کہ آپ نظیر ارسطاطالیس اور بزرجمہر عصر تھے " اور صفحہ ۳۳۶ پر تحریر کیا ہے کہ " کارگذارانِ ملک اور عمدۃ دولت علائی " ملک حمید الدین " و ملک اعزالدین پسران ملک علاؤ الدین دبیر و ملک عین الملک ملتانی و آلغ خاں و ملک شرف قاینی و خواجہ حاجی ہوئے " اور ملک حمید الدین نایب وکیلدر۔ و ملک اعزالدین دبیر ممالک و ملک شرف قاینی نایب وزیر " و خواجہ حاجی نایب غرض اِن چاروں بزرگوں سے چار دیوان مذکور کے کلی و جزوی امور جہانداری اور مصالح ملک رانی متعلق ہوئے " انہوں نے ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ اُس کے مثل کسی زمانے میں نظیر نہیں ملتی۔ اور اِن چاروں دیوان مذکور نے اِس طرح کے کام کئے کہ اُن کے بعد بھی کسی کو ویسے کام کرنے میسر نہ ہو سکے "

ملک اعزالدین زبیری آپ ملک حمید الدین کے بھائی تھے۔ اُوپر آپ کا حال آچکا ہے۔ جو ضیاء برنی نے لکھا ہے " ضیاء برنی کے علاوہ آپ سے بیانہ میں ملاقات ہونے کا تذکرہ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں سلطان محمد تغلق کے زمانے میں ۷۴۲ھ ہجری میں کیا ہے۔ اور آپ کے علم و فضل اور بزرگی کی وجہ سے آپ کو امام اعزالدین زُبیری لکھا ہے "

(نوٹ ۱) عبدالرزاق کے چچا ابوالحسن علی اور منصور بھی اُمرائے سلطان محمود غزنوی میں سے تھے اور بھتیجے حسن بن منصور اور حسین بن ابوالحسن علی اور صاحبزادہ خواجہ ابوالفتح فرخ سیستانی کے ممدوح تھے " دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ حیدرآباد دکن و اورنٹیل کالج میگزین لاہور صفحہ ۴۲ بابت ماہ مئی ۱۹۳۲ء) (نوٹ ۲) تاریخ فرشتہ میں زُبیری کے بجائے کاتبوں اور ناقلوں کی غلطی سے زیرہ اسی طرح لکھ گیا ہے جیسے کہ کھنوے کے بجائے کنبو لکھا گیا ہے۔ جیسے ہم اُوپر بتا آئے ہیں " دیگر مؤرخین اور برگز نے اسے صاف کر دیا ہے "

(نوٹ ۳) وکیل در " مجلس کے اندر سلطان کا نایب ہوتا تھا اور وہ اپنے گوناگوں فرائض اور اثر و اقتدار کے لحاظ سے غیر معمولی سیاسی اور معاشرتی اہمیت رکھتا تھا " (معارف نمبر ۱ جلد ۴۵ صفحہ ۶۹)

ملک تاج الدین تاج الملک آپ بھی ملک علاؤالدین کے فرزند اور ملک حمید الدین کے بھائی تھے" تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی کے صفحہ ۳۹۷ و ۳۹۸ پر لکھا ہے کہ "قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے زمانے میں ملک یک لکھی ملائی وزیر دیوگیر یعنی دولت آباد دکن نے جب بغاوت کی تو اس کا قصہ پاک کر کے سلطان موصوف نے دیوگیر کی وزارت ملک عین الملک کو اور اشراف[1] ملک تاج الملک کو اور نیابت وزارت مجیر الدین ابو رجا کو دے کر دیوگیر بھیجا" یہ لوگ ایسے کارگذار تھے کہ انہوں نے جاتے ہی دیوگیر پر قبضہ کر لیا اور تمام معاملات درست کر دیئے" اسی تاریخ کے صفحہ ۴۲۳ و ۴۲۴ پر جو فہرست سلطان غیاث الدین تغلق کے امراء کی دی ہے اس میں صفحہ ۲۶ پر تاج الملک کا نام بھی ہے"

ملک رکن الدین آپ کے متعلق تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی کے صفحہ ۳۵۸ پر تحریر ہے کہ "ملک رکن الدین کنبہ علاؤالدین خلجی کے دبیر تھے" جن کی شیریں کلامی اور شکرستانی میں اُن کے زمانے میں کوئی اُن کا مثل نہ تھا" جس کسی نے بھی اُن کی باتوں اور لطیفوں کو سنا اور اُن سے مجالست کی اُس نے اپنی باقی ماندہ عمر میں نہ چاہا کہ وہ دوسروں کی صحبت میں بیٹھے اور سوائے اُن کے غیر کی بات سُنے"

ملک معین الملک زُبیری آپ بھی امرائے علائی میں سے تھے" تاریخ فیروز شاہی کے صفحہ ۳۶۱ پر ہے کہ "اظہار علم ضمیر اور غیب کی باتیں بتلانے اور گم شدہ چیزوں کے نکالنے میں ساحری کرتے تھے"

فیروز خاں آپ غازی الملک میاں چمن کے دادا اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے جانشین بادشاہ کے وزیر اعظم تھے" (دیکھو تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف اور تاریخ فرشتہ")

خان جہان آپ ملک میاں چمن کے نانا اور بزرگ ترین امرائے سلطنت تغلقیہ سے تھے"
(دیکھو تاریخ فرشتہ)

ملک میاں چمن سب سے پہلے آپ کا ذکر تاریخوں میں ۸۳۰ھ ہجری میں شرقیوں سے کالپی کی جنگ میں آیا ہے" آپ بدایوں" امروہہ" اور سنبھل" کے گورنر سیدوں کی سلطنت کے زمانے میں تھے" ۸۵۵ھ ہجری میں سلطان بہلول لودھی کے چونتیس ۳۴ نامی گرامی امراء کی فہرست میں بھی آپ کا نام ہے" اور ۸۹۴ھ ہجری میں سلطان سکندر لودھی کی تخت نشینی کے وقت جن ترپن ۵۳ امراء کی موجودگی کی فہرست دی ہے اُس میں بھی آپ کا اسم گرامی موجود ہے اور حجاب[2] خاص کے عہدہ کا ذکر ہے" سنبھل میں آپ کا آباد کردہ محلہ چمن سرائے موجود ہے" جہاں آپ کے خاندان کے کچھ گھرانے اب تک آباد ہیں اور ملکیت رکھتے ہیں" ہم نے آپ کے حالات جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۱ پر لکھے ہیں" اس لئے یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں"

خان جہان عماد الملک صاحب طبقات اکبری نے لکھا ہے کہ "سکندر لودھی کے امراء میں ملک میاں چمن حجاب خاص اور عماد الملک میر تعدل تھے"

ملک تاج الدین جب سلطان سکندر لودھی کے جشن تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی" ترپن ۵۳ امراء عالی منزلت و اعیانِ والا پایہ شریکِ دربار تھے" صاحب تاریخ فرشتہ نے اُن سب کی اسم وار فہرست دی ہے" اس میں آپ کا نام نامی بھی موجود ہے"

شیخ عبد العزیز آپ سلطان ابراہیم لودھی کے وزیر اعظم تھے اور رانا سانگا کی لڑائی میں شہنشاہ بابر کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے" ہم نے آپ کے حالات جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۳ پر لکھے ہیں" اس لئے یہاں چھوڑتے ہیں"

(نوٹ ۱) اشراف یا مشرف الممالک پورے ملک کا اکاؤنٹنٹ جنرل (معارف نمبر ا جلد ۵۴ صفحہ ۲)
(نوٹ ۲) حجاب خاص دربار سب سے بڑا عہدہ ہوتا تھا" (معارف نمبر ا جلد ۵۴ صفحہ ۶۹)

محب علی خاں | آپ شہنشاہ بابر و ہمایوں اور اکبر کے امراء اور نامور سپہ سالاروں میں تھے۔ (دیکھو المشاہیر)

نواب اعتماد الملک سنبھلی | آپ شہنشاہ شیر شاہ سوری کے وزیر اعظم تھے۔ آپ کے اور آپ کے صاحبزادے بہادر خاں کے حالات کے لئے جو جنگ میں مردانہ وار شہید ہوئے (دیکھو المشاہیر صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷ و کتاب خاندان زبیری کنبوی جلد اول صفحہ ۱۳۳)

شیخ عبد الحئی المتخلص بہ حیاتی | شہنشاہ شیر شاہ سوری اور سلیم شاہ کے ندیم و مصاحب خاص الخاص تھے۔ اور یہ دونوں آپ کے ہم زبان رہتے تھے۔ ہم نے آپ کے حالات جلد اول کے صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ پر تفصیل سے لکھے ہیں۔

شہر اللہ المخاطب بہ نواب شہباز خاں | آپ شہنشاہ اکبر کے گورنر و سپہ سالار تھے۔ اور شہزادوں کے اتالیق بھی بنائے گئے تھے۔ نیز اس زمانے میں جب شہنشاہ کابل تشریف لے گئے تھے۔ آپ نائب السلطنت مقرر کئے گئے تھے۔ شہنشاہ آپ کا مہمان بھی آپ کے مکان پر جا کر ہوا ہے۔ اکبر نامہ و منتخب التواریخ و اقبال نامہ اکبری و جہانگیری و المشاہیر و کتاب خاندان زبیری کنبوی جلد اول) اور یہ جاننے کے لئے کہ شہزادوں کے اتالیق کن صفات کے مقرر کئے جاتے تھے دیکھو صاحب دربار اکبری کا بیان۔ کتاب خاندان زبیری کنبوی جلد اول کے نوٹ میں صفحات ۱۳۰ تا ۱۳۲ پر)

کرم اللہ | آپ نواب شہباز خاں کے بھائی اور امرائے اکبری میں تھے۔ آپ کے حالات بہت ہیں شہنشاہ اکبر کئی مرتبہ آپ کی میزبانی قبول کر کے آپ کے مکان پر گئے تھے۔ آپ کے حالات کے لئے دیکھو المشاہیر و اکبر نامہ جلد سوم و منتخب التواریخ و مآثر الامراء جلد اول و دربار اکبری و تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ صاحب جلد پنجم وغیرہ)

بہاؤ الدین | آپ بھی امرائے اکبری میں تھے۔ یوسف خاں بادشاہ کشمیر کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ (دیکھو طبقات اکبری)

مصطفٰے قلی | آپ شہنشاہ اکبر کے نامور جنرلوں میں سے تھے۔ دکن کی لڑائیوں میں آپ کا ذکر ہے۔ (دیکھو اقبالنامہ جہانگیری)

شیخ زین الدین شہید | آپ نواب شہباز خاں کے داماد اور نامور سپہ سالار تھے۔ شاہ گجرات نے آپ کے مقابلہ میں عاجز آکر اور اطاعت کرنے کا دھوکا دے کر آپ کو بلایا اور شہید کرا دیا۔ آپ کے حالات کے لئے دیکھو کتاب آئینہ گجرات اور طبقات اکبری اور منتخب التواریخ وغیرہ)

شیخ مجاہد خاں | ابن مصاحب خاں ابن محب علی خاں۔ آپ کے دادا کا حال اوپر آچکا ہے۔ اور شہیدوں کی فہرست میں ہم نے آپ سے تعارف کرا دیا ہے۔ صاحب طبقات اکبری نے بضمن امرائے کبار پایہ تخت اکبری آپ کا ذکر کیا ہے۔ اکبر نامہ جلد سوم اور المشاہیر میں بھی آپ کے حالات تحریر ہیں۔ جنگ کوتلمیر میں آپ داد شجاعت دے کر شہید ہوئے۔ آپ کا نہایت عالی شان مقبرہ سنگ سرخ کا آگرہ میں ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر کتاب مرقع آگرہ میں ہے۔

مدا خاں | آپ بزمانہ شہنشاہ جہانگیر نائب گورنر یا صوبیدار لاہور تھے۔ آپ کے حالات کے لئے (دیکھو سلسلۂ عالیہ و المشاہیر)

نواب ابو محمد خاں | آپ امرائے شہنشاہ جہانگیر و شاہجہاں میں تھے۔ آپ سے بہت آثار یادگار ہیں جن کا ذکر ہم نے کتاب خاندان زبیری کنبوی جلد اول میں کیا ہے۔ آپ کا عظیم الشان مقبرہ سنگ سرخ کا بنا ہوا میرٹھ میں اچھی حالت میں موجود ہے۔ آپ کے حالات کے لئے (دیکھو سلسلۂ عالیہ و المشاہیر و بادشاہ نامہ عبد الحمید لاہوری وغیرہ)

نواب بہادر خاں | آپ بھی شہنشاہ جہانگیر و شاہجہاں کے امراء میں تھے اور نواب ابو محمد خاں کے بھائی تھے۔

شاہجہاں کے زمانے میں بندر ہگلی آپ نے فتح کیا تھا۔ آپ کے حالات کے لئے دیکھو ظفرنامہ شاہجہاں مولوی ذکاء اللہ صاحب و عمل صالح و بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری۔ آپ کے بھی آثار موجود ہیں)

محمد صالح آپ شہنشاہ جہانگیر و شہنشاہ شاہجہاں کے اُمراء میں نامور سپہ سالار تھے۔ بندر ہگلی کی فتح میں آپ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ جنگ آسام میں شہید ہوئے۔ شہداء میں ہم آپ کا ذکر کر آئے ہیں۔ (عمل صالح جلد دوم اور تاریخ ہندوستان جلد ہفتم مولوی ذکاء اللہ صاحب میں آپ کے حالات موجود ہیں)

شیخ الہام اللہ آپ نواب شہباز خاں کے صاحبزادے اور شہنشاہ جہانگیر و شاہ جہاں کے اُمراء میں تھے۔ (دیکھو مآثر الامراء جلد اوّل)

شیخ نیاز اللہ آپ بھی نواب شہباز خاں کے صاحبزادے اور اُمرائے جہانگیری و شاہجہانی میں تھے۔ (دیکھو بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری)

شہباز خاں دوم آپ نامور جنرل شہنشاہ شاہجہاں کے اور بدا خاں نایب گورنر لاہور کے چھوٹے بھائی تھے۔ قلعہ قندھار (ضلع ناندیڑ ریاست حیدرآباد دکن) کی لڑائی میں داد شجاعت دے کر شہید ہوئے۔ (دیکھو سلسلۂ عالیہ والمشاہیر و منتخب اللباب خافی خان حصہ اوّل)

محمد عمر خاں آپ بدا خاں کے صاحبزادے اور شہنشاہ شاہجہاں کے نامور سرداروں میں تھے۔ اپنے چچا شہباز خاں کے ساتھ قلعہ قندھار کی لڑائی میں شہادت پائی۔ (دیکھو سلسلۂ عالیہ والمشاہیر و منتخب اللباب و خاندان زُبیری کنبوہ جلد اوّل تحت تعارف)

شیخ محمد صالح آپ افسر دارالانشاء شہنشاہ شاہجہاں کے تھے۔ عمل صالح یعنی بادشاہ نامہ شاہجہاں اور بہار سخن آپ سے یادگار ہیں۔ اور تیسری کتاب آپ کی فتح بلخ ہے اور چوتھی اشرف الصحایف ہے جس میں آپ نے اپنے برادر بزرگ شیخ عنایت اللہ کے خطوط جمع کئے ہیں۔

شیخ عنایت اللہ آپ شیخ محمد صالح کے برادر بزرگ اور شہنشاہ شاہجہاں کے میر منشی تھے۔ بہار دانش آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ اسی کتاب میں آپ کے حالات آچکے ہیں۔

شیخ عبدالمومن آپ دیوان تن شہنشاہ شاہجہاں کے تھے۔ (دیکھو المشاہیر و تاریخ سنبھل)

محمد سعید خاں شہید آپ کول موجودہ علیگڈھ کے حاکم اور نامور سپہ سالار شہنشاہ شاہجہاں کے تھے۔ آپ نے ہمراہی شہنشاہ تشریف لے جاکر مہم لکھی جنگل سرکار دیبالپور متعلق صوبہ ملتان میں داد شجاعت دے کر شہادت پائی۔ علیگڈھ میں ایک محلہ کا نام کٹرہ محمد سعید خاں اب تک یادگار ہے۔ (المشاہیر و سلسلۂ عالیہ)

محمد علی آپ محمد سعید خاں شہید کے بڑے صاحبزادے اور نامور جنرل تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (المشاہیر و سلسلۂ عالیہ)

حافظ محمد نظام آپ شہنشاہ شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانوں میں بندیل کھنڈ کے حاکم تھے۔ (سلسلۂ عالیہ)

بازید خاں آپ حافظ محمد نظام کے صاحبزادے اور اُمرائے عالمگیری میں سے تھے۔ بعد وفات پدران کی جگہ حاکم بندیل کھنڈ کے بنائے گئے تھے۔ اور وہیں ایک معرکہ میں شہید ہو گئے۔ (سلسلۂ عالیہ)

دولت خاں | آپ بھی بزمانۂ شہنشاہ اورنگ زیب نامور اور شجیع سردار تھے۔ بازید خاں کے ساتھ معرکہ میں آپ نے بھی دولتِ شہادت پائی ۔ (سلسلۂ عالیہ)

نواب دلدار خاں | آپ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت میں اُمرائے بانام وصاحبِ شوکت واحتشام تھے۔ مدت العمر عظمت واقتدار کے ساتھ رہے۔ (رسالہ مبارک والمشاہیر)

نواب مظفر خاں | آپ محمد سعید خاں شہید کے داماد اور نایب صوبہ کشمیر و آگرہ کے بزمانہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر تھے۔ (سلسلۂ عالیہ)

محمد خاں | آپ محمد سعید خاں شہید کے چھوٹے صاحبزادے اور نواب دلدار خاں کے بہنوئی اور نامور سپہ سالار شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے تھے۔ شہنشاہ نے جب بذاتِ خود جودھپور پر چڑھائی کی ہے تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ اُس جنگ میں آپ کے بڑے کارنمایاں ہیں۔ راجہ جے سنگھ سوائی راجہ جے پور پگڑی بدل کر آپ کے بھائی بن گئے تھے۔ (سلسلۂ عالیہ وکارنامۂ راجپوتان)

محمد اعظم الدین خاں المخاطب بہ عماد الملک | آپ بزمانہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر لاہور کے قاضی تھے اور شاہ عالم بہادر شاہ کے وقت میں پہلے صوبہ ملتان اور بعد میں صوبہ لاہور آپ کی جاگیر ہوئی۔ پنجہزاری ذات وپنجہزار سوار منصب تھا۔ (المشاہیر)

محمد خاں المخاطب نواب خیر اندیش خاں اوّل | آپ شہنشاہ عالمگیر وشاہ عالم بہادر شاہ کے اُمراء میں۔ فوجدار اٹاوہ وہاہونی وغیرہ کے تھے۔ آپ کے آثار اب تک اچھی حالت میں موجود ہیں۔ (مآثر عالمگیری۔ رقعات عالمگیری۔ جنگ نامہ نعمت خاں عالی والمشاہیر وغیرہ)

محمد اشرف خاں | بن فتح خاں ابن حافظ نظام خاں۔ شہنشاہ عالمگیر وشاہ عالم کے زمانوں میں بندیل کھنڈ۔ واٹھوبہ۔ پنواری وغیرہ کے حاکم تھے۔ (سلسلۂ عالیہ)

شکر اللہ المعروف بہ شاکر محمد لاہوری | اُمرائے عالمگیر وشاہ عالم بہادر شاہ میں مشاہیر عہد سے تھے۔ (سلسلۂ عالیہ وادمغانِ ہند)

محمد مسیح المخاطب بہ نواب خیر اندیش خاں دوم | آپ نواب خیر اندیش اوّل کے پوتے تھے۔ آپ نے شاہ عالم بہادر شاہ اور اعظم شاہ کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ بعد وفات جدِ بزرگوار منصب ششش ہزاری اور خیر اندیش خاں ثانی پایا۔ شہنشاہ عالمگیر کے اخیر عہد میں منصب سہ ہزاری تھا۔ شہنشاہ فرخ سیر کے بھی اُمراء میں شامل تھے۔ (المشاہیر وجنگ نامہ نعمت خاں عالی)

شیخ غلام مصطفٰے النسان | آپ دکن کے منصبدار۔ شہنشاہ عالمگیر وشاہ عالم بہادر شاہ وفرخ سیر ومحمد شاہ کے زمانوں میں رہے۔ علوم عقلی ونقلی میں اور دوسرے فنون مثل نجوم۔ طب۔ خوشنویس۔ فنون حرب وعلم شانہ بینی وعلوم ہندی وشعر ہندی وفارسی غرضکہ تمام علوم میں یکتائے زمانہ تھے۔ مشرب قادریہ تھا۔ مزار ایلچپور برار میں ہے۔ (مآثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد)

دیوان محمد عاقل | شہنشاہ عالمگیر وشاہ عالم بہادر شاہ۔ وفرخ سیر اور محمد شاہ بادشاہ کے اُمراء میں تھے۔ اور نواب میر قمر الدین آصف جاہ اوّل سے دیرینہ تعلقات کی وجہ اُن کے ہمراہ دکن آئے اور اُن کو وہاں تسلط کرنے میں قیمتی مدد دی۔ بعد فتح آصف جاہ اوّل نے آپ کو دیوان دکن بنایا۔ جب وہاں کسی قسم کا کھٹکا نہ رہا اور تسلط بخوبی ہوگیا

تو آپ اپنے وطن کو لوٹ آئے۔ (تاریخ ریاست حیدرآباد دکن مصنفہ حکیم نجم الغنی خاں رامپوری)

محمد ہمت خاں آپ فرخ سیر کے امراء میں اور اتالیق تھے۔ رفیع الدولہ و رفیع الدرجات اور محمد شاہ بادشاہ کے تھے۔ (تاریخ سیر المتاخرین و سلسلۂ عالیہ)

عبدالوہاب خاں آپ عمدہ امیران محمد شاہ بادشاہ میں سے تھے۔ نادر شاہ کے ہنگامہ کی وجہ سے بنگال چلے گئے۔ اور وہاں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ میر جعفر جو باغی ہو کر بنگالہ پر قابض ہو گیا تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ آپ شاہ عالم ثانی سے مراسلت رکھتے اور اس کوشش میں ہیں کہ بنگال کو اُس کے پنجہ سے نکال کر پھر شہنشاہ دہلی کا تسلط اُس پر کرا دیں تو اُس نے آپ کو شہید کرا دیا۔ (سیر المتاخرین)

شیخ رکن الدین عرف شیخ بوڑھے آپ شیخ یحیٰ عبدالسلام المعروف بہ شیخ اچھن قدس سرہٗ کے صاحبزادے اور حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ سلطان سکندر کے وقت آپ گورنر کول (علیگڈھ) کے بنائے گئے اور آپ کی اولاد میں محمد سعید خاں تک جو مؤلف کتاب ہٰذا کے آٹھویں دادا ہیں اور جو شاہجہاں کے زمانے میں شہید ہوئے حکومت کول تین پشتوں تک متوارث رہتی چلی آئی۔ (المشاہیر و تذکرہ علمائے ہند)

غلام حسین خاں آپ محمد ہمت خاں کے صاحبزادے اور راجہ جیت سنگھ راجہ بنارس کے مدار المہام تھے۔ (سیر المتاخرین)

نواب سُبحان علی خاں آپ غلام حسین خاں کے صاحبزادے تھے۔ نواب سعادت علی خاں والئی اودھ کے زمانے میں لکھنؤ چلے آئے اپنے زورِ قلم اور حُسنِ تدبیر کی وجہ سے اِس سلطنت کے امرائے کبار میں شامل ہو گئے اور آج تک اودھ کے بادشاہ گر کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ (سوانح سلاطین اودھ و تاریخ اودھ)

مُصطفٰے قلی خاں آپ شیخ عبدالوہاب شہید کے عزیز قریبی اور نواب سراج الدولہ و میر قاسم کے اُمراء بانام میں تھے۔ اور بڑا اقتدار پیدا کیا تھا۔ مگر جب میر قاسم والئی بنگال و بہار کو لڑائیوں میں شکست ہو گئی اور اُن کا ملک انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا تو آپ اودھ کی سلطنت میں چلے آئے اور وہاں بھی نہایت عزت و مرتبت کے ساتھ رہے۔ (سیر المتاخرین)

شیخ احسان علی آپ نواب شجاع الدولہ کی سلطنت میں اودھ کی فوج کے نامور جنرل تھے۔ اور محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں پانصدی ذات اور پانچہزار سوار آپ کا منصب تھا۔ (المشاہیر و شباب لکھنؤ و تلخیص التواریخ)

محمد معشوق آپ محمد شاہ بادشاہ کی سلطنت میں نایب میر بحر تھے۔ (نکات الشعراء)

اشفاق حسین سلطنت لکھنؤ کی طرف سے دربار گورنری میں آپ سفیر رہے تھے۔ (المشاہیر)

نواب تاج الدین حسین خاں آپ سلاطین اودھ کے اُمرائے کبار میں تھے اور نواب سُبحان علی خاں کے ساتھ آپ بھی اودھ کے بادشاہ گر کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ (سوانح سلاطین اودھ جلد اوّل)

ڈپٹی ولایت حسین آپ کی لیاقت و صلاحیت کے اظہار کے لئے اِسی قدر لکھنا کافی ہے کہ مراد آباد پر ۱۸۵۷ء میں انگریزی تسلط کے ساتھ ہی آپ کو اس ضلع کی ڈپٹی کلکٹری کا چارج دیا گیا۔ یہ زمانہ بڑا نازک تھا۔ انگریزی حکام کی نظروں میں ہر مُسلمان باغی تھا۔ ذرا سے شُبہ پر گرفتار کر کے معمولی ضابطہ کی کارروائی کے بعد انہیں سخت سے سخت سزائیں دے دی جاتی تھیں۔ آپ کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا اور اطمینان حاصل ہوا۔ (تاریخ امروہہ جلد اوّل)

الف خاں آپ وزیر ریاست پٹیالہ کے تھے۔ (رسالہ مبارک)

خواجہ حسن آپ شیخ عبد اللطیف سے جنہوں نے اپنے عزیز قریبی شیخ صدر الدین صدر جل کے ساتھ غزنوی حکومت کے زمانے میں جہاد کیا تھا پانچویں پشت میں تھے۔ جب شہنشاہ شیر شاہ سوری نے چودھرات اور قانون گو کے عہدے قائم کئے تو آپ کو یہ عہدے دیئے اور ریاست مارہرہ کی ریاست بھی عطا فرمائی۔ یہ عہدے انگریزوں کے زمانہ تک آپ کی اولاد میں متوارث رہتے چلے آئے۔ ۱۸۵۸ء کے بعد چودھری عنایت الٰہی صاحب کو پنشن دے کر ان عہدوں کو ختم کر دیا۔ معظمی مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر و منیجر اخبار البشیر و بانئی و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ۔ اور لفٹنٹ کرنل سر ضیاء الدین احمد صاحب پی ایچ ڈی ڈی ایس سی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور ممبر کونسل وائسرائے ہند۔ نیز مولوی عظمت الٰہی صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی وغیرہ خواجہ حسن کی اولادیں ہیں۔

عمر خاں شہید آپ خواجہ حسن کے دوسرے فرزند تھے۔ جب مارہرہ کے قریب شہنشاہ اکبر کا مقام ہوا تھا تو آپ نے شہنشاہ کی معہ تمام لشکر کے ایسی سیر چشمی سے دعوت کی تھی کہ شہنشاہ نہایت خوش ہوئے تھے۔ آپ کے بھتیجے صدر خاں کے فرزند رشید وزیر محمد الملقب بہ وزیر خاں نے حضرت سید عبد الجلیل بن عبد الواحد بلگرامی قدس سرہٗ کو جن سے مارہرہ میں اس خاندان کی بنیاد پڑی۔ جس میں شاہ برکت اللہ و شاہ محمد حمزہ اور حضرت اچھے صاحب وغیرہ بڑے اولیائے کاملین سے ہوئے ہیں۔ مارہرہ لاکر آباد کیا تھا۔

زبیری کنبوی بزرگوں کے چند مشائخ طریقت علمائے شریعت کی ایک جھلک

حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ (۱) آپ کی ولادت ۸۰۸ ہجری میں سلطنت تغلقیہ کے زمانہ میں ہوئی جس زمانہ میں حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز ملتان سے تشریف لاکر بیانہ میں مقیم تھے۔ سلطان احمد جلوانی وہاں کے حاکم نے ایک روز بہ اجازت حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ میں دعا کا خواستگار ہوں کہ سلطان حسین جونپوری کو فتح دہلی نصیب ہو۔ یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ تجھے ایسا نہ کہنا چاہیئے اس لئے کہ کفرانِ نعمت سے ذلت نصیب ہوتی ہے۔ تیرے باپ دادا تو سلطان دہلی کے بنائے ہوئے ہیں اور تو ایسی بات کہتا ہے۔" یہ بات سنکر وہ ______ سلطان احمد شرمندہ ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔ یہ تند مزاج اور نہایت تند خو شخص تھا اور غضب میں آکر کلمات کفر زبان سے نکالتا تھا۔ لیکن اس روز لوگوں نے دیکھا کہ غایت دہشت سے مخدوم صاحب کی وہ رخصت ہونے تک بیٹھا ہوا کانپتا رہا۔" اور یہ سمجھ کر میرے مدعا میں کامیابی نہیں ہوگی وہ سلطان بہلول لودہی سے تعلقات بڑھانے کی کوشش میں معروف ہو گیا۔

(۲) جب حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ دہلی آکر مقیم ہو گئے تھے۔ ایک روز سلطان بہلول لودہی نے در دولت پر حاضر ہو کر اجازت حضوری کی چاہی اور اجازت ملنے پر آ کے پہلے قدم چومے اور مؤدب بیٹھ گیا۔ جب تک آپ گفتگو فرماتے رہے وہ روتا رہا۔ آپ نے اسے اپنا مصلّے خاص عنایت فرمایا تو اسے نہایت تکریم سے لے کر سر پر رکھ لیا اور رخصت ہو گیا۔

(۳) سلطان بہلول لودھی کے انتقال کے بعد ان کے آٹھ بیٹوں میں چھوٹے لڑکے نظام خاں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ حضور والا سے میزان صرف پڑھوں۔ اور بغل سے کتاب نکال کر سامنے رکھ دی۔" حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ نے جوں ہی فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ دونوں جہان میں کامیاب و بامراد کرے۔" نظام خاں نے عرض کیا کہ پھر فرمائیے۔" جب تین مرتبہ یہ جملہ زبانِ مبارک سے کہلوالیا تو کتاب کو اٹھا کر اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر عرض کیا کہ میری تمنا بس اسی قدر تھی کہ یہ جملہ میرے حق میں زبانِ مبارک سے نکلے۔" میرا مدعا حاصل ہو گیا۔" حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ شہزادے

کے حُسنِ ادب سے نہایت خوش ہوئے۔ اور تھوڑی دیر مراقبہ کرنے کے بعد فرمایا کہ نظام خاں میں نے خدا سے چاہا ہے کہ تو سکندرِ وقت ہو۔ اور خدا کے بندوں کو تجھ سے بہت فیض حاصل ہو۔" چنانچہ یہ شگون لے کر نظام خاں لشکر کی طرف روانہ ہوگیا اور سب سے چھوٹا ہونے پر بھی وہ ہی تخت نشین کیا گیا۔" کیونکہ مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا تھا کہ تو سکندرِ وقت ہو اس لئے بادشاہ ہوتے ہی نظام خاں نے اپنا لقب سکندر رکھا اور اسی نام سے یہ مشہور ہیں۔

(۴) ضعیف العمری میں ایک دن مخدوم صاحب قدس سرہٗ پالکی پر سوار جارہے تھے۔" اولاد و خدام اور متعلقین کی کثیر جماعت ساتھ تھی۔" اسی اثناء میں "مہر سیادت" "خورشید فلک نقابت" سید حاجی عبدالوہاب صاحب بخاری قدس سرہٗ اُدھر سے گذرے اور یہ دریافت کرکے کہ حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ پالکی میں ہیں انہوں نے فوراً گھوڑے سے اُتر کر اور ایک کہار کو علیحدہ کرکے پالکی اپنے کندھے پر لے لی۔"

آپ کے چند خُلفاء

(الف) حضرت شیخ عبداللہ بیابانی قدس سرہٗ پسر کلاں حضرت مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہٗ العزیز۔" آپ مشہور اولیاء اللہ ہیں۔" جس طرح شیخ یوسف سجادہ نشین اولاد حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا سُہروردی قریشی اسدی ملتانی قدس سرہٗ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ سے سلطان بہلول لودہی نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی تھی۔" اسی طرح سلطان سکندر لودہی نے (جنہیں تسنن کے معاملہ میں بڑا غلو تھا) حضرت شیخ عبداللہ بیابانی قدس سرہٗ سے اپنی حقیقی بھتیجی کی شادی کی تھی۔" عبادت میں حارج سمجھکر آپ نے چھ ماہ بعد اُسے طلاق دیدی اور مالوہ کے جنگل میں رہ کر تمام عُمر عبادت و ریاضت میں بسر کردی۔" سلطان غیاث الدین خلجی بادشاہ مالوہ کو آپ سے بے انتہا ارادت و عقیدت تھی۔"

(ب) شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ پسر دوم نے بھی اپنے والد بزرگوار سے فیض حاصل کیا تھا۔ آپ کو بہ اِصرار سلطان سکندر لودھی نے اپنی سلطنت کا صدر الصدور یا شیخ الاسلام بنایا تھا۔" کچھ عرصہ آپ سلطان ابراہیم لودہی کے زمانے میں بھی شیخ الاسلام رہے اور پھر بخوشی خود اُس سے کنارہ کرکے عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے شہنشاہ ہمایوں آپ کی خدمت میں بڑی عقیدت سے حاضر ہوکر اور خاموشی سے آپ کے نصائح سنکر مع اپنے ہمراہیوں مولانا محمد فرغلی اور مولانا جلال یمنی کے ساتھ روتا ہوا رخصت ہوا تھا۔

(ج) مخدوم شیخ جمالیؒ حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے اِبن عم اور داماد کلاں۔" (شجرۂ سُہرورد)

(د) شیخ چندن قریشی۔" ابوالفضل وزیر اعظم شہنشاہ اکبر کے نانا۔" (جزخار)

(س) شیخ زین العابدین عرف شیخ ادھن ؒ۔" شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا۔" (اخبار الاخیار)

(ط) مولانا شیخ عجایب سنبھلی متخلص بہ ہلالی جن کے نام پر سنبھل میں ہلالی سرائے آباد محلہ اب تک موجود ہے۔ آپ صاحب منتخب التواریخ شیخ عبدالقادر بدایونی کے اُستاد۔" شیخ حاتم سنبھلی کے چچا تھے (معرکۂ عظیم تاریخ سنبھل)

اِن خلفا کے علاوہ اور بہت سے بزرگ ہیں جنہوں نے آپ سے فیض حاصل کیا تھا۔ اِن میں شاہ عبداللہ قریشی اسدی۔" اِبنِ شیخ یوسف سجادہ درگاہ اولاد غوث العالم شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی قدس سرہٗ اور بادشاہ سندھ بھی ہیں۔ جنہوں نے حضرت مخدوم صاحب سے فیض پایا اور نسخہ عوارف پڑھا تھا۔"

تصانیف

(۱) المشاہیر میں تحریر ہے کہ "حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے لمعات شیخ فخرالدین عراقی (ہمشیرزادہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز) پر حواشی لکھے ہیں جو اس کے حل معانی و مقاصد کے لئے کافی ہیں۔

(نوٹ ۱) حضرت عبدالوہاب صاحب بخاری قدس سرہٗ حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت قدس سرہٗ کے چچازاد بھائی اور اُسی پایہ کے بزرگ تھے۔"

(۲) اور ایک رسالہ مفتاح الاسرار آپ سے یادگار ہے۔

(۳) اور تذکرہ حضرت مخدوم شمس العارفین صدر الدین محمد ترک بیابانی خلف شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی بھی آپ کی تصانیف عالیہ میں سے ہے۔ جو کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا میں موجود ہے۔

شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ کے فیض یافتہ بزرگ و اولاد

حضرت شیخ عبدالستار پسر عبدالکریم بن خواجہ سالار سہارنپوری ان کے متعلق بحر زخار میں لکھا ہے کہ "معارف کمالات ان زبدۂ ارباب ولایت و عرفان بر تر از اندازہ و شرح و بیان است"

(۱) میاں شیخ فتح اللہ پسر کلاں شیخ نصیر الدین قدس سرہ انھوں نے اپنے جد بزرگوار سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ اور دار الخلافہ دہلی کے مفتی تھے"

(۲) شیخ عبدالغفور المشتہر بہ میاں لاڈن پسر دوم شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ آپ نے بھی اپنے جد بزرگوار سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ ولادت ۸۵۶ھ ہجری میں وفات ۹۲۵ھ ہجری میں ہوئی۔ "آپ سلطان سکندر لودہی کے مشیر مذہبی تھے" جب کبھی آپ دہلی سے سلطان موصوف کے مستقر آگرہ تشریف لے جاتے تو آپ کے زمانہ قیام میں سلطان آپ ہی کی اقتدا میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ آپ سے بہت بزرگوں نے فیض پایا ہے۔ چنانچہ

(الف) سید علاؤالدین المشہور بہ علاول بلاول المتوفی ۹۵۲ھ ہجری شاہ ولایت شہر آگرہ کے اُستاد تھے" دہلی میں سید صاحب نے آپ ہی کے مدرسہ میں تفسیر کا سبق لیا تھا" اور سید علاول بلاول کے ارادت مندوں میں داخل ہو کر ان سے "شیخ ابن رحمۃ نے استفادہ حاصل کیا تھا" اور انہیں کی ہدایت کے مطابق شیخ ابن رحمۃ آگرہ سے امروہہ آئے تھے"

(در مقصود مطبوعہ امروہہ تاریخ داؤدی)

(ب) اور صاحب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی کے اُستاد میاں شیخ عبداللہ بدایونی نے بھی نعمت علم میاں لاڈن دہلوی سے حاصل کی تھی۔ (منتخب التواریخ جلد سوم ص۵۴ تا ص۵۵ حالات شیخ عبداللہ)

تصانیف (۱) آپ نے کتاب حل وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے" (۲) مؤید الفضلا کے نام سے فارسی لغت مدون کیا" اس کتاب میں تقریباً آٹھ سو الفاظ اردو کے آگئے ہیں" محمد تغلق کے زمانے سے اُردو بول چال کی زبان ہوگئی تھی" اگرچہ شاہی فرامین" دفتری زبان مدت تک فارسی ہی رہی لیکن کاروباری زبان عام طور پر اردو ہی رہی" (شجرۂ سہروردیہ کتاب تاریخ و تنقید ادبیات اُردو)

(۳) میاں ظفر خاں پسر سوم شیخ نصیر الدین قدس سرہ "آپ نے اپنے جد بزرگوار سے خرقۂ خلافت پایا تھا" سیادت مآب شیخ معز الدین و شیخ محمود رسولدار[1] و تقویٰ شعار صلاح آثار شیخ احمد والد بزرگوار شیخ عبدالنبی صدر الصدور دربار شیخ الاسلام شہنشاہ اکبر" و شیخ حاتم سنبھلی استاد ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ میاں ظفر خاں کے شاگرد تھے" اور سید محمد جو شہنشاہ اکبر کے زمانے میں میر عدل تھے اور جو اپنے خاندان میں منصب امارت پر پہنچنے والے پہلے شخص ہیں وہ بھی شیخ حاتم سنبھلی کے شاگرد تھے"

(۴) شیخ ابراہیم پسر چہارم شیخ نصیر الدین قدس سرہ آپ نے بھی اپنے جد بزرگوار سے خرقۂ خلافت پایا تھا آپ سے بھی لوگوں کو بہت فیض پہنچا سلطان سکندر لودھی نے جاگیر پیش کر کے آپ سے اپنی مصاحبت کی خواہش کی تھی۔ آپ نے قبول نہ کیا"

(نوٹ[1]) رسولدار یا حاجب الارسال امیر حاجب کو کہتے ہیں"

اور گوشۂ خلوت میں صفائی باطن اور درس میں مشغول رہے۔"

(۵) شیخ عبدالعزیز المشتہر بہ میاں دولت خاں پسر پنجم شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ۔ آپ نے فیضِ علم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ اور خرقۂ خلافت پایا تھا۔

(۶) شیخ بدھ جمال الدین المشتہر بہ میاں جمال خاں پسر ششم شیخ نصیرالدین قدس سرہٗ نے بھی اپنے والد بزرگوار سے فیض حاصل کیا تھا اور خرقہ خلافت پایا تھا۔ آپ اپنے برادر بزرگ شیخ شیخ اللہ کے بعد سلیم شاہ سوری کے زمانے سے شہنشاہ اکبر کی سلطنت کے وسطی زمانہ تک دارالخلافہ دہلی کے مفتی تھے۔

تصانیف

"شجرۂ سہروردیہ میں ہے کہ آپ نے چند کتابیں جامع معقول و منقول تصنیف فرمائیں۔ اِن کتابوں سے آپ کی فضیلت و بلاغت اور مولویت ظاہر ہے۔" اہلِ فراست جن کی عقل نے لباس ادراک پہنا ہے اُن کے لئے اسی قدر کافی ہے۔"

حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس اللہ اسرارہما

آپ حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ کے برادرِ حقیقی اور اعلیٰ پایہ اولیاء اللہ تھے۔ سلطان بہلول لودھی کو آپ سے نہایت درجہ ارادت و عقیدت تھی۔"

شیخ اچھن قدس سرہٗ

آپ کا نام نامی شیخ یحییٰ عبدالسلام ہے۔ شیخ اچھن قدس سرہٗ کے لقب سے مشہور تھے۔" حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز کے فرزند اکبر اور مادرزاد ولی تھے۔" ارشاد و ہدایت اور یادِ الٰہی آپ کا مشغلہ تھا۔" اہالیانِ دہلی کے ملجاؤ ماویٰ تھے۔"

شیخ رکن الدین عرف شیخ بُوڑھے

آپ شیخ اچھن قدس سرہٗ کے صاحبزادے اور شیخ عبداللہ تلنبی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ "تذکرہ علمائے ہند میں تحریر ہے کہ" شیخ عبداللہ تلنبی ابن شیخ اللہ داد عثمانی تلنبی کے درس سے چالیس عالم متبحر" مثل میاں لاڈن" و جمال خاں دہلوی و میاں شیخ بُوڑھے و میراں سید جلال بدایونی ہوئے ہیں" اور المشاہیر میں ہے کہ آپ دہلی کے سلطانِ وقت (سلطان سکندر لودھی) سے ریاست کول کی حکومت کی سند لے کر کول (علیگڈھ) آئے اور وہیں توطن اختیار کیا مؤلف کتاب ہذا کے آپ گیارہویں دادا ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ جمالی رح

آپ فقر و درویشی میں ممتاز تھے۔ جب سلطان بہلول لودی کے زمانے میں ملتان سے نقل مقام کر کے آپ تھوڑے عرصہ بیانہ میں قیام پذیر تھے۔ تو ایک روز وہاں کے قاضی القضات کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ قاضی صاحب نے والصّیف کو والشّیف پڑھا۔ نماز ختم ہونے کے بعد آپ نے قاضی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ نے تو تمام نمازیوں کے گردنیں تلوار سے قلم کر دیں۔ قاضی صاحب آپ کے سامنے کچھ نہ بول سکے۔ اور خاموش مکان کو چلے گئے۔ پھر جب سفر میں آپ ہرات پہنچے تو مولانا جامیؒ سے جن سے بادشاہوں کو بہت اعتقاد تھا اور جو بڑے نازک مزاج تھے اور شان و شوکت سے رہتے تھے ملنے کے لئے گئے۔ سفر کی کثافت سے آپ کا لباس اگرچہ نہایت گرد آلود تھا اور پہلے سے ملاقات بھی نہ تھی مگر آپ سلام علیکم کر کے بے تکلّف اُن کے برابر تخت پر جس پر اعلیٰ درجہ کا قالین بچھا ہوا تھا جا کر بیٹھ گئے۔" ایک اجنبی اور زدہ حالت کے شخص کی یہ جراءت مولانا جامیؒ کو نہایت ناگوار ہوئی انہوں نے فرمایا کہ گدھے میں اور تجھ میں کتنا فرق ہے؟" آپ نے اُن کے اور اپنے درمیان میں اپنی بالشت رکھدی۔" اتفاق کہ اِن دونوں میں فرق بھی ایک ہی بالشت کا تھا۔" اب تو مولانا جامیؒ چکرائے اور دریافت کیا کہ تو کون ہے؟" جب اُنہیں معلوم ہوا کہ شیخ جمالی ہیں تو فوراً اُٹھ کر بغلگیر ہوئے۔" اور کئی روز تک نہیں چھوڑا۔ لطفِ صحبت اٹھاتے رہے۔" سلطان سکندر لودھی کو آپ سے عشق تھا اور سلطان ابراہیم لودھی و شہنشاہ بابر و ہمایوں بھی آپ کی انتہا درجہ تعظیم و تکریم بجالاتے اور اکثر دولت خانے پر حاضری

دیا کرتے تھے۔ ——— آپ عرب وعجم وروم وافریقہ وغیرہ کے سفر سے واپس ہوکر جب ہندوستان میں داخل ہوئے تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ سلطان سکندر لودہی نے اپنے ایک منظوم خط کے ذریعہ جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

چشم بجمالِ تو تپان است ٭ دلِ مرغِ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضرِ مائی ٭ آں بہ کہ بسوئے ما بیائی

آپ کو سنبھل میں جہاں اُسی زمانے میں وہ مقیم تھے تشریف لانے کے لئے درخواست کی۔ مگر جب آپ نے اُس کی درخواست پر کچھ اعتنا نہ کیا تو دہلی میں حضرت مخدوم شیخ سماءُالدین قدس سرہٗ کی خدمت میں عرضداشت بھیجکر بعجز ونیاز درخواست کی کہ جس طرح ہو حضرت شیخ جمالیؒ کو میرے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت مخدوم صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں جب آپ سنبھل تشریف لے گئے تو یہ خبر سنکر سلطان موصوف نے معہ خدم وحشم شہر سے تین کوس باہر آکر آپ کا استقبال کیا اور نہایت عزت وتکریم کے ساتھ آپ کو ہمراہ لے گیا اور پھر کبھی آپ کو جدا نہیں ہونے دیا اور تمام عمر آپ کے ساتھ دمساز وہمراز وہم صحبت وہم زبان رہا۔ سلطان سکندرؒ کے بعد سلطان ابراہیم لودہی اور سلطان بابر وہمایوں نے بھی آپ کی ایسی ہی عزت وتکریم کی اور سلطان بابر وہمایوں اکثر اوقات اُٹھکر آپ کے دولت خانے پر چلے جاتے اور جدائی کو کسی طرح گوارا نہیں کرتے تھے۔ آپ گجرات پر ہمایوں کے حملہ کرنے کے زمانے میں اُس کے ہمراہ تھے۔ اسی سفر میں آپ کا وصال ہوا۔ سلطان بابر کو راناسانگا پر جو فتح حاصل ہوئی وہ آپ کے ہی پٹھانوں اور عامتہ المسلمین پر اثر کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اسی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۱۲۴ تا ۱۲۷ پر ان واقعات کی تفصیل ہم نے لکھی ہے۔ آپ کی پیدائش سیدوں کی سلطنت کے زمانے میں ہوئی۔ اور انتقال کا زمانہ سنہ ۹۴۲ ہجری ہے۔

تصنیفات — آپ کی تصنیفات بہت ہیں جن میں (۱) فارسی دیوان آٹھ نو ہزار اشعار کا۔ (۲) مثنوی مراۃ المعانی۔ (۳) مثنوی مہر وماہ ہیں۔ (۴) رباعیات جمالی ہیں۔ (۵) اور مشہور کتاب سیر العارفین ہے جس میں مشائخ ہند اور اکابر طریقت کے حالات تحریر ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کے حال سے شروع کر کے حضرت مخدوم سماءُالدین قدس سرہٗ کے حالات پر کتاب کو ختم کر دیا ہے۔

شیخ محمد عاشق سنبھلی — آپ مشائخ طریقت بزمانہ شہنشاہ اکبر تھے۔ سنہ ۹۸۵ ہجری میں وصال ہوا۔ (المشاہیر واخبار الاخیار اور منتخب التواریخ)

شیخ حسین — آپ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے اکبر خلفا میں سے تھے۔ فتحپور سیکری میں یاران چبوترے پر آسودہ ہیں۔ (آثار اکبری یعنی تاریخ فتحپور سیکری)

شیخ نور الدین — صاحب طبقات اکبری نے علماءِ عہد شہنشاہ اکبر میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ اور تذکرۂ علمائے ہند میں بھی آپ کا ذکر ہے۔

شیخ شمس الدین — آپ کا ذکر بھی شہنشاہ اکبر کے زمانے کے علماء میں صاحب طبقات اکبری نے کیا ہے۔

میاں احمد خاں اکبر شاہی — آپ مخدوم شیخ جمالیؒ کے پوتے اور مشائخین عظام میں سے ہیں۔ آپ کا انتقال شروع زمانہ شہنشاہ جہانگیر میں ہوا۔

تصنیفات — (۱) آپ کی تصنیفات سے ایک کتاب شجرۂ سہروردیہ ہے۔ یہ کتاب سارے ہندوستان میں صرف کتب خانہ ریاست رامپور میں ہے اور اس کی نقل مؤلف کتاب ہذا کے کتب خانہ میں ہے جسے بہ اجازت جناب مدار المہام صاحب ریاست مذکور نقل کرا کر حاصل کیا گیا ہے۔ (۲) دوسری تصنیف آپ کی اخبار معدن احمدی ہے۔ یہ کتاب ہندوستان

یں کہیں موجود نہیں ہے" البتہ کتب خانہ انڈیا ہاؤس لندن میں موجود ہے" نعمت اللہ ہروی نے اپنی مصنفہ کتاب مخزن افغانی تاریخ خان جہانی تصنیف ۱۰۲۱ھ ہجری بزمانۂ شہنشاہ جہانگیر میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں زیادہ تر حالات "اخبار معدن احمدی مصنفہ فضیلت شعار سلالۃ الابرار میاں احمد خاں سے لئے ہیں۔

شیخ عبد الصمد | آپ میاں ظفر خاں کے بڑے صاحبزادے اور عالم شریعت و طریقت کے تھے۔
تصانیف (۱) کتاب کنز الرموز (۲) اور اکبر شاہی آپ کی تصانیف سے ہیں۔ (شجرۂ سہروردیہ)

شیخ موسیٰ | آپ شہنشاہ اکبر کے زمانے کے فضلاء میں تھے۔ آپ نے بنگال وغیرہ کی سیاحت بھی کی ہے۔
تصانیف:۔ آپ سے ایک کتاب کشکول موسیٰ یادگار ہے اور کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔

شیخ رکن الدین | معقول و منقول میں اعلیٰ پایہ اور بلند منزلت تھے۔ بعد وفات پدر بزرگوار مفتی جمال خاں اکبر کے وسطی زمانے میں دہلی کے مفتی مقرر ہوئے تھے۔ (المشاہیر)

شیخ ہاشم | آپ کا زمانہ شہنشاہ اکبر و جہانگیر ہے علوم عقلی و نقلی میں مہارت خاص رکھتے تھے۔ عالم باعمل تھے۔ اور فن سپہگری میں بھی کامل تھے۔ جہانگیر کے زمانے میں دو ہزار پانصد ذات اور دو ہزار پانصد سوار کا منصب تھا۔ (طبقات اکبری و المشاہیر)

شیخ حسام الدین | آپ عالم باعمل اور شاہجہاں کے زمانے میں دہلی کے مفتی تھے۔ (المشاہیر)

ابو البرکات | آپ دہلی کے مفتی تھے۔ ۳ سنہ جلوس عالمگیری میں دہلی کے قاضی یعنی جج ہو گئے۔
تصانیف:۔ فتاویٰ مجمع البرکات ضخیم کتاب آپ کی تصنیف ہے" اور فتاویٰ عالمگیری کے جمع کرنے میں بھی آپ شریک تھے" (المشاہیر)

محمد دوست | آپ محمد شاہ و احمد شاہ و عالمگیر ثانی کے عہد میں دہلی کے مفتی اور جامع فروع و اصول و حاوی معقول و منقول و ماہر علم تصوف تھے۔ خواجہ میر دردؔ نے آپ سے درس لیا ہے" (المشاہیر و تذکرہ آب حیات)

فقیہ الدین و عزیز الدین | دونوں عالم۔ عامل۔ اور دانشمند کامل تھے" عزیز الدین عالمگیر ثانی اور شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں دہلی کے مفتی تھے۔

رکن الدین محمد المعروف بہ تراب علی | آپ حاجی حرمین شریفین اور عالم متشرع و فاضل متورع۔ واقف دقایق علوم عقلی و نقلی اور مشاہیر علمائے عصر سے تھے۔
تصانیف آپ کی تصنیفات عالیہ کثیر ہیں۔ (المشاہیر)

محمد اکرم خاں | آپ حافظ قرآن تھے اور رفقہ و پابندیٔ شریعت میں جواب نہ رکھتے تھے" پہلے دار الخلافہ دہلی کے مفتی تھے۔ بعد میں قاضی ہوئے۔ نافذ فرمان لشکر اورنگ زیب عالمگیر کے تھے۔

قاضی محمد یٰسین | آپ متقی اور مقدس بزرگ تھے" دہولپور کے قاضی یعنی جج تھے" شہنشاہ عالمگیر خود آپ کے مکان پر آپ سے جا کر ملا تھا اور دیر تک ہم کلام رہا تھا۔ اور آپ کے کمالات و تقدس سے نہایت محظوظ ہو کر شکر خداوندی بجا لایا کہ میرے وقت میں ایسے ستودہ فضایل اور پاکیزہ خیال لوگ ہیں" (المشاہیر)

قاضی عبد الواحد | بعد کسب و کمالات و حصول فضایل علمی قاضی شوروں کے بزمانۂ عالمگیر مقرر ہوئے تھے۔ (المشاہیر)

قاضی محمد امجد آپ بعد اپنے والد بزرگوار قاضی عبدالواحد کے سوروں کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ (المشاہیر)

حافظ محمد نصر اللہ آپ کا زمانہ محمد شاہ و احمد شاہ و عالمگیر ثانی و شاہ عالم ثانی کا ہے۔ آپ حافظ قرآن تھے۔ علوم عقلی و نقلی میں آپ کو تبحر حاصل تھا تزکیہ قلب و تصفیہ باطن " اور جامعیت علوم و اہتمام شریعت میں آپ نے عجیب و غریب شان پائی تھی " آپ نے پچاس برس کامل درس دیا۔ اور احیاء علوم کیا۔ اکثر فضلاء عصر کو آپ سے تلمذ حاصل تھا۔ مارہرہ آپ ہی کی وجہ سے یونیورسٹی بن گیا تھا۔ جہاں سے علم کا فیض عرصہ تک جاری رہا۔

تصانیف آپ نے تین سو کتابیں ہر علم کی اپنے قلم سے لکھکر خانقاہ مارہرہ میں لوگوں کے استفادہ کے لئے رکھدی تھیں " آپ مؤلف کتاب ہذا کے پانچویں دادا تھے "

مولوی بزرگ علی آپ فاضل اجل و عالم اکمل تھے۔ ہر فن میں کمال حاصل تھا۔ ریاضی اعلیٰ درجہ کی جانتے تھے تقریر مؤثر و دلپذیر اور بیان ایسا دل نشین و خاطر نشان تھا کہ سننے والوں پر جادو کا اثر رکھتا تھا آپ کے شاگردوں میں نامور علماء اور دانشمند گذرے ہیں " مولوی عبدالجلیل کولوی اور مفتی عنایت احمد مشاہیر علماء نے آپ کے سامنے زانوئے سبق خوانی طے کیا تھا۔ انگریزوں کے طبقہ میں بھی آپ کے شاگردوں کی جماعت کثیر تھی " آپ کے شاگرد صدہا علماء ملک میں پھیلے ہوئے ہیں مفتی لطف اللہ صاحب مفتی عدالت العالیہ نظام حیدرآباد دکن جو آپ کے شاگرد مفتی عنایت احمد کے شاگرد تھے " اُن کے ہی ایک شاگرد نے " ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی تھی " مولوی بزرگ علی صاحب اوّل کول (علیگڈھ) کے منصف تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے استعفا دیدیا جسے حکام نے نہایت افسوس کے ساتھ قبول کیا " نواب وزیر الدولہ والئ ٹونک نے بہ تمنا آپ کو ریاست میں قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف دی اور قاضی القضات مقرر کیا " اُسی خدمت پر آپ کا انتقال ہوا۔ (المشاہیر)

تصانیف (۱) عجالۂ نافعہ (۲) اور اثبات الحق " ردّ مذہب عیسوی میں آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ ہم نے کئی اخبار و رسایل میں پڑھا ہے کہ یہ کتابیں اب مفقود ہیں۔ مگر مؤلف کتاب ہذا کے کتب خانہ میں بحمد اللہ موجود ہیں۔

مولوی شاہ محمد حنیف آپ عالم متبحر۔ فاضل ہمہ داں اور صاحب تقوی و تشرّع تھے درس و تدریس و افادہ خلق اللہ شغل تھا " پھر سبق باطن میں مشغول ہوئے " رسول شاہ کے مرید اور خلیفہ اور سجادہ نشین ہوئے " شاہ فدا حسین۔ سرسید احمد خاں بانئ کانج علیگڈھ کے بزرگ آپ ہی کے مرید تھے " آپ کے اوصاف بیشمار ہیں (المشاہیر)

شاہ عبدالہادی آپ کا اصلی نام معظم خاں اور شاہ ہادی لقب تھا۔ جذب و مستی میں دکن چلے گئے تھے۔ وہاں سے ایک لڑکے کو ہمراہ لاکر تربیت دی جن کا نام شاہ میم ہوا اور بڑے مرتبہ کو پہنچے۔ اِن شاہ میم سے آصف جاہ اوّل کو بڑی اِرادت تھی " اور جب دکن سے آکر آپ نے دہلی میں قیام فرمایا تو محمد شاہ بادشاہ بشوق قدمبوسی کو حاضر ہوئے اور کلام معجز نظام اور نصائح دلپذیر سے بہت خوش ہوئے۔ اور زر نقد معہ کشتی پارچہ ہائے نفیس اور ایک گاؤں سیر حاصل بطور آل تمغا پیش کیا " آپ فتوحات کبھی جمع نہ کرتے تھے۔ خرچ کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کو گھڑوں کا پانی بھی پھینک دیتے تھے۔ سلوک کے ساتھ کسی قدر جذب و محویت کی کیفیت تھی۔ صاحب تاثیر و کاملین وقت میں سے تھے۔

شاہ سلیم دیوان عبدالمومن شاہجہانی کے پوتے تھے۔ خوارق و کرامات میں مشہور تھے۔ (المشاہیر)

شاہ نصیر الدین آپ شاہ سلیم کے بھتیجے تھے۔ داخل طریقت ہو کر ادائے طاعات و عبادات میں معروف رہے۔ علم جفر و تکسیر و دعوت اسماء اعمال حاضرات و تسخیر اجنّہ میں یکتائے روزگار تھے۔ (المشاہیر)

شیخ جلیب | آپ شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی المتوفی سنہ ۹۴۹ ہجری کے مرید اور نہایت صاحبِ کمال تھے۔ (المشاہیر)

شاہ روح اللہ | کاملینِ وقت سے تھے۔ ہدایت و رہنمائی خلق اللہ میں مصروف رہے۔ علوم صوری میں بھی صاحبِ استعداد تھے۔ تصانیف (۱) طبیعت موزوں تھی فارسی و ہندی میں صاحبِ تصنیف تھے۔ آپ کا زمانہ فرخ سیر محمد شاہ کا ہے۔ (المشاہیر)

شیخ عبدالواسع | اکتساب فضایل کرنے کے بعد سالہا سال دراز مسند درس پر جلوہ افروز ہو کر افادۂ خلق فرمایا۔ سنہ ۱۰۶۷ ہجری میں وفات پائی۔ (المشاہیر)

شاہ شہباز | کاملینِ وقت سے تھے۔ ولی مادر زاد تھے۔ امراء کی ملاقات سے نفرت تھی۔ نذر و فتوح کسی سے نہیں لیتے تھے۔ آپ کے تصرفات مشہور ہیں۔ (المشاہیر)

شیخ رفیع الدین | روشن ضمیر۔ روشن لقا اور صدر نشین عہدہ خطابت مسجد جامع سنبھل کے تھے۔ آواز پُر درد۔ اور ذوق و شوق معنوی سے بھرے ہوئے تھے۔ (المشاہیر)

شاہ شجاع | مشرب آپ کا قادریہ تھا۔ اخلاق میں ممتاز تھے۔ درویشانِ قادریہ آپ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مثنوی مولانا روم کے درس میں زیادہ مشغول رہتے تھے۔ ہندوستان میں درس مثنوی متذکرہ کا رواج آپ ہی نے دیا ہے۔ (بحر زخار صفحہ ۱۳ و ۱۳۱)

خواجہ مبارک | آپ دہلی کے مشائخوں میں تھے۔ آپ کے فضایل و جامعیت کمالات کا حال سنکر شہنشاہ اکبر نے آپ سے ملاقات کی خواہش کی تھی۔ (المشاہیر)

شیخ محمد یاسین | آپ بزرگانِ شریعت و طریقت میں ممتاز تھے۔ تقویٰ شعار۔ سعادت آثار اور حاجت روائے خلق تھے۔ شاہ محمدی نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ سیدوں میں سے نیکوکار حقیقت شناس اور بہت ہی باادب تھے۔ بحر زخار میں ہے کہ حضرت مخدوم شیخ سماءُالدین کی اولاد میں سے تھے۔ سنہ ۱۱۰۰ ہجری آپ کا سالِ وفات ہے۔

زبیری کنبوہی خاندان کے ان وزراء۔ امراء۔ سپہ سالاروں۔ مشائخ طریقت اور علمائے شریعت سے تعارف کرانے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں کم اصل اور رذیلوں سے نفرت کرنے والے اور عالی نسبی کا خیال رکھنے والے اور اس خاندان کے علوئے حسب و نسب سے بوجہ اقامت ہموطنی کے اچھی طرح واقف چند بادشاہوں سے بھی روشناس کرادیں تاکہ ناظرین اس بات کو اچھی طرح جان لیں کہ اگر یہ خاندان حضور سرورِ عالم صلعم کے عزیز قریبی اور حواری حضرت زبیرؓ کی اولاد نہ ہوتا اور ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مؤلف تاریخ کمبوہان نے ظاہر کیا ہے تو ان بادشاہوں کے زمانوں میں ان بزرگوں کا وزیر سلطنت۔ دبیر مملکت۔ اور سپہ سالار و ندیم و مصاحب و ہمراز اور ان کا ہمزبان ہونا تو در کنار رہا معمولی خدمتوں پر بھی تقرر کیا جانا ممکن نہ تھا۔ نہ ہی یہ بادشاہ ان سے ایسی عقیدت و ارادت رکھ سکتے تھے۔ جو سلطان بہلول لودہی کی حاضری اور سلطان سکندر لودہی کے حضرت مخدوم شیخ سماءالدین قدس سرہ سے میزان صرف پڑھنے۔ اور شیخ لاڈن کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کو اپنا مشیر مذہبی بنانے۔ نیز حضرت مخدوم شیخ جمالیؒ قدس سرہ کے نام کے خط اور ان سے تعلقات کے واقعات سے ظاہر ہو چکا ہے۔

زبیری کنبوہِ خاندان کے وطن ملتان سے تعلق اور عالی نسبی میں غلو رکھنے والے بادشاہوں سے تعارف

محمد سلطان شہید

محمد سلطان خاں شہید کا مستقر ملتان تھا۔ وہاں کے آپ گورنر تھے۔ ان کے محاسن اور اوصاف میں مورخین رطب اللسان ہیں۔ حضرت امیر خسروؒ۔ اور حضرت خواجہ حسن سنجریؒ جیسے مقدس بزرگ اسی شہزادے کی مجلس کی زیب و زینت تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے ملتان میں خان شہید کی ملازمت میں پانچ سال بسر کئے۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴)

سلطان غیاث الدین بلبن کی عادت اور ایک واقعہ

تاریخ فرشتہ کے صفحہ ۲۸۱ و ۲۸۲ پر تحریر ہے کہ "سلطان غیاث الدین بلبن کی عادت تھی کہ سلطنت کے اہم کام ہمیشہ موزوں اور مناسب لوگوں کے سپرد کرتا تھا۔ نا اہلوں کا اُس کے دربار میں گذر نہ تھا۔ جب تک کہ لوگوں کی صلاحیت" "ایمانداری" "اور پرہیزگاری و پختہ کاری کا اُسے تجربہ نہ ہو جاتا۔ اُن کو عام ذمہ داری کے کام سپرد نہ کرتا تھا۔ اِن صفتوں کے ساتھ عمّال اور حاکموں کی "عالی نسبی" کا بھی اُسے بڑا خیال تھا۔ اگر ابتدائی جانچ میں کسی طرح کمی رہی۔ اور بعد کو کسی عامل کی "بد دیانتی" "بد نسبی" کا کچھ ثبوت مل گیا۔ تو فوراً وہ شخص اپنے عہدے سے برطرف کیا جاتا تھا۔ سلطان بلبن نے غیر مسلموں کو ذمہ دار حاکم کبھی نہیں مقرر کیا۔ اُس کا خیال تھا کہ غیر مسلم حاکموں سے مسلمان رعایا کو تکلیف پہنچے گی" سلطان بلبن نے اپنے تمام زمانہ حکومت میں جو بائیس ۲۲ سال کا زمانہ سمجھا گیا ہے۔ کبھی رذیلوں اور بازاری لوگوں سے کلمہ و کلام نہیں کیا۔ اُس کی بارگاہ میں "سفلوں" اور بزدل لوگوں کا پہنچنا محال تھا۔ نقل ہے کہ "بلبن کے زمانہ میں فخرو بائی نام ایک رئیس تھا" یہ شخص بیحد دولت مند تھا" فخرو بائی نے درباریوں کے ذریعے سے بادشاہ کی خدمت میں معروضہ کیا کہ اگر بادشاہ ایک بار اس رئیس بازاری سے گفتگو کرلے تو فخرو اُس کے معاوضہ میں نقد و جنس کی ایک کثیر مقدار بطور نذرانہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ جب درباریوں نے "فخرو کا معروضہ" غیاث الدین بلبن کے سامنے پیش کیا تو بلبن نے جواب دیا کہ فخرو اگرچہ دولت مند ہے" لیکن وہ خود بازاری اور بازاریوں کا سردار ہے" ایسے شخص سے بادشاہ کا ہم کلام ہونا" بادشاہ کی ہیبت اور وقار کو کھوتا ہے" اور عوام کے دلوں میں شاہی رعب و داب قایم نہیں رہتا"

سلطان شمس الدین التمش اور بلبن کے ملنے کے مزید واقعات

صاحب تاریخ فیروز شاہی لکھتے ہیں کہ۔

منکہ مؤلّف ام۔ از خواجہ تاج الدین "مکرانی" کہ بزرگوار خواجہ بود۔ و پیش "سلطان بلبن" محلے و قربے تمام داشت۔ سماع دارم کہ۔

در اوایل جلوس بلبنی" اقطاع امروہہ"

ملک امیر علی سرجاندار" را داده بود"

سلطان کارداران بار را فرمان داد۔ تا متصرف نیکو اصیل باشد" و ہم کاردان بجہت خواجگی اقطاع امروہہ" بگیرند" و پیش تخت بگذرانند۔

میں نے جو اس کتاب کا مؤلف ہوں خواجہ تاج الدین مکرانی سے کہ جو بزرگوار خواجہ تھے" اور سلطان بلبن کے پاس بہت تقرب رکھتے تھے۔ یہ سُنا ہے کہ۔

بلبن کی تخت نشینی کے ابتدائی زمانہ میں امروہہ کا علاقہ ملک امیر علی سرجاندار کو دیا گیا تھا۔

سلطان نے کارداران بار کو حکم دیا کہ کسی ایسے اچھے شخص کو جو شریف و عالی نسب بھی ہو اور کاردان بھی امروہہ کے علاقہ کی افسری کیلئے منتخب کریں اور حضور میں پیش کریں"

ودران ایام ملک علاؤالدین کشلی خاں و امیر حاجب و ملک نظام الدین بزغالہ وکیلدر بود۔ ایشاں کمال مہیار را قبول کردند۔ و بجہت خواجگی امروہہ پیش تخت گذرانیدند۔

ودر حالتِ خاکبوس کردن کمال مہیار سلطان بلبن کارداران را گفت کہ۔ ازیں مرد پرسید کہ مہیار چہ لفظ است۔ و چہ نسبت است۔ او گفت کہ مہیار پدر من است۔ و غلام ہندو بود۔

بمجرد آں کہ ایں سخن در گوش سلطان افتاد سلطان بلبن از مجلس بار برخاست۔ و درخلوت شد۔ و از ہیبت سلطان کارداران را معلوم شد کہ درغضب شدہ است معلوم نیست کہ چہ خواہد کرد۔ دست و پا گم کردند۔

بعد ساعتے عادل خاں شمسی عجمی و تمر خاں و ملک الامراء فخر الدین کوتوال و عماد الملک راوتِ عرض را در مجلس خلوت طلب شد۔ و بعد از ایشاں ملک علاؤ الدین کشلی خان و ملک نظام الدین بزغالہ و نایب امیر حاجب و خاص حاجب عصامی ہر پنج کس را پیش طلبید و فرمان داد کہ تا ہر پنج کارداران نشینند و در حضور ایشاں با آں چہار بزرگ کہ پیش از اں طلبیدہ بود۔ گفت کہ من امروز ازیں برادرزادہ کہ حاجب است۔ و ازیں نظام الدین بزغالہ۔ کہ وکیلدر است۔ چیزے تحصیل کردہ ام۔ کہ از پدر خود تحمل نتوانم کرد۔ ایں زمان مولازادہ کم اصلے کم بضاعتے گزیدند۔ و پیش من آوردہ اند کہ خواجگی امروہہ ایں را بدہ۔ کہ مردے ہنرمند و نویسندہ کاردان است۔ و بعد ماجرائے مذکور عادل خاں را و تمر خاں را گفت۔ کہ شما ہر دو یاران مہتر و خواجہ تاشان بیند نیکو شنیدہ آید۔ و تحقیق کردہ اید کہ از آلِ افراسیابم۔ و نسبت جدان و پدرانِ من با افراسیاب میرسد۔ و میدانم کہ باری تعالیٰ دامن خاصیتے آفریدہ کہ ہیچ کم اصلے و دونی و سفلہ و رزالہ را در شغل منصب و دولت

اور اُن دنوں میں ملک علاؤالدین کشلی خان اور امیر حاجب اور ملک نظام الدین بزغالہ وکیلدر تھے۔ انہوں نے کمال مہیار کو پسند کیا اور امروہہ کی حکومت کے واسطے اُسے حضوری میں پیش کیا۔

اور کمال مہیار کے آداب بجالانے کے وقت سلطان بلبن نے اپنے امراء سے کہا کہ اس شخص سے پوچھیں کہ مہیار کیا لفظ ہے اور کیا نسبت رکھتا ہے۔ اس نے کہا کہ مہیار میرا باپ ہے اور غلام ہندو تھا۔

سلطان نے جوں ہی یہ بات سنی مجلس برخاست کر دی اور خلوت میں چلا گیا۔ اور سلطان کی صورت سے اُمراء کو معلوم ہوا کہ وہ غصہ میں ہے۔ اور معلوم نہیں کیا کرے اور اُن کے ہوش اُڑ گئے۔

کچھ دیر بعد عادل خاں شمسی عجمی اور تمر خاں اور ملک الامراء فخر الدین کوتوال اور عماد الملک راوتِ عرض کو مجلس خلوت میں بلایا گیا۔ اور اُن کے بعد ملک علاؤ الدین کشلی خان اور ملک نظام الدین بزغالہ اور نایب امیر حاجب اور خاص حاجب عصامی ہر پانچ اشخاص کو بھی طلب کیا۔ اور فرمایا کہ یہ پانچوں امیر بیٹھ جائیں اور ان کے سامنے اُن چاروں بزرگوں سے جنہیں پہلے طلب کیا گیا تھا کہا میں نے آج اِس بھتیجے سے جو حاجب ہے اور اِس نظام الدین بزغالہ سے جو وکیلدر ہے ایک ایسی بات معلوم کی ہے کہ جسے اپنے باپ سے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس وقت ایک غلام زادے کو جو کم اصل اور کم مایہ ہے۔ انتخاب کیا ہے اور میرے حضور میں پیش کیا ہے کہ امروہہ کی افسری اس کو دیدو۔ کہ وہ ایک ہنرمند اور انشا پرداز اور کاردان شخص ہے۔ اِس گفتگو کے بعد عادل خاں اور تمر خاں سے کہا کہ تم دونوں یاران مہتر اور خواجہ تاش ہو تم اچھی طرح جانتے ہو اور تمہیں تحقیق ہے کہ میں افراسیاب کی اولاد ہوں اور میرے آباؤ اجداد کی نسبت افراسیاب تک پہنچتی ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ میں یہ خاصیت پیدا کی ہے کہ کسی کم اصل ذلیل اور سفلہ

نتوانم دید۔ و بجود آنکہ۔ ایں چنیں طائفہ در نظر من در آیند۔ جملۂ رگ ہائے اعضائے من در جنبش در آید۔ وچوں حال دریں جملہ باشد کہ۔ با شما گفتم۔ من نتوانم کہ ۓ لئیم وکم اصل و ناکس زادہ ۓ را در صدر دو لتے کہ از خدا یافتہ ام۔ شریک کنم وشغل واقطاع وتصرف دہم۔ امروز من ایں معنی از ایں ہر دو کاردار تحمل کردم۔ کہ شما ہر چہار کس را گواہ میگیرم کہ اگر بعد ازیں در معرض دادن۔ اشغال واقطاع وخواجگی ومشرفی ومدیری ۓ بہ لئیمے و بد اصلے ورزالہ زادہ۔ راۓ اگر ہزار نو ہنر مند باشدۓ ایں کارداران پیش من ذکر کنند ۓ من بایشاں آں کنم کہ عبرت جہانیان گردد۔

اور رذیل شخص کو کسی منصب اور عہدے پر نہیں دیکھ سکتا ۓ اور جوں ہی کہ اس طرح کے لوگ میری نظر پڑتے ہیں۔ میرے اعضا کی جملہ رگیں جنبش میں آجاتی ہیں۔ اور جب صورتِ حال ایسی ہو جو کہ میں نے تم سے بیان کی ہے تو میرے لئے ناممکن ہے کہ کسی ذلیل کم اصل اور ناکس زادہ کو اس حکومت میں جب مجھے خدا نے دی ہے شریک کروں اور اُن کو کسی علاقہ کی افسری عطا کروں ۓ آج میں نے اِس بات کو اِن دونوں کارداروں سے سُن کر برداشت کیا میں تم چاروں کو گواہ کرتا ہوں کہ اگر آئندہ کسی عہدے اور خواجگی اور مشرفی اور مدیری کے کسی ذلیل بد اصل اور رذیل زادہ کو چاہے وہ کتنا ہی ہنر مند کیوں نہ ہو دینے کے متعلق یہ کاردان میرے حضور میں ذکر کریں تو میں انہیں ایسی سزا دوں کہ تمام اہلِ دُنیا کو عبرت ہو۔

وسلطان دریں باب تاکید کرد۔ وکارداران را باز گردانیدۓ وکارداران با صد ہیبت ولرزہ از پیش باز گشتندۓ

اور سلطان نے اِس بارے میں سخت تاکید کی اور کاردالوں کو رخصت کیا۔ کاردان سخت ہیبت سے لرزتے ہوئے اُس کے حضور سے واپس گئے۔

وتاۓ سلطان بلبن ۓ در حیات بُود۔ ہیچ کار دارے ومقربے۔ نتواست کہ ۓ پیشِ سلطان ۓ لئیمے ۓ وکم اصلے ۓ را برائے شغل ومصلحت ذکر کنند ۓ وہم در مجلس سلطان بلبن ۓ با عادل خاں ۓ وتمر خاں ۓ گفت کہ ۓ

اور جب تک سلطان بلبن زندہ رہا۔ کسی کاردار اور مقرب کیلئے ممکن نہ تھا کہ سلطان کے آگے کسی عہدے یا ملازمت کیلئے کسی ذلیل اور کم اصل شخص کا ذکر کر سکیں! اور اسی مجلس میں سلطان بلبن نے عادل خاں اور تمر خاں سے کہا کہ۔

چرا شمارا یاد نمی آید کہ ۓ در ایام کہ سلطان شہید سلطان شمس الدین ۓ (التمش) خداوند گارِ ماۓ اقطاع قنوج ۓ بہ شاہزادہ ناصر الدین ۓ پسر مہتر داد۔ واز جہت شاہزادہ بزرگ۔ نیابت قنوج ۓ خواجہ عزیز پسر بہروز وزیر را دادند۔ وۓ نظام الملک جنیدی ۓ خواجگی قنوج ۓ از برائے ۓ جمال الدین مرزوق ۓ عہدہ دار دار الضرب ۓ پیش تخت گذرانیدۓ

تمہیں یہ یاد کیوں نہ رہا کہ اُس زمانے میں جب سلطان شہید سلطان شمس الدین (التمش) میرے آقا نے اقطاع قنوج کی حکومت شاہزادہ ناصر الدین اپنے لڑکے کو دی اور بڑے شہزادے کی طرف سے قنوج کی نیابت خواجہ عزیز پسر بہروز وزیر کو دی گئی ۓ اور نظام الملک جُنیدی نے قنوج کی حکومت جمال الدین مرزوق عہدہ دار دار الضرب کو دینے کے لئے حضوری میں پیش کی۔

وچوں ۓ نایب وخواجہ قنوج ۓ را جامہ دادند۔ وپابوس درگاہ کنانیدند ۓ در ہنگام پابوس کردن ۓ ۓ خواجہ عزیز بہروز وزیر ۓ جانب سلطان ۓ ایں بیت بلند برخواند ۓ بیت

اور جب نایب اور خواجۂ قنوج کو خلعت عطا کی گئی اور انہوں نے قدمبوسی کی تو قدمبوسی کے اثنا میں خواجہ عزیز بہروزیر نے سلطان سے مخاطب ہو کر یہ آواز بلند یہ شعر پڑھا ؎

بدست دون ندہ خامہ کہ گردون را بحال افتد ٭ سیاہ سنگے کہ در کعبہ رت سازد سنگ استنجا

این بیت بخواند و اشارت بجانب "جمال مرزوق متصرف قنوج" کرد۔ سلطان شمس الدین دریافت کہ "خواجہ عزیز" بیت مذکور در معنی "کم اصلی" "جمال مرزوق" خواند۔

در حال "نظام الملک جُنیدی وزیر" را پیش طلب کرد۔ و از حال۔ اصل جمال مرزوق" تفتیش کردند"

معلوم شد کہ "کم اصل است" "وزیر" در تزکیۂ او گفت کہ خط چنیں دارد۔ و در تحریر بغایت دانا است"

سلطان شمس الدین از وزیر برنجید۔ و فرمود۔ کہ از برائی ہنرمندی کم اصلاں" دولت مرا باشغال کم اصلاں" فضیحت می کنی"

و آں روز "سلطان شمس الدین" بغایت ناخوش شُد۔ و بہیچ کار مشغول نگشت۔ و فرمان داد۔ تا تفحص کنند کہ" از عہدہ داران دفاتر۔ تا خواجگان و متصرّفان" و مُشرّفان" و بریدان" در تمامی بلاد و ممالک چند کم اصل و لئیم زادہ" درکار است" سی و سہ نفر ۳۳۔ بہ تفحص و تفتیش و تتبع بیروں آوردند۔ و تذکرہ اسامی ایشاں پیش تخت گذرانیدند۔ یک قلم ہر ہمہ معزول شدند۔

و دراں ہنگام کہ ایں معنی تفحص میشد" ملک اعز الدین سالاری" ملک قطب الدین حسن غوری" کہ یکے باربک" و دوم وکیلدر" بودند۔ در پیش تخت شمسی" عرضداشت کردند کہ "بحکم فرمان تفحص" متصرفان" و مُشرفان" کم اصل بواجبی بجائے آوردند و ایشاں معزول شدند۔

خداوند عالم را تفحص اصل" وزیرے باید کرد کہ اگر دو رگِ کم اصلی" نباشد ہرگز کم اصلاں را۔ دفتر ندہد۔ و شغل و مصلحت نفرماید۔

زیرا کہ علامت اصالت و حُرمت و بزرگ زادگی آنست کہ اصلے کم اصل" را در چشم نتواند دید۔ فکیف در شغل و مصلحت چگونہ روا دارد۔ بر صدر دولت برپسندد۔

و چوں در" اصل" وزیر تفحص شافی کردند و مبالغات نمودند" بنائے جد" نظام الملک جنیدی" جولاہہ" یافتند"

یہ بیت پڑھکر اُس نے جمال مرزوق متصرف قنوّج کی طرف اشارہ کیا۔ سلطان شمس الدین نے معلوم کر لیا کہ خواجہ عزیز نے وہ شعر جمال مرزوق کی کم اصلی کے متعلق پڑھا ہے۔

فوراً نظام الملک جُنیدی وزیر کو بلایا اور جمال مرزوق کا حسب ونسب دریافت کیا۔

معلوم ہوا کہ کم اصل ہے۔ وزیر نے اُس کی صفائی میں بیان کیا کہ خط بہت عمدہ ہے اور خوب انشا پرداز ہے"

سلطان شمس الدین نے وزیر سے رنجیدہ ہو کر فرمایا کہ کم اصلوں کی ہنرمندی کے باعث تو میری حکومت کو کم اصلوں کے تقرّر کے ذریعہ سے بدنام کرتا ہے"

اُس دن سلطان شمس الدین بہت ناخوش رہا اور کوئی کام نہیں کیا۔ اور حکم دیا کہ پتہ چلائیں کہ عہدہ داران دفاتر اور خواجگان اور متصرفوں اور مشرفوں اور بریدوں میں سے ساری سلطنت میں کون کون لوگ کم اصل اور رذیلوں کی اولاد ہیں۔ بہت تلاش اور تفتیش سے تینتیس اشخاص کا پتہ چلا اور اُن کے نام حضور سلطان میں عرض کئے گئے۔ یک قلم سب کو معزول کر دیا گیا۔

اور جبکہ اس چیز کی تلاش کی گئی تو ملک اعز الدین سالاری ملک قطب الدین حسن غوری نے جن میں سے ایک باربک اور ایک وکیل در تھا" سلطان کے تخت کے سامنے عرض کیا کہ تحقیقات کے حکم کے مطابق کم اصل متصرفوں اور مشرفوں کا پتہ چلایا گیا اور اُنہیں معزول کر دیا گیا۔

حضور عالی کو وزیر کی اصل کی بھی تحقیقات کرنی چاہئے کیونکہ اگر وہ خود کم اصل نہ ہوتا تو کم اصلوں کو ہرگز دفاتر میں نہ مقرر کرتا" اور عہدے نہ عطا کرتا"

اس لئے کہ اصالت و حرمت اور بزرگ زادگی کی علامت یہ ہے کہ اصیل شخص کم اصل کو بڑے عہدے پر نہیں دیکھ سکتا" پھر کس طرح بڑے اور ذمہ دار عہدے روا رکھے جا سکتے ہیں۔

اور جب وزیر کی اصل کی خوب تحقیق کی گئی اور پتہ چلایا گیا تو نظام الملک جنیدی کا دادا جُلاہا پایا گیا"

"و از فرمودن اشغال بہ حکم اصلاں" و نا کسی بچگان "آں چناں ملکی فضیحت شد۔ و بجلاہگی" منسوب گشت۔ و اگر منکہ خود را" از آل افراسیاب میخوانم و اگر" بد اصل و نا کس بچہ ہا" بر صدر دولت خود را دادم بہ کم اصلی خود بدست خود سجل کردہ باشم"

(تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی صفحہ ۳۶ تا ۳۸)

کہ اصلوں اور رذیل زادوں کو عہدے دینے کی وجہ سے وہ ملک میں رسوا ہوا اور جلاہگی سے منسوب ہوا اور میں جو اپنے آپ کو افراسیاب کی اولاد سے کہتا ہوں اگر بد اصل اور رذیل زادے کو حکومت کا بڑا عہدہ عطا کروں تو خود اپنی کم اصلی پر اپنے ہی ہاتھ سے مہر تصدیق ثبت کر لیتا ہے۔

سید خاندان کے بانیٔ سلطنت خضر خاں کے ملتان وطن ہونے کی شہادت

تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۹۲ پر ہے کہ "سید خضر خاں بادشاہ دہلی۔ (از ۸۱۶ھ ہجری تا ۸۲۴ھ ہجری)، کے والد ملک سلیمان ملتان کے باشندے تھے" اور بعد میں وہاں کے حاکم بھی ہو گئے تھے" "سید خضر خاں اور اُن کے بیٹے سید مبارک شاہ کا نشوونما ملتان میں ہوا۔ اور باپ کے انتقال کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق کے حکم سے خضر خاں باپ کے جانشین ہوئے تھے"

لودھی سلطنت کے بانی سلطان بہلول کے وطن ملتان ہونے کی شہادت

تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۲۴ پر ہے کہ "سلطان بہلول لودی بادشاہ دہلی (از ۸۵۵ھ ہجری تا ۸۹۴ھ ہجری)، کے دادا ملک بہرام نے سلطان فیروز شاہ تغلق (از ۷۵۲ھ ہجری تا ۷۹۰ھ ہجری) کے زمانہ میں ملتان کی سکونت اختیار کی تھی" اور ملک مردان دولت" حاکم ملتان کی ملازمت اختیار کی تھی" بہرام کو خدا نے پانچ بیٹے دیئے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں "ملک سلطان شاہ" ملک کالا" (پدر سلطان بہلول لودھی) ملک فیروز" ملک محمد" اور "ملک خواجہ" یہ پانچوں بھائی" باپ کے مرنے کے بعد ملتان میں قیام پذیر ہوئے"

سُلطان سکندر لودھی کا غلو نسب کے بارے میں

تاریخ فرشتہ جلد دوم کے صفحہ ۱۶۰ پر سلطان سکندر لودی (از ۸۹۴ھ ہجری تا ۹۲۳ھ ہجری) کے حال میں تحریر ہے کہ "جو شخص بادشاہ کے پاس نوکری کے لئے آتا بادشاہ اس سے اُس کا نسب پوچھکر اُس کے حسب حیثیت اُس پر نوازش کرتا تھا" اور تاریخ داؤدی مصنفہ خواجہ عبداللہ بزمانہ شہنشاہ جہانگیر کے ورق ۱۲ب پر تحریر ہے کہ "(سلطان سکندر)" و ہر کس برائے نوکری آمدی۔ اصل و نسل می پرسید" در زمانہ سلطنت اُو (سکندر) اکابر و علماء و مشائخ" از ولایت عرب عجم و از اطراف ہند" بہ جاذبہ محبت اُو بہ دہلی مے آمد و توطن میکردند"

اور اسی تاریخ داؤدی کے ورق ۵۱ و ۵۲ پر تحریر ہے کہ "شیخ عبدالغفور المعروف بہ میاں شیخ لاڈن" جب کبھی سلطان سکندر لودھی کے پاس تشریف لے جاتے تھے" تو باوجود بڑے بڑے دوسرے بزرگوں اور سادات کی موجودگی کے وہ آپ ہی کو اقامت کی تکلیف دیتا تھا" یعنی جب تک آپ کا قیام سلطان سکندر کے پاس رہتا تو وہ آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھنے کو اپنی سعادت سمجھتا تھا"

ہمارے پیش کردہ بیانات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی ہے کہ محمد سلطان شہید ولیعہد سلطان غیاث الدین بلبن ملتان کے گورنر و سپہ سالار تھے اور وہیں رہا کرتے تھے" اور سید و لودھی سلطنتوں کے بانیوں کا تو وطن ہی ملتان تھا"

ان کے علاوہ سلطان غیاث الدین تغلق بھی سلطنت تغلقیہ کی بنا ڈالنے سے پہلے مدتوں دیبالپور اور ملتان کے گورنر و سپہ سالار رہے تھے۔ اور کیونکہ ملتان ہی وہ شہر ہے جہاں خاندان مذکور منصورہ کی یعنی حضرت زبیر رضؓ کے چچازاد بھائی حضرت ہبار رضؓ کی اولاد کی سلطنت کے قرامطہ کے ہاتھوں تباہ ہو جانے پر ۳۸۳ھ ہجری میں شہر کنباہ سے نقل مقام کر کے دیگر عربی قبایل کے ساتھ آکر عرصہ دراز سے مسکن گزیں تھا۔ اس لئے بھی یہ بادشاہ اس خاندان اور اس کے علوئے حسب و نسب سے اچھی طرح واقف تھے۔ علاوہ بریں حسب نسب کے بارے میں غلو رکھنے والے بادشاہوں کے واقعات کے ساتھ ان زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کی ایسی قدر و منزلت کے حالات بھی جو اپنی آپ نظیر ہیں خوب طرح روشنی میں آ چکے ہیں تو اب ہم خاندانِ عباسیہ کے ہندوستان میں وارد ہونے والے بزرگوں کی قدر دانی اور عربی النسل افراد کی خصوصیت کے بارے میں ایک ایسے مورخ کے دو بیان اور پیش کرتے ہیں جو عرب۔ قریشی۔ ہاشمی۔ اور خلفائے عباسیہ کی اولاد میں ہونے کا دعویدار ہے تاکہ ان بیانات کے سامنے آجانے سے بھی یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ شروع قیام سلطنت اسلامیہ ہندوستان سے جو عظمت اور قدر شناسانِ اسلام کے پاس زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کی رہتی چلی آئی ہے اس کے مقابلہ میں مذکورہ صدر عباسی خاندان کے اعزاز و اکرام کی کیا حیثیت ہے۔

عباسی نسب سے ہونے کے دعویدار ایک مورخ کے عباسیانِ ہند کے متعلق دو بیان

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ نے جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۵ پر "عباسیانِ ہند" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ۔

(۱) "یہ اسی ارادت و عقیدت کا نتیجہ تھا کہ خاندانِ عباسی کے جو بزرگ مختلف وقتوں اور مختلف زمانوں میں وارد ہند ہوئے۔ یہاں کے سلاطین اور عام مسلمانوں نے غیر معمولی اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ ابتدائے عہدِ اسلامی میں اکثر یہی حضرات مسلمانانِ ہند کے مذہبی پیشوا، دینی مقتدی، قاضی و مفتی، امام و خطیب ہوتے تھے۔ ادارات شرعیہ انہیں کو تفویض ہوتیں۔ امیر المومنین ابوالعباس عبداللہ السفاح (خلیفہ اول عباسی المتوفی [illegible] ہجری) کے عہدِ خلافت میں جب صوبہ سندھ گماشتگانِ عباسی کے زیرِ تصرف آگیا۔ دیگر حکام کے ساتھ بعض شرفائے عباسی وقتاً فوقتاً یہاں کے حاکم و قاضی مقرر ہوئے۔"

خلیفہ مہدی (باللہ المتوفی ۱۶۹ھ ہجری خلیفہ سوم عباسی) کے زمانے میں قاضی محمد ابراہیم بن اسمٰعیل بن محمد حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ" ٹھٹھہ کے عہدۂ قضا پر مامور تھے"

اور صفحہ ۱۷۶ پر قاضی نعمت اللہ اور قاضی محمود کے نام بتا کر قاضی نعمت اللہ سے انہوں نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے کہ:۔

"قاضی نعمت اللہ از قبیلۂ قضات قدیم کہ نسبت شان منتہی بہ آلِ عباس، میشود منجملہ واماندگان عہد رفیع گماشتگانِ عباسیہ است۔"

قاضی نعمت اللہ قاضیوں کے قدیم قبیلہ سے ہے جس کا نسب آلِ عباس پر منتہی ہوتا ہے وہ منجملہ پسماندگانِ عہدِ رفیع گماشتگانِ عباسیہ ہے۔

(۲) پھر اسی مؤرخ نے جلد چہارم کے صفحہ ۳۳ پر شیخ گدائی صدر الصدور یا شیخ الاسلام شہنشاہ اکبر کے ذکر میں لکھا ہے کہ "وہ عربی النسل افراد کے لئے منصب صدارت (شیخ الاسلامی) مخصوص تھا۔"

عبّاسیانِ ہند کے متعلق بیانات کی حقیقت

اِن بیانات کی حقیقت صرف اِسی قدر ہے کہ وہ منصب صدارت یا شیخ الاسلامی تو بہت بڑا عہدہ ہے۔ صاحب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ تلاش و تحقیق بسیار کے بعد بھی اپنے بیانات کی سند میں سوائے قاضی محمدؒ بن ابراہیم عبّاسی کے جو اپنے عزیز قریبی خلیفہ مہدی باللہ عبّاسی کے زمانے میں ٹھٹھہ کے قاضی مقرر کیے گئے" کسی دوسرے عبّاسی کے سندھ و ہند میں قاضی و مفتی اور امام و خطیب بھی بنائے جانے کا حال دکھلانے سے قاصر رہ گئے ہیں۔" جیسا کہ قاضی نعمت اللہ کے تعارف سے ظاہر ہے کہ وہ اور قاضی محمود دونوں کہیں کے قاضی نہیں تھے بلکہ اپنے بزرگ کے قاضی ہونے کی وجہ سے اُن کے خاندان یا گھرانے کے اشخاص بھی اسی طرح قاضی کہلانے لگے تھے جیسے کہ قصبہ مارہرہ میں کبھی کسی بزرگ کے قاضی ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد میں ہر فرد آج تک قاضی کہلاتا ہے اور ان کی سکونت کی وجہ سے محلّہ کا نام بھی قاضیان پڑ گیا ہے۔" اگر صاحب تاریخ امروہہ کے بیان کے مطابق اس خاندان میں کسی فرد کا بھی تقرر کسی زمانے میں اُن کی بتلائی ہوئی خدمتوں پر ہوا ہوتا تو وہ ضرور اُسے اُجاگر کر کے دکھاتے اور اسی قدر بیان پر ہرگز اکتفا نہ کر لیتے۔ یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مؤرخ موصوف نے جو ابتدائے عہد اسلامی میں عبّاسی افراد کے اِن ادارات شرعیہ پر فائز ہونے کا ذکر کیا ہے اور بعد کے طویل زمانے کو چھوڑ دیا ہے تو کیا اس کی یہی وجہ تو نہیں ہے کہ اُنہیں سوائے قاضی محمدؒ ابراہیم کے۔ کوئی دوسرا فرد ایسا نظر نہیں آیا جو کبھی اِن جگہوں میں سے کسی پر مقرر ہوا ہو۔ یہاں یہ بتا دینا خالی از لُطف نہیں ہے کہ صاحب تاریخ امروہہ نے فخر و ناز کیلئے اپنی کتاب میں ایک بزرگ قاضی نورالدین صاحب کو بھی عبّاسی لکھا ہے" لیکن وہ عثمانی ہیں"۔ اس کی کیفیت اِسی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۱۴۱ پر دیکھنی چاہیے۔

لیکن اُن کے اِن بیانات سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہو گئی ہے کہ اِسلامی سلطنتوں میں اِدارات شرعیہ یعنی قاضی و مفتی اور امام و خطیب کے عہدوں پر تقرر اور صدارت عظمیٰ یعنی شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز کیا جانا عربی النسل قریشی و ہاشمیوں کے لئے مخصوص تھا۔"

زُبَیری کنبُوِی خاندان کی ارفع و اعلیٰ حیثیت صاحب تاریخ امروہہ کے بیانات کی روشنی میں

اُوپر ہم زُبَیری کنبوی خاندان کے کافی وزراء" اُمراء" سپہ سالاروں" اتالیق شاہزادگان" قاضیوں" مفتیوں" اور صدارت عظمیٰ یا شیخ الاسلام کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے والوں" نیز مشائخ طریقت اور علمائے شریعت سے بھی رُوشناس کرا چکے ہیں۔ اور اس بات کو بھی کہ جن شاہانِ اسلام کو نَسَب کے معاملہ میں بے حد و لا انتہا غلو تھا اُن کے پاس اس خاندان کے بزرگوں کا کیسا اعزاز و احترام تھا۔ وضاحت سے دکھا چکے ہیں۔ اب کیونکہ صاحب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کے (کہ وہ بھی عبّاسی ہونے کے دعویدار ہیں) عبّاسیانِ ہند کے اعزاز و اکرام اور ادارات شرعیہ پر مقرر کئے جانے نیز صدارت عظمیٰ یا شیخ الاسلام کے عہدے کے عربی النسل حضرات کے لئے مخصوص ہونے کے متعلق دو بیان سامنے آ گئے ہیں اور اُن کی حقیقت بھی بخوبی معلوم ہو گئی ہے۔" اس لئے ہمیں اپنی طرف سے یہاں کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔" ناظرین اِن بیانات اور ہمارے پیش کردہ حالات کا مقابلہ کر کے زبیری کنبوی خاندان کی نسبی کیفیت اور ارفع و اعلیٰ حیثیت کا خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔"

البتہ اُن کی مزید معلومات کے لئے اِس موقع پر اِتنا اور بتا دینا چاہتے ہیں کہ وہ خزانۂ عامرہ کے صفحہ ۱۷۱ پر

علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامیؒ المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

(۱) از ابتدائے علداری مسلمانان خدمات شرعیہ دار الخلافت دہلی مثل قضاو افتا و اکثر بہ قوم کنبو تعلق داشت و دارد۔"

ابتدائی علداری مسلمانان سے خدمات شرعیہ دہلی مثل قضا و افتا کا اکثر قوم کنبو سے تعلق رہا ہے اور اب بھی ہے۔"

اور سلسلہ عالیہ کے ص ۶ پر زبیری کنبوی خاندان کے متعلق تحریر ہے کہ۔

(۲) چنانچہ در دہلی قدامت اقامت ایں گروہ مشہور است

چنانچہ دہلی میں قدامت اقامت اس گروہ کی مشہور ہے۔"

اپنے بیانات میں ہم نے زبیری کنبوی خاندان کے خطیبوں کا ذکر کہیں نہیں کیا ہے۔" اس لئے یہاں ان سے بھی تعارف کراتے ہیں۔" سنبھل کی جامع مسجد بننے کے وقت اسی خاندان کے ایک بزرگ کو خطیب مقرر کیا گیا تھا۔" جب سے ہی نسلاً بعد نسلٍ اس کی خطابت اسی گھرانے میں متوارث رہتی چلی آرہی ہے۔" اس وقت عزیز الٰہی سلمہ اللہ تعالیٰ خطیب ہیں اور ان کے پاس وہ تمام فرامین شاہی محفوظ ہیں جو وقتاً فوقتاً ان کے بزرگوں کو بادشاہوں سے ملتے رہے ہیں۔ اتنا بتا چکنے کے بعد اب ہم اس خاندان کے کچھ شعراء۔ اطبا۔ صاحبِ تصانیف بزرگ اور ان کی چند تصنیفات سے روشناس کراتے ہیں۔ پھر سلطنت اسلامیہ کے زوال سے اس خاندان کی جو پوزیشن رہی ہے اس کی بھی ایک جھلک دکھائیں گے۔"

شعرائے باکمال

اس خاندان کے شعراء بھی ایسے بدیہہ گو۔ خوش فکر۔ خوش گفتار۔ بلاغت شعار۔ شیریں مقال اور نازک خیال تھے کہ اپنے زمانوں میں جواب نہیں رکھتے تھے۔" ان میں سے

(۱) ملک تاج الدین تاج الملک زبیری دبیر مملکت سلطان شمس الدین التمش۔" اور

(۲) حضرت مخدوم شیخ جمالیؒ۔" اور

(۳) حضرت مخدوم شیخ گدائیؒ۔" اور (۴) شیخ عبد الحئی المتخلص بہ حیاتیؒ۔" اور

(۵) شیخ محمدؒ کے حالات اسی کتاب میں کسی موقع پر پہلے لکھ چکے ہیں۔"

(۶) شیخ محمد سعید قریشی زبیری کنبوی المتخلص بہ سعید:۔ مراۃ الخیال میں تحریر ہے کہ۔" آپ عنفوان شباب میں گجرات جا کر سلطان مراد بخش (پسر شہنشاہ شاہ جہاں) کے ملازم ہوئے۔ سلطان کی مدح میں آپ نے قصاید غرا کہے ہیں تمام اقسام سخنوری میں مہارت کامل رکھتے تھے۔" سلطان کو آپ کا مذاق سخن اس قدر پسند تھا کہ فرمایا تھا۔" سوائے زنان خانہ کے جس جگہ جائیں کوئی مانع نہ ہو۔ صفائی روزمرہ اور طرز گفتگو شیخ صاحب کی ایسی تھی کہ ملوک و خوانین اور احاد الناس میں سے ہر شخص جو ایک لمحہ بھی آپ سے صحبت رکھتا وہ آپ کا فریفتہ ہو جاتا تھا۔" حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی آپ کی مشہور ہے۔"

ایک دفعہ شاہزادے نے بقر عید کے دن اپنے ہاتھ سے گوسفند کی قربانی کی اور اس کی آنکھوں پر تھوڑی دیر نظر جما کر شیخ صاحب کی طرف دیکھا۔" شیخ صاحب نے فی البدیہہ یہ بیت پڑھی۔"

عید قربان است و میخواہم کہ قربانت شوم ہمچو چشم گوسفند گشتہ و حیرانت شوم

ایک دفعہ عید الفطر کے دن سواری سلطان کی عید گاہ کو جا رہی تھی۔" سلطان کی نظر شیخ صاحب پر پڑی۔ فرمایا تہنیت عید میں کیا کہا ہے۔" شیخ صاحب نے کچھ نہیں کہا تھا۔" یہ سوچ کر کہ سلطان کے نماز سے فارغ ہونے پر غزل ترتیب دے لوں گا۔" عرض کیا غزل کہی ہے۔" سلطان نے اسی وقت متوجہ ہو کر کہا پڑھو۔" شیخ صاحب نے یہ جان کر کہ سلطان کی طبیعت خراب

کی طرف مایل ہے۔ سفید کاغذ جیب سے نکال کر سات اشعار کی ایک غزل پڑھ دی جس کا مطلع یہ ہے ؎

روزِ عید است لب خشک بہ مے آلود کنید ۔۔۔ چارۂ کار خود اے تشنہ لبان زود کنید

سلطان نے سُن کر کہا۔ کاغذ مجھے دیدو۔" شیخ صاحب نے وہ ہی سفید کاغذ ہاتھ میں دیدیا۔ سلطان سفید کاغذ دیکھکر متحیر ہوئے اور فرمایا" رات کو تم لکھنا بھول گئے۔ اور اسی وقت یہ غزل کہی ہے۔" جواب دیا جی ہاں۔" غرضکہ ہر روز آپ کے قرب اور منزلت میں ترقی ہوتی تھی۔

آپ گجرات سے دہلی تشریف لائے تھے۔ سُلطان داراشکوہ نے آپ سے اپنی سرکار میں نوکری کر لینے کی خواہش کی مصلحتاً چندروز کے لئے آپ نے داراشکوہ کی نوکری کر لی۔ جب سُلطان داراشکوہ قتل کر دیئے گئے تو شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے پاس آپ کو ایسا تقرب حاصل ہوا کہ اسد خاں وزیر اعظم تک آپ پر رشک کرتے تھے۔ بارہا آپ کی شاہنشاہ عالمگیر سے ایسی خلوت ہوتی کہ سوائے آپ کے اور شاہنشاہ کے اور کوئی دوسرا وہاں نہ تھا۔ یہ بات اہلِ دربار سے چھپی ہوئی نہیں ہے (مراۃ الخیال قلمی ورق ۱۵۵ و ۱۵۶ مؤلفہ شیر خاں در ۱۱۰۲ھ ہجری بزمانہ شہنشاہ عالمگیر موجود در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا)

غرضکہ ہر زمانے میں اس خاندان میں شعرائے باکمال ہوتے رہے ہیں جن کے حالات کتابوں میں تحریر ہیں۔

"المشاہیر میں بہادر شاہ"۔ عالم شاہ المتخلص بہ والا۔" عطا حسین المتخلص بہ عطاؔ۔ محمد راضی صاحب المتخلص بہ راضیؔ" اور منشی حاجی انوار احمد صاحب المتخلص بہ شررؔ" کے اور تذکرہ شعرائے مارہرہ و دیگر کتابوں میں دوسرے شعرائے باکمال کے حالات کو دیکھنا چاہیئے۔" نواب اشارت علی صاحب المتخلص بہ صدقؔ میرٹھی" نامور شعراء میں تھے اور تاریخ نکالنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔"

اُردو شاعری کی ابتدا کا سبب

اُردو شاعری کی ابتدا کرنے والے بھی اسی خاندان کے ایک بزرگ شاہ گلشن زبیری تھے جو نواب اسلام خاں وزیر اعظم سلاطین گجرات کی اولاد میں تھے۔ شہر برہانپور جہاں شیخ عنایت اللہ مصنف بہار دانش پیدا ہوئے تھے۔ شاہ صاحب کی بھی جائے پیدائش ہے۔ دہلی میں رہتے تھے۔ ولی دکھنی جو شعرائے اُردو کا باوا آدم کہلاتا ہے۔ شاہ صاحب سے ارادت و عقیدت رکھتا تھا۔ جب وہ دہلی آیا تو شاہ صاحب نے اُسے ہدایت کی کہ بجائے فارسی کے اُردو میں اشعار کہا کرے۔ چنانچہ اُس نے شاہ صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں اُسی روز سے اُردو میں شعر کہنے شروع کر دیئے۔ جس کا اتباع بعد میں دوسرے لوگ کرنے لگے۔

خطوط مرزا غالب کی طباعت کا سبب

میرزا غالب کے اُردو خطوط کی طباعت کی تحریک کرنے اور غالبؒ کو اُس کے چھپوانے پر آمادہ کرنے والے بھی اسی خاندان کے ایک بزرگ منشی ممتاز علی صاحب میرٹھی تھے۔"

عود ہندی یا خطوط میرزا غالب کا دیباچہ لکھنے والے بزرگ

اس کتاب کا دیباچہ لکھنے والے بھی اسی خاندان کے ایک بزرگ چودہری عبدالغفور صاحب المتخلص بہ سرورؔ تھے جو شاعر بے بدل اور مرزا غالب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔" چودھری صاحب مرحوم و مغفور سے میرزا غالب کی کبھی صوری ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ کے درجے اور تعلق کا حال میرزا غالب کے اُن متعدد خطوط سے ظاہر ہوتا ہے جو میرزا غالبؒ نے چودھری صاحب کے نام لکھے ہیں اور جن میں سے بہت عود ہندی میں بھی موجود ہیں۔"

اطبّاء

محمد مرشد المخاطب حکیم قوام الدین خاں آپ نے حکیم علوی خاں سے مطب کیا تھا۔ شاہی طبیبوں میں منتخب اور دارالشفا دہلی کے مہتمم تھے۔ زمانہ محمد شاہ بادشاہ میں منصب پانصدی ذات تھا۔

حکیم امام الدین خاں المخاطب بہ حکیم الملک علم معقول و منقول خوب جانتے تھے۔ طبیب حاذق تھے۔ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں پانصدی ذات اور عالمگیر ثانی کے زمانے میں ایک ہزار پانصدی منصب تھا۔

حکیم محمد رضا عرف رمضان علی خاں شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ہزاری ذات اور دو سو سوار کا منصب تھا۔ اس گھرانے میں حکیم بندہ حسن۔ حکیم غلام علی خاں۔ حکیم بو علی خاں۔ حکیم امجد علی خاں (والد بزرگوار حامد علی خاں بیرسٹر و خاں صاحب نواب علی خاں صاحب مصنف شمس التواریخ) حکیم صادق علی خاں۔ و حکیم رضی الدین خاں جن کا منصب شاہ عالم ثانی کے زمانے میں پانصدی ذات تھا وغیرہ بھی طبیب کامل تھے۔

حکیم منصور علی خاں ابن حکیم محمد مسعود خاں بن حکیم محمد محفوظ خاں بن حکیم محمد دایم خاں ابن نواب بہادر خاں خانخ بندرہ کی خاندانی طبیب تھے۔ نواب آصف الدولہ بادشاہ اودھ سے برابر کی ملاقات تھی۔ ضلع بجنور و مراد آباد میں سات سیر حاصل گاؤں عطیہ شاہانِ سلف آپ کی جاگیر تھی۔ آپ کی اولاد میں حکیم عنایت رسول اور حکیم اشفاق رسول اور حکیم اخلاق رسول اور حکیم فیض رسول بھی کامل الاستعداد۔ ذی استعداد اور حاذق طبیب تھے۔

حکیم محمد منیر آپ دیوان دکن نواب محمد عاقل خاں ابن نواب بہادر خاں مذکور کے پوتے عالم و دانشمند اور ذی وجاہت و وقار اور عزت و اعتبار۔ خلیق اور ذی علم طبیب تھے۔

آپ کے تین صاحبزادوں میں حکیم شرف الدین طبیب نامی تھے۔ دوسرے انور علی۔ نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین انتظار جنگ کے نانا تھے۔ تیسرے محب اللہ تھے جن کے پوتے مولوی مظہر اللہ گورنمنٹ نظام حیدر آباد دکن میں مددگار صوبہ دار تھے۔ امروہہ میں حکیم عبدالعزیز صاحب بھی قابل طبیب تھے۔

حکیم عنایت حسین آپ کی پیدائش محرم ۱۱۹۲ھ ہجری کی ہے۔ آپ حافظ محمد نصر اللہ صاحب کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پوتے اور محمد سعید خاں شہید سے پانچویں پشت میں تھے اور مؤلف کتاب ہذا کے تیسرے دادا ہیں۔ آپ کو حقائق تصوّف۔ جفر۔ تکسیر اور تاریخ و شعر گوئی میں کامل عبور اور فن طب میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ بقراط وقت تھے۔ تجویز و تشخیص بے خطا تھی اور دستِ شفا ایزدی عطا تھی۔ نہایت حلیم۔ سلیم۔ نیک مزاج۔ خوش صحبت اور وسیع الاخلاق۔ نقہ۔ باوقار۔ عابد۔ متقی اور شاکر و ذاکر بزرگ تھے۔

تصانیف (۱) ریاضِ احمدی فن طب نظری و عملی میں۔ (۲) کاشف الاخبار فن تاریخ میں جس میں ابتدائے آفرینش سے آثار انبیاء۔ اقوال اصفیا و حکماء۔ واشغال اولیاء۔ اقسام علوم و فنون اور حالات طبقات سلاطین اسلامیہ روئے زمین۔ نہایت خوش اسلوبی سے لکھے ہیں۔ (۳) آثار احمدی جس میں خاندان برکاتیہ مارہرہ کے بزرگوں اور مریدوں کے حالات بتفصیل تحریر ہیں۔ (۴) اور سلسلہ عالیہ جس میں اُن شیوخ قریشی کا بطور سلسلہ نسب مذکور کیا گیا ہے۔ جو کنبوی لقب سے مشہور ہیں۔ یہ ضخیم کتابیں جو اپنی آپ نظیر ہیں آپ کی تصنیفات سے ہیں۔ ۱۲۶۵ھ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔

حکیم امداد حسین آپ حکیم عنایت حسین صاحب کے صاحبزادے ہیں ۱۲۱۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ نامی گرامی اور حاذق

طبیب تھے۔ جالینوس وقت تھے۔ معالجات فی المثل احیاء اموات کرتے تھے۔ بڑے بڑے فاضل قانون دانوں اور قابل طبیبوں کو مجمعوں میں آپ کے سامنے بولنے اور بات کرنے کی کم جرأت ہوتی تھی۔ نہایت وجیہ تنو آور۔ قوی بازو۔ بارعب اور طلیق اللسان تھے۔ سیر چشمی اور فراخ حوصلگی انتہا کی تھی۔ نہایت فیاض تھے۔ روپیہ کو ٹھیکری کی برابر بھی نہ جانتے تھے۔ آپ نے عجیب وغریب علاج کئے ہیں۔ آپ کا مطب نمونۂ اعجاز تھا۔ اوائل میں تحصیلدار سلطنت انگلشیہ کے ہوئے۔ طبیعت کیونکہ آزادی پسند تھی۔ بخوشی خود استعفا دیدیا۔ کچھ عرصہ نواب جعفری بیگم صاحبہ دختر نواب فضل علی خاں وزیر اعظم شاہ اودھ کے ———— طبیب خاص رہے۔ اور کچھ عرصہ رانائے اودے پور کی ریاست میں بمواجب تین سو روپیہ ماہوار شغلِ طبابت تجمل وحشم سے رہے۔ پھر وہاں سے بھی قطع تعلق کرلیا اور پایانِ عمر نہایت عزت وشان سے بسر کی۔ کتب بینی کا شوق تھا۔ اور چھاپہ خانہ موجود نہ تھے۔ مطب بہت بڑھا ہوا تھا۔ اِس پر بھی ضخیم جلدیں آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ تالیف کا بھی مذاق تھا۔ چنانچہ کئی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں ہیں۔

تصنیفات | آپ کی تصنیفات سے پانچ کتابیں ہیں جن کا ذکر ہم جلد اوّل میں کرچکے ہیں۔

حکیم ولدار احمد صاحب | آپ حکیم امداد حسین صاحب کے پسر دوم۔ طبیب عدیم النظیر اور معالج روشن ضمیر تھے۔ نسخہ بہت کم قیمت کا لکھتے۔ کوڑیوں کی دواؤں سے روپوں کا کام لیتے۔ خلقت کو آپ سے از حد اعتقاد اور اس فن خاص میں آپ پر نہایت اعتماد تھا۔ علاوہ فن طب کے دینی و دنیوی ہر کام میں فکر صائب اور ذہن رسا پایا تھا۔ قوانین عدالت ہائے انگریزی اور ربط ضبط معاملات میں اعلیٰ درجہ کی سوجھ بوجھ تھی۔ عقلا آپ سے صلاح لیتے۔ اور آپ کے مشوروں پر عمل کرتے تھے۔ اور فریقین متخاصمین بڑے اور پیچیدہ وسنگین معاملات میں آپ کو منحصر علیہ قرار دے کر آپ کی تجویز وفیصلہ پر بخوشی راضی ہوجاتے تھے اور جو کچھ زبان اعجاز بیان و کلک معجز سلک سے نکلتا ہر فریق اُسے اپنے لئے نسخۂ کیمیا سمجھتا تھا۔ ہرچند کہ متاعِ دُنیا سے خداوند تعالیٰ نے بہرہ مندی دی تھی پھر بھی سادگی سلامت روی اور بے تکلفی آپ کا شیوہ تھا۔ حفظِ وضع اور پابندیٔ اوقات کا ہر حال میں خیال تھا۔ غرباء اور اہلِ استحقاق کے ساتھ سلوک کرنے میں کشادہ دل تھے۔ نہر زبیدہ کی مرمت اور جنگ روم وروس میں ترکوں کیلئے آپ نے رقمیں روانہ فرمائی تھیں۔ ایک کنواں خطیرہ میں لب سڑک بنواکر وقف عام کردیا تھا۔ آپ لکھنے پڑھنے کے شائق اور بہت زود قلم تھے۔ آپ کی تحریر کردہ اور چند مصنّفہ کتابیں آپ سے یادگار ہیں۔

سنہ ۱۲۳۹ ہجری تاریخ پیدائش ہے اور سنہ ۱۳۰۴ ہجری تاریخ وفات ہے۔

تصنیفات | آپ کی مصنّفہ کتابوں کو ہم جلد اوّل میں ظاہر کرچکے ہیں۔

اِس گھرانے میں بھی حکیم الطاف احمد صاحب اور حکیم محمد سعید صاحب پسر اوّل وسوم حکیم امداد حسین صاحب اور حکیم محمد ابو صالح صاحب پسر حکیم محمد سعید صاحب اور حکیم محمد اصلح صاحب پسر حکیم محمد ابو صالح صاحب اور حکیم ابو سعید احمد صاحب پسر دوم حکیم ولدار احمد صاحب نہایت حاذق وکامل طبیب اور ذی علم بزرگ تھے۔ اب حکیم شمس الدین محمود عرف محمود میاں پسر دوم حکیم ابو سعید احمد صاحب اور ابن عم مؤلف کتاب ہذا۔ اپنے بزرگوں کی اس میراث کے مسند نشین ہیں اور اِس فن میں مہارت کامل رکھتے ہیں۔

تصنیفات | ان میں حکیم محمد اصلح صاحب وحکیم ابو سعید احمد صاحب اور حکیم محمود میاں صاحب کی مصنّفہ کتابوں کو بھی ہم جلد اوّل میں دکھا چکے ہیں۔ علاوہ بریں۔

(۱) قاضی محمد یٰسین دہولپوری کے پوتے حکیم نجم الدین اور اُن کے صاحبزادے حکیم قمر الدین وحکیم شمس الدین تھے۔

محمد راضی جو عدالت مال ضلع اٹاوہ میں مختار سند یافتہ سرکاری تھے اور جن کا ذکر شعراء میں ہم نے کیا ہے۔ حکیم قمرالدین کے پوتے تھے۔

(۲) مفتی محمد اکرم عالمگیری کی اولاد میں حکیم لطف الدین تھے۔

(۳) خواجہ حسن مارہروی سے نویں پشت میں حکیم بخت علی خاں تھے۔

(۴) احسان علیخاں وقائع نویس کشمیر کے بیٹے اور محمد مسیح الملقب بہ نواب خیراندیش خاں ثانی کے پوتے حکیم بندہ علیخاں تھے۔

(۵) حکیم طالب علی خاں اور ان کے بیٹے حکیم غالب علی خاں " حکیم امان علی خاں اور ان کے بیٹے حکیم اکبر علی خاں بھی تھے جن کا جدّی سلسلہ نواب خیراندیش خاں میرٹھی سے ملتا ہے " یہ سب متاع دنیا سے بخت مند " نہایت خوش صحبت۔ قیافہ شناس ادب داں اور بالادست ماہر طبیب تھے۔ علاج شفقت سے کرتے تھے۔ ان میں حکیم طالب علیخاں کو عمل ید یعنی دستکاری جراحی۔ چیر پھاڑ۔ جو طب عملی کا شعبہ ہے دست اعجاز تھا۔

(۶) نواب خیراندیش خاں اوّل بھی فن طب میں کامل تھے۔ آپ سے اس فن میں کتاب خیر التجارب یادگار ہے " نواب مبارک علی خاں جو نواب خیراندیش خاں اوّل سے چھٹی پشت میں رئیس با نام میرٹھ کے تھے " اور مؤلف کتاب ہذا کے جد مادری ہیں۔ اور جن کی تصنیفات سے " رسالہ مبارک " انشائے مبارک " کمالات عزیزی اور دیگر کتب یادگار ہیں " اور نواب مبارک علی خاں کے پوتے نواب اسد اللہ خاں خان بہادر آپ بھی شہر کے رؤسائے عظام میں اوّل درجہ رکھتے تھے۔ دونوں طبیب حاذق تھے اور باوجود بیحد مصروفیتوں کے خلق اللہ کی خدمت اس فن شریف کے ذریعہ سے بھی کرتے تھے " بہت دوائیں اپنے پاس سے مفت دیتے اور دو تین پیسے سے زیادہ کا نسخہ نہیں لکھتے تھے " خدا نے ہاتھ میں شفا دی تھی سیکڑوں مریض روزانہ آتے اور صحت یاب ہوتے تھے۔

(۷) حکیم سلامت علی خاں المخاطب بہ حکیم حذاقت خاں۔ آپ علوم عقلی و نقلی میں فاضل اور شاہی طبیب تھے۔ امراؤ سلاطین کے درباروں میں امتیاز و اعتبار تھا۔ بوجہ کاملیت فن شاہ عالم بادشاہ کے دربار سے حکیم حذاقت خاں کا خطاب پایا تھا " فرمان شاہی جو آپ کے نام ہے " المشاہیر میں اسے دیکھ لینا چاہئے " بعد تباہی خاندان شاہی دہلی میں وطن آبائی سے ہجرت کر کے بنارس آئے۔ انگریزی عملداری شروع ہو گئی تھی حکام انگریزی نے نہایت عزت کی اور بوجہ تبحر علمی وہاں کی عدالت اپیل کا قاضی و مفتی مقرر کر دیا۔ طبابت و فضیلت و حکومت کے سبب آپ کا اعزاز شہر میں اوّل درجہ پر تھا۔

(۸) حکیم مقرب حسین صاحب میرٹھ کے نہایت قابل طبیبوں میں تھے " مرجوعہ بڑھا ہوا تھا۔ تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ اور پولیس نیوز ایک اخبار شائع فرماتے تھے۔ بوستان خیال کی ضخیم جلدوں کا ترجمہ آپ ہی نے کیا ہے جو چھپ ہو چکی ہیں۔

غرض کہ اس فن شریف میں بھی اس خاندان کے بزرگوں نے کمال حاصل کر کے خلق اللہ کا اعتماد حاصل کیا۔ اور وہ ان کی تکلیفوں کا مداوا نہایت شفقت سے کرتے رہے ہیں۔ اب بھی اس دودمان میں ایسے قابل ڈاکٹر و طبیب ہیں جو اپنے فن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ اور پبلک کا ان کو اعتماد حاصل ہے " ان میں خان بہادر ڈاکٹر خورشید احمد سول سرجن۔ ڈاکٹر قیوم پاشا۔ ڈاکٹر محمد الیسین۔ ڈاکٹر مقصود حسین عرف رحمت جان۔ ڈاکٹر صادق حسین۔ ڈاکٹر لئیق حسین۔ حکیم محبوب السبحان۔ حکیم شمس الدین المشہور بہ حکیم محمود میاں وغیرہ وغیرہ اور دوسرے اصحاب بھی ہیں۔

صاحبِ تصنیف بزرگ اور اُن کی تصنیفات

اِس خاندان کے افراد میں علم و فضل کے ساتھ ہمیشہ سے تالیف و تصنیفات کرنے کا شوق بھی بدرجہ اتم موجود رہا ہے۔ بہت تصنیفات تو ان کی معرضِ خفا میں رہ گئیں "اور بہت ایسی ہیں کہ دوسری کتابوں میں اُن کے اقتباسات یا نام آگئے ہیں۔ اور اکثر ایسی ہیں کہ یہ معلوم ہونے پر بھی کہ فلاں جگہ موجود ہیں اُن تک رسائی نہایت دشوار ہے۔ کسی صاحبِ نصیب ہی کی اُن تک پہنچ ہو سکتی ہے۔

(۱) اگر یاسین خاں نیازی ایم۔ اے اورنٹیل کالج میگزین میں شیخ گدائی پر مضمون نہ لکھتے اور اُس پر جناب امتیاز علی صاحب عرشی ناظم کتب خانہ ریاست رامپور کی نظر نہ پڑ جاتی اور وہ اس کا جواب اُسی میگزین کے اگلے پرچہ میں نہ دیتے اور ان میگزینوں کے دیکھنے سے ہم محروم رہ جاتے تو ہمیں کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی کتاب شجرہ مشہور ورد بھی ہے جسے حضرت مخدوم شیخ جمالی کے پوتے میاں احمد خاں اکبر شاہی نے لکھا تھا اور جس سے ہمیں اِس دُودمان کے ایسے بہت بزرگوں سے واقفیت ہوگئی ہے جن سے ہم قطعی ناواقف تھے"

(۲) میاں احمد خاں کی دوسری کتاب "اخبار معدنِ احمدی کا پتہ ہمیں نعمت اللہ ہروی کی کتاب تاریخ خان جہانی مخزنِ افغانی اور کتب خانہ انڈیا ہاؤس کی فہرست سے چل سکا ہے لیکن ہماری رسائی اُس کتاب تک نہ ہونے سے ہم اُس کے دیکھنے سے محروم رہ گئے ہیں۔

(۳) کتاب بحر الابرار جو حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی قدس سرہٗ المتوفی ۹۴۹ھ ہجری کے کشف و کمالات کے حال میں ضخیم کتاب ہے اور شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ کی تصنیف ہے۔ اُس کا ہم نے نام بھی نہیں سُنا تھا نہ ہی کسی کتب خانہ کی فہرست میں دیکھا تھا۔

(۴) اور رسالہ نواب شہباز خاں کا نام تو سنا تھا مگر سمجھتے تھے کہ وہ اب معدوم ہے" لیکن یہ دونوں کتابیں معجزانہ طریقہ سے ہمیں مل گئیں اور اب ہمارے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

(۵) ایک روز جو ہم کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن کے کیوریٹر صاحب سے ملے تو ہمیں انہوں نے "کشکول موسیٰ کنبو" کتاب دکھائی جو انہوں نے دو روز قبل کسی سے ساڑھے تین سو روپئے میں کتب خانہ کے واسطے خریدی تھی" ہم نہ موسیٰ سے واقف تھے نہ ہی کشکول کا نام سنا تھا"

غرضکہ ایسی بہت کتابیں ہیں جن کے نام ہمیں معلوم ہیں مگر تلاش بسیار کے بعد بھی ہم نہیں معلوم کر سکے کہ وہ اب کہیں موجود ہیں۔ مگر زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کی لکھی ہوئی ایسی کتابوں کی تعداد بھی جو دسترس میں ہیں اِس قدر کثیر ہے کہ اُن سب کو یہاں احاطہ کر کے پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم ہم نے اِس کتاب اور اس کی جلد اوّل میں بزرگوں کے ذکر میں کافی کتابوں سے رُوشناس کرا دیا ہے۔ جن سے اِس صنف میں بھی ان کے شغف اور فضیلت و علمیت پر خاصی روشنی پڑ گئی ہے"

زُبیری کنبوی خاندان کی پوزیشن سلطنتِ اسلامیہ کے بعد

سلطنت اسلامیہ کے زوال اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد اِس خاندان کو بھی حوادث سے دوچار ہونا پڑا" کچھ علاقے توسطی میں آگئے اور بعض کو ان کے بزرگوں نے خود چھوڑ دیا۔ ملازمت کے لئے بھی انگریزی تعلیم کی شرط ہو گئی۔ مگر اس پر بھی اِس

دُودمان نے اپنی بچی کھچی زمینداریوں سے اور علوم جدیدہ کی تحصیل کر کے انگریزی حکومت اور ریاستوں میں اپنی سابقہ پوزیشن کو قائم رکھا ہے۔ مختلف محکموں میں اعلیٰ عہدے حاصل کیے:۔

(۱) زراعت کے محکمہ میں انسپکٹروں۔ اسسٹنٹ ڈائرکٹروں اور ڈائرکٹروں۔ اور

(۲) مال میں تحصیلداروں "ڈپٹی کلکٹروں" کلکٹروں اور ایڈیشنل کمشنروں۔

(۳) عدالت میں منصفوں۔ ججوں۔ سیشن ججوں۔

(۴) انجنیری میں اورسیروں۔ سُپروائزروں۔ اسسٹنٹ انجنیروں اور ایگزیکٹیو انجنیروں۔

(۵) تعلیم میں ہیڈ ماسٹروں۔ پروفیسروں۔ پرنسپلوں سے لے کر یونیورسٹی کے رجسٹرار اور وائس چانسلر تک۔

(۶) خزانہ میں سپرنٹنڈنٹ خزانہ یا ٹریزری آفیسروں۔

(۷) پولیس میں سب انسپکٹروں۔ انسپکٹروں۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹوں اور سپرنٹنڈنٹوں۔

(۸) سالٹ ریونیو میں سب انسپکٹروں۔ انسپکٹروں اور سپرنٹنڈنٹوں۔

(۹) آبکاری میں انسپکٹروں اور اسسٹنٹ کمشنروں۔

(۱۰) فوج میں لفٹنٹوں۔ کپتانوں۔ میجروں۔ لفٹنٹ کرنلوں۔

(۱۱) ڈاک خانہ میں پوسٹ ماسٹروں۔ انسپکٹروں۔ سپرنٹنڈنٹوں۔ اسسٹنٹ و پوسٹ ماسٹر جنرلوں۔

(۱۲) ڈاکٹروں میں اسسٹنٹ و سول سرجنوں۔

(۱۳) میونسپل بورڈ کے سیکرٹری اور ایگزیکیٹو آفیسر۔ (۱۴) صیغۂ رجسٹری۔ (۱۵) ریلوے۔

اور دیگر محکموں کے عہدہ داروں اور پرائیویٹ پریکٹس کرنے والے ڈاکٹروں۔ بیرسٹروں اور وکیلوں اور گذر گھاٹ و آبپاشی کے ٹھیکہ داروں وغیرہ کا ایک سلسلہ لامتناہی ہے جو اس خاندان میں رہتا چلا آیا ہے" مزید برآں وزیروں اور گورنروں کے میر منشیوں۔ مشیر و سیکرٹری اور اُن کے آفس کے منتظموں کے ماسوا میونسپل بورڈوں کے ممبر اور ڈپٹی چیرمین" اور چیرمین" اور شہروں کے آنریری اسسٹنٹ کلکٹر و آنریری مجسٹریٹ و اسپیشل مجسٹریٹ اور صوبہ کے گورنر اور کل ہند وائسرائے کی کونسلوں کے ممبر بھی مقرر ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور خطاب نوابی "شمس" سی آئی ای" خان بہادر" نیز خان صاحب سے بھی ممتاز رہتے آئے ہیں۔

اِن کے علاوہ اِس خاندان کے افراد نے جو قومی و مذہبی اور ملکی خدمتیں انجام دی ہیں وہ بھی اظہر من الشمس ہیں۔ یہاں کیونکہ اِن سب کی تفصیل کا موقع نہیں ہے اور خود مؤلف تاریخ کمبوہان کو بھی خاندان مذکور کی اِس اعلیٰ پوزیشن کا اقرار ہے اِس لئے ہم اِسی قدر حالات دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

آثار و اَوقاف

زُبیری کَنبُوی خاندان کے آثار بہت ہیں جن میں قلعے" باولیاں" کنوئیں" مقبرے" امام باڑے" مسجدیں" سرائیں" محلّے" بازار" وغیرہ ہیں۔ اور آباد کردہ گاؤں بھی موجود ہیں" اَوقاف بھی کافی ہیں۔ جن کی آمدنیاں مختلف کاموں پر صَرف کی جاتی ہیں" ہم نے ان کی تفصیل اسی کتاب کی جلد اوّل کے صفحہ ۶۳ تا ۶۶ پر دی ہے۔

اِسناد دکھا چکنے کے بعد اب ہم مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر و منیجر اخبار البشیر اور بانی و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اِٹاوہ اور مولوی طفیل احمد صاحب آنریری اسسٹنٹ سیکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے

دو مضمون پیش کرتے ہیں جو شہر میرٹھ کے ایک اجتماع میں سنہ ۱۹۳۴ء میں پڑھے گئے تھے۔ اِن مضامین سے بھی زُبیری کنبوہی خاندان کی گذشتہ اور موجودہ حالت پر خاصی روشنی پڑ گئی ہے۔

مضمون مولوی بشیر الدین صاحب

حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے جو لوگ "سندھ" میں آئے۔ وہ "دریائے کُنبُہ" کے کنارے آباد ہوئے۔ اور جیسا کہ اُس زمانے میں "جو عرب ہندوستان آئے" وہ یا تو اپنے آپ کو "قریشی" کہتے تھے "یا انصاری" "یا سادات" اسی طرح حضرت زبیرؓ کی اولاد جو ہندوستان میں آئی وہ "شیخ قریشی" مشہور ہوئی۔

زمانے کے مختلف حوادث کی وجہ سے "حضرت زبیرؓ کی اولاد" ملتان "وغیرہ میں آکر آباد ہوئی" اور جیسا کہ عربوں میں قاعدہ تھا "لقب مرکانی کے اعتبار سے" یا تو مقام کے ساتھ "ی" یا "واو" شامل کرتے تھے" چنانچہ "ہند" کے رہنے والوں کو "ہندو" کہتے تھے" اِسی طرح "کُنبُہ" کے رہنے والے "کنبوہ" یا "کنبوی" مشہور ہوئے۔

ہندوستان کی تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملے کئے۔ تو سلطان کے ساتھ جو لوگ تھے۔ اُن میں "کنبوہ" مجاہدین بھی تھے۔

ہندوستان میں جب اسلامی سلطنت مستقل ہوگئی۔ تو کچھ تھوڑے سے "زُبیری کنبوہ" ملتان اور پنجاب کے بعض اضلاع میں رہے" اور جو اپنے آپ کو آج تک "شیخ قریشی" کہتے ہیں۔ اور پنجاب کے "ہندو" یا "نومسلم" کمبوہوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے"

ملتان چھوڑ کر یہ لوگ "دہلی" اور "میرٹھ" وغیرہ چلے آئے" ہندوستان کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف خاندانوں نے جب ہندوستان پر حکومت کی تو ہر ایک زمانے اور ہر ایک عہد میں "کنبوہوں کا نام" مختلف اعلیٰ عہدوں پر نظر آتا ہے۔ زمانہ سلطنت اسلامیہ میں "بہت سے کنبوہ" اعلیٰ شاہی مناصب پر فائز رہے" علاوہ شاہی عہدہ داروں کے "نامور مشائخ" "علماء" "فضلاء" "شعراء" اور "اطباء" کے بھی" اور "سیاحوں" کے نام بھی نظر آتے ہیں

اسلامی سلطنت کے دَور میں یا تو کنبوہوں کی معاش "اعلیٰ شاہی عہدوں کی تنخواہیں تھیں" یا بادشاہی معافیات" "املاک" "جاگیریں" اور "طبابت تھی" لیکن ہندوستان میں کنبوہوں میں زیادہ تعداد "شاہی ملازموں کی تھی" "ہندوستان میں "کنبوہوں کی مردم شماری" نہایت محدود رہی" لیکن بوجہ فطری ذہانت" "علمی قابلیت" اور اعلیٰ کیریکٹر" "زبیری کنبوہوں کی تعداد مسلمانوں میں ہمیشہ ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھی" گو تعداد میں کم تھے لیکن فی صدی "نوّے کے نوّے" قابل اور اعلیٰ حیثیت رکھتے تھے"

جب سلطنت مغلیہ کو زوال ہوا اُس وقت "روہیل کھنڈ" "اَودھ" اور بہت سی دوسری اسلامی ریاستیں موجود تھیں "بہت سے کنبوہ" مختلف اسلامی ریاستوں میں پہنچ گئے" وہاں جاکر بھی انہوں نے نمایاں حیثیت قایم کر لی"

چونکہ اُس زمانے میں "ہندو مسلمان کا سوال نہ تھا" اِس وجہ سے اکثر کنبوہ" ہندو ریاستوں میں بھی جاکر اچھے عہدوں پر ملازم ہوگئے۔

جب "مرہٹوں" اور "پنڈاریوں" کا زور ہوا۔ اور دہلی کے قریب کے اضلاع میں "لوٹ مار" اور بدامنی زیادہ ہوئی۔ تو اِس بدامنی کا اثر میرٹھ وغیرہ کے رہنے والے "کنبوہوں" پر سب سے زیادہ پڑا"

اِس کے بعد جب ابتداءً انگریزی عملداری قائم ہوئی" تو اصلی عہدے" اگرچہ انگریزوں کے پاس تھے

لیکن ملک کا انتظام درست کرنے کے لئے پڑھے لکھے ہندوستانیوں کی ضرورت تھی۔ چونکہ کنبوہوں میں سب کے سب پڑھے لکھے اور سرکاری ملازمتوں کے کاموں سے واقفکار تھے اس وجہ سے بہت کثرت کے ساتھ کنبوہوں کو ایسی سرکاری ملازمتیں مل گئیں جن پر ہندوستانی مقرر ہوتے تھے۔

لیکن مرہٹوں اور پنڈاریوں کے زمانے میں چونکہ زمینداروں پر بہت زیادہ مظالم ہوتے تھے اس وجہ سے بہت سے کنبوہوں نے اپنی زمینداریوں سے خود دست برداری اختیار کر لی تھی۔

جب انگریزی عملداری شروع ہوئی اُس وقت میرٹھ، کرنال، اور پانی پت وغیرہ کے کنبوہوں نے اپنی زمینداریاں حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ لیکن عزت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

جب غدر ۱۸۵۷ء ہوا تو اس کا اثر کنبوہوں پر زیادہ ہوا۔ بڑے بڑے علاقے کنبوہوں کے بغاوت کے شبہ میں ضبط کر لئے گئے۔ اور بہت سے کنبوہ اس زمانے میں ملازمت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ اسلامی ریاستوں کے ضبط ہونے کے بعد جو کنبوہ ان ریاستوں میں ملازم تھے، وہ بیکار ہو گئے۔

کچھ کنبوہوں کو وفاداری گورنمنٹ کے صلہ میں، اگرچہ کچھ دیہات انعام میں ملے، کچھ کو ترقیاں ملیں، لیکن انعام میں جو جائدادیں ملیں، وہ بمقابلہ اُن کے بہت ہی قلیل تھیں، جو ضبط ہوئی تھیں۔

غدر کے دس۱۰ پندرہ۱۵ برس بعد ہی سے سرکاری ملازمتوں اور وکالت کے لئے، مختلف شرائط کی وجہ سے جس طرح اور مسلمانوں کا حصہ سرکاری ملازمتوں میں روز بروز کم ہو رہا تھا اس کا اثر ان زبیری کنبوہوں پر بھی پڑ رہا تھا یہ حالت دیکھکر بعض کنبوہوں نے انگریزی تعلیم شروع کی لیکن اوروں نے اُس وقت اس ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔

تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ بمقابلہ دوسرے مسلمانوں کے کنبوہوں نے تعلیم جدیدہ کی ضرورت کو زیادہ محسوس کیا۔ اس وجہ سے دوسری برادریوں کی بہ نسبت آج بھی کنبوہ زیادہ تعلیم یافتہ نظر آتے ہیں۔

اس کے آگے مولوی صاحب موصوف نے زبیری کنبوی خاندان میں شادی غمی کے جو مصارف زیادہ ہو گئے ہیں، ان کو گھٹانے اور آپس میں مقدمہ بازیوں سے بچنے، اور ایک دوسرے کے درد دکھ سے واقف رہنے اور اس اتحاد باہمی کو جس کے لئے یہ خاندان ہمیشہ سے مشہور رہا ہے قایم رکھنے کی بیش از بیش ضرورت جتائی ہے۔

(رسالہ زبیری دہلی بابتہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء ص ۱۵ تا ۱۷)

مضمون مولوی سید طفیل احمد صاحب

مولوی سید طفیل احمد صاحب نے جن سے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے تعلیم یافتہ تمام اشخاص واقف ہیں زبیری کنبوی خاندان کے ایک اجتماع میں جو شہر میرٹھ میں دسمبر سنہ ۱۹۳۴ء میں ہوا تھا، علیگڈھ سے تشریف لا کر یہ تقریر فرمائی تھی کہ میرے لئے یہ نہایت فخر کا مقام ہے کہ مجھے اس صوبہ میں (صوبہ متحدہ میں) مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ برادری کو خطاب کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم (بانی علیگڈھ کالج و آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس) کی تعلیمی اسکیم کو اگر کسی جماعت نے کامیاب کر کے دکھایا ہے۔ تو وہ آپ کی جماعت ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی برادری میں سب سے زیادہ گریجویٹ اور برسر کار اصحاب ہیں۔ آپ میں بڑی خوبی یہ ہے کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے آپ نے اپنی برادری کو نہیں چھوڑا۔ اس وقت جو اصحاب اعلیٰ مراتب پر پہنچے ہیں، وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے ہاں مناکحت کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک برادری جداگانہ ہوتی جاتی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے طریقہ

پر قایم ہیں۔ موجودہ زمانہ میں اعلیٰ مرتبہ کے اصحاب کی "نئی برادریاں" اس وجہ سے بن رہی ہیں کہ اعلیٰ عہدوں کی تنخواہیں غیر معمولی طور پر زیادہ ہیں" مگر جس نسبت سے ہندوستانیوں کے اختیارات میں توسیع ہو رہی ہے" یہ تنخواہیں گھٹ رہی ہیں" اور خیال یہ ہے کہ آیندہ زمانے میں یہ ملک کی "عام سطح" کے قریب اُتر آئیں" غالباً اُس وقت اِن پُرانی برادریوں کے ٹوٹنے" اور پُرانے کلچر کے برباد ہونے اور قدیم خاندانی روایات مٹ جانے کا اثر مسلمانوں کو محسوس ہوگا۔ غنیمت ہے کہ آپ نے اس بارے میں ایک نمونہ قایم کیا ہے" اِس لئے کہا جاسکتا ہے کہ "آپ کی برادری" مسلمانوں کی پُرانی روایات کی محافظ ہے۔

اِس کے علاوہ آپ صاحبوں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے کارکنوں کے بڑے قدردان ہیں"

آپ کے جلسہ میں میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے صدر "مولوی بشیر الدین صاحب" کی اپنی تقریروں" اور نظموں میں حد درجہ قدر کی ہے۔ مولوی بشیر الدین صاحب کی قومی خدمات کی تفصیل کرنا میرے اِمکان سے باہر ہے" اِس وقت دیسی کپڑا پہننے کا چرچا ملک میں ہے۔ صاحب موصوف اس پر پچاس برس سے عامل ہیں۔ ان کی تعلیمی خدمات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اِس ضعیفی کے زمانے میں جوا زراں بورڈنگ ہاؤس" آپ نے قایم کر کے خاص طریقہ سے طلبہ کی تربیت کا انتظام کیا ہے۔ اُس کی نظیر ہماری قوم میں (تمام مسلمانانِ ہند میں) نہیں" افسوس ہے کہ وہ امیر نہیں ہیں" اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں" اِس لئے ہماری قوم میں اُن کی کافی قدر نہیں" یہ آپ کی بڑی خوبی ہے کہ "خالص قومی خدمات کی بنا پر آپ نے انہیں سرتاج بنا رکھا ہے" حضرات آپ کے لئے یہ قابلِ فخر ہے کہ آپ کے ہاں "بے ریا" اور خاموش کام کرنے والوں کے عمدہ نمونے ہیں"

مولوی سعید احمد صاحب۔ (بانی و مینجر شعیبیہ ہائی اسکول آگرہ و مدرسہ افضلہ ہو" جو آگرہ کے "بہتروں یا حلال خوروں کے لئے قایم کیا گیا" و مکاتب متعددہ برائے روک اِرتداد" و انجمن محمدیہ جو شہر کے نادار مسلمانوں کی تجہیز و تکفین کرتی ہے) نے جس بے نفسی سے کام کیا ہے" اُس کی نظیر مشکل سے ملے گی" اُن کی گوشہ نشینی کی تو یہ حالت ہے کہ "پبلک جلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتے۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ قوم کی" (عام مسلمانوں کی) تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں"

آپ کی برادری میں "ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب" (لفٹننٹ کرنل سر ضیاء الدین احمد" سی آئی ای" ڈی ایس سی لندن" پی ایچ ڈی جرمنی" وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ" و ممبر کونسل آف اسٹیٹ و اسمبلی وغیرہ") وسیع پیمانہ پر "ملک کی سیاسی و تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں" جن سے تمام ملک واقف ہے"...

(رسالہ زبیری دہلی بابتہ ماہ اپریل ۱۹۳۴ء ص ۲۰ تا ۲۲)

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے

(۱) حضرت مُصعب بن حضرت زبیرؓ" اپنے بھائی امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کی طرف سے "عراقین" جزیرہ و آرمینہ" خراسان و ایران" ترکستان و افغانستان" اور سندھ و بلوچستان" وغیرہ کے وائسرائے تھے" (طبری وغیرہ)

(۲) عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" المتوفی ۱۸۴ھ بزمانہ المہدی المتوفی ۱۶۸ھ ہجری سوم خلیفہ عباسی کے زمانہ میں "گورنر یمامہ" اور "خلیفہ ہادی بن المہدی المتوفی ۱۷۰ھ اور خلیفہ ہارون رشید بن المہدی المتوفی ۱۹۳ھ ہجری کے زمانوں میں "گورنر مدینہ منورہ" کے تھے۔ (ترجمہ تاریخ ابن خلدون

جلد ششم ص۳۴۶ و آغانی جلد ۲ ص۱۸۱ و تاریخ کامل ابن الاثیر جلد ۵ ص۲۲۳ و جلد ۶ ص۵۱ و ۱۱۶ و ابو محاسن جلد ص۵۱۹ و ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم ص۱۴۲)

(۳) ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ" المتوفی ۱۹۵ھ ہجری۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے زمانے میں گورنر مدینہ منورہ" اور قاضی مدینہ منورہ" کے تھے" واقدی رحم کی آپ ہی نے "یحییٰ برمکی سے سفارش کی تھی" جس کی وجہ سے اُن کی عسرت مبدّل بہ دولت مندی ہوگئی اور ہارون رشید نے انہیں انعام وعہدہ دیا" (طبری جلد سوم حصہ دوم ص۱۴۲، وفیات ابن خلکان ص۲۳۹ و ۲۹۶ و ابن اثیر جلد ۶ ص۱۴۷ و ابو محاسن جلد ۱ ص۵۵۴ و طبقات ابن سعد جز خامس ص۳۱۴ تا ۳۱۹)

(۴) قاضی ابو البختری وہب ابنِ عم حضرت زبیرؓ۔ المتوفی سنہ۲۰۰ ہجری۔ ہارون رشید کے زمانے میں قاضی ابویوسف کی جگہ "بغداد کے قاضی" مقرر کئے گئے۔ اور پھر مدینہ منورہ کے قاضی مقرر کئے گئے۔ (معارف ابنِ قتیبہ ص۲۵۵ و ابن خلکان ص۲۹۶ و ڈائی فیملی الزبیر ص۱۶ و وفیات ابن خلکان ص۲۳۹ و ۲۹۶ و تاریخ ابن اثیر جلد ۶ ص۱۴۷ اور ابو المحاسن جلد ۱ ص۵۵۴)

الفاروق حصہ اول کے ص۶ پر آپ کی دو تصنیفوں کے نام "صفتہ النبی صلعم" اور "فضائل الانصار" کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کے صاحبزادے "سلیمان بن وہب" ہارون رشید کے بیٹے "خلیفہ المعتصم باللہ اور پوتے واثق باللہ کے حاجب و کاتب" اور مہدی باللہ اور معتمد باللہ کے زمانوں میں "وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہے" اور پھر ان کی اولاد خلیفہ متقی باللہ عباسی المتوفی ۳۳۳ھ ہجری کے زمانے تک برابر وزارت عظمیٰ پر فائز ہوتی رہی۔

(۵) ابو عبداللہ مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ۔ المتوفی ۲۳۶ھ ہجری میں ہارون رشید" و امین" و مامون" و معتصم" و واثق اور متوکل باللہ" کے اعیانِ سلطنت سے تھے" آپ قبیلہ قریش کے بڑے نسّاب" حافظ حدیث" فقیہ اور مورخ تھے" (ابن اثیر جلد ، ص۱۳۰ و یافعی و ابن اثیر جلد ۶ ص۳۷۴)

(۶) زبیر بن ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ المتوفی ۲۵۶ھ ہجری۔ خلیفہ متوکل باللہ عباسی و منتصر" و مستعین" و المعتز" اور مہدی باللہ کے زمانے میں "مکہ معظمہ کے قاضی تھے" "انساب القریش" اور "موفقیات" اور "اخبار المدینہ" آپ کی تین مشہور کتابیں ہیں" آپ حافظ حدیث" فقیہ" مورخ" اور بڑے نسّاب تھے" (طبقات الحفاظ جلد ۸ ص۱۲۴ و کتاب الانساب امام سمعانی" تذکرہ حافظ ذہبی جلد دوم ص۹۹ و حاجی خلیفہ ص۲۲۷ ترجمہ خصائص الکبریٰ ص۵۰۲ و ڈائی فیملی الزبیر ص۴۵" ابنِ خلکان ص۲۳۹ و تاریخ کامل ابنِ اثیر جلد ، ص۱۴۹ و ابو المحاسن جلد ۲ ص۲۵" آپ کے پوتے "جعفر بن مصعب بن زبیر بن ابوبکر بکار" "ابو حاتم" حرمی ابو العلا" ابن صاعد" بغوی" اور اسمٰعیل بن عباس الوراق نے بھی آپ سے روایت حدیث کی ہے"
(معجم المصنفین غیر مطبوعہ)

(۷) نصر بن احمد الزبیری المتوفی ۲۵۶ھ ہجری۔ آپ مغاربہ کی فوج کے سپہ سالار تھے" المہدی باللہ عباسی خلیفہ بغداد کی حفاظت کرتے ہوئے رجب ۲۵۶ھ ہجری میں "باغیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے" (تاریخ طبری جلد سوم و حصہ سوم و چہارم ص۳۶۲ و ۳۷۲)

(۸) حضرت زبیرؓ کے چچازاد بھائی حضرت ہبارؓ کی اولاد میں سے عمر بن عبدالعزیز نے ۲۲۳ھ ہجری میں عباسی

گورنر سندھ کو قتل کرکے "منصورہ" میں اپنی سلطنت قائم کرلی تھی۔ جو سنہ ۳۸۴ ہجری تک اُن کی اولاد میں باقی رہی اِس سنہ میں وہ قرامطہ کے ہاتوں تباہ ہوگئی" (فتوح البلدان بلاذری جزو دوم صفحہ ۳۰۲ و اصطخری و کتاب المسالک والممالک ابن حوقل مطبوعہ لیدن" و بشاری مقدسی" و آئینہ حقیقت نما جلد اوّل" و عجائب الہند بزرگ بن شہریار مطبوعہ لیڈور" و مروج الذہب مسعودی")

(۹) تاریخ گزیدہ نے اپنے وطن قزوین کے مشہور و معروف علماء و صلحاء کے خاندانوں کے ذکر میں صفحہ ۸۴۶ پر لکھا ہے کہ۔

"زبیریان از نسل مصعب بن زبیر بن العوام اند" در ایشاں علماء و صلحا بودہ اند"

"زبیریان مصعب بن زبیر بن العوام کی نسل سے ہیں۔ اُن میں علماء و صلحاء ہوتے رہے ہیں"

(تاریخ گزیدہ مؤلفہ حمداللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر" مستوفی قزوینی۔ تالیف سنہ ۷۳۰ ہجری جلد اوّل مطبوعہ لندن)

اِس روشنی سے جو زبیری خاندان پر ہم نے ڈالی ہے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوگئی ہے کہ "اِس خاندان کی جو حیثیت "عرب" "ایران" وغیرہ میں رہی اور جن اوصاف سے وہ وہاں متصف رہا" ہندوستان میں آکر بھی اُس نے اپنے اُنہیں عربی قریشی اوصاف "تحفظِ نسل" "صحتِ نسب" "ذہانت و حافظہ" "حصولِ علم" "اشاعتِ علوم و فنون" "ترویج دین مبین" "زہد و تقویٰ" "عصمت و عفاف" "احسان و کرم" "ایثار و تلطف" "حلم و عفو" "عمل و دانش" "غیرت و استغنا" "عزم و ثبات" "شجاعت و شہامت" "حق گوئی و فیاضی" اور مساوات پسندی کو آج تک ایسا برقرار رکھا ہے کہ جس قدر "ہاشمی و قریشی خاندان" ہندوستان میں موجود ہیں" یہ زبیری کنبوہی خاندان اُن میں اپنی آپ نظیر رہا ہے" اور جو نمایاں حیثیت اِس خاندان کی ہندوستان میں شروع سے رہی وہ بفضلہٖ اب بھی ہے۔ زبیری کنبوہی خاندان کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ جس تفصیل اور تسلسل کے ساتھ "کتب تواریخ و سیر وغیرہ میں" اِس خاندان کے بزرگوں کے حالات تحریر ہیں" ہندوستان کے اور کسی خاندان کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے"

زُبیریوں کی سندھ میں آمد اور کنباہ میں قیام

حضرت زبیرؓ کے خاندان میں سے "سندھ" آنے والوں میں جن بزرگوں کا حال معلوم ہوا ہے اُن کا اسم گرامی "منذر" ہے۔ جو حضرت زبیرؓ کے چچازاد بھائی حضرت ہبّارؓ کے پرپوتے تھے" اور "حکم بن عوانہ" "گورنر سندھ" کے ساتھ اِس ملک میں آئے تھے" حکم بن عوانہ سنہ ۱۱۱ ہجری میں گورنر ہوکر آئے تھے" سنہ ۱۲۰ ہجری میں انہیں ایک لڑائی میں ان کی شہادت عمل میں آئی"

یہ منذر وہ ہیں جن کے پوتے عمر بن عبدالعزیز نے عمران گورنر سندھ کو سنہ ۲۲۳ ہجری میں قتل کرکے سندھ کے دارالسلطنت "منصورہ" پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی تھی" خود مختاری کے ساتھ یہ سلطنت منصورہ سنہ ۳۸۴ ہجری تک انہیں کی اولاد میں متوارث رہی" (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۸ و ۱۹۹ و ۲۴۷ و یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ و آئینہ حقیقت نما جلد اوّل صفحہ ۱۰۶ و ۱۱۰ و ۱۱۲)

سنہ ۱۴۵ ہجری میں "زبیری" از اولاد حضرت زبیرؓ بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی" ملک سندھ میں آئے" اُن کے اِس ملک میں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب سنہ ۱۴۵ ہجری میں "محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؓ بن حضرت علیؓ نے "آلِ زبیرؓ" کی مدد و حمایت سے "ابوجعفر منصور خلیفہ دوم عباسی پر خروج کیا" اس وقت انہوں نے چند زبیریوں کے ساتھ اپنے بیٹے "عبداللہ اشتر کو سندھ" اِس لئے بھیجا تھا کہ وہ جاکر وہاں کے گورنر کو اپنا طرفدار بنالیں" اِن بزرگوں کو اپنی سفارت میں کامیابی ہوئی" گورنر سندھ نے اُن کی دعوت کو قبول کرکے "محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرلی" اور عباسی خلافت کے سب نشان اور جھنڈے علیحدہ کر دیئے" اِس کارروائی کے چند دنوں بعد ہی ایک جہاز سندھ آیا" اور

گورنر سندھ کی بیوی کا خط لایا۔ جس میں محمد نفس ذکیہ کی شہادت کی خبر درج تھی۔ گورنر نے زبیریوں اور عبداللہ اشتر کے پاس آکر اس ماجرے کی اطلاع دی۔ انہوں نے گورنر سے کہا کہ یہ معاملہ شہرت پذیر ہو چکا ہے اور اپنی حفاظت کی درخواست کی۔ گورنر نے سندھ کے ایک بڑے راجہ سے جو اُس کا دوست تھا خط کتابت کر کے اور حفاظت کا عہد و پیمان لیکر انہیں اُس کے پاس بھجوا دیا۔ راجہ نے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اور بہت سلوک کیا۔ اور اپنی بیٹی کی شادی بھی عبداللہ اشتر سے کر دی۔ یہ یہاں آرام اور اطمینان سے رہنے لگے۔ مدینہ منورہ میں ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کی فوجوں کے مقابلہ میں گو زبیریوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ انہوں نے ایسی سخت جنگ کی تھی جس کی مثال سے اوراق تاریخ خالی ہیں۔ مگر جب عیسیٰ بن مصعب الملقب بہ خضیر بن مصعب بن حضرت زبیرؓ اور ابراہیم بن جعفر بن مصعب بن حضرت زبیرؓ اور محمد نفس ذکیہ شہید ہو گئے۔ اور عثمان بن محمد بن خالد بن حضرت زبیرؓ علمبردار زخمی ہو کر گر پڑے۔ اور یہ لڑائی ختم ہو گئی تو کچھ زبیری تو وہیں اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے۔ اور عثمان زبیری جو زخمی تھا اور بصرہ چلے گئے تھے۔ وہاں انہیں مع اُن کے بارہ سالہ بیٹے محمد کے گرفتار اور پابہ زنجیر کر کے خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ جب یہ ابو جعفر کے سامنے دربار میں لے جا کر کھڑے کئے گئے۔ تو ابو جعفر نے پوچھا کہ خزانہ کا تو نے کیا کیا۔ عثمان زبیری نے فرمایا کہ میں نے اُسے محمد نفس ذکیہ کو دیدیا۔ ابو جعفر نے کہا۔ کیا تو نے اُس سے بیعت کی تھی۔ عثمان زبیری نے فرمایا۔ ہاں جس طرح تو نے بیعت کی تھی اُسی طرح میں نے بھی کی تھی۔ تو نے بیعت کو توڑ دیا۔ اور غداری کی۔ میں اپنی بیعت پر قایم رہا۔ یہ بات سُنکر ابو جعفر منصور عباسی کو کچھ نہ بن پڑا اور اس نے تلملا کر عثمان زبیری کو فاحشہ زادہ کہا۔ عثمان زبیری پابہ زنجیر تھے مگر انہوں نے اہل دربار کو مخاطب کر کے کہا کہ لونڈی بچوں کی گفتگو ایسی ہوتی ہے۔ ابو جعفر ایک بربری لونڈی کے بطن سے تھا۔ اس نے یہ سُنکر عثمان زبیری کے قتل کا حکم دیدیا۔ چنانچہ عثمان زبیری شہید کر دیئے گئے۔ اس دار و گیر سے بچکر چند زبیریوں کو موقع مل گیا وہ سندھ میں عبداللہ اشتر اور اپنے بھائی زبیریوں کے پاس پہنچ گئے۔ محمد نفس ذکیہ کے بھائی ابراہیم کی بھی عراق میں جہاں انہوں نے ابو جعفر منصور پر خروج کیا تھا۔ شہادت ہو گئی تو وہاں سے بھی اُن کے کچھ ساتھی سندھ چلے آئے۔ اس طرح عبداللہ اشتر کے پاس چار سو اچھے ذی اثر مدبر بہادر اور علماء جمع ہو گئے۔ اور یہ بڑے تزک و احتشام سے رہنے لگے۔

ابو جعفر منصور کو سندھ کے واقعات کی خبر ملی تو اُس نے گورنر سندھ کو اپنی اطلاع لکھ بھیجی۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ جن میں سے ایک نے اصرار کیا کہ آپ میرے اُوپر ساری ذمہ داری ڈال دیجئے۔ چنانچہ گورنر نے اُس کو پابہ زنجیر کر کے منصور کے پاس بھیجدیا۔ جہاں وہ قتل کر دیا گیا۔ ابو جعفر منصور کو ساری کیفیت تو معلوم ہو چکی تھی۔ لیکن گورنر سندھ کو افریقہ کی گورنری پر بدل دیا۔ اور سندھ میں نئے گورنر کو بھیجکر تاکید کر دی کہ وہاں جاکر راجہ سے عبداللہ اشتر بن محمد نفس ذکیہ اور اُن کے ساتھیوں کو طلب کرنا۔ اگر حوالہ کر دے تو بہتر۔ ورنہ اُس کے خلاف جنگ کرنا۔ یہ نیا گورنر دیدہ و دانستہ منصور کے اس حکم کی بجا آوری میں تساہل کرتا تھا۔ اور جب منصور تاکید لکھتا تھا تو جواب دیدیتا تھا کہ میں خط و کتابت کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ صلح و آشتی سے کام نکل جائے۔

اس اثناء میں گورنر سندھ نے اپنے بھائی کو فوج دے کر ایک شخص کی شورش و بغاوت رفع کرنے کے لئے روانہ کیا۔ وہ اُس راجہ کی سرحد کے بالکل ملحق جا رہا تھا جہاں عبداللہ اور اُن کے ساتھی زبیری اور دیگر عرب رہتے تھے۔ کہ اُس نے غبار اُٹھتا ہوا دیکھا۔ اور اس خیال سے کہ دشمن کا مقدمۃ الجیش ہے۔ دریافت حال کے لئے اپنے طلائے روانہ کئے۔ انہوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ وہ دشمن تو نہیں ہے جس کے مقابلہ کے لئے آپ جا رہے ہیں۔ یہ عبداللہ اشتر ہیں جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دریائے سندھ کی سیر کے لئے اُس کے کنارے کنارے جا رہے ہیں۔ عبداللہ کے ہمراہ

اُس وقت صرف دس آدمی تھے۔ "گورنر کے بھائی نے اُن کی گرفتاری کے لئے اُس سمت جانے کا ارادہ کیا تو اُس کے ہمراہیوں نے اُسے منع کیا۔ لیکن اُس نے اُن کا کہنا نہ مان کر حملہ کر دیا۔" لڑائی ہوئی اور عبداللہ اشتر پہلے شہید ہوئے اُن کے ساتھیوں نے اِس خوف سے کہ اُن کا سر کاٹ کر تشہیر کیا جائے گا۔" لڑائی کے دوران ہی میں انہیں "دریائے سندھ" میں ڈال دیا۔ اور خود بھی لڑ کر شہید ہو گئے۔" اُن میں ایک بھی ایسا نہ بچا جو اِس واقعہ کی جا کر اطلاع دیتا۔ یہ واقعہ ۱۵۱ھ ہجری میں پیش آیا۔

گورنر نے اِس واقعہ کی اطلاع "ابوجعفر منصور" کو دی۔ "اُس نے گورنر کی تعریف کی اور ہدایت کی کہ اب تم اُس ہندو رئیس سے جنگ کرو" جس نے انہیں پناہ دی تھی۔" چنانچہ گورنر کا بھائی اُس رئیس سے لڑا۔" اور اُسے قتل کر کے اُس کی ریاست پر قبضہ کر لیا۔

زبیری جو باقی بچے اب انہوں نے "کنبایہ" میں جو عباسی خلافت کا سرحدی مقام تھا۔ جا کر سکونت اختیار کر لی۔" اور وہاں وہ عرصہ تک بلا کسی خدشہ کے مقیم رہے۔" اور جب حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی حضرت ہبّارؓ کی اولاد کی حکومت وسلطنت جس کا دار السلطنت منصورہ تھا۔ ۳۸۴ھ ہجری میں قرامطہ کے ہاتھوں ختم ہو گئی تو وہ ملتان میں جا کر مسکن گزیں ہو گئے۔ اور وہاں بھی عرصہ دراز تک نہایت عزت واحترام کے ساتھ رہے۔"

اِن تمام واقعات کی تفصیل "تاریخ طبری جلد سوم حصہ اوّل" اور دوسری کتابوں میں موجود ہے۔" ہم نے بھی اپنی مؤلفہ کتابوں "سیرت سیدنا حضرت مصعبؓ" اور "زبیری سندھ میں" اِن حالات کو شرح وبسط سے لکھا ہے۔

حضرت زبیرؓ کی اولاد مختلف ممالک میں جن جن ناموں سے مشہور ہوئی

حضرت زبیرؓ کی اولاد بھی مثل دوسرے قریشی قبائل کے ممالک دُور ودراز میں پھیل گئی۔ اور خوب پھلی پھولی" اِس میں بڑے بڑے نامور اشخاص کثرت سے ہوئے ہیں۔ اور جس طرح قریشیوں کے اکثر دوسرے خانوادے" اپنے نسبتی لقب اور دوسرے خطابات سے موسوم ہو گئے ہیں جن کی مثالیں اِسی کتاب میں ہم اُوپر دے آئے ہیں اسی طرح یہ بھی مختلف خطابات والقاب سے مختلف ممالک میں موسوم ہوئے۔

"انساب الخلافہ" ترجمہ اُردو سبائک الذہب عربی" مؤلفہ علامہ شہاب الدین ابی العباس علامہ ابوالفوز محمد امین السویدی" مترجمہ محمد ابراہیم شاہ ساکن باسیوالہ" تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ" مطبوعہ آزاد پریس لاہور کے صفحہ ۶۸ پر ہے کہ:-

(۱) یہ لوگ "مصر" میں آباد ہیں اور "جماعت ذَوق" کے نام سے مشہور ہیں۔" یہ "عروہؓ بن حضرت زُبیرؓ" کا بطن ہے۔

(۲) بنو رمضان" یہ قبیلہ حضرت زُبیرؓ بن العوام" کا بطن ہے" حمدانی نے" اِن کا ذکر کیا ہے۔

(۳) بنو بدر" یہ قبیلہ "حضرت زبیرؓ بن عوام" کا بطن ہے" حمدانی نے" اِن کا ذکر کیا ہے۔"

(۴) الزبیر یُون" یہ قبیلہ" بنی اسد بن عبدالعزیٰ" کا بطن ہے" یہ بنو زبیر بن العوام" مذکور ہیں۔"

(۵) بنو مصلح" یہ قبیلہ "بنو عبداللہؓ ابن حضرت زُبیرؓ" کا بطن ہے۔"

(۶) "بنو مصعبؓ" زُبیریّین" یہ قبیلہ "اسد بن عبدالعزیٰ" کا بطن ہے۔"

(۷) زبیریّین" یہ قبیلہ "اسد بن عبدالعزیٰ" کا بطن ہے۔"

(۸) بنو عنی" یہ بنی عروہ ابن حضرت زبیرؓ" کا بطن ہے" جوہری نے" اِن کا ذکر کیا ہے۔"

(۹) بنو حلان" یہ بنی عنی کا بطن ہے" یعنی بنو حلان" ابن عنی" ہیں عبداللہ بن عقبہ" اِنہیں میں سے تھے۔" (سبائک الذہب)

ہندوستان میں یہ خاندان "قریشی" "زبیری" اور شہر کنباہ کی سکونت کی وجہ سے "کنبوہی" کہلایا پھر امتدادِ زمانہ سے بغلط عام "کنبو" اور "کنبوہ" بھی کہا گیا" چنانچہ ہندوستان میں "ابتدائے قیام سلطنت اسلامیہ سے اب تک یہ خاندان نام ونمود کے ساتھ مشہور چلا آتا ہے" اور جس طرح اس کے بزرگ مخصوص زمانہ رہے ہیں "اسی طرح یہ آج بھی ہے" اور بڑا حصہ اس کا "شہر میرٹھ" "سنبھل" "مارہرہ" "امروہہ" "بانس بریلی" "مرادآباد" اور "دہلی" "پانی پت" "علیگڈھ" "لکھنؤ" اور اٹاوہ" وغیرہ میں آباد ہے" اور مملکت آصفیہ حیدرآباد دکن میں بھی اس خاندان کے افراد کی اب خاصی تعداد موجود ہے"

زُبَیری کنبوہی خاندان کے بزرگوں کے اپنے نسَب کے متعلّق بیانات

زُبَیری خاندان "کنباہ" سے جب ملتان آگیا تو مثل "دہلوی" "امروہوی" "امرتسری اور لکھنوی" وغیرہ کے "کنبوہی" سے بھی متعارف کیا جانے لگا" اس سکنی لقب کو کیونکہ نسب سے کوئی تعلق نہ تھا اور سب لوگ اُن کا قریشی و زُبیری ہونا جانتے تھے اس لئے اپنے اس نسب کے ڈھنڈورا پیٹنے کی اُسے کوئی ضرورت نہ تھی مگر جیسا کہ ہم جلد اول میں تفصیل سے دکھا آئے ہیں جب شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ابوالفضل وفیضی نے نواب شہباز خاں زُبَیری کنبوہی سے حسد اور رنج کی وجہ سے اس زُبیری خاندان کے سکنی لقب کنبوہی کی "ی" کو اڑا کر قوم کمبو کے نام میں التباس ڈالنے کی کوشش کی۔ اُس وقت سے خاندان مذکور کے کچھ بزرگ اپنی تصنیفات میں اپنے نَسَب کا اظہار "قریشی اور زُبیری اور آلِ محمدؐ لکھکر کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ

(۱) رسالہ نواب شہباز خاں میں جو شہنشاہ اکبر کے زمانے کی تصنیف ہے" ابوالفضل وفیضی کے حسد وکینہ کا حال اور نواب صاحب کا شجرہ حضرت زبیرؓ تک تحریر ہے جسے ہم جلد اوّل میں لکھ آئے ہیں۔

(۲) میاں احمد خاں اکبر شاہی دہلوی نے (جنہیں خواجہ نعمت اللہ ہروی نے اپنی تصنیف مخزنِ افغانی خانجہانی مصنفہ ۱۰۲۰ھ ہجری بزمانۂ شہنشاہ جہانگیر کے ورق ۵ پر فصاحت شعار" بلاغت آثار" نتیجۃ المشائخ العظام" وسلالۃ الاولیائے کرام لکھا ہے) اپنی کتاب شجرۂ مُہر دردیں ص ۱۳ پر اس خاندان کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "بغلط عام کنبو شہرت یافتہ"

(۳) مشہور مصنف شیخ محمد صالح لاہوری نے (جنہیں مؤلف تاریخ کمبوہان نے اُن کے حقیقی بڑے بھائی شیخ عنایت اللہ میر منشی شاہنشاہ شاہجہاں اور مصنف بہار دانش کا داماد بتایا ہے اور بڑی جسارت سے کام لے کر انہے آپ کو شیخ عنایت اللہ کی اولاد میں ہونے کی غلط بیانی کی ہے جس کی تردید تواریخی شواہد سے ہم ص ۱۷۷ تا ۱۸۲ پر کر آئے ہیں) بزمانہ شاہ جہان اپنی تصانیف اور کتبوں میں اپنے آپ کو "آلِ محمدؐ" لکھا ہے" زبیریوں کا خود کو آلِ محمدؐ کہنا کوئی نرالی بات نہیں ہے کیونکہ حضور سرورِ کائنات صلعم سے قرابت قریبہ رکھنے والے سب گھرانے "اہلبیت" "آلِ محمدؐ" اور سید و شریف ہیں۔

(الف) مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ نے جلد چہارم کے ص ۱۳۶ پر تحریر کیا ہے کہ "آں حضرت صلعم کے اہلِ بیت آلِ محمدؐ ہیں"

(ب) علمائے نسب نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ "حضرت زبیرؓ" کی جس قدر قرابتیں آں حضرت صلعم سے ہیں وہ کسی دوسرے شخص کو میسر نہیں ہوئیں" حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تحفۂ اثنا عشریہ میں تحریر فرمایا ہے کہ

"علمائے نسب" نوشتہ اند کہ کثرت جہات قرابت با رسول اللہ صلعم" کہ زبیر رضؓ" را میسر آمدہ ہیچ کس را نبودہ"

ماہرین انساب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم سے سب سے زیادہ مختلف رشتوں سے قرابت رکھنے والے حضرت زبیر رضؓ تھے اور یہ بات دوسرے کسی کو نصیب نہ تھی۔

(۱) اوّل اجتماع نسب اُو "در قصیٰ بن کلاب" کہ جدِّ چہارم رسول اللہ صلعم است "
(۲) دیگر آنکہ " مادرِ اُو " صفیہؓ " عمہ رسول اللہ صلعم است "
(۳) وجدہ وے " خالہ حقیقی رسول صلعم است " ہالہ بنت وہب بن عبد مناف "
(۴) وعمہ پدرش " اُم حبیب بنت اسد " جدہ رسول صلعم است "
(۵) ونیز زوجہ رسول صلعم " خدیجہؓ " عمہ حقیقی اُوست "
(۶) ونیز وے " ہمزلف رسول صلعم است " اسماء بنت ابی بکرؓ خواہر عائشہ صدیقہؓ " زوجہ اوست "

(۱) اوّل یہ کہ " اُن کے نسب کا اجتماع قصیٰ بن کلاب میں ہے جو رسول اللہ صلعم کے جدِّ چہارم ہیں۔
(۲) دوسرے یہ کہ " اُن کی والدہ صفیہؓ " رسول اللہ صلعم کی پھوپھی ہیں "
(۳) اور اُن کی دادی رسول صلعم کی حقیقی خالہ ہیں " ہالہ بنت وہب بن عبد مناف "
(۴) اور پھوپھی اُن کے والد کی اُم حبیب بنت اسد " رسول صلعم کی دادی ہیں ۔
(۵) اور زوجہ رسول صلعم خدیجہؓ اُن کی حقیقی پھوپھی ہیں۔
(۶) نیز وہ ہمزلف رسول صلعم کے ہیں۔ اسماء بنت ابی بکرؓ۔ عائشہ صدیقہؓ کی بہن اُن کی بیوی ہیں "

(ج) آں حضرت صلعم سے " حضرت زبیرؓ کے اِن رشتوں کے علاوہ ——— حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی اولادوں میں بھی رشتے ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد جلد آٹھ کے صفحہ ۳۴۱ پر اور کتاب المجبر مؤلفہ محمد بن حبیب (اُستاد ابن قتیبہ) المتوفی سنہ ۲۴۵ ہجری کے صفحہ ۵۶ و ۵۷ پر اور المعارف ابن قتیبہ کے صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر ہے کہ۔

(۱) منذر بن عبیدہ بن حضرت زبیرؓ بن العوام " کی شادی " فاطمہ بنت حضرت علیؓ " سے ہوئی تھی "
(۲) اُمّ حبیبہ دختر حضرت زبیرؓ کی شادی " عباس بن عبد اللہ بن حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے ہوئی تھی " یہ حضرت ابن عباسؓ کے بڑے صاحبزادے تھے " (طبقات ابن سعد جز خامس صفحہ ۲۳۱)
(۳) اُمیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی شادی " اُمّ الحسن بنت حضرت علیؓ سے ہوئی تھی " (کتاب المجبر صفحہ ۵۶)
(۴) امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی شادی اُمّ الحسن بنت الحسن بنت حضرت علیؓ سے ہوئی تھی (کتاب المجبر صفحہ ۵۵)
(۵) عمرو بن المنذر بن حضرت زبیرؓ کی شادی اُمّ سلمہ بنت الحسن بن حضرت علیؓ سے ہوئی تھی " (کتاب المجبر صفحہ ۵۵)
(۶) حضرت مصعب بن زبیرؓ کی شادی سکینہ بنت حسین بن حضرت علیؓ سے ہوئی تھی (طبقات ابن سعد جز خامس صفحہ ۱۳۵)
(۷) جعفر بن حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ کی شادی ملیکہ بنت حسن بن حسین بن حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ہوئی تھی " (المعارف ابن قتیبہ جلد اوّل صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹)

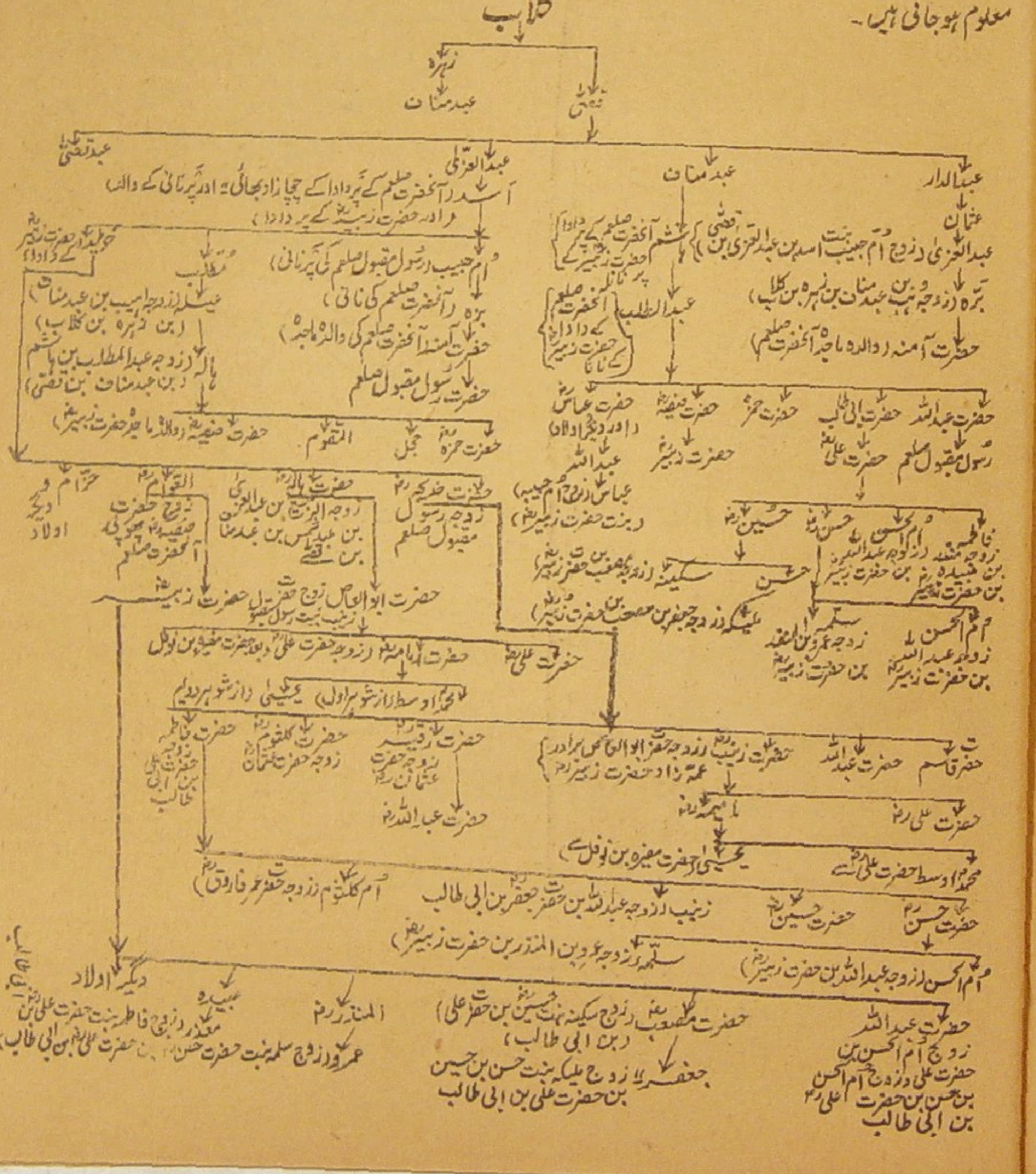
اِس پر مزید یہ بھی ہے کہ " رسولِ مقبول صلعم کے فرمانے سے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے بھانجے " حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو اپنا بیٹا بنایا تھا اور اُنہیں کے نام پر اپنی کنیت " اُمّ عبد اللہ " رکھی تھی " اور حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ نے آں حضرت صلعم اور حضرت اُم المؤمنینؓ کے آغوش شفقت میں تربیت پائی تھی " نیز یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آں حضرت صلعم کی چھ پھوپھیوں میں صرف حضرت زبیرؓ کی والدہ ماجدہ حضرت صفیہؓ ہی ایمان لائی تھیں " اور چچاؤں میں " حضرت صفیہؓ کے حقیقی ماں جائے بھائی سید الشہداء حضرت حمزہؓ ایمان لائے تھے " یہ دونوں بہن بھائی سابقون الاسلام ہیں " پھر دوسرے چچا حضرت عباسؓ " آنحضرت صلعم کے جو جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے لڑکر مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے تھے " اِسلام لائے "

جس طرح آں حضرت صلعم " حضرت زبیرؓ کے پردادا " اسد " کے بھی ماں کی طرف سے اولاد ہیں " اِسی طرح " حضرت زبیرؓ " ماں کی طرف سے جناب اسد کے حقیقی چچا زاد بھائی ہاشم " یعنی آنحضرت صلعم کے پردادا " اور حضرت عبد المطلب " آنحضرت صلعم کے دادا کی اولاد " یعنی ہاشمی و مطلبی بھی " ہیں " ترجمہ بخاری شریف جلد دویم پارہ چودہ کتاب الانبیاء " مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی

کے صفہ ۱۹ پر حدیث ۵۰۹ ہے کہ "حضرت انس رضؓ کہتے ہیں" ایک بار رسول اللہ صلعم نے صرف انصار کو بلایا" (انصار حاضر ہوئے" حضورؐ نے فرمایا" کیا تم میں کوئی غیر آدمی بھی ہے" انصار نے عرض کیا" اور تو کوئی موجود نہیں ہے" صرف ہمارا ایک بھانجا موجود ہے" فرمایا" قوم کا بھانجا تو انہیں میں شمار ہوتا ہے" علامہ شبلیؒ نے بھی حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کو اپنی اُس نظم میں "ہاشمی" لکھا ہے۔ جس میں آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اسماءؓ کے استقلال" اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے واقعہ کو دکھایا ہے" چنانچہ وہ حضرت عبداللہؓ کی زبان سے کہتے ہیں ؎

خوں ٹپکا جو قدم پر تو کہا از رہِ فخر ... یہ ادا وہ ہے جو ہم "ہاشمیوں" کا ہے شعار

مزید وضاحت کے لئے ہم یہاں ایک شجرہ دیتے ہیں جس سے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ اور ہماری بیان کردہ باتیں بیک نظر معلوم ہو جاتی ہیں۔



(۴) شیخ محمد شفیع[1] شارح قصائد عرفی نے ۱۱۱۱ھ ہجری میں بزمانۂ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصنیف فقیر حقیر ہیچدان کج مج زبان محمد شفیع بن شیخ شاہ محمد بن شیخ راجع الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" بہ قطع مدعا قلم برمیدارد۔

تصنیف فقیر حقیر ہیچدان کج مج زبان محمد شفیع بن شیخ شاہ محمد بن شیخ راجع الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری کا" کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی۔"

(۵) کتاب سلسلہ عالیہ۔ مؤلفہ حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی۔ (ولادت محرم ۱۱۹۲ھ ہجری وفات ۱۲۶۵ھ) جو شاہ عالم ثانی کی وفات کے چند سال ہی بعد کی تصنیف ہے۔ اس کے ص ۶۹۵ پر تحریر ہے کہ۔

در اثبات نسب این فرقہ (زبیری کنبوی) مردم از روئے تجاہل اقوال مختلف کہ بادلایل بے اصل فرا داشتہ۔ اصلا از اں اصلی و حقیقی ندارد۔ اما آنچہ از روئے روایات اصحاب کتب و تصانیف و بمصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق بہ ثبوت و صحت رسیدہ و مجمع اہل دانش و حقیقت بآں قرار دادہ براین گونہ است کہ این گروہ از قبیلہ خاص رؤسائے قریش است۔

اس جماعت (زبیری کنبوی) کے نسب کے متعلق لوگ جہالت سے ایسی مختلف باتیں بیان کرتے ہیں جو بے اصل دلایل پر مبنی ہیں۔ اور ان کی کوئی اصلیت و حقیقت نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ اصحاب کتب و تصانیف کی روایتوں سے اور محققین کے اقوال سے صحت و ثبوت کے ساتھ معلوم ہوا ہے اور جس پر اہل دانش و حقیقت نے اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ گروہ رؤسائے قریش کے خاص قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

(۶) نواب مبارک علی خاں میرٹھی نے بزمانۂ بہادر شاہ بادشاہ دہلی ۱۸۴۹ء میں رسالہ مبارک میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ خاندان حضرت زبیرؓ بن العوام کی اولاد ہے۔"

(۷) چودھری بہاؤ الدین[2] مارہروی نے "کتاب اخبار المارہرہ تصنیف ۱۲۸۴ھ ہجری میں" اور

(۸) منشی نظام حسن مارہروی نے "کتاب سلسلہ نظامیہ تصنیف ۱۳۱۲ھ ہجری میں" اور

(۹) خان صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی نے "کتاب شمس التواریخ مطبوعہ ۱۸۹۶ء میں" اور

(۱۰) شیخ سبط نبی صاحب امروہوی نے "کتاب تلخیص التواریخ میں" اور

(۱۱) حکیم منشی فیض احمد صاحب مارہروی نے "کتاب المشاہیر مطبوعہ ۱۹۰۰ء میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

"یہ دودمان حضرت زبیرؓ کی نسل سے ہے" ان سب کتابوں میں سے اکثر میں حضرت زبیرؓ تک شجرے بھی دیئے ہیں۔"

زبیری کنبوی خاندان کے نسب کے متعلق دوسرے مؤرخین کے بیانات

(۱) شیخ زین العابدین عرف شیخ اڈہن رحؒ المتوفی ۹۳۶ھ ہجری شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا نے اپنی کتاب مصباح العارفین میں اپنے پیرومرشد حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ کا شجرۂ نسب حضرت زبیرؓ بن العوام تک تحریر فرما کر لکھا ہے کہ "لفظ کنبو میں واو نسبت کا ہے" منسوب بہ کنب اور کنب ایک شہر ہے قریب غزنین۔"

نوٹ ۱: ہم شیخ محمد شفیع کا پورا دیباچہ اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۷ پر لکھ چکے ہیں۔"

نوٹ ۲: آپ چودہری عبدالغفور سرور کے جنہوں نے عود ہندی یا خطوط غالب کا دیباچہ لکھا ہے حقیقی چچا تھے۔"

(۲) مولوی غلام یزدانی۔ ایم۔اے۔ ایم۔آر۔اے۔ ایس لندن۔ سابق ناظم آثار قدیمہ مملکت آصفیہ نظام دکن نے رحن کو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے "کتاب عمل صالح مصنفہ شیخ محمد صالح برادر خورد شیخ عنایت اللہ مصنف بہار دانش کو تصحیح کرانے کے بعد طبع اور شائع کیا ہے۔ اور جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد ہیں اور مصباح العارفین جن کے اپنے گھر کی کتاب ہے) عمل صالح کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

در باب اصلیت این قوم کنبو حکایاتِ عجیبہ و روایاتِ غریبہ بر السنہ مردم جاری است...... لیکن این ہمہ اقوال لغو و پوچ است روزنے ندارد" مولانا شیخ زین العابدین جدِّ مادری شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ کہ باز جدِّ مادری راقم الحروف مے باشد۔ در کتاب خود مصباح العارفین رامے نویسد کہ در لفظ کنبو واؤ نسبت است منسوب بہ "کنبہ" چوں واؤ ہندو۔ و کنبہ شہریست نزدِ غزنین۔ باشندگانِ این شہر اعم از آنکہ مسلمان باشند یا ہندو یا بت پرست بآں لقب ملقب شدند" بعض کتب تواریخ نوشتہ کہ "کنباہ بالضم نام دریائے ست در شمال سمرقند و آبادی ہا کہ بر کنارۂ آں دیار واقع شدہ بہ ہمیں اسم موسوم شد" چنانکہ جہلم نام دریائے است و ہم نام شہرے کہ بر لبِ آں دریا واقع است در زمانہ سادات و شیوخ از عرب و بغداد از آنجا سکونت اختیار نمودند و بعد قرون و دہور چوں بہ ہندوستان آمدند ایں لقب را ہمراہ خود شان آوردند۔ علاوہ ازیں اقوال از قرینہ این شعر نیز بیت

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری

کہ در باب سوءِ خلق این قوم در ہندوستاں مشہور است این سخن بخوبی ہویدا است کہ کنبو مثل کشمیری و افغانی لقب مقامی است نہ کہ ذاتی و صفاتی۔

اِس قوم کنبو کی اصلیت کے بارے میں عجیب و غریب حکایتیں اور روایتیں لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ لیکن یہ تمام باتیں بیہودہ اور پوچ ہیں اور اُن کی کچھ اصلیت نہیں ہے" مولانا شیخ زین العابدین شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا نے جو پھر میرے بھی جدِ مادری ہوئے" انہوں نے اپنی کتاب مصباح العارفین میں تحریر فرمایا ہے کہ "لفظ کنبو میں واؤ نسبت کا ہے جو کنبہ سے منسوب ہے مثلِ واؤ ہندو کے" اور کنبہ غزنین کے قریب ایک شہر ہے۔ اِس شہر کے رہنے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو یا بت پرست اِس لقب سے ملقب ہو گئے ہیں اور بعض تاریخوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ "کنباہ" سمرقند کے شمال میں ایک دریا کا نام ہے اور وہ آبادی جو اُس دریا کے کنارے پر واقع ہے اُسی نام سے موسوم ہوئی جیسے کہ دریائے جہلم ہے اور اُس کا ہمنام شہر اُس دریا کے کنارے پر واقع ہے" ایک زمانہ میں سادات اور شیوخ نے عرب اور بغداد سے آکر وہاں کی سکونت اختیار کر لی۔ مدتوں بعد جب وہ ہندوستان آئے تو یہ لقب اپنے ساتھ لائے۔ اس کے علاوہ اس شعر نیز بیت سے بھی

اوّل افغاں دوم کنبو سوم بد ذات کشمیری

جو اس قوم کے خلق کی برائی میں ہندوستان میں مشہور ہے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہے کہ کنبو مثل کشمیری اور افغانی کے لقب مقامی ہے" ذاتی اور صفاتی نہیں ہے"

(۳) ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۴۵ میں (جیسا کہ ہم شیخ گدائی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں اسی کتاب میں دکھا آئے ہیں) شیخ محمد دہلوی ابن شیخ عبدالغفور المشتہر بہ میاں لاڈن ابنِ شیخ نصیر الدین ابنِ حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ کے متعلق لکھا ہے کہ۔

در علوئے حسب و نسب و فضائل مکتسبی و موروثی۔ یگانۂ زمانہ بود۔

عالی نسبی اور والاحسبی اور فضائل مکتسبی و موروثی میں یگانۂ زمانہ تھے"

یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی ضروری ہے کہ "ملا صاحب کی متعصب طبیعت و فطرت کا حال ہم اس کتاب کی جلد اول میں تفصیل سے لکھ آئے ہیں اور کچھ جھلک اس جلد میں بھی دکھا چکے ہیں" اگر یہ خاندان قریشی زبیری نہ ہوتا تو کوئی طاقت

ملا صاحب سے اس کے کسی فرد کو عالی نسب نہیں لکھوا سکتی تھی۔" مزید برآں اسلامی مؤرخین کا بھی یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ دوسری قوموں کو عجمی۔ خراسانی۔ مصری۔ رومی۔ ترکی۔ حبشی۔ برہمن اور راجپوت وغیرہ لکھتے رہتے ہیں۔" عالی نسب انہوں نے سوائے عربی قریشی اقوام کے کسی کو نہیں لکھا ہے نہ ہی اور کسی کو انہوں نے والانژاد تحریر کیا ہے۔

(۴) نعمت اللہ ہروی نے "تاریخ خان جہانی مخزنِ افغانی کے ورق ۹۰ پر مخدوم شیخ جمالیؒ کو والانژاد اور آپ کے صاحبزادے شیخ حیاتی کو ورق ۱۴۱ و ۱۵۹ پر معالی انساب لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

(الف) چوں شعر کتابہ مہر و ماہ کہ از نتائج طبع "والانژاد" معارف دستگاہ حقایق آگاہ شیخ جمالی کنبوہ دہلوی" را استماع یافت شوق صحبت کثیر البہجت الیشاں دامنگیر سلطان (سکندر لودہی) شد۔

(الف) جب "مثنوی مہر و ماہ کی جو نتائج طبع سے "والانژاد" معارف دستگاہ" حقایق آگاہ" شیخ جمالی کنبوہ دہلوی کی اطلاع پائی تو اُن کا شوقِ صحبت بہت ہی خوشی بڑھانے والا سلطان (سکندر لودھی) کو دامنگیر ہوا۔"

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ سلطان سکندر لودھی کو نسب کے معاملہ میں اس قدر غلو تھا کہ جب کوئی اُن کے پاس جاتا تو پہلے وہ اُس کا نسب پوچھ لیا کرتے تھے۔

(ب) فضائل مآب عالی انساب شیخ عبد الحئی کہ در حقیقت سخنوری وظرافت طبع ثانی نداشت مصاحب وندیم وہمدم وہمراز سلیم شاہ بود۔

(ب) فضائل مآب۔ عالی انساب شیخ عبد الحئی جو حقیقت میں سخنوری اور ظرافت میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ مصاحب و ندیم اور ہمدم و ہمراز سلیم شاہ کے تھے۔"

(۵) وجیہہ الدین لکھنوی نے "بحر زخار کے صفحہ ۱۳۳۵ پر شیخ محمد الیسین کے متعلق لکھا ہے کہ۔

حضرت شیخ محمد الیسین از نژاد شیخ سماؤ الدین دہلویست تقوی شعار۔ سعادت آثار۔ حاجت روائے خلق۔ بدولت ملحق بود" در تذکرۃ العارفین شاہ محمدی نویسد" از سادات صالح با ذائق بغایت باادب بود۔ ہفتم صفر یک ہزار یک صد ہجری وفات یافتہ"

حضرت شیخ محمد الیسین" شیخ سماؤ الدین دہلوی کی نسل سے ہیں تقویٰ شعار۔ سعادت آثار۔ حاجت روائے خلق اور بدولت ملحق تھے۔" تذکرۃ العارفین میں شاہ محمدی نے لکھا ہے کہ سیّدوں میں نیکوکار حقیقت شناس اور بہت ہی باادب تھے۔ ۷ صفر ۱۱۰۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

(۶) رحمان علی صاحب ممبر کونسل ریاست دیوان بندیل کھنڈ نے تذکرہ علمائے ہند کے صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے کہ مولوی تراب علی لکھنوی ابن شیخ شجاعت علی بن فقیہ الدین بن مفتی محمد دولت ابن مفتی ابو البرکات مصنف فتاویٰ جامع البرکات"

نامش رکن الدین محمد و کنیت وے ابو البرکات است سلسلہ نسبش بحضرت مصعب بن زبیرؓ پیوند" و بزرگانش باشندہ دہلی اند۔ در سال دوازدہ صد و سیزدہ ہجری تولد یافتہ" لفظ برخوردار مادۂ تاریخ ولادت اوست"

نام رکن الدین محمد اور کنیت اُن کی ابو البرکات ہے اُن کے نسب کا سلسلہ حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ سے ملتا ہے۔ اور اُن کے بزرگ دہلی کے باشندے ہیں۔ ۱۲۱۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ لفظ برخوردار اُن کی ولادت کا مادۂ تاریخ ہے۔

مفتی ابو البرکات کا سلسلۂ نسب سات پشت اوپر حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ العزیز زبیری کنبوی ملتانی دہلوی سے مل جاتا ہے" (دیکھیے شمس التواریخ)

(۷) خواجہ حسن نظامی مشہور مشائخ دہلی جن کے مرید سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جو ہندوستان کے ہر حصہ میں جاتے رہتے ہیں اور یہاں کی تمام اقوام سے بخوبی واقف اور مورخ بھی ہیں نیز حجاز و شام و مصر و افغانستان وغیرہ اسلامی ممالک کے سیاح اور کثیر کتابوں کے مصنف اور متعدد اخبارات و رسائل کے مالک و طابع و ناشر ہیں۔ انہوں نے

اپنے ہفتہ وار رسالہ روزنامچہ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۳ء کے صـ۲ پر زبیری کنبوی خاندان کے متعلق تحریر کیا ہے کہ ”ہندوستان میں جس قدر زبیری آباد ہیں۔ یہ لوگ بڑے ذہین اور محنتی ہوتے ہیں:۔

(الف) ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب سی آئی ای۔ اور

(ب) خان بہادر مولوی بشیر الدین احمد صاحب ایڈیٹر البشیر اٹاوہ۔ اور

(ج) مولانا سعید احمد صاحب مؤرخ مارہروی وغیرہ کی ذہانت۔ اخلاص مندی۔ محنت و مستعدی کو تمام ملک جانتا ہے۔ ان سب کی آنکھیں بھی زبیری نمونہ کی ہیں۔

(ط) حضرت مولانا سماؤ الدین رح بھی زبیری تھے۔ اور ہندوستان کے زبیری اس مرکز کے ذریعے اپنی تنظیم کر رہے ہیں۔“

زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کے اپنے نسب کے متعلق بیانات اور دوسرے مؤرخین کی بھی اس خاندان کے عالی نسب زبیری ہونے کی شہادتیں پیش کر چکنے کے بعد اب ہم اس بات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ۔

(۱) خاندان مذکور میں شادی کے موقع پر نکاح کے لئے جانے سے پہلے جب دولھا کو دلھن کے گھر سے آئے ہوئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں تو اس وقت خدمتی لوگوں میں سے کوئی شخص دف پر ایک مبارک باد گاتا ہے۔“ اس عربی رسم کے سوا اس خاندان میں باجے گاجے وغیرہ کی کسی اور رسم کا کبھی کوئی رواج نہیں رہا ہے۔“

(۲) اور نہ ہی ایسی غیر اسلامی باتوں میں سے جو ملک کی دوسری اقوام کے میل جول کی وجہ سے اکثر شیوخ و سادات میں رواج پا گئی ہیں کوئی رسم اس خاندان میں کبھی موجود رہی ہے۔“ پنجاب کے سادات میں رواج کا حال تو ہم اسی کتاب میں اوپر بتلا آئے ہیں۔“ اس موقع پر امروہہ کا حال لکھتے ہیں۔“ تذکرۃ الکرام تاریخ امروہہ کی جلد دوم کے صـ۳۰۰ پر تحریر ہے کہ۔ ”امروہہ کے شرفا میں لڑکیاں باپ کی جائداد میں رواجاً حق شرعی نہیں لیتیں۔ بلکہ حق لینا معیوب سمجھتی ہیں۔“ اس کتاب کے مؤلف نے جو سید۔ عباسی۔ ہاشمی ہونے کا دعویدار ہے۔ اپنے خاندان اور اپنے وطن کے دوسرے سادات و شیوخ کے اس غیر اسلامی رواج پر عامل ہو جانے کے گناہ کو یہ فقرہ لکھ کر مٹانا چاہا ہے کہ ”لڑکیاں اپنا حق لینا معیوب سمجھتی ہیں۔“ عجب بات ہے کہ لڑکیاں جن میں بہت حاجت مند اور غریب بھی ہوتی ہیں وہ تو اپنے والدین کا جائز ترکہ اور اپنا شرعی حق لینا معیوب سمجھتی ہیں۔“ اور صاحبزادگان جو مرد کہلاتے ہیں اپنے حصہ کے علاوہ بہنوں کا حصہ بھی بے ڈکار ہضم کر جاتے ہیں کچھ شرم محسوس نہیں کرتے۔“ غرضکہ ایسے بہت سے غیر اسلامی رواج ہیں جو اکثر سادات و شیوخ میں موجود ہیں۔ لیکن اس زبیری کنبوی خاندان میں سوائے شرع اسلامی کے کوئی غیر مشروع رواج کبھی موجود نہیں رہا۔ اور اس خاندان کے جو گھرانے امروہہ میں آباد ہیں ان کی لڑکیاں بھی برابر شرعی حقوق پاتی ہیں۔“

سیکرٹری انجمن طابع و ناشر تاریخ کمبوہان اور عزیزی امداد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے خطوط

اب کیونکہ ہمیں مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کے متعلق کچھ لکھنا باقی نہیں رہا ہے۔ اس لئے ہم یہاں اس خط و کتابت کو پیش کرتے ہیں جو سیکرٹری صاحب انجمن تابع و ناشر تاریخ کمبوہان اور مولوی محمد امین صاحب زبیری کنبوی مہتمم تاریخ ریاست بھوپال۔ حال وظیفہ یاب اور ہمارے برادر خورد میاں امداد احمد زبیری سلمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی۔

سیکرٹری صاحب کا خط بنام محمد امین صاحب

Garhi Shahoo, Lahore.

Dated 18th May 1938.

My Dear Mohammad Amin,

During Dr. Sir Zia-ad-Din Ahmad's short stay in Lahore on 24th April last the undersigned had an interview with him. Main point of our talk was "publishing of history of the Kamboj" (our Anjuman is making arrangements to publish this history). Dr. Sahib told me that a history of Kamboj was written and published by Munshi Anwar Ahmad Khan in the year about 1890 copy of which perhaps can be had from you. Doctor Sahib added "further correspondence on the subject may be made with you and this will prove useful in the matter." In the Library of our Anjuman there is a history Al-Mash-ahir published by Munshi Faiz Ahmad in the year 1900. I beg to enquire if this Al-Mashahir is the same about whome the Dr. Sahib pointed out and if not will you please send me a copy of

گڑھی شاہو - لاہور

۱۸ مئی ۱۹۳۸ء

مائی ڈیر محمد امین -

پچھلی اپریل میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کے مختصر قیام لاہور میں میں نے اُن سے ملاقات کی تھی - ہماری گفتگو کا موضوع "کمبوج کی تاریخ کا شائع کرنا" تھا۔ (ہماری انجمن اس کو شائع کرنے کے انتظامات کر رہی ہے) ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کمبوج کی تاریخ منشی انوار احمد خاں نے تقریباً ۱۸۹۰ء میں لکھکر شائع کی تھی جس کی ایک نقل شاید آپ سے مل سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ اس معاملہ میں مزید خط و کتابت آپ سے کی جاوے اور یہ اس معاملہ میں کامیاب ثابت ہوگی۔

ہمارے کتب خانہ میں ایک تاریخ "المشاہیر" ہے جس کو منشی فیض احمد نے ۱۹۰۰ء میں شائع کیا تھا۔ میں یہ دریافت کرنے کی درخواست کرتا ہوں کہ کیا یہ "المشاہیر" وہی ہے جس کی بابت ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا۔ اگر وہ نہیں ہے تو کیا آپ مہربانی کرکے اس تاریخ کی ایک نقل ہم کو روانہ کر دیں گے۔ جو کہ منشی انوار احمد خاں نے شائع کرائی تھی - یہ کتاب مطالعہ کے بعد واپس کر دی جاوے گی - آپ کی جانب سے مزید اطلاع مشکوری کا باعث ہوگی -

the history published by Munshi Anwar Ahmad Khan the same after perusal will be returned to you. Any more hint from your side will oblige me much. In the end I request that photos of Doctor Sahib, the Late Nawab Waqar-ul Mulk Moulvi Mushtaq-Hussain Sahib Secretary Aligarh College, Khan Bahadur Nawab Islam-Ullah Khan of Meerut and Moulvi Mohammed Bashir-ud-Din Sahib of Etawah are required to put (publish) in this history. My Community shall be obliged if you could provide me with these.

Waiting an early reply,

yours faithfully

Zia-ud-Din

Secretary,

Anjuman Kamboan punjab

Lahore

Dated 18-5.38.

اخیر میں یہ درخواست اور کروں گا کہ ڈاکٹر صاحب۔ نواب وقار الملک۔ مولوی مشتاق حسین صاحب سیکرٹری علی گڈھ کالج۔ خان بہادر نواب اسلام اللہ خاں میرٹھی۔ اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب اٹاوی کی تصاویر کی بھی ضرورت اس تاریخ میں شائع کرنے میں ہو گی۔ اگر آپ یہ دستیاب کر دیں گے تو میری قوم آپ کی مشکور ہو گی۔

جلد جواب کا منتظر

آپ کا مخلص

ضیاء الدین

سیکرٹری انجمن کمبوہان

پنجاب لاہور

لاہور

۱۸ مئی ۱۹۳۸ء

خط میاں امداد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ بنام سیکرٹری صاحب

مکرمی بندہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہٗ۔ قبل اس کے کہ میں کچھ لکھوں آپ سے اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں مؤلف صاحب المشاہیر رحمتہ اللہ کا چھوٹا لڑکا ہوں۔ میرا پتہ "امداد احمد خاں زبیری بی۔ اے علیگ" "ڈپٹیڈ عثمانیہ" پروفیسر گلبرگہ کالج واقع سلطنت نظام دکن ہے" آج کل تعطیلات گرما میں "میرٹھ آیا تھا" پھر چند اعزا سے ملنے کے لئے علیگڈھ چلا گیا" جہاں سے پرسوں میرٹھ لوٹ آیا۔ اس سفر علی گڈھ میں ملاقات کے موقع پر "معظمی جناب مولوی محمد امین صاحب" وظیفہ یاب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال لئے" آپ کا وہ خط جو آپ نے ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) سے لاہور میں ملاقات و گفتگو کرنے کے بعد ان کے حسب الیماء

"مولوی محمد امین صاحب کے پاس علیگڈھ روانہ کیا تھا" مجھے اس لئے دے دیا ہے کہ "میں آپ کو اس کا جواب تحریر کر دوں" اسی خط کے ضمن میں یہ عریضہ آپ کو لکھ رہا ہوں" اولاً میں یہ بات صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمد صاحب نے جو آپ سے یہ کہا ہے کہ "مولوی انوار احمد صاحب نے سنہ ۱۸۹۰ء میں "کمبوج قوم کی تاریخ لکھی ہے" یہ صحیح نہیں ہے" ڈاکٹر صاحب موصوف نے اگر آپ سے ایسا کہا ہے تو ان سے سہو ہوا ہے" البتہ میرے اور میرے برادر بزرگوار مولوی انوار احمد صاحب مرحوم و مغفور کے والد" مولوی فیض احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک کتاب موسومہ "المشاہیر" زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کے حالات میں لکھکر شائع فرمائی تھی" اور اس المشاہیر کا ایک نسخہ آپ کی انجمن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں ظاہر کیا ہے" غرضکہ بھائی انوار احمد صاحب نے اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی جو آپ کو بھیجی جا سکے۔

یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ کی انجمن ایک کتاب کی ترتیب میں کوشاں ہے" اس کے متعلق یہ امر دریافت طلب ہے کہ "آپ اس تاریخ کو کن اصولوں پر ترتیب دے رہے ہیں" پنجاب میں "کمبوہوں کے متعلق جو کتابیں "منشی عبداللہ مالیر کوٹلی" اور وہاب الدین صاحب نے لکھی ہیں" ان میں اپنے آپ کو راجپوت ظاہر کیا ہے" اور مختلف النوع وجوہات "کمبوہ" نام کی دی ہیں" لیکن ہمارے خاندان کی تحقیقات و روایات جو ہیں "المشاہیر" کے ذریعہ سے آپ کے پیش نظر ہیں" میرے برادر محترم مولوی حسین احمد صاحب زبیری پسر دوم مولوی فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر" زبیریوں کی ایک تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں" اور وہ اب تک اس خاندان کے متعلق بہت کچھ مواد فراہم کر چکے ہیں" کہ ہمارا خاندان کب اور کن حالات میں عرب سے اس ملک میں وارد ہوا" کہاں کہاں مقیم رہا" اور ہر زمانے میں اس کی پوزیشن کیسی رہی ہے۔ جہاں تک ہمارے خاندان کا تعلق ہے" لفظ کنبوی یا کنبو سے ہے" وہ لقب مکانی سے زیادہ نہیں ہے" جیسے پنجابی یا لاہوری و لکھنوی" وغیرہ۔

جو خاندان (پنجاب کے) کمبوؤں کے اپنے آپ کو راجپوتوں میں منسوب کرتے ہیں وہ بھی اپنے لقب کمبو کو مکانی ہی مانتے ہیں۔ ہمارے خاندان کا یہ لقب مکانی ہے۔ نسلی نہیں ہے"

اس صورت کے مدنظر تحریر فرمائیے کہ آپ کی انجمن کا نظریہ "کمبوؤں کی تاریخ کے لکھنے کے متعلق کیا ہے" آیا آپ ان کو ایک ہی نسل سے متعلق سمجھتے ہیں" یا کسی خاص مقام" یا علاقے" یا مختلف ہم نام علاقوں کی بہت سی نسلوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں"

براہ کرم آپ اپنے اس نظریہ سے جس پر آپ اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں مطلع فرمائیے" تاکہ اس ضمن میں مزید گفت و شنید ہو سکے" فقط

امداد احمد زبیری یکم جون سنہ ۱۹۳۸ء

جواب خط سیکرٹری صاحب بنام میاں امداد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

از دفتر سیکرٹری انجمن طابع و ناشر تاریخ کمبوان۔ مغل پورہ روڈ۔ گڑھی شاہو۔ لاہور۔

c/o. NAZIR AHMED KHAN

CLERK { A.D.I.S OFFICE / D.R.-OFFICE LAHORE

786 No. 10 DATED 23.X.1938

مکرم بندہ جناب۔ السلام علیکم۔

آپ کا مضمون مورخہ ۲۷ ستمبر 1938ء ملا۔ آپ کی کرم فرمائی کا شکریہ۔ اگرچہ آپ نے اپنے عنایت نامہ میں ہم پنجاب کے غریب کمبوؤں سے قطعی بے تعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔ لیکن ہماری رائے میں چونکہ آپ کی اور ہم لوگوں کی رگوں میں ایک ہی خون جاری ہے

ساری کتاب۔ اِس لئے ہم آپ کو اپنے آپ سے قطعاً علیحدہ تصور نہیں کر سکتے۔ نہ ہی ہماری انجمن کے تعلیم دوست اور تاریخ داں اصحاب زبیری کمبوؤں کے اِس دعویٰ سے متفق ہیں کہ وہ غیر ہندی الاصل اور عرب ہیں۔ شاید کوئی زمانہ آئے جب اِس غلطی کی اصلاح ہو سکے۔

اگر میں یا میرے دوسرے ہم قوم لاہوری کمبو آپ کی کوئی خدمت سرانجام دے سکیں تو ہمارے لئے یہ امر موجب اعزاز ہوگا۔

بندہ
نذیر احمد خاں

مسٹر امداد احمد صاحب زبیری بی۔اے (علیگ) ڈپلیٹیڈ (عثمانیہ)
مسلم اقامت خانہ کالج۔ گلبرگہ۔ دکن۔

سیکرٹری صاحب انجمن طابع و ناشر تاریخ کمبوہان کے اس جواب الجواب سے بھی یہ بات بخوبی عیاں ہو گئی ہے کہ تبادلۂ خیال اور تحقیق و تلاش سے انہوں نے اور اُن کے حواریوں نے کوئی غرض نہیں رکھی ہے بلکہ وہ زبیری کمبوی خاندان کی اعلیٰ وارفع حیثیت کو تاریخوں میں پڑھکر اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھکر اِس خاندان سے اپنی قوم کو چسپاں کر دینے کا تہیہ کر چکے۔ اور مجبور رہے تھے کہ تاریخوں کو دیکھنے اور واقعات کو پرکھنے کی کسے فرصت ہے۔ من گھڑت کہانیوں اور مغالطوں سے ہی کام چل جائے گا۔ اپنے جوش میں وہ یہ نہیں سوچ سکے کہ دُنیا میں سب جاہل ہی نہیں ہیں۔ چشم بصیرت، تاریخوں پر عبور اور حالات سے واقفیت رکھنے والے بہت ہیں۔ جب یہ سراسر جھوٹ کا پلندہ اُن کے سامنے آئے گا تو پھر اِن ہوائی باتوں کا کیا حشر ہوگا اور وہ کس طرح دنیا کو اپنا منہ دکھا سکیں گے۔"

تاریخ کمبوہان کے مُولّف و طابع اور ناشروں سے ایک دریافت طلب بات

اِس موقع پر تاریخ کمبوہان کے مُولّف، طابع، اور ناشروں سے ہمارا یہ دریافت کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ تاریخ کمبوہان کے صفحہ پر جو لکھا گیا ہے کہ "کتاب کے حقوق نقل محفوظ ہیں" بلا اجازت مصنف مضامین کتاب کا اقتباس، ترجمہ، نقل، یا اِشاعت ممنوع ہے۔ اِس تحریر سے اُن کا کیا مطلب ہے؟

سب جانتے ہیں کہ کسی امر کی تحقیق اور اُس پر بحث کرنے کے لئے کتابوں کے اقتباس یعنی مؤرخین و مصنفین کی تحقیقات و آرا کو ظاہر کرنا لازمات سے ہے۔ اور تاریخ کمبوہان بھی بہت کتابوں کے اقتباسات نیز نقلوں سے بھری ہوئی ہے۔ اگر اس کے مُولّف ایسا نہ کرتے تو ظاہر ہے کہ اُن کی کتاب کوری رہ جاتی۔ وہ کوئی بات نہ تو دکھا سکتے تھے نہ ہی اُس پر بحث کر کے کوئی نتیجہ اخذ کر سکتے تھے۔ آخر وہ کیا خوف دلوں میں جا گزیں تھا۔ جسے پیش نظر رکھکر ایسی انوکھی اور نرالی بات کا لکھنا ضروری خیال کیا گیا۔ یعنی اِس کتاب کے مضامین کا اقتباس تک لینا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔"

خاتمہ کتاب

یہاں ہمیں صرف اِسی قدر کہنا ہے کہ مؤلف تاریخ کمبوہان نے جس طرح واقعات کو چھپایا، اور جیسی تحریفیں کی ہیں اور طبعزاد کہانیاں سنا کر جیسے دھوکے اور مغالطے دیئے ہیں۔ اُن کا سارا حال معلوم ہو چکا ہے۔ اور ہم نے ان کے بیانات کے مقابلہ میں تواریخی شواہد پیش کر کے جس طرح کذب و افترا کی تاریکی کو زائل کیا۔ اور حقیقت و سچائی کی روشنی پھیلائی ہے۔ اُس سے بھی اب بخوبی واقفیت ہو گئی ہے۔"

کارسازِ حقیقی کا شکر ہے کہ منزل ختم ہوئی۔ توفیقِ ربانی اور تائیدِ ایزدی نے ہماری رہبری کی۔ یہ منزل جس طرح طے ہوئی اس کا فیصلہ اہلِ نظر کریں گے۔ فقط۔ والسلام

حسین احمد زبیری

فہرست کتب

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف	زمانۂ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۱	رسالہ نواب شہباز خاں اکبری	قلمی - درکتب خانہ مصنف کتاب ہذا	عزیز و ملازم نواب کرم اللہ خاں زبیری کنبوی از امرائے کبار شہنشاہ اکبر المتوفی سنہ ۱۰۰۲ ہجری	بزمانہ شہنشاہ اکبر	.
۲	شجرۂ سہروردی . . .	قلمی۔ درکتب خانۂ شاہی ریاست رامپور و کتب خانہ مصنف کتاب ہذا	میاں احمد خاں اکبر شاہی زبیری کنبوی دہلوی	بزمانہ شہنشاہ اکبر	.
۳	عمل صالح (شاہجہاں نامہ)	مطبوعہ کلکتہ باہتمام رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	محمد صالح زبیری کنبوی لاہوری	بزمانہ شاہجہاں و عالمگیر	.
۴	شرح قصاید عرفی . . .	قلمی۔ درکتب خانہ دارالفلاح سید ظہیر حسین امروہوی مقیم دہلی	محمد شفیع زبیری سنبھلی	سنہ ۱۱۱۱ھ بزمانۂ عالمگیر	:
۵	سلسلۂ عالیہ . . .	مطبوعہ۔ مطبع شعبۂ مینائی اٹاوہ سنہ ۱۳۰۶ھ	حکیم عنایت حسین زبیری کنبوی مارہروی	سنہ ۱۲۲۶ھ قریب زمانۂ شاہ عالم ثانی	ولادت محرم سنہ ۱۱۹۲ھ وفات جمادی الاول سنہ ۱۲۶۵ھ
۶	رسالہ مبارک . . .	مطبوعہ۔ سنہ ۱۳۱۷ ہجری	نواب مبارک علی خاں زبیری کنبوی میرٹھی	۲۱ رجب سنہ ۱۲۶۵ھ م ۱۳ جون ۱۸۴۹ء	ولادت سنہ ۱۸۰۳ء وفات سنہ ۱۸۷۶ء
۷	سلسلۂ نظامیہ . . .	قلمی۔ نزد صوفی نظیر حسین زبیری کنبوی مارہروی پسر مؤلف	نظام حسن زبیری کنبوی مارہروی	محرم ۱۳۱۲ھ	ولادت سنہ ۱۲۴۷ھ
۸	شمس التواریخ	مطبوعہ۔ مطبع رائے صاحب منشی گلاب سنگھ لکھنؤ۔ سنہ ۱۸۹۸ء	خاں صاحب حکیم نواب علی خاں زبیری کنبوی امروہوی	سنہ ۱۸۹۸ء	ولادت ۱۵ شوال ۱۲۸۶ھ حیات
۹	المشاہیر . . .	مطبوعہ۔ نامی پریس شہر میرٹھ	منشی حکیم فیض احمد زبیری کنبوی مارہروی	سنہ ۱۹۰۰ء	ولادت ۹ ربیع الآخر سنہ ۱۲۶۲ھ م ۶ اپریل سنہ ۱۸۴۶ء
۱۰	تاریخ فرشتہ	مطبوعہ۔ نولکشور پریس لکھنؤ و دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔	محمد قاسم فرشتہ بن مرزا غلام علی ہندوشاہ	سنہ ۱۰۱۵ھ	وفات سنہ ۱۰۳۶ھ
۱۱	منتخب التواریخ . . .	مطبوعہ کلکتہ از رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	ملا عبدالقادر بدایونی	سنہ ۱۰۰۴ھ	ولادت سنہ ۹۴۷ھ وفات سنہ ۱۰۰۴ھ
۱۲	شاہنامہ	مطبوعہ	فردوسی طوسی	.	وفات سنہ ۳۸۹ھ
۱۳	شعرالعجم حصہ اول	مطبوعہ سلطان بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد دکن	علامہ شبلی نعمانی	۶ ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء	ولادت سنہ ۱۸۵۷ء وفات سنہ ۱۹۱۴ء
۱۴	ترجمان القرآن جلد دوم . . .	مطبوعہ	مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی		حیات

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۱۵	ترجمہ ایجپشین پرنسس	مطبوعہ۔ آگرہ اخبار پریس آگرہ	جارج مارٹسز ایبرس مشہور جرمن ماہر علوم	.	.
۱۶	تاریخ قدیم	.	ہیروڈوٹس یونانی	قریب ۵۰۰ سنہ ق م	.
۱۷	تاریخ ہند قدیم جلد اول	مطبوعہ	علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم	.	.
۱۸	تاریخ ہند	مطبوعہ	لالہ لاجپت رائے آں جہانی	.	.
۱۹	ترجمہ جگ بیتی حصہ اول	مطبوعہ۔ جید برقی پریس دہلی ۱۹۴۲ء	پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان	۱۹۳۱ء	حیات
۲۰	تاریخ آئینہ حقیقت نما	مطبوعہ۔ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ	علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم	۱۵ اپریل	وفات ۱۳۵۷ھ
۲۱	تاریخ کارنامہ راجپوتان	مطبوعہ۔ کارخانہ روزانہ اخبار پنجابی گزٹ بریلی	مولوی حکیم نجم الغنی رامپوری مرحوم	۱۹۲۳ء کے بعد	.
۲۲	تاریخ امروہہ جلد اول	مطبوعہ۔ تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی	محمود احمد امروہوی	اپریل ۱۹۳۰ء	حیات
۲۳	امپیریل گزیٹیر آف انڈیا	مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ	مترجمہ ڈاکٹر غلام یزدانی سابق ناظم آثار قدیمہ مملکت آصفیہ دکن	.	حیات
۲۴	مراۃ السلاطین ترجمہ سیر المتاخرین مترجمہ گوکل پرشاد لکھنوی	مطبوعہ۔ نولکشور پریس لکھنؤ	سید غلام حسین طباطبائی مرحوم	.	.
۲۵	مرقع اکبر آباد یعنی تاریخ آگرہ	مطبوعہ۔ ابو العلائی پریس آگرہ ۱۳۴۹ھ م ۱۹۳۱ء	مولوی سعید احمد زبیری گنگوہی مارہروی مرحوم	۱۹۱۶ء	.
۲۶	تاریخ ہند قدیم مترجمہ	مطبوعہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڈھ	مسٹر کے ایم پانیکار ایم۔ اے۔ آکسن۔ ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و لکھنؤ یونیورسٹی۔	.	حیات
۲۷	مہابھارت استری پرب		.	.	.
۲۸	رولرز آف انڈیا رنجیت سنگھ مترجمہ مولوی نظیر حسین فاروقی مرحوم مہتمم تعلیمات ضلع رائچور حیدرآباد دکن	مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۴۰ھ م ۱۳۳۱ف م ۱۹۲۲ء	سر لیپل گریفن کے سی۔ ایس آئی ربع چہارم انیسویں صدی	.	.
۲۹	تاریخ ہند جلد اول	مطبوعہ۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۵۸ھ	مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ	۱۳۵۸ء	حیات
۳۰	تاریخ سندھ جلد اول	مطبوعہ۔ دلگداز پریس لکھنؤ	مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی	.	وفات دسمبر ۱۹۲۶ء
۳۱	ہسٹری آف پنجاب	مطبوعہ	سید محمد عبداللطیف	.	.
۳۲	جغرافیائے افغانستان فارسی	مطبوعہ۔ مطبع مفید عام لاہور سنہ ۱۳۰۶ھ	محمد حسین خاں رئیس اندریسا افغانستان	۱۳۰۶ھ	.

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۳۳	مقدمہ کتاب پرشیا	مطبوعہ لندن	لارڈ کرزن سابق وائسرائے ہند	.	.
۳۴	ڈامس ایشیا	مطبوعہ	مسٹر چارلس ٹریور	.	.
۳۵	مصباح العارفین	قلمی	شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن رح	.	وفات سنہ ۹۳۴ھ
۳۶	دربارِ اکبری	مطبوعہ	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی	. .	وفات سنہ ۱۹۱۰ء
۳۷	تاریخ ہند جلد اوّل	مطبوعہ	مارشل	.	.
۳۸	تاریخ ہند	مطبوعہ	ونسنٹ اسمتھ	.	.
۳۹	کتاب چنگیز خاں مترجمہ محمد عنایت اللہ سابق ناظم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ	ہیرلڈ لیمپ	. . .	. . .
۴۰	چچ نامہ	مطبوعہ۔ مطبع لطیفی دہلی سنہ ۱۳۵۸ھ م سنہ ۱۹۳۹ء	علی بن حامد ابوبکر الکوفی	.	چھٹی صدی ہجری
۴۱	تاریخ اسلام	مطبوعہ	علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم	.	.
۴۲	تاریخ طبری مترجم	مطبوعہ۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی	ابو جریر طبری	سنہ ۳۰۹ھ	وفات سنہ ۳۱۰ھ
۴۳	تاریخ کامل ابن الاثیر	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ و جامعہ عثمانیہ و یوسفی پریس حیدرآباد دکن	مبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی المعروف بہ ابن اثیر۔	. . .	ولادت سنہ ۵۴۴ھ وفات سنہ ۶۰۶ھ م ۱۲۳۳ء
۴۴	تاریخ ابنِ خلدون	مطبوعہ۔ قیصر ہند پریس الہ آباد	عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون از قبیلۂ خلدون ولادت در تونس۔	ختم در سنہ ۷۹۷ھ ۱۸۳۷ء	ولادت سنہ ۷۳۵ھ ۱۳۳۲ء وفات سنہ ۸۰۸ھ ۱۴۰۶ء
۴۵	جارج نامہ منظوم فارسی	مطبوعہ	ملا فیروز ابن کاؤس پارسی ساکن بمبئی	سنہ ۱۸۳۷ء	.
۴۶	سفرنامہ ملتان	قلمی در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	منشی احمد الدین صاحب ایم۔اے۔علیگ	.	حیات
۴۷	سفینۂ مالیری	مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور	منشی عبداللہ کمبوہ مالیری مرحوم	۱۹۰۲ء ۱۳۱۹ھ	.
۴۸	اقتباس مضمون	مطبوعہ	جے۔آر۔رائے جرنلسٹ لاہور	.	.
۴۹	اقتباس تاریخ عرب قدیم	مطبوعہ۔ در مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۱۱۔ شمارہ (۱ و ۲)	مضمون محمد عثمان عمادی بی۔ایس۔سی	. .	حیات
۵۰	اکبرنامہ	مطبوعہ	ابو الفضل از امرائے اکبری	. .	وفات سنہ ۱۰۱۰ھ

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۵۱	انشائے ہرکرن فارسی و انشائے ہرکرن معہ ترجمہ انگریزی	قلمی۔ درکتب خانہ دارالفلاح سید ظہیر حسن امروہوی مقیم دہلی۔ چھاپہ ۱۷۸۱ء ترجمہ و شائع کردہ فرانسیس بالفور	ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی	در زمانہ شہنشاہ جہانگیر	
۵۲	مراۃ الصفا	قلمی۔ درکتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	سید محمد علی بن محمد صادق آل کموں الحسینی البرہانپوری	۱۱۵۳ھ	
۵۳	تلخیص اعراب کشاف	مطبوعہ نصف اول بخط مصنف درکتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	شیخ تاج الدین کموں۔	۷۳۰ھ	
۵۴	صحیح بخاری مترجم	مطبوعہ۔ کرزن گزٹ پریس دہلی ۱۳۲۲ھ و حمیدیہ پریس دہلی	ابو عبداللہ محمد اسمٰعیل بخاری		ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ ۸۷۰ء
۵۵	آئین اکبری	مطبوعہ۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ	ابوالفضل از امرائے اکبری		وفات ۱۰۱۱ھ
۵۶	طبقات ابن سعد	مطبوعہ جرمنی	محمد ابن سعد		ولادت ۱۶۵ھ وفات ۲۳۰ھ
۵۷	فتوح البلدان بلاذری جزو دوم ترجمہ	مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری		وفات ۲۷۹ھ
۵۸	تزک بابری ترجمہ شاہزادہ مرزا نصیرالدین حیدر گورگانی متخلص ثاقب	مطبوعہ مطبع محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۴ء	شہنشاہ بابر لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ		وفات ۹۳۶ھ
۵۹	تاریخ خان جہانی۔ مخزن افغانی۔	قلمی۔ درکتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	خواجہ نعمت اللہ ہروی	۱۰۱۸ھ تا ۱۰۲۰ھ	
۶۰	تذکرہ خزانۂ عامرہ	مطبوعہ۔ نولکشور پریس کانپور	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء	ولادت ۱۱۱۶ھ وفات ۱۲۰۰ھ
۶۱	بحر الابرار	قلمی۔ درکتب خانہ مصنف کتاب ہذا	جمال محمد جھنجھانوی	۱۰۲۴ھ تا ۱۰۳۶ھ	بزمانہ شہنشاہ جہانگیر
۶۲	تاریخ داؤدی	فوٹو درکتب خانہ دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن (اصلی کتاب برٹش میوزیم لندن میں ہے۔ جس کا فوٹو منگوایا گیا ہے)۔	خواجہ عبداللہ	در عہد شہنشاہ جہانگیر	
۶۳	گذشتہ لکھنؤ	مطبوعہ۔ دلگداز پریس لکھنؤ	مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی		وفات دسمبر ۱۹۲۶ء
۶۴	آئینۂ محمدی	قلمی۔ کتب خانہ سرکاری رامپور	حارثی بدخشی	یعنی بارہویں صدی ہجری	
۶۵	مروج الذہب و معدن الجواہر مترجم	مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی	۳۳۶ھ	وفات ۳۴۶ھ ۹۵۷ء
۶۶	المسالک الممالک	مطبوعہ۔ یورپ	ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری معروف بہ کرخی	۳۴۰ھ ۹۵۱ء	

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف	زمانۂ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۶۷	المسالک الممالک	مطبوعہ یورپ مطبع بریل لیدن ۱۸۷۲ء	ابو القاسم ابن حوقل موصلی	۳۵۹ھ ۹۷۶ء	۳۶۷ھ میں زندہ تھے
۶۸	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	مطبوعہ مطبع بریل لیدن واقع ہالینڈ	علامہ شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البنا الشامی المقدسی المعروف بابشاری۔	۳۷۵ھ	وفات ۹۹۸ء
۶۹	اقبال نامہ جہانگیری تاریخ ہندوستان حصہ ۲	مطبوعہ	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی	·	·
۷۰	مراۃ محمدی یعنی مکمل تاریخ گجرات	مطبوعہ مطبع مصطفائی بمبئی	شیخ غلام محمد	·	·
۷۱	ارمغان ہندوستان فارسی	مطبوعہ۔ ناسک علاقہ بمبئی ۱۳۰۳ف مطابق ۱۳۱۳ھ ہجری	خواجہ سید لطف علی مودودی افغانی	۱۳۱۰ھ	·
۷۲	رہنمائے مسافران ہند حصہ اول	مطبوعہ خادم التعلیم اسٹیم پریس کارخانہ پیسہ اخبار لاہور۔	منشی محبوب عالم	۱۹۰۴ء	·
۷۳	کتاب جنگ ٹرانسوال	مطبوعہ	·	·	·
۷۴	سفرنامہ مارکو پولو	مطبوعہ منجانب۔ ریلیجیس سوسائٹی انارکلی لاہور۔	کولو موفیو مارکو پولو	۱۳۰۰ء	وفات ۱۳۳۰ء
۷۵	الاحاطہ فی اخبار غرناطہ حصہ اول مترجمہ سید احمد اللہ ندوی	مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء	الوزیر محمد لسان الدین الخطیب	·	·
۷۶	تاریخ فیروز شاہی	مطبوعہ	ضیاء الدین احمد برنی مرید حضرت نظام الدین اولیاء المتوفی ۷۲۵ھ	بزمانہ فیروز شاہ تغلق	·
۷۷	سفرنامہ مظہری	مطبوعہ۔ کریمی پریس لاہور	مظہر علی مولوی سفیر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس و ترقی اردو	· ·	وفات ۲ فروری ۱۹۲۴ء
۷۸	کتاب سوویٹ روس۔ جنت یا روس	مطبوعہ پبلشرز لاجپت رائے اینڈ سنس	پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان	·	حیات
۷۹	کتاب باغبانی یعنی فری مینگرس مینول آف گارڈننگ حصہ دوم	مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۹۱۸ء	·	·	·
۸۰	تفسیر القرآن جلد دوم	مطبوعہ	مولانا ابو الکلام آزاد دہلوی	·	حیات
۸۱	پھسلی کا میدان جنگ مترجم	مطبوعہ۔ کارخانہ پیسہ اخبار لاہور	سر ایشمیڈ بارٹلیٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان	۱۸۹۷ء	·
۸۲	ہینڈبک فار ٹریولرز ان فرانس	مطبوعہ جان مرے گو لگ نیوی اینڈ کو پریس	اسٹار سلن اینڈ زیویر	۱۸۵۲ء	·
۸۳	تاریخ اودھ	مطبوعہ مطبع التعلیم مراد آباد	مولوی حکیم نجم الغنی رامپوری مرحوم	۱۹۲۳ء کے بعد	·
۸۴	ملفوظات خواجگان چشت حصہ دوم فوائد الفواد حصہ چہارم۔	مطبوعہ	حضرت خواجہ حسن سنجری رح	·	وفات ۷۳۵ھ

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف	زمانہ تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۸۵	عشرت کدہ آفاق مترجمہ راجہ ایشور راؤ	مطبوعہ	راجہ چندو لال وزیر سابق سلطنت آصفیہ دکن		ولادت سنہ ۱۱۷۹ھ وفات ۷ ربیع الثانی ۱۲۶۱
۸۶	بہار دانش مترجم	مطبوعہ ابو العلائی اسٹیم پریس آگرہ	شیخ عنایت اللہ زبیری کنبوہی میر منشی شاہجہاں		وفات در د[illegible] سنہ ۱۰۸۲ھ
۸۷	خیابان فارس ترجمہ کتاب پرشیا مترجمہ ظفر علی خاں بی۔اے	مطبوعہ	لارڈ کرزن سابق وائسرائے ہند	.	.
۸۸	طبقات ناصری	مطبوعہ۔ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	ابو عمر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی	سنہ ۶۵۸ھ	.
۸۹	تاریخ ملل قدیم	مطبوعہ	.	.	.
۹۰	تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم	مطبوعہ۔ جید برقی پریس دہلی سنہ ۱۳۵۲ھ	محمود احمد امروہوی	سنہ ۱۳۵۲ ہجری	.
۹۱	تاریخ کمبوہان	مطبوعہ۔ حجازی پریس لاہور	چودہری وہاب الدین امرتسری	سنہ ۱۹۳۸ء	.
۹۲	اخبار الاخیار فی اسرار الابرار	مطبوعہ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی		ولادت سنہ ۹۵۸ھ وفات [illegible]
۹۳	سفرنامہ ابن بطوطہ	مطبوعہ	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم الموالی ثم البلخی المعروف بہ ابن بطوطہ		ولادت سنہ [illegible] وفات سنہ ۱۳۷۷ء ۷۵۶ھ
۹۴	تذکرۃ الواصلین	مطبوعہ	.	.	.
۹۵	تاریخ ریاست حیدرآباد دکن یا مملکت آصفیہ	مطبوعہ	مولوی حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری مرحوم	.	.
۹۶	فتوح البلدان بلاذری	مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ مترجمہ سید ابو الخیر مودودی ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء	احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری	.	وفات ۲۷۹
۹۷	تاریخ مبارک شاہی ترجمہ انگریزی از کے کے باسو۔	مطبوعہ	.	.	.
۹۸	تاریخ سنبھل موسومہ معرکۂ عظیم	مطبوعہ۔ اہل سنت برقی پریس مرادآباد۔ سنہ ۱۳۵۶ھ	غلام احمد صاحب فریدی	سنہ ۱۳۵۶ھ	.
۹۹	میرٹھ گزیٹیر	مطبوعہ	.	.	.
۱۰۰	تاریخ حبیب السیر	مطبوعہ بمبئی در ۱۲۷۳ھ سنہ ۱۸۵۷ء	میرزا غیاث الدین بن میرزا ہمام الدین المدعو بہ اخوند میر۔ شیرازی الاصل	.	وفات سنہ ۹۴۲ھ
۱۰۱	آثار الوزرا	قلمی موجود در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	.	.	.

شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۱۰۱	سیاست نامہ	مطبوعہ	.	.	.
۱۰۲	آداب الملوک	مطبوعہ	.	.	.
۱۰۳	تاریخ گزیدہ	مطبوعہ۔ لندن	حمد اللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر متوفی قزوینی	سنہ ۷۳۰ھ	
۱۰۴	تاریخ بیہقی (بیہق نیشاپور کے مضافات کے چند دیہاتوں کے مجموعہ کو بیہق کہتے ہیں۔)	مطبوعہ	امام ابو بکر احمد الحسین بیہقی		مولود سنہ ۳۸۴ھ متوفی سنہ ۴۵۸ھ
۱۰۵	روضۃ الصفا	مطبوعہ۔ بمبئی در سنہ ۱۲۶۶ھ م سنہ ۱۸۵۰ء	میرزا غیاث الدین مرزا ہمام الدین المدعو بہ اخوند میر شیرازی الاصل		وفات سنہ ۹۴۲ھ
۱۰۶	دربار آصف	مطبوعہ	.		.
۱۰۷	کتاب دوم تاریخ ہند	مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ	مسٹر ہاشمی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ	.	حیات
۱۰۹	سیر العارفین	مطبوعہ۔	حضرت مخدوم شیخ جمالی کنبوی دہلوی		متوفی سنہ ۹۴۲ھ
۱۱۰	بحر ذخار	قلمی۔ موجود در کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن	وجیہہ الدین لکھنوی	.	.
۱۱۱	خزینۃ الاصفیا جلد اول	مطبوعہ جلد اوّل نولکشور پریس کانپور در سنہ ۱۸۹۴ء و جلد دوم در مطبع نولکشور لکھنؤ۔	مفتی غلام سرور قریشی اسدی لاہوری	.	.
۱۱۲	دُرِّ مقصود	مطبوعہ۔ علمی پریس امروہہ در سنہ ۱۳۵۲ھ مطابق سنہ ۱۹۳۲ء	انیس الدین احمد امروہوی	۱۳ ر مارچ سنہ ۱۹۳۴ء	.
۱۱۳	مجمع النفائس	قلمی۔ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری و شاہی کتب خانہ رامپور	سراج الدین علی خاں آرزو	سنہ ۱۱۶۴ھ م سنہ ۱۷۵۱ء	ولادت سنہ ۱۱۰۱ھ وفات ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۹ھ م ۲۶ جنوری سنہ ۱۷۵۶ء
۱۱۴	مآثر الامراء	مطبوعہ اُردو گائیڈ پریس کلکتہ	نواب صمصام الدولہ شاہنواز خاں	سنہ ۱۷۵۷ء	سنہ ۱۱۶۷ھ میں زندہ تھے
۱۱۵	تذکرہ مصنفین دہلی	مطبوعہ مطبع تاریخ حیدر آباد دکن	شیخ عبد الحق محدث دہلوی		مولود سنہ ۹۵۸ھ متوفی سنہ ۱۰۵۲ھ
۱۱۶	زبدۃ التواریخ	قلمی۔ در کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن	شیخ نور الحق پسر شیخ عبد الحق محدث دہلوی	.	متوفی سنہ ۱۰۷۳ھ
۱۱۷	طبقات اکبری	قلمی۔ در کتب خانہ مصنف کتاب ہذا	نظام الدین احمد بخشی از امرائے اکبری	.	متوفی سنہ ۱۰۰۳ھ
۱۱۸	کتاب آئینہ گجرات ترجمہ مراۃ احمدی	مطبوعہ	محمد حسین بن محمد علی (دیکھو ۶۲)	.	.

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تصنیف	سنہ ولادت و وفات مصنف
۱۱۹	آثار اکبری یعنی تاریخ فتحپور سیکری	مطبوعہ۔ مطبع اکبری آگرہ	مولوی سعید احمد صاحب زبیری کنبوی مارہروی	.	.
۱۲۰	کشکول موسیٰ کنبو	قلمی۔ در کتب خانہ آصفیہ	محمد موسیٰ زبیری کنبوی سنبھلی شاگرد علامہ ابو الفضل	سنہ ۱۰۱۳ھ	.
۱۲۱	تاریخ ہندوستان جلد ہفتم ظفرنامہ شاہجہاں	مطبوعہ	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی	.	وفات سنہ ۱۹۱۰ء
۱۲۲	بادشاہ نامہ شاہجہاں	مطبوعہ کلکتہ باہتمام رایل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	عبد الحمید لاہوری	.	
۱۲۳	مآثر عالمگیری	مطبوعہ۔ دار الطبع جامعہ عثمانیہ	محمد ساقی مستعد خاں پسر محمد ہاشم المخاطب بہ موسوی خاں المتوفی سنہ ۱۱۷۵ھ	.	وفات سنہ ۱۱۷۵ھ
۱۲۴	جنگ نامہ اعظم شاہ و شاہ عالم بہادر شاہ۔	مطبوعہ نولکشور پریس میرٹھ	مرزا محمد المخاطب بہ نعمت خان عالی	.	متوفی سنہ ۱۱۲۱ھ
۱۲۵	مآثر الکرام موسومہ سرو آزاد	مطبوعہ	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء	مولود سنہ ۱۱۱۶ھ متوفی سنہ ۱۲۰۰ھ
۱۲۶	محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن	مطبوعہ مطبع رحمانی	محمد عبد الجبار خاں ملکاپوری براری حیدرآبادی	سنہ ۱۳۲۹ھ	.
۱۲۷	مراۃ السلاطین ترجمہ سیر المتاخرین مترجمہ گوکل پرشاد	مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ	غلام حسین طباطبائی	سنہ ۱۱۹۵ھ	.
۱۲۸	نکات الشعراء	مطبوعہ۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو	میر تقی میر دہلوی	سنہ ۱۱۶۵ھ / سنہ ۱۷۵۲ء	وفات سنہ ۱۲۲۵ھ سنہ ۱۸۱۰ء در لکھنؤ
۱۲۹	صحیح مسلم	مطبوعہ۔ حمیدیہ پریس دہلی	ابو الحسن مسلم بن حجاج بن مسلم بن درد بن کوشاد قشیری	ولادت سنہ ۲۰۲ یا ۲۰۶ھ در نیشاپور	وفات سنہ ۲۶۱ھ / ۸۷۳ء در نیشاپور
۱۳۰	حیات میر عبد الجلیل	مطبوعہ۔ الہ آباد سنہ ۱۹۲۹ء	سید مقبول احمد صمدنی	.	.
۱۳۱	آثار احمدی	قلمی۔ در کتب خانہ مصنف کتاب ہذا	حکیم عنایت حسین زبیری کنبوی مارہروی	سنہ ۱۲۲۶ھ	مولود محرم سنہ ۱۱۹۲ھ متوفی سنہ ۱۲۶۵ھ
۱۳۲	فہرست کتب خانہ بانکے پور۔ جلد ہفتم	مطبوعہ	.	.	.
۱۳۳	قاموس المشاہیر جلد اول	مطبوعہ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۲۴ء	نظامی بدایونی	۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۲ء	.
۱۳۴	آثار الصنادید	مطبوعہ	سر سید احمد خاں دہلوی	سنہ ۶۲-۱۲۶۱ھ	وفات سنہ ۱۳۱۵ھ م سنہ ۱۸۹۸ء
۱۳۵	تحقیقات چشتی	مطبوعہ۔ مطبع کوہ نور لاہور سنہ ۱۲۸۶ھ	نور محمد چشتی لاہوری	.	.

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۱۳۶	حیاتِ جاوید	مطبوعہ۔ نامی پریس کانپور سنہ ۱۹۰۱ء	مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی	.	.
۱۳۷	سوانح سلاطین اودھ	مطبوعہ۔ نولکشور پریس لکھنؤ	سید کمال الدین حیدر حسینی الحسینی	.	.
۱۳۸	رُوحِ غالب	مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن	پروفیسر سید محی الدین قادری پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی	.	.
۱۳۹	تحفہ اثناء عشریہ	مطبوعہ۔ مطبع حسینی دہلی	مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی	.	وفات ۱۲۳۹ھ
۱۴۰	کتاب المُحبَّر	مطبوعہ۔ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	محمد بن حبیب استاد ابن قتیبہ	.	متوفی سنہ ۲۴۵ھ
۱۴۱	المعارف اِبنِ قتیبہ	مطبوعہ	عبداللہ بن مُسلم بن قتیبہ	.	مولود سنہ ۲۱۳ھ متوفی سنہ ۲۷۶ھ
۱۴۲	تذکرہ علمائے ہند	مطبوعہ۔ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۹۱۴ء	رحمان علی ممبر کونسل ریواں (بندیلکھنڈ)	سنہ ۱۹۱۴ء	.
۱۴۳	الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ	مطبوعہ اہلوارڈ نے گوتھا سے سنہ ۱۸۶۰ء میں شایع کیا۔ وچھاپہ بیروت	محمد بن علی طباطبائی المعروف بہ ابن طقطقی	.	وفات سنہ ۷۰۲ھ
۱۴۴	تاریخ ہند جلد پنجم اقبال نامہ اکبری	مطبوعہ	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی مرحوم	.	وفات سنہ ۱۹۱۰ء
۱۴۵	رواۃ البخاری۔ سلسلہ تبلیغ کے متفرق سلسلہ کا پہلا وعظ "مسمی البصیر بالبشیر"	اشرف المطابع تھانہ بھون	جناب حافظ شاہ محمد اشرف علی تھانوی مرحوم	.	.
۱۴۶	تاریخ جہانگیر	مطبوعہ	مسٹر بینی پرشاد پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی	.	.
۱۴۷	الاغانی جلد ۲۰	مطبوعہ۔ در کتب خانہ آصفیہ	ابو الفرج اصفہانی	.	متوفی ۳۵۱ھ
۱۴۸	ابو محاسن	مطبوعہ۔ در کلکتہ	امیر جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن طغری بن بردی	.	وفات سنہ ۸۷۴ھ سنہ ۱۴۶۹ء
۱۴۹	اِبنِ خلکان کی وفیات الاعیان	مطبوعہ	اِبنِ خلکان	سنہ ۶۳۶ء میں آپ نے اسکندریہ میں لکھی	متوفی سنہ ۱۲۸۲ء ۶۸۱ھ
۱۵۰	ڈالی قبیلی الزبیریہ	مطبوعہ۔ جرمنی	ایف وسٹن فیلڈ جرمن مستشرق	.	
۱۵۱	الفاروق حصہ اول	مطبوعہ نامی پریس کانپور	علامہ شبلی نعمانی	سنہ ۱۸۹۹ء	ولادت سنہ ۱۸۵۷ء وفات سنہ ۱۹۱۴ء
۱۵۲	یافعی	مطبوعہ	علامہ ابو محمد عبداللہ ابن اسعد یافعی	.	وفات سنہ ۷۶۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۱۵۳	طبقات الحفاظ جلد ۳	مطبوعہ	حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت بغدادی معروف بہ خطیب۔		وفات ۳۹۲ھ مطابق سنہ ۱۰۰۲ء
۱۵۴	کتاب الانساب امام سمعانی	قلمی۔ در کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن	حافظ ابو سعد عبد الکریم بن محمد المروزی الشافعی		وفات ۵۶۲ھ
۱۵۵	تذکرہ حافظ ذہبی جلد دوم	مطبوعہ	حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی		وفات سنہ ۱۳۴۸ء
۱۵۶	کشف الظنون	مطبوعہ	حاجی خلیفہ		وفات سنہ ۱۶۵۷ء
۱۵۷	خصایص الکبریٰ مترجم	مطبوعہ	علامہ جلال الدین سیوطی اصلی نام عبد الرحمٰن بن الکمال بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین	. .	ولادت سنہ ۸۴۹ھ یوم وفات سنہ ۹۱۱ھ مطابق سنہ ۱۵۰۵ء
۱۵۸	معجم المصنفین	قلمی کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن	علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی مرحوم	. .	. .
۱۵۹	عجائب الہند	مطبوعہ۔ لیدن۔ یورپ	بزرگ بن شہریار	سنہ ۳۰۴ھ	.
۱۶۰	یعقوبی	مطبوعہ	محمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی	سنہ ۲۷۷ھ ۸۷۴ء	. .
۱۶۱	انساب الخلافۃ ترجمہ اردو سبائک الذہب مترجمہ محمد ابراہیم شاہ	مطبوعہ آزاد پریس لاہور سنہ ۱۹۲۲ء م سنہ ۱۳۴۱ھ	مصنفہ علامہ شہاب الدین ابی العباس مؤلفہ علامہ ابو الفوز محمد امین السویدی	.	.
۱۶۲	تقریر سید طفیل احمد	مطبوعہ۔ در رسالہ زبیری دہلی اپریل سنہ ۱۹۳۴ء	مولوی سید طفیل احمد آنریری سیکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ	. . .	. . .
۱۶۳	تقریر مولوی بشیر الدین احمد	مطبوعہ۔ در رسالہ زبیری دہلی اپریل سنہ ۱۹۳۴ء	مولوی بشیر الدین احمد منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ و منیجر و اڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ	.	حیات ولادت سنہ ۱۸۵۷ء
۱۶۴	سیر حامدی یعنی سفر نامہ نواب صاحب رامپور۔ حامد علی خاں	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ	. .	سنہ ۱۸۹۳ء	. .

رسائل

(۱) علیگڈھ میگزین بابتہ ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۲۲ء۔
(۲) رسالہ القریش امرتسر بابتہ ماہ فروری و مارچ ۱۹۲۵ء و اپریل و جون و نومبر ۱۹۳۰ء و جلد ا نمبر ۹۔
(۳) رسالہ نیرنگ خیال مشرق نمبر بابتہ ماہ جون و جولائی ۱۹۳۵ء۔
(۴) رسالہ کائنات لاہور بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء و عید نمبر بابتہ ماہ اپریل ۱۹۳۲ء۔
(۵) رسالہ معارف اعظم گڈھ بابتہ ماہ مئی ۱۹۳۵ء و نمبر ۲ جلد ۷، بابتہ ماہ جنوری ۱۹۲۱ء و جنوری ۱۹۴۳ء و نمبر ۲ جلد ۲۷۔
(۶) رسالہ اسلامک کلچر حیدرآباد دکن بابتہ ماہ اپریل ۱۹۴۰ء۔
(۷) مجلہ طیلسانین حیدرآباد دکن شمارہ یکم۔
(۸) اورنٹیل کالج میگزین لاہور بابتہ ماہ نومبر ۱۹۳۴ء۔
(۹) رسالہ بیسویں صدی لاہور سالنامہ ۱۹۳۳ء۔
(۱۰) رسالہ ساقی دہلی ظرائف نمبر بابتہ ماہ اپریل ۱۹۳۵ء۔
(۱۱) رسالہ تاریخ حیدرآباد دکن بابتہ ماہ جون ۱۹۴۰ء۔
(۱۲) رسالہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ بابتہ ماہ فروری ۱۹۳۷ء۔
(۱۳) رسالہ ہمدرد صحت دہلی بابتہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۹ء۔
(۱۴) رسالہ عالمگیر لاہور بابتہ ماہ مئی ۱۹۳۵ء۔
(۱۵) رسالہ النظامیہ فرنگی محل لکھنؤ بابتہ ماہ ذیقعد ۱۳۲۷ ہجری۔
(۱۶) رسالہ سلطان العلوم دیوبند بابتہ ماہ جمادی الاول ۱۳۵۶ ہجری۔
(۱۷) رسالہ فاران بجنور بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۶ء۔
(۱۸) رسالہ دین و دنیا بابتہ ماہ فروری ۱۹۳۰ء و ۲۵ر جولائی ۱۹۳۷ء۔
(۱۹) رسالہ زبدۃ الملک چن پٹن مدراس بابتہ ۱۲ر ماہ محرم ۱۳۵۷ ہجری۔
(۲۰) رسالہ زبیری دہلی ۱۹۳۴ء وغیرہ وغیرہ

اخبارات

(۱) روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن۔ مورخہ ۲۸ر اپریل و ۲۳ر مئی و ۲۵ر اگست و ۹ر دسمبر ۱۹۳۷ء و ۶ر ستمبر و ۳ر و ۹ر و ۲۶ر اکتوبر و ۲ر و ۱۴ر و ۱۸ر و ۲۲ر نومبر ۱۹۳۸ء و ۲۷ر فروری و ۱۱ر و ۲۲ر اپریل و ۳۰ر جولائی و ۶ر و ۱۵ر اگست و ۱۶ر ستمبر و ۲۴ر نومبر ۱۹۳۹ء و ۲۹ر مارچ ۱۹۴۳ء۔
(۲) روزنامہ پیام حیدرآباد دکن مورخہ ۱۳ر جنوری و ۱۶ر فروری و ۳۱ر مارچ و ۱۱ر و ۱۷ر و ۲۱ر جولائی ۱۹۳۸ء۔
(۳) روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۳۱ء و ۱۸ر نومبر و ۸ر دسمبر ۱۹۳۶ء و ۲۵ر اپریل و ۳۰ر مئی و ۳ر و ۱۳ر جون و ۱۷ر جولائی و ۵ر و ۱۱ر و ۱۷ر و ۱۹ر و ۲۶ر و ۱۴ر و ۲۲ر و ۳۰ر ستمبر و ۱۴ر و ۲۳ر اکتوبر و ۲۰ر نومبر ۱۹۳۷ء و ۲۴ر فروری و ۱۵ر و ۲۰ر مارچ و ۱۵ر اپریل و ۱۵ر و ۲۲ر و ۲۳ر جولائی و ۱۳ر و ۱۴ر و ۱۹ر و ۲۳ر و ۲۴ر و ۱۵ر اگست و ۲ر و ۶ر و ۱۶ر و ۱۰ر و ۳۰ر ستمبر و

۱۱ و ۱۵ ر و ۱۶ ر و ۱۸ ر و ۲ ر اکتوبر و ۲ ر و ۳ ر و ۶ ر و ۱۰ ر و ۱۲ ر و ۱۸ و ۲۷ ر نومبر و ۱ ر و ۷ ر و ۱۲ ر و ۱۴ ر و ۱۵ ر و ۱۸ ر و ۲۰ ر
۲۱ و ۲۳ ر و ۲۵ ر دسمبر ۱۹۳۸ء و ۷ ر و ۱۰ ر و ۱۳ ر و ۱۴ ر و ۲۲ ر و ۲۷ ر جنوری و ۱۳ ر و ۲۶ ر فروری و ۴ ر اپریل و ۱۸ ر و
۲۶ ر و ۲۸ ر مئی و ۲۲ ر و ۲۴ ر جون و ۲۱ ر و ۲۴ ر و ۲۹ ر جولائی و یکم و ۲۵ ر ستمبر ۱۹۳۹ء"

(۴) روزنامہ اودھ اخبار لکھنؤ مورخہ ۲۷ ر فروری ۱۸۸۵ء۔

(۵) روزنامہ انگریزی پانیر الہ آباد مورخہ ۲۱ ر فروری ۱۸۸۵ء۔

(۶) روزنامہ تیج دہلی مورخہ ۹ ر اگست ۱۹۳۶ء۔

(۷) روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن مورخہ ۲۱ ر فروری و ۲۱ ر اپریل و ۱۳ ر جون و ۱۰ ر و ۱۲ ر جولائی و ۴ ر و ۹ ر و ۱۶ ر و ۲۳ ر دسمبر ۱۹۳۷ء

(۸) روزنامہ وقت حیدر آباد دکن مورخہ ۱۱ ر دسمبر ۱۹۳۸ء و ۷ ر دسمبر ۱۹۴۰ء۔

(۹) اخبار ایمان پٹی ضلع لاہور مورخہ ۲۰ ر مارچ ۱۹۳۷ء۔

(۱۰) انگریزی اخبار دی ہندو مدراس۔ مورخہ ۱۰ ر نومبر ۱۹۳۸ء۔

(۱۱) سہ روزہ اخبار مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ ر مارچ ۱۹۳۹ء۔

(۱۲) ہفتہ وار اخبار سرگذشت علی گڈھ مورخہ ۱۶ ر نومبر ۱۹۳۷ء۔

(۱۳) روزنامہ نظام گزٹ حیدر آباد دکن مورخہ ۱۵ ر و ۳۰ ر جولائی و ۲۳ ر دسمبر ۱۹۴۲ء۔

(۱۴) سہ روزہ اخبار الامان دہلی مورخہ ۲۸ ر جون ۱۹۳۵ء۔

(۱۵) اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۲ ر مئی ۱۹۳۳ء" وغیرہ وغیرہ۔

اٹلسیں و نقشہ جات وغیرہ

(۱) نقشہ ہندوستان سنہ ۲۵ ق م در جدید اٹلس مطبوعہ دی کلکتہ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ ۱۹۴۱ء :- مرتبہ سید شرف الدین ایم۔ اے۔ بی ٹی۔ حیدر آباد دکن۔
(۲) نقشہ سٹی اسٹیٹس آف انشینٹ انڈیا مندرجہ السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا ۳ ر اکتوبر ۱۹۳۷ء ص ۲۵ :- از کے وی راما سوامی۔
(۳) نقشہ کنکوالیسٹ آف ماؤنٹ ایورسٹ۔ مندرجہ بمبئی کرانیکل سنڈے ایڈیشن۔ ۲۲ ر اگست ۱۹۳۷ء۔ ص ۱
(۴) نقشہ بلاد السندھ" در کتاب انڈیا مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس انگلستان :- مرتبہ کرنل تھامس ہنگر فورڈ ہولڈچ" کے سی۔ ایم۔ جی۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سی بی۔ آر ای۔ سابق ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سروے آف انڈیا۔
(۵) حوالہ نقشہ مملکت آصفیہ دکن :- مرتبہ مولوی محمد سلطان سررشتہ دار تعلیمات صوبہ ورنگل"
(۶) حوالہ نقشہ اردو" کتاب ریلوے ٹیوٹرز گائڈ ہندوستان :- مرتبہ سید معصوم علی سبزواری میرٹھی" سابق ملازم ریلوے۔
(۷) حوالہ ایڈورٹائزمنٹس ان روڈ ٹرانسپورٹ پاکٹ ٹائم ٹیبلس" یا انڈیکس پلیسز روڈ" :- از طرف ایچ ای ایچ دی نظامس اسٹیٹ ریلوے روڈ موٹر سروس"
(۸) نقشہ مندرجہ روزانہ وقت حیدر آباد دکن" ۲۲ ر آبان ۱۳۴۹ فصلی۔ مطابق ۲۷ ر ستمبر ۱۹۴۰ء"
(۹) نقشہ نما ممالک محروسہ سرکار عالی نظام دکن" مرتبہ سید شرف الدین قادری۔ ایم۔ اے۔ بی ٹی۔ سررشتہ دار تعلیمات سرکار عالی"
(۱۰) نقشہ مندرجہ روزنامہ نظام گزٹ حیدر آباد دکن ۱۲ ر بہمن ۱۳۵۲ ف مطابق ۷ ر دسمبر ۱۹۴۲ء مطابق ۷ ر ذی الحجہ ۱۳۶۱ ہجری"
(۱۱) از نقشہ ریلوے جات ہندوستان" ۳۱ ر مارچ ۱۹۲۶ء" مرتبہ زیر نگرانی کرنل کانڈنٹ ای اے ٹنڈے رائل انجنیئر سرویئر جنرل ہندوستان"
(۱۲) فرانسیسی اٹلس کلاں" موجودہ کتب خانہ حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا"
(۱۳) میکملن اٹلس رائج اسکول ہائے ہندوستان" (۱۴) دیگر اٹلسیں"
(۱۵) نقشہ مندرجہ روزنامہ رہبر دکن حیدر آباد" یکم مئی ۱۹۴۴ء مطابق ۷ ر جمادی الاول ۱۳۶۳ ہجری۔ ص ۲

فہرست کُتب

مؤلفہ مولوی حسین احمدؒ صاحب زُبیری

---

(۱) خاندان سیدنا حضرت زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	غیر مطبوعہ
(۲) سیرۃ سیّدنا حضرت زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	〃
(۳) سیرۃ امیر المومنین سیّدنا حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	〃
(۴) سیرۃ سیّدنا حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	〃
(۵) سیرۃ سیّدنا حضرت مصعب بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	〃
(۶) اَسَدی زُبیری سندھ میں	〃
(۷) زُبیری ہند میں	زیرِ ترتیب
(۸) خاندان خواجہ فخر الدین قدس سرّہٗ العزیز زُبیری کنبوی ملتانی	غیر مطبوعہ
(۹) حالات حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرّہٗ العزیز زُبیری کنبوی ملتانی دہلوی	〃
(۱۰) خاندان زُبیری کنبوہؔ جلد اوّل	مطبوعہ
(۱۲) خاندان زُبیری کنبوہؔ جلد دوم	مطبوعہ
(۱۳) ضمیمہ خاندان زُبیری کنبوہؔ	زیرِ طبع
(۱۴) نواب شہباز خاں زُبیری سپہ سالار و گورنر شہنشاہ اکبر	زیرِ ترتیب
(۱۵) اودھ کے بادشاہ گر (زُبیری کنبوی بزرگ)	زیرِ ترتیب

کتاب کے ملنے کا پتہ

(۱) منشی صادق حسین صاحب زُبیری

مکان ۳۵ محلہ سرائے خیر نگر شہر میرٹھ (یوپی)

(۲) مولوی حسن احمد صاحب زُبیری

محلہ کٹلمنڈی آشیانہ قریب درگاہ حبیب علی شاہ حیدرآباد دکن

(۳) مولوی محمد زبیر صاحب

سول لائن بدرباغ۔ فرحت منزل۔ علیگڈھ (یوپی)